وجیہہ گل
ظلم
کی
انتہا
Novels Mania
Urdu Novels Mania Team©
www.urdunovelsmania.com

ناول : ظلم کی انتہا

از قلم : وجیہہ گل

رات کے ڈھائی بجے کا وقت تھا بارش زور و شور سے برس رہی تھی موسم سرما کی اس سرد رات میں سب اپنے گھروں میں نرم گرم بستروں میں دبکے میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے اگر شور تھا تو وہ صرف بارش کا تھا جو ایسے برس رہی تھی جیسے ابھی سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گی۔

ہسپتال کے کوریڈور میں وہ دونوں میاں بیوی بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہے تھے کافی دیر بعد ایک لیڈی ڈاکٹر ان کے پاس آئی تھی "مبارک ہو آپ کا نواسہ ہوا ہے" اس ڈاکٹر نے آنکھوں پہ چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے مسکرا کر خوشخبری سنائی یہ جانے بغیر کے سامنے موجود نفوس کے لیے یہ کوئی خوشخبری نہیں پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اس ڈاکٹر نے ان دونوں کے کانوں میں انڈیلا تھا مگر ان دونوں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی "اور ہماری بیٹی وہ کیسی ہے اب؟ کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟" اس عورت نے بے چینی سے پوچھا تھا

"ارے نہیں نہیں کوئی خطرے کی بات نہیں آپ کی بیٹی اب خطرے سے باہر ہے اللہ کا شکر ہے آپریشن کامیاب رہا لیکن ابھی وہ دواؤں کے زیر اثر آرام کر رہی ہے تو بہتر ہے آپ صبح تک انتظار

کریں صبح مل لیجئیے گا اپنی بیٹی سے" اس ڈاکٹر نے ویسے ہی مسکرتے ہوئے پیشہ ورانہ لہجے میں بتایا جس پہ سامنے کھڑی عورت نے بھی شکر کا سانس لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا

"اللہ کا شکر ہے ہماری بیٹی ٹھیک ہے "ڈاکٹر کے وہاں سے جاتے ہی اس عورت کی سر گوشی نما آواز سنائی دی "ہاں ہاں زندہ ہے تمہاری بیٹی ہماری عزت کا جنازہ نکالنے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود بھی زندہ ہے وہ" اس مرد نے غصے سے بھینچی ہوئی آواز میں کہا "صرف میری نہیں آپکی بھی بیٹی ہے وہ" عورت نے تصیح کی "ہاں پتہ نہیں میں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا زندگی میں جس کی سزا مجھے اس بیٹی کی شکل میں ملی" وہ مرد مزید غصے سے بولا تھا

جبکہ اس سے پہلے کہ عورت جواب دیتی وہاں ایک نرس کی آمد ہوئی تھی جس کے باعث وہ دونوں خاموش ہو گئے تھے " یہ ہے آپ کا بے بی ماشا اللہ بہت پیارا ہے " نرس نے مہرون رنگ کے کمبل میں لپٹے بچے کو اس آدمی کی گود میں دیتے ہوئے پیار سے کہا اور وہاں سے چلی گئی "اب بتاؤ اس بچے کا کیا کروں کسی کو پتہ چل گیا کہ میری بیٹی نے کیا گل کھلایا ہے تو میں تو کسی کو منہ دکھانے لائق بھی نہیں رہوں گا" نرس کے جاتے ہی وہ آدمی شدید غصے سے چبا چبا کر بولا "اچھا بس ٹھیک ہے اب یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے پلین کے مطابق اس بچے کو شہر سے باہر کہیں چھوڑ آئے" اس عورت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم یہاں سب سنبھالو اور میں اس گناہ کی پوٹلی کو کہیں پھینکنے جا رہا ہوں" اس آدمی نے کمبل میں لپٹے اس معصوم بچے کی طرف دیکھتے ہوئے چبا چبا کر رہا اور کمبل سے بچے کا چہرہ بھی ڈھک دیا اس کے بعد وہ وہاں رکا نہیں تیز تیز قدموں کے ساتھ بنا پیچھے دیکھے وہ وہاں سے چلا گیا۔

رات کی تاریکی ابھی بھی ہر سوں پھیلی ہوئی تھی اس خاموش اور تاریک رات میں وہ گاڑی پوری رفتار کے ساتھ سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی ڈرائیونگ سیٹ پر وہی آدمی ماتھے پہ بل لیے بیٹھا تھا جبکہ ساتھ والی سیٹ پر وہی لال گلابی بچہ کمبل میں لپٹا پر سکون نیند سو رہا تھا۔

گاڑی اب شہر کی حدود سے باہر آ کر ایک بہت ہی سنسان علاقے میں ایک دم رک گئی تھی اس سفید گاڑی کا دروازہ ایک پل کو کھل کر بند ہوا تھا گاڑی کے اندر سے وہی آدمی کمبل میں لپٹے بچے کو گود میں لیے تیزی سے باہر آیا تھا "یہ جگہ ٹھیک ہے اس بچے کو یہی چھوڑ جاتا ہوں کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا" اس آدمی نے خود کلامی کی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جگہ تلاش کرنے لگا جہاں اس بچے کو پھینک سکے کہ اتنے میں قریب واقع مسجد سے فجر کے آذان کی آواز بلند ہوئی۔

"اللہ سب سے بڑا ہے...... اللہ سب سے بڑا ہے"

"اب سب لوگ اس مسجد میں نماز کے لیے آئیں گے اگر کسی نے مجھے بچے کو یہاں چھوڑتے دیکھ لیا تو مسئلہ بن جائے گا"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"

ہر طرف پھیلے سکوت میں صرف مؤذن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ایک کام کرتا ہوں کسی کے آنے سے پہلے ہی اس کو یہاں چھوڑ کر چلا جاتا ہوں" اس آدمی نے خود سے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"
"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"

ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اس کی نظر کچھ فاصلے پہ موجود کچرے پہ پڑی۔

"آؤ نماز کی طرف"........."آؤ نماز کی طرف"
"آؤ کامیابی کی طرف"..........."آؤ کامیابی کی طرف"

مؤذن کی صدا برابر آ رہی تھی

"نماز نیند سے بہتر ہے, نماز نیند سے بہتر ہے"

اس نے قدم کچرے کی طرف بڑھا دیئے "اس سے پہلے پہلے کہ کوئی آجائے میں اس کو یہی چھوڑ جاتا ہوں "آدمی نے کچرے کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کی جہاں جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر موجود تھے اوراس میں سے نکلنے والی بدبو ناقابل برداشت تھی۔

"اللہ سب سے بڑا ہے"............"اللہ سب سے بڑا ہے"
"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"

آذان کی آواز آنا بند ہو چکی تھی ایک بار پھر ہر سوں موت کا سا سناٹا پھیل چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ آدمی بچے کے لیے کسی جگہ کا انتخاب کرتا اسے کچھ مردوں کی آوازیں سنائی دی۔

"لگتا ہے یہ اسی گاؤں کے لوگ ہیں نماز پڑھنے مسجد کی طرف آرہے ہیں" اس آدمی نے سوچا اور اور فورا کمبل میں لپٹے بچے کو کچرے کے ڈھیر پر رکھتا بھاگتا ہوا آیا اور گاڑی میں بیٹھ کر پوری رفتار سے گاڑی وہاں سے بھاگاتا چلا گیا۔

ایک اور بچہ کچرے کی نظر ہو چکا تھا کسی اور کی بدکاری کی سزا ایک معصوم ننھے فرشتے کو مل چکی تھی، ایک ایسے گناہ کی سزا جو کیا تو کسی اور نے تھا لیکن بھگتنا اب اسی ننھی جان کو تھا۔

ساجدہ خالہ! ساجدہ خالہ کہاں ہو؟ نور نے صبح سویرے گھر سر پر اٹھایا تھا بلیک چست جینز کے ساتھ پرپل ٹی شرٹ پہنے ایک کندھے سے قیمتی پرس لٹکائے لمبے بالوں کی پونی ٹیل بنائے وہ یونیورسٹی جانے کے لیے بلکل تیار کھڑی اب ساجدہ خالہ کو آوازیں دے رہی تھی جب ایک ادھیڑ عمر عورت بڑی مشکل سے تقریبا بھاگتی ہوئی آئی تھی "جی، جی بی بی جی" بھاگتے بھاگتے اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا "کہاں غائب تھی تم کب سے آوازیں دے رہی ہوں میں تمہاری وجہ سے میں یونیورسٹی کے لیے لیٹ ہو چکی ہوں آج" وہ انتہائی غصے اور بتمیزی سے بولی

"بی بی جی وہ میں باہر پودوں کو پانی دے رہی تھی تو آپ کی آواز........" وہ بیچاری ابھی بول رہی تھی جب نور نے درمیان میں بیزاری سے ٹوک دیا "اچھا اچھا بس اب شروع مت ہو جانا یہ بتاؤ مام ڈیڈ کہاں ہیں؟" نور نے موبائل پہ نظریں جمائے پوچھا "جی وہ صاحب اور بیگم صاحبہ رات پارٹی سے دیر

سے آئیں تھے اس لیے ابھی تک سو رہے ہیں" ساجدہ خالہ نے جواب دیا "ہمممم ٹھیک ہے میں یونیورسٹی جا رہی ہوں مام ڈیڈ نے پوچھا تو بتا دینا اور میرا کمرہ بہت گندہ ہو رہا ہے میرے آنے سے پہلے صاف ہونا چاہیے" حکم دیتی وہ وہاں سے چلی گئی

اور اس کے جاتے ہی ساجدہ بچاری کا سانس بحال ہوا گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا اور نور کے کمرے کی طرف چلی گئی کیونکہ ساجدہ کو پتہ تھا کہ اگر گھر آنے پر اسے کمرا صاف نا ملا تو وہ پھر سے سارا گھر سر پہ اٹھا لے گی اور اس کا سارا غصہ ساجدہ کے ساتھ ساتھ گھر میں موجود باقی نوکروں پر بھی نکلے گا۔

"ابھی ساجدہ خالہ نے نور کے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آئی تھی "السلام علیکم! ساجدہ اماں "آواز سنتے ہی ساجدہ خالہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا جہاں ایک چوبیس سالہ لڑکی سفید رنگ کا فراک زیب تن کیے گندمی رنگت والے چہرے کے گرد اسکارف لپیٹے لبوں پہ ملائم مسکراہٹ لیے کھڑی تھی "وعلیکم السلام میری بیٹی کیسی ہے؟" اسے دیکھتے ہی ساجدہ خالہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے خوشگوار لہجے میں پوچھا تھا

"میں تو بلکل ٹھیک ٹھاک خوش باش ہوں لیکن کیا بات ہے؟ آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہیں "آنکھوں میں شرارت لیے دعا نے مسکراتے ہوئے پوچھا کیونکہ اسے پتہ تھا کہ پھر صبح ہی صبح نور نے

کچھ کیا ہو گا "ارے بیٹا پتہ تو ہے تمہیں اپنی بہن کا انتہائی خودسر اور بد تمیز ہے ابھی صبح صبح ہی حکم دے دیا کہ میرے آنے سے پہلے میرا کمرہ صاف کردو اب اگر نہیں کیا یا دیر ہو گئی تو پھر پتہ تو ہے تمہیں کہ وہ طوفان کھڑا کر دے گی" ساجدہ خالہ نے نور کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے تفصیل سے بتایا"

جی ساجدہ اماں پتہ ہے اور میں اللہ سے اس کے لیے بہت دعائیں بھی کرتی ہوں کہ اللہ اس کو ہدایت دے دیں پلیز آپ بھی نور کے لیے دعا کیا کریں "اس لڑکی نے اداسی سے کہا جبکہ اس کے اداس چہرے پر نظر پڑتے ہی ساجدہ خالہ کا دل بھی اداس ہونے لگا تھا تبھی انہوں نے بات بدلتے ہوئے کہا "اچھا چھوڑو ان سب باتوں کو اور یہ بتاؤ کہ ناشتے میں کیا لو گی میں جلدی سے ناشتہ بنا کر کرلاتی ہوں پھر دونوں مل کر کریں گے میں نے بھی ابھی ناشتہ نہیں کیا" ساجدہ خالہ نے اس کے چہرے کو محبت سے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا" ارے آپ کیوں بنائیں گیں ناشتہ میں بنا کر لاتی ہوں فٹافٹ بس آپ جلدی سے یہاں سے فارغ ہو کر آجائیں نیچے" دعا نے کہا اور کچن کی طرف دوڑ لگا دی۔

شاہ میر ملک کی دو ہی بیٹیاں تھی بڑی بیٹی دعا زاہرہ جبکہ چھوٹی بیٹی کا نام نورالھدیٰ تھا دونوں بہنوں میں زمین آسمان کا فرق تھا جہاں نور ایک بہت ہی مغرور بد تمیز اور خودسر لڑکی تھی وہی دعا بلکل اسکا الٹ تھی وہ ایک نرم دل اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی نور کی اس حالت کے ذمہ دار اس کے ماں باپ ہی تھے جو ہمیشہ سے اپنی ایک الگ دنیا میں ہی مصروف رہتے تھے ایک ایسی دنیا جس میں صرف ان کا بزنس اور

پارٹیز تھی بچپن سے ہی ان دونوں کو ماں باپ کی محبت تو ملتی ہی رہی مگر ان کی توجہ کبھی نہیں ملی دعا کے ہوتے ہی اس کی ماں انیلہ بیگم نے گورنس رکھ لی خود سارا دن آفس اور وہاں سے آنے کے بعد کسی نا کسی پارٹی میں پائی جاتی.

انہی دنوں ساجدہ خالہ اس گھر میں نوکرانی کی حیثیت سے آئی تھی یا شاید ان کو اللہ نے اس گھر میں بھیجا ہی ان بچیوں کی خاطر تھا ساجدہ خالہ نے آتے ہی جب دیکھا کہ دعا کا صحیح خیال نہیں رکھا جا رہا تو انہوں نے انیلہ بیگم سے گورنس کو نکالنے کا کہا اور یہ کہ اب سے وہ خود دعا کا خیال رکھے گی اور ہوا بھی یہی ساجدہ خالہ نے دعا کی بہت اچھی پرورش کی جب نور پیدا ہوئی تو انیلہ بیگم نے اسے بھی ساجدہ خالہ کے حوالے کر دیا مگر وہ بچپن سے ہی ضدی تھی سمجھ آنے پر جب اس نے دیکھا کہ اس کے ماں باپ کے پاس ہی ان کے لیے وقت نہیں ہے تو اسے بہت غصہ آتا تھا جسے وہ کبھی چیزیں توڑ کر اتارتی تو کبھی انسانوں کو مار کر ساجدہ خالہ اسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتی مگر نور ان کی بھی کوئی بات نہ مانتی.

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

پانچویں جماعت میں جب وہ سکول میں تھی تو اس نے ایک بچے کا سر پھاڑ دیا تھا جس پہ سکول کہ پرنسپل نے نور کو سکول سے نکال دیا جب یہ بات انیلہ بیگم کو پتہ چلی تو وہ فوراً نور کے سکول پرنسپل سے بات کرنے پہنچ گئی وہاں جا کر انیلہ بیگم نے معملہ کو سنبھال لیا اور شاہ میر ملک کو پتہ نہیں چلنے دیا اس ڈر کی وجہ سے کہ کہی شاہ میر ملک انیلہ بیگم کو بزنس کے بجائے گھر بار سنبھالنے کا نا کہہ دیں اور اس کے بات یہی ہوتا تھا نور کچھ نا کچھ غلط کرتی اور انیلہ بیگم اس کی ہر حرکت پر پردہ ڈالتی اس کے

باپ کو پتہ نا چلنے دیتی جس کے باعث نور کو اپنی من مرضی کرنے کے لیے مزید آزادی مل گئی اور وہ آئے دن کبھی سکول مدرسے میں بچوں کو مارتی اور کبھی اپنے اساتذہ سے بدتمیزی کرتی۔

سچ کہتے ہیں اولاد کی پرورش میں ماں باپ کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے شاہ میر ملک اور انیلہ بیگم کی لاتعلقی نے نور کر ازحد خودسر اور بتمیز بنا دیا اور دولت کی زیادتی نے مغرور لیکن انسان چاہے کتنا ہی غرور کیوں نا کرلے، چاہے کتنے ہی گناہ کیوں نا کرلے وہ رب کائنات تو ہر چیز سے واقف ہوتا ہے وہ تو انسان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے وہ پہلے تو اپنے بندے کی رسی کو دراز کرتا ہے لیکن جب اسی رسی کو کھیچتا ہے تو انسان منہ کے بل گرتا ہے

لاء کی کلاس میں مکمل خاموشی چھائی تھی پروفیسر یاسر کا ہاتھ تیزی سے رائٹنگ بورڈ پر حرکت کر رہا تھا جہاں وہ لاء سے ہی متعلق کچھ پوئنٹس نوٹ کروا رہے تھے تمام سٹوڈنٹس بھی انھی پوئنٹس کو کاپی کرنے میں مصروف تھے سب اپنے ہاتھوں میں قلم تھامے تیزی سے لکھنے میں مصروف تھے سمجھاتے سمجھاتے سر یاسر جیسے ہی پیچھے مڑے ان کی نظر سیدھی نور پہ گئی جو موبائل ہاتھ میں تھامے اپنی دو دن پہلے ہونے والی پارٹی میں لی گئی تصویریں دیکھنے میں مصروف تھی سر یاسر کہ چہرے پر یک دم ناگواری در آئی

"سٹینڈ اپ نور................ کھڑی ہو جاؤ"

خاموشی میں سر یاسر کی غصیلی آواز گونجی جسے سنتے ہی نور موبائل کرسی کے ہتھے پر رکھتی کھڑی ہو گئی"
تمام سٹوڈنٹس دلچسپی سے کبھی سر یاسر کی طرف دیکھتے تو کبھی نور کی طرف کیونکہ ان سب کے لیے یہ منظر نیا نہیں تھا نور شروع سے ہی کلاسز میں ایسی حرکتیں کرتی جن کی وجہ سے ٹیچرز کو غصہ آجاتا
"اب بتاؤ مجھے کیا سمجھایا ہے میں نے آج کی کلاس میں"

اس کے کھڑے ہوتے ہی سر یاسر نے اسی لہجے میں پوچھا"

جب آپ کو پتہ ہے کہ میں نے لیکچر نہیں سنا تو پھر پوچھ کیوں رہے ہیں؟" نور نے کمال بے نیازی سے جواب دیا جس کی وجہ سے سر یاسر کا غصہ مزید بڑھ گیا

"جب تمہیں پڑھنا ہی نہیں ہے تو پھر کلاس میں آتی ہی کیوں ہو؟"
غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ انہوں نے پوچھا جبکہ نور اب سلگتی نظروں سے اپنی سہیلی ماہم کی طرف دیکھ رہی تھی جو زبردستی اسے آج کلاس میں لائی تھی
"اب اس کی طرف کیا دیکھ رہی ہو گیٹ آؤٹ........ نکل جاؤ میری کلاس سے"
سر یاسر نے اسی لہجے میں کہتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا جبکہ نور اسی طرح بے نیازی سے پرس کندھے پہ ڈالتی موبائل کرسی سے اٹھاتی باہر کی طرف چل دی اور کلاس سے باہر آتے ہی

دروازے کو پوری قوت کے ساتھ دھکا مار کر بند کر دیا کلاس میں چھائی مکمل خاموشی میں ٹھاہ کی آواز گونجی تھی سر یاسر نے شدید تاسف کے ساتھ دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا

"کچھ نہیں ہو سکتا اس لڑکی کا" انہوں نے سوچا اور ایک بار پھر سے لیکچر وہی سے شروع کیا جہاں سے چھوڑا تھا۔

....

"اماں اور لیں نہ ابھی آپ نے کھایا ہی کیا ہے"

دعا نے ساجدہ خالہ کو کہا جو ناشتہ کرنے کے بعد اب اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی

"گڑیا میری فکر نا کرو میں نے اچھی طرح پیٹ بھر کہ کھالیا ہے تم کھاؤ آرام سے

"ساجدہ خالہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا

اچھا اماں پلیز آج شام کو تیار رہیئے گا شاپنگ کرنے جانا ہے مجھے کچھ ضروری چیزیں چاہیے اور آپ کو پتہ ہے میں آپ کے بغیر نہیں جاؤں گی"

دعا نے مسکراتے ہوئے کہا

"ٹھیک ہے گڑیا جب تیار ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا پھر دونوں چلے جائیں گے"

اماں نے جواب دیا ہی تھا کہ اتنے میں ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی دونوں نے ڈائننگ روم کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے انیلہ بیگم داخل ہو رہی تھی بلیو کلر کی ساڑھی زیب تن کیے بھورے بالوں کو کرل کر رکھا تھا یقیناً وہ کافی عمر کی تھی لیکن بہت خوبصورت اور سمارٹ تھی موبائل کان سے لگائے وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی اور اندر آتے ہی تیز نظروں سے ساجدہ خالہ کی طرف دیکھا تھا جو ان کے دیکھتے ہی فوراً مؤدب سی ایک سائیڈ پہ کھڑی ہو گئی تھی سربراہی کرسی پر بیٹھتے ہی انہوں نے الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے موبائل کو میز پر رکھا اور پھر باادب کھڑی ساجدہ خالہ کو مخاطب کیا۔

"میرا ناشتہ فوراً تیار کر کہ لاؤ مجھے ضروری کام سے جانا ہے دیر مت کرنا"

انیلہ بیگم نے ساجدہ خالہ کو حکم دیا اور وہ "جی" کہتے وہاں سے کچن کی طرف چل دی۔

کتنی دفعہ سمجھایا ہے میں نے کہ ان دو ٹکے کے نوکروں کو زیادہ سر پہ مت چڑھاؤ اور تم یہاں ان کو اپنے ساتھ میز پہ بٹھا کر ناشتہ کروا رہی ہو کون سی زبان سمجھتی ہو تم؟"

ساجدہ خالہ کہ جاتے ہی انیلہ بیگم نے کاٹ دار لہجے میں دعا کہا جو ناپسندیدہ نگاہوں سے ان کے لباس کو دیکھ رہی تھی۔

"پلیز ماما میں بھی کئی دفعہ آپکو پہلے بتا چکی ہوں اور اب پھر بتا رہی ہوں ساجدہ اماں کے لیے ایسے الفاظ استعمال مت کیا کرے"

دعا نے التجائیہ لہجے میں کہا

"اچھا تمہاری ماں میں ہوں یا وہ ساجدہ جو تم اس کے خلاف ایک لفظ برداشت نہیں کر سکتی"

انیلہ بیگم نے ایک بار پھر غصے سے پوچھا جس پر دعا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی

"ماں اور آپ سچ پوچھیں تو آپ نے صرف ہمیں جنم دیا ہے ہمیں پیدا کر کے نوکروں کے حوالہ کر دیا جب آپ رات دیر دیر تک اپنی پارٹیز میں مصروف رہتی تب ساجدہ خالہ نے ہی ہمیں سنبھالا, ہمیں پالا پوسا, ہماری پرورش کی اور میں ان کے بارے میں کچھ غلط برداشت نہیں کر سکتی اس لیے پلیز ساجدہ اماں کے لیے ایسے الفاظ استعمال مت کیا کرے"

اب کی بار دعا ذرا تیز لہجے میں بولی تھی۔

"تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا؟"

انیلہ بیگم دعا کو جواب دیتی اس سے پہلے ہی شاہ میر ملک کی رعب دار آواز ڈائننگ روم میں گونجی۔

"السلام علیکم بابا"

ان کو دیکھتے ہی دعا نے جھٹ سے سلام کیا جس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے دعا کے سر پر ہاتھ پھیرا گرے کلر کا تھری پیس سوٹ زیب تن کیے گلے میں مہرون ٹائی باندھے وہ ایک وجیہہ نقوش اور شاندار شخصیت کا حامل انسان تھا جس کی رعب دار آواز اس کی شخصیت کو مزید پر کشش بناتی۔

"اب اتنا وقت نہیں ہے کہ تم ناشتہ کرو بیٹھ کر چلو اب باہر ہی کچھ کھا لیں گے"
شاہ میر ملک نے کہا اور گاڑی کی چابیاں کوٹ کی جیب سے برآمد کرتا باہر پورچ کی طرف چل دیا۔

انیلہ بیگم بھی پرس اٹھاتی تیزی سے ان کے پیچھے چل پڑی ابھی وہ ڈائننگ روم کے داخلی دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ ساجدہ خالہ ہاتھوں میں گرما گرم ناشتے کی ٹرے تھامے چلی آ رہی تھی اور انیلہ بیگم کو دیکھتے فوراً رک گئی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"بی بی جی یہ ناشتہ تیار ہے آپ کا" ساجدہ خالہ نے ان کو باہر جاتے دیکھ کر کہا

"جان بوجھ کر تم نے ناشتہ بنانے میں دیر کر دی میں کیا سارا دن یہاں بیٹھ کر تمہارے ناشتے کا انتظار کرتی رہوں اگر تم نے اپنی حرکتیں درست نہیں کی تو بہت جلد تمہیں نوکری سے فارغ کر دوں گی آئی سمجھ"

ساجدہ کو دیکھتے وہ غصے سے چبا چبا کر بولی تھی پیچھے کھڑی دعا سے بھی ماں کا رویہ برداشت نہیں ہوا تھا کچھ کہنے کے لیے اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ ساجدہ خالہ نے اسے آنکھوں کے اشارے سے خاموش رہنے کو بولا جس پہ وہ سختی سے لب بھینچ کر خاموش ہو گئی اس سے پہلے کہ انیلہ بیگم مزید کچھ بولتی باہر گاڑی کا ہارن بجا تھا جسے سنتے ہی وہ ایک کاٹ دار نظر ساجدہ خالہ پہ ڈالتی باہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

....

"نور تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمہیں پوری یونیورسٹی میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں"

ماہم نے کینٹین میں داخل ہوتے ہوئے نور سے کہا جو وہی کرسی پر براجمان جوس پینے میں مصروف تھی ایک نظر ماہم پر ڈال کر اس نے پھر سے سٹرا کو لبوں سے لگایا تھا

"نور کیا ہو گیا ہے یار تم مجھ سے کیوں ناراض ہو میں نے کیا کیا ہے؟

ماہم نے جھنجھلا کر پوچھا

تم نے کیا کیا ہے تم ہی مجھے لے کر گئی تھی کلاس میں اور سر کو دیکھو کتنی انسلٹ کی انہوں نے میری نا میں کلاس میں جاتی اور نا ان کو مجھے بے عزت کرنے کا موقع ملتا"

بولتے بولتے اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اچھا یار رغصہ نا کرو غلطی تمہاری بھی تو تھی"

ماہم سمجھانے والے انداز میں بولی تھی جس پہ نور نے سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا

"اچھا بابا میری غلطی تھی سوری اب کیا کھا جاؤ گی مجھے" ماہم نے ہنستے ہوئے اس سے کہا تھا جو ابھی بھی غصے سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی

جبکہ نور نے ناراضگی سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"اچھا پرامس اب تمہیں کبھی بھی کوئی کلاس اٹینڈ کرنے کو نہیں بولوں گی اب تو معاف کر دو"

ماہم نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا

"ہاہاہا چلو معاف کیا, کیا یاد کرو گی" نور نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ اتنے میں نور کے موبائل پہ بپ ہوئی تھی

نور نے ایک نظر موبائل پہ ڈال کر واپس جوس پینا شروع کر دیا تھا ابھی کچھ سیکنڈ ہی گزرے ہو نگے کہ موبائل پہ پھر سے کسی کا موصول ہوا تھا جسے نور نے ایک بار پھر اگنور کر دیا تھا اور پھر اسی طرح میسیجز کا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا تھا جسے نور نظر انداز کر رہی تھی۔

"نوریار یہ کون ہے جو پاگلوں کی طرح میسیجز کیے جا رہا ہے؟ اور تم ریپلائے بھی نہیں دے رہی"

بار بار بپ کی آواز سے تنگ آکر ماہم نے پوچھا

"یوسف ہے"

نور نے ایک نظر موبائل پر ڈال کر جواب دیا جہاں مسلسل میسیجز موصول ہو رہے تھے

"یوسف ہے تو ریپلائے کرو نا کیوں جواب نہیں دے رہی تم؟"

ماہم نے حیرت سے پوچھا

"کیو ریپلائے دوں؟ کل سے میں اسے میسیجز کر رہی ہوں لیکن اس نے مجھے ایک ریپلائے تک نہیں دیا اور آج یونیورسٹی بھی نہیں آیا اگر وہ مجھے میسیج کر کے بتا دیتا کہ وہ نہیں آئے گا تو میں بھی نا آتی"

نور غصے سے پھٹ پڑی تھی

"یار رکہیں مصروف ہو گا تبھی تمہیں ریپلائے نہیں دیا ورنہ وہ تو تمہارا اتنا خیال رکھتا ہے"

ماہم نے اسے سمجھایا۔

www.urdunovelsmania.com

"میں نورشاہ میر ملک کی بیٹی کوئی گئی گزری نہیں ہوں جو اس کے پیچھے پیچھے پھرتی رہوں" جو بھی ہو اب جب تک وہ مجھ سے معافی نہیں مانگے گا میں بھی اس سے بات نہیں کروں گی"

نور نے غرور سے کہا

اس سے پہلے ماہم کوئی جواب دیتی اس کے اپنے موبائل پہ بپ ہوئی تھی

موبائل اٹھا کہ دیکھا تو وہاں یوسف کا ہی میسج موجود تھا جس میں لکھا تھا

"ماہم پلیز اگر تم نور کے پاس موجود ہو تو اسے کہو کہ مجھ سے بات کرے"

"نور یوسف کا میسج ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے یارررر رپلائے دو اسے"

ماہم نے نور سے کہا جو جوس ختم کرنے کے بعد اب خالی گلاس ٹیبل پہ رکھ رہی تھی

"اسے کہو ابھی اور اسی وقت یونیورسٹی آ کر مجھ سے سوری کرے تبھی بات کروں گی"

نور نے ایک ادا سے کہا جیسے اسے معلوم ہو کہ یوسف ضرور آئے گا

ماہم کہ میسج کرنے کی دیر تھی کہ واقعی دوسری طرف سے رپلائے آیا

"اوکے نور سے کہو کہ "وہی یونیورسٹی میں ویٹ کرو میں آ رہا ہوا بھی"

"وہ آرہا ہے" ماہم نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی جسے سنتے ہی نور کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ رینگی۔

"ویسے ایک بات ہے نور یوسف سچ میں تم سے بہت پیار کرتا ہے تبھی تو تمہاری ہر بات مانتا ہے، تمہاری ہر خواہش پوری کرتا ہے"
ماہم نے رشک بھرے لہجے میں کہا

"ہاں پتہ ہے مجھے وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے"
نور نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تو پھر تم دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"
ماہم نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا

"شادی، ابھی میں نے شادی کے بارے میں نہیں سوچا شادی تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے ابھی تو ہم پڑھ رہے ہیں"
نور نے پرسوچ لہجے میں جواب دیا

"نہیں یہ بات غلط ہے تمہاری پڑھائی شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے لیکن ان مردوں کا کوئی بھروسہ نہیں کسی بھی وقت ان کا ذہن بدل سکتا ہے تم یوسف سے اتنا پیار کرتی ہو تو تمہیں چاہیے کہ جلد از جلد اس سے شادی کی بات کرو شادی کے بعد تمہیں یہ بھی پتہ ہو گا کہ وہ کیا کرتا ہے کس سے ملتا ہے تمہیں اتنا پریشان نہیں ہونا پڑے گا جتنا تم کل سے اس کے بارے میں سوچ سوچ کہ اپنا خون جلا چکی ہو"

بات ختم ہوتے ہی اس کی نیکسٹ کلاس کا ٹائم ہو گیا

"اچھا تم یہی بیٹھ کر اب اس کا ویٹ کرو میں کلاس میں جا رہی ہوں

نور کو گہری سوچ میں چھوڑتی ماہم وہاں سے اپنی کلاس کی جانب چلی گئی

....

وہ ایک بلند عالیشان محل نما گھر تھا جس کے باہر بلیک کلر کے بورڈ پہ سفید الفاظ میں خان ہاؤس لکھا تھا اس خوبصورت محل جیسے گھر کے تھرڈ فلور پہ واقع خوبصورت پرپل اور وائٹ کلر کے کومبینیشن والے کمرے میں اس وقت سگریٹ کا دھواں اور شراب کی گندی بدبو پھیلی تھی اگر کمرے کا اندرونی منظر

دیکھا جائے تو اندر گھپ اندھیرے میں وہ تینوں ایک ہی بیڈ پر آڑے ترچھے لیٹے تھے بیڈشیٹ اور کشنز سب زمین پر بکھرے پڑے تھے پورے کمرے کی حالت اس وقت خراب تھی بیڈ کے بلکل سامنے صوفے پر فحاش فلموں کا ڈھیر لگا ہوا تھا جن میں ایک دیوار پر لگی اس بڑی ایل-ای-ڈی پہ چل رہی تھی ان تینوں میں سے ایک لڑکا موبائل پر بات کرنے کے بعد اب اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ہاتھ سے باقی دونوں کو بھی ہلا کر اٹھایا تھا۔

قاسم ,رمیز اٹھو دونوں یاررر ابھی یونیورسٹی جانا ہے فوراََ اٹھ کر ریڈی ہو جاؤ"

اس لڑکے نے کہا اور خود ریموٹ کی مدد سے ایل-ای-ڈی کو بند کیا جس پہ کوئی فحاش فلم چل رہی تھی سب فلموں کو اٹھانے کے بعد اس نے اپنے کمرے میں موجود الماری کے کسی دراز میں رکھا تھا اور پھر ان دونوں کی طرف آیا تھا جو ابھی تک ویسے ہی کمبل سر تک تانے سو رہے بے خبری کی نیند سو رہے تھے

"یاررر اٹھ جاؤ جلدی کرو مزد دیر نا کرو مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے "

اسنے جھنجھلاتے ہوئے کہا اور سائیڈ ٹیبل پہ پڑا پانی سے بھرا جگ اٹھا کر ان دونوں پر انڈیل دیا جس کے باعث وہ دونوں ہانپتے ہوئے اٹھ بیٹھے تھے اور کینہ توز نظروں سے پانی ڈالنے والی ہستی کو گھورنے لگے۔

"سوتے ہوئے انسان کو ایسے اٹھاتے ہیں ذلیل انسان"

قاسم اس پہ چیخ اٹھا تھا

"ہاں اگر سونے والے انسان تم دونوں کی طرح ڈھیٹ ہو تو پھر ایسے ہی اٹھایا جاتا ہے ان کو"

یوسف نے بھی تپانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجا کہ جواب دیا۔

"یارراب یونیورسٹی کیوں جانا ہے؟ ہمارا پلین تھا آج سارا دن آرام کرنے کا ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو سوئے تھے ہم"

رمیز نے بھی گفتگو میں حصہ ڈالا

"نور ناراض ہوگئی ہے مجھ سے کل سے میں نے اس سے بات نہیں کی ساری رات تو ہم نے نشے کی حالت میں اور فلمیں دیکھتے ہوئے گزاری ہے اور وہ ساری رات کالز کرتی رہی ہے اب اس کی شرط ہے کہ ابھی کہ ابھی یونیورسٹی جا کر اس سے معافی مانگوں گا تب ہی بات کریں گی اس لیے اب تم دونوں بھی جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو"

یوسف نے ان دونوں کو تفصیلات سے آگاہ کیا اور خود الماری سے صاف کپڑے نکالتا باتھ روم کی طرف چل دیا۔

جب وہ شاور لے کر اور برش کر کہ باہر نکلا تو وہ دونوں بھی اسی کی الماری سے کپڑے نکالے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے یوسف کے نکلتے ہی رمیز باتھ روم میں گھس گیا۔

وہ تینوں ایسے ہی تھے ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرنا، ہر کام میں چاہے وہ صحیح ہو یا غلط ایک دوسرے کا ساتھ دینا کبھی لڑائی جھگڑے نا کرنا اور ایک دوسرے کی حرکتوں پہ پردے ڈالنا۔

"رمیز اور قاسم تیار ہونے کے بعد اب آئینے کے سامنے کھڑے بال سنوار رہے تھے جب قاسم نے یوسف سے پوچھا۔

یارررر یوسف مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی کہ تم اس لڑکی کے اتنے نخرے برداشت ہی کیوں کر رہے ہو؟ چھوڑو اسے لڑکیاں کم تو نہیں ہے ایک جائے گی تو دوسری آ جائے گی"

"بلکل درست کہا برو"

رمیز نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی

"نہیں یار رر ایسے کیسے چھوڑ دوں لڑکیاں بہت آجائے گی لیکن اتنی حسین لڑکی کا فائدہ اٹھائے بغیر اسے چھوڑ دینا یہ تو حسن کی توہین ہوئی نا اور کم از کم میں ایسی توہین ہر گز نہیں کر کر سکتا"

یوسف نے خباثت سے آنکھ مارتے ہوئے جواب دیا اور پھر پینٹ کی جیب سے تین چیو نگم نکال کر ایک اپنے منہ میں ڈالی اور دوان دونوں کی طرف اچھال دی جو اس کی کہی گئی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کیا مطلب یار رر میں کچھ سمجھا نہیں؟"

قاسم نے پوچھا

"مطلب یہ کہ پرسوں کیا تاریخ ہے؟"

یوسف نے ان دونوں طرف دیکھتے ہوئے سوال پوچھا

"14 فروری"

رمیز نے جھٹ سے جواب دیا

"ہاں 14 فروری یعنی ویلنٹائنز ڈے کو اس کے ساتھ سیلیبریٹ کرنے کے بعد ہی اسے چھوڑوں گا نہ اب اتنا بیوقوف تو نہیں ہوں کہ صرف دو دن پہلے ہی اتنی خوبصورت لڑکی کو ٹاٹا بائے کر دوں اب کچھ سمجھے؟"

کہتے ہوئے یوسف آخر میں قاسم کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔
بات کو سمجھتے ہوئے وہ دونوں بھی ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

"اچھا اب ہنسنا بند کروں اور یہ کھڑکیاں دروازے کھول دو تاکہ کمرے سے بدبو ختم ہو اور یہ بوتلیں اٹھا کر باہر پھینک دوں کسی کو پتہ نا چلے میں باقی کمرے کی صفائی میں نوکروں سے کرواتا ہوں۔

ہدایات کے مطابق ان دونوں نے کچھ ہی دیر میں کھڑکیاں دروازے کھول کر شراب کی بوتلیں اور سگریٹ چھپا دیئے اور اس کے بعد یوسف نوکروں کو کمرہ صاف کرنے کا حکم دیتا گاڑی میں بیٹھ کر ان دونوں کے ساتھ یونیورسٹی چل پڑا۔

"ماما، ماما بابا کا فون ہے ماما کہاں ہو آپ جلدی آؤ نا بابا کا فون ہے"

پورا گھر اس پانچ سالہ بچے کی آواز سے گونج رہا تھا جو موبائل ہاتھ میں تھامے اپنی ماں کو آوازیں دیتے ہوئے یہاں سے وہاں بھاگ رہا تھا بہت زیادہ بھاگنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول چکا تھا اور چھوٹی سی ناک پہ پسینے کہ ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔

"ارمان بیٹا کیا کر رہے ہو آرام سے گر جاؤ گے"

ٹی۔وی لاؤنج میں پونچھا لگاتی پروین آنٹی نے کہا

"آنٹی مما کہاں ہے؟ بابا نے فون کیا ہے اتنے دنوں بعد میں کب سے ان کو ڈھونڈ رہا ہوں لیکن وہ پتہ نہیں کہاں ہے؟"

ارمان یہاں وہاں نظریں دوڑاتا ہوا بولا۔

"بابا پتہ نہیں مما کہاں بزی ہے اب تو میں تھک گیا ہوں"

صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے وہ ہاتھ میں تھامے موبائل کو کان سے لگاتے ہوئے بولا۔

دوسری طرف سے مردانہ ہنسی کی آواز آئی تھی

"میری جان تم تو میرے شیر ہو اور شیر تھکتے نہیں ہیں"

دوسری جانب سے محبت بھرے لہجے میں کہا گیا تھا اس سے پہلے ارمان کچھ کہتا کسی نے پیچھے سے آکر اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا

"کس کا فون ہے ارمان"

کنول نے موبائل ہاتھ میں لیتے ہوئے ارمان سے پوچھا

"شکر ہے ماما آپ آگئی میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہا تھا بابا نے فون کیا ہے اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اب جلدی سے بات کریں"

ماں کو تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے وہ آخر میں جھنجھلا کر بولا تھا کیونکہ کنول ابھی تک موبائل ویسے ہی ہاتھ میں تھامے کھڑی تھی۔

اب اس نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ موبائل کان سے لگایا تھا

"ہیلو السلام علیکم!"

کنول نے سلام کرنے میں پہل کی

"وعلیکم السلام! میڈم کہاں غائب تھی آپ میرا بچارہ بیٹا آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا"

دوسری جانب سے سلام کا جواب دینے کے بعد شرارتی لہجے میں کہا گیا تھا

"میں کچن میں ہی تھی کھانا تیار کر رہی تھی اور آپ کا بچارہ بیٹا مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہیں بلکہ مجھے تنگ کر کر کے تھک گیا ہے جب سے آپ گئے ہیں ناک میں دم کر دیا ہے اس نے بلکل بات نہیں مانتا ...."

کنول کو تو موقع ہی مل گیا تھا اتنے دنوں بعد اسفند کی آواز سنتے ہی اسے ساری شکایتیں ایک ساتھ یاد آئی تھی۔

"ارے ارے بیگم بس کر دو اتنی شکایتیں شوہر نے اتنے دنوں بعد فون کیا ہے بندہ حال چال ہی پوچھ لیتا ہے "
اسفند نے اسے درمیان میں ہی ٹوکتے ہوئے کہا تھا جس کی شکایتوں کا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا

"سوری آپ کی آواز اتنے دنوں بعد سننے کے بعد سمجھ ہی نہیں آرہی کیا کہوں اور کیا نہیں "
کنول اداس لہجے میں بولی تھی

"خیر آپ کیسے ہیں ؟ اور کب تک واپس آئیں گے انگلینڈ سے "

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے پوچھا

"میں بلکل ٹھیک ہو اللہ کا شکر ہے اور اداس بلکل مت ہو کام کا بوجھ یہاں بہت زیادہ تھا اسلیے تم لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکا تھا مگر اللہ کا شکر ہے یہاں کام تقریبا ختم ہونے والا ہے اور ان شاء اللہ نیکسٹ ویک میں آ رہا ہوں واپس پاکستان "

اسفند نے تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے آخر میں اپنی واپسی کی خوشخبری سنائی تھی

"کیا سچ کہہ رہے ہیں آپ؟"

کنول نے حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا

"جی بلکل میں واپس آ رہا ہوں بہت جلد اور تمہیں کچھ چاہیے تو مجھے بتاؤ؟ میں لیتا ہوا آؤں گا"

اس کے حیرت زدہ لہجے پر دھیرے سے ہنستے ہوئے اس نے آخر میں پوچھا تھا

"نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے بس آپ آ جائیں جلدی سے یہ بہت ہے "

کنول نے خوشگوار لہجے میں کہا تھا

"ماما بابا واپس آرہے ہیں کیا؟ مجھے موبائل دیں مجھے بھی بات کرنی ہے اور ان کو یاد کروانا ہے کہ وہ میرے لیے کیا کیا گفٹس لائیں گے"

باپ کے آنے کا سنتے ہی ارمان خوشی سے اچھلتے ہوئے بولا تھا جس پہ کنول نے الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے موبائل ارمان کے حوالے کر دیا اور پھر وہ گن گن کہ ایک ایک چیز باپ کو یاد کروا رہا تھا کہ کیا کیا لے کر آنا ہے۔

کنول سامنے صوفے پہ بیٹھی اپنی اس چھوٹی سے خوشحال فیملی کو محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی لیکن اسے نہیں پتہ تھا کہ اس کی خوشیوں کو کسی کی بری نظر لگنے والی ہے کسی کا حسد کسی کی جلن اس کی خوشیوں کو خاک میں ملانے والی ہے۔

....

شہباز اقبال اور زرینہ بیگم لاہور شہر کے رہنے والے تھے شہباز اقبال گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے پروفیسر تھے جبکہ زرینہ بیگم ان کی پھوپھی زاد تھی دونوں کی پسندیدگی کی بنا پر ہی ان کے والدین نے بخوشی ان دونوں کی شادی کر دی شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کو اللہ نے دو بیٹوں ظہیر اقبال اور صمد اقبال سے نوازا اُن دونوں میاں بیوی نے بہت محبت اور توجہ سے اپنے بچوں کی پرورش کی لاہور کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں سے پڑھایا لکھایا بچپن ہی سے دونوں بھائیوں ظہیر اقبال اور صمد اقبال

میں بے تحاشہ محبت تھی ہر وقت ایک دوسرے کی مدد کو حاضر رہتے ہر کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے۔

پڑھائی مکمل ہوتے ہی دونوں بھائیوں نے مل کر ایک ساتھ ایک چھوٹی سی لیدر گڈز کی فیکٹری کا آغاز کیا جو دونوں بھائیوں کی محنت کے باعث بہت کم وقت میں کامیابی کی بلندیوں کو چھونے لگی وہ دنوں بہت کم وقت میں فیکٹری کو اس مقام تک لے گئے تھے کہ بہت جلد ان کی فیکٹری کو باہر کے ممالک تک رسائی حاصل ہو گئی تھی۔

اب جب وہ دونوں اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے تھے اور سب بہت خوش تھے تو شہباز اقبال اور زرینہ بیگم نے ان کی شادی کا فیصلہ سنایا دونوں بھائیوں کو کوئی لڑکی پسند نہیں تھی لہذا دونوں نے ماں باپ کی پسند کو ترجیح دی زرینہ بیگم نے اپنی دو بھتیجیوں مہناز بیگم اور سمعیہ بیگم کو اپنے بیٹوں کے لئے منتخب کیا مہناز بیگم کی شادی شہیر اقبال جبکہ سمعیہ بیگم کی شادی چھوٹے بیٹے صمد اقبال کے ساتھ طے پائی اور چند ماہ میں ہی خوب دھوم دھام سے دونوں بھائیوں کی شادیاں ہوئی

مہناز بیگم اور سمعیہ بیگم دونوں بہت اچھی بہوئیں ثابت ہوئی تھی ان دونوں نے آنے کے بعد پورے گھر کو بخوبی سنبھال لیا تھا زندگی میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھی اور دو سال بعد تو یہ خوشیاں مزید دوبالا ہو گئی جب شہیر اقبال کو اللہ نے اپنی نعمت یعنی اسفند سے نوازا جبکہ صمد اقبال کی ابھی فلحال کوئی اولاد نہیں تھی لیکن انہوں نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی بلکہ ان کو اللہ پر مکمل بھروسہ تھا نا ہی

زرینہ بیگم نے اولاد نا ہونے کی بات کو لے کر روایتی ساسوں کی طرح واویلا کیا اور پھر پانچ سال کے صبر اور دعاؤں کے بعد صمد اقبال کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا۔

کنول کی آمد نے ایک بار پھر پورے گھر کو خوشیوں سے آراستہ کیا اسفندیار تو ہر وقت اپنی گڑیا کو گود میں لیے پھرتا رہتا لیکن اچانک ایک خطرناک حادثے نے ان سب کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا۔

اس وقت کنول سات سال اور اسفندیار بارہ سال کا تھا جب صمد اقبال کو بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑا کنول کو گھر میں ہی سب کے پاس چھوڑ کر صمد اقبال سمعیہ بیگم کے ہمراہ پانچ دن کے لیے لاہور سے اسلام آباد روانہ ہو گئے پانچ دن کے قیام کے بعد جب وہ دونوں واپس آ رہے تھے تو ان کی گاڑی کو ایک خطرناک حادثہ پیش آیا لاہور سے واپسی پر ان کی گاڑی ایک کھائی میں گر گئی تھی اور اسی حادثے میں صمد اقبال اور سمعیہ بیگم دونوں جان کی بازی ہار گئے تھے یہ خبر سنتے ہی سب گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی صمد اقبال کی موت نے گویا شہیر اقبال کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی

پورے گھر کی فضا سوگوار تھی ایسے میں سب گھر والوں نے ایک دوسرے کو سنبھالا اس حادثے نے کنول کی مسکراہٹ چھین لی تھی سب سے گہرا صدمہ اپنے والدین کی جدائی کا اسی کو پہنچا تھا ایسے وقت میں سب نے اپنی خاص توجہ کا مرکز کنول کو بنا لیا تھا اسفند سمیت تمام گھر والوں نے کنول کا بہت خیال رکھا اسے کبھی ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

جوان بیٹے کی موت نے زرینہ بیگم اور شہباز اقبال کو بھی توڑ کر رکھ دیا تھا کچھ ہی عرصے میں وہ دونوں بلکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے دھیرے دھیرے صحت گرتی رہی اور پھر کچھ ہی عرصے بعد ایک کے بعد ایک وہ دونوں بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اب گھر میں صرف شہیر اقبال, مہناز بیگم, اسفند اور کنول ہی تھے شہباز اقبال نے بہت بہادری سے خود کو اور سب گھر والوں کو سنبھالا وقت کا کام ہے گزرنا پتہ بھی نہیں چلا اور وقت پر لگا کہ گزر گیا۔

اسفند اور کنول اب بڑے ہو گئے تھے پڑھائی مکمل ہونے کے بعد اسفندیار نے اپنے باپ کے ساتھ سارا بزنس سنبھال لیا اور کنول ابھی انگلش میں ماسٹرز کر رہی تھی کہ انہی دنوں شہیر اقبال کو دل کا دورہ پڑا ابھی ان سب پہ اور آزمائشیں بھی آنی باقی تھی۔

اسفند ہسپتال کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں اس کا باپ اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا شہیر اقبال نے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے اپنے ڈرپ لگے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے اسفند کو اپنے قریب بلایا تھا جو سرخ متورم آنکھیں ان پہ جمائے دروازے میں ہی کھڑا تھا

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اسفند شہیر اقبال کے قریب آیا تھا اور بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"ب بیٹا میری ایک ب بات مانو گے؟"

وہ اٹکتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولے تھے

"جی جی بابا میں آپ کی ہر بات مانوں گا جو آپ کہے وہی کروں گا لیکن پہلے آپ ٹھیک ہو جائیں"

وہ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا تھا

"ن نہیں بیٹا میرے پاس اب وقت بہت کم ہے تمہیں میری بات ماننی ہوگی"

وہ بڑی مشکل سے بات کر پا پارہے تھے

"میں آپ کی ہر بات مانوں گا آپ جو بولے گے جیسا بولیں گے میں ویسا ہی کروں گا"

اسفندان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا تھا

"اسفند میرے بیٹے ک کنول سے شادی کر ل لو وہ میرے محبوب بھائی کی آخری نشانی ہے میرے پاس مجھے اسے کسی اور کے حوالے کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے م مجھے پتہ ہے تم دونوں بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو میں ا اپنی آنکھوں کے سامنے تم دونوں کا نکاح ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں ت تاکہ میں اپنی گڑیا کی طرف سے مطمئن ہو کر اس دنیا سے جاؤں"

"ب بتاؤ کرو گے کنول سے شادی؟"

بمشکل بولتے ہوئے بھائی کی یاد میں ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہوتے چلے گئے

"جی بابا میں کروں گا اس سے شادی آپ جب چاہیں گے تب کروں گا"
اسفندان کے ہاتھ کی پشت چومتے ہوئے بولا تھا

"اب ابھی تم ابھی اس سے نکاح کرو"
وہ کانپتے ہوئے لہجے میں بولے

اور پھر ایک گھنٹے میں ہی نکاح خواں اور گواہوں کا انتظام کرنے کے بعد شہیر اقبال کی نظروں کے سامنے سادگی سے ان کا نکاح ہوا۔
نکاح کے بعد شہیر اقبال نے دونوں کو بہت دعائیں دی اور پھر اسفند سے کہا

"بیٹا میں کنول کو اللہ کے بعد تمہارے ذمے کر کے جا رہا ہوں اس کا بہت خیال رکھنا اگر تم کبھی اسے تکلیف پہنچاؤ گے تو یہ سمجھنا کہ تم اپنے باپ کو تکلیف پہنچا رہے ہو وعدہ کرو مجھ سے کہ تم کنول کا خیال رکھو گے اسے کبھی دکھ نہیں دو گے"
"وعدہ کرو تم مجھ سے"
شہیر اقبال نے اسفند سے وعدہ لیتے ہوئے کہا

"جی بابا میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے ہمیشہ اس کا خیال رکھوں گا کبھی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اسے" اسفند ایک ہاتھ سے شہیر اقبال اور دوسرے ہاتھ میں کنول کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا

مزید ایک ہفتے تک وہ ہسپتال میں داخل رہے اور پھر ایک دن اچانک ان کی طبعیت بگڑ گئی اور وہ اس دارِفانی سے کوچ کر گئے پیچھے اسفند کنول اور مہناز بیگم اکیلے رہ گئے لیکن اسفند نے باپ سے کیا وعدہ پورا کرتے ہوئے ان کا بہت خیال رکھا اس کے باوجود مہناز بیگم اپنے محبوب شوہر کی جدائی کا غم زیادہ عرصے تک نہیں سہہ سکی اور ایک رات وہ بھی اسفند اور کنول کو اکیلے چھوڑتی خاموشی سے خالق حقیقی سے جا ملی۔

ایک کے بعد ایک موت نے کنول کو توڑ کر رکھ دیا تھا وہ دونوں بہت اداس رہنے لگے تھے مگر

ایک سال بات پھر سے خوشیوں نے ان کے در پہ دستک دی تھی اور اللہ نے اسفند اور کنول کو ایک چاند سے بیٹے سے نوازا جس کا نام دونوں نے بہت محبت اور خوشی سے ارمان رکھا تھا ارمان کی آمد سے ان کی زندگی میں ایک بار پھر خوشیاں آئی تھی وہ تینوں اپنی زندگی میں بے تحاشہ خوش تھے ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے۔
لیکن یہ خوشیاں وقتی ہے یا مستقل یہ تو اب وقت کے ساتھ ہی پتہ چلتا۔

....

یونیورسٹی آتے ہی یوسف نے کینٹین کا رخ کیا جہاں نور میز کے پاس رکھی تین کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھی موبائل میں گیم کھیل رہی تھی یوسف کے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہی نور نے موبائل سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"یوسف کیا ہوا ہے تمہیں طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری یہ تمہارے چہرے اور تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟"

اس کے حد سے زیادہ سوجے چہرے اور آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے نور نے پریشانی سے پوچھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اپنے ہاتھ کی پشت سے اس کے ماتھے کو چھوتے ہوئے اندازہ لگایا کہ کہی اسے بخار تو نہیں۔

"کہاں ٹھیک ہے میری طبیعت دو دن مجھے بہت تیز بخار رہا ہے یہ تو اب ذرا طبیعت بہتر ہوئی میری تو سوچا تم سے بات کر لوں لیکن تم نے تو میرا فون نا اٹھانے کی قسم کھا رکھی تھی اور اوپر سے تم نے حکم جاری کر دیا کہ یہاں آکر تم سے ابھی کہ ابھی معافی مانگوں تو بس میں آگیا"

وہ خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے جھوٹ بولتا گیا اور اس کی توقع کے عین مطابق نور نے فوراً اس کی باتوں کا یقین بھی کر لیا۔

"ایم سوسوری یوسف مجھے معاف کر دو مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہاری طبعیت خراب ہے ورنہ میں تمہیں بلکل تنگ نہیں کرتی"

نور شرمندگی سے بولی تھی

"کوئی بات نہیں تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں غلطی میری بھی تھی مجھے تمہیں ایک میسج ہی کر دینا چاہیے تھا کہ میری طبیعت خراب ہے تمہیں دو دن اتنا پریشان نا ہونا پڑتا"
اپنا پلین کامیاب ہوتا دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے محض دکھاوے کے لیے بولا تھا

"اچھا چھوڑو تمہاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے میرا بھی کوئی کلاس اٹینڈ کرنے کا دل نہیں کر رہا دونوں چلتے ہیں تم بھی گھر چل کر ریسٹ کر لینا"

نور نے اس کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا

"اچھا نور سنو میری بات"

یوسف اچانک کچھ سوچتے ہوئے بولا

"ہاں بولو کیا بات ہے"

نور نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

"وہ میں کہہ رہا تھا کہ اب میری طبعیت پہلے سے بہتر ہے شام کو تیار رہنا میں تمہارے گھر آؤں گا تمہیں لینے دونوں شاپنگ کرنے چلیں گے اور باہر ڈنر بھی کریں گے"

"کیسا؟"

اپنے پروگرام سے اس کو مطلع کرنے کے بعد اس نے نور سے پوچھا

"ہاں ٹھیک ہے میں شام میں تمہارا انتظار کروں گی مجھے بھی تم سے کچھ بات کرنی تھی لیکن اب جب ہم ڈنر پہ جارہے ہیں تو پھر میں بات بھی وہی کرلوں گی تم سے"

نور بخوشی اس کی آفر کو قبول کرتے ہوئے کہا

"اچھا چلو میں ویسے بھی گھر جا رہا ہوں تمہیں بھی تمہارے گھر ڈراپ کرتا ہوا جاؤں گا"

یوسف نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور دونوں پارکنگ ایریا کی جانب چل پڑے۔

دعا نے لاؤنج میں موجود دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خوبصورت گلابی رنگ کا سکارف اپنے چہرے کے گرد لپیٹا اور قدم باہر لان کی جانب بڑھا دیئے جہاں موجود ساجدہ اماں کب سے اسے آوازیں دیں رہی تھیں۔

"اماں آپ نے زحمت کیوں کی ہم باہر جا ہی رہے ہیں تو وہی کچھ کھا لیتے"

اس نے لان میں موجود میز پر رکھی چائے اور دیگر لوازمات پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ساجدہ خالہ سے کہا جو اس کے آتے ہی اب چائے کپوں میں انڈیل رہی تھی۔

"نہیں میری گڑیا زحمت کیسی اپنی بیٹی کیلئے نہیں تو اور کس کے لیے بناؤں گی"

ساجدہ اماں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ اتنے میں نور بھی وہاں آ دھمکی

بلیک شرٹ کے ساتھ گرے جینز پہنے سلکی کندھوں تک آتے بال جن کو صبح ٹیل پونی میں جکڑ رکھا تھا اس وقت کھلے کندھوں پر لہرا رہے تھے دعا جسے اس قسم کے لباس سے نفرت تھی اس نے افسوس و ناپسندیدگی سے نور کے کے لباس کو دیکھا۔

"نور بیٹا آؤ نا تم بھی چائے لو"

ساجدہ خالہ نے نور کو دیکھتے ہی چائے کے صاف کپوں میں سے ایک اٹھاتے ہوئے کہا

"جب آپ کو پتا ہے کہ میں چائے نہیں پیتی تو پھر پوچھ کیوں رہی ہے؟"

کھڑے کھڑے سلگتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے ساجدہ خالہ سے کہا

نور کی اس بتمیزی پر ساجدہ خالہ بلکل خاموش ہو گئی تھی جبکہ دعا سے اسکا لہجہ برداشت نہیں ہوا تو اس نے بھی نور کے ہی لہجے میں اس سے کہا

"اگر نہیں پینی تو مت پیو لیکن تمیز سے بات کرو اور اگر وہ بھی نہیں کر سکتی تو پھر یہاں آؤ ہی مت جاؤ اندر جا کر بیٹھ جاؤ"

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"میں بھی یہاں بیٹھنے نہیں آئی اپنے ایک دوست کا ویٹ کر رہی ہوں وہ آنے والا ہے مجھے لینے ہم شاپنگ کے لیے جانے والے ہیں ابھی آئی سمجھ"

نور نے جواب میں ان دونوں کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا

"دوست کس دوست کی بات کر رہی ہو نور کونسا دوست ہے اور میں اور ساجدہ اماں بھی ابھی جانے ہی والے ہیں شاپنگ کے لیے تم بھی ہمارے ساتھ چلو"

دعا نے تجسس سے پوچھتے ہوئے آخر میں اس سے اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔

"مجھے تم دونوں کے ساتھ چلنے میں کوئی دلچسپی نہیں اور جس دوست کا تم پوچھ رہی ہو وہ آگیا"

نور نے مسکرا کر کہتے ہوئے مین گیٹ کی طرف اشارہ کیا جہاں سے داخل ہونے والی شخصیت پر نظر پڑتے ہی دعا کا رواں رواں سلگ اٹھا اسکا حلق تک کڑوا ہو گیا

"ہائے کیسے ہیں آپ سب؟"

مسکرا کر پوچھتے ہوئے یوسف نے گہری نظروں سے دعا کو دیکھا جبکہ دعا مسکرا بھی نا سکی

"بیٹا اللہ کا کرم ہے ہم بلکل ٹھیک ہیں آپ سناؤ!"

دعا کے سخت تاثرات کو دیکھتے ہوئے ساجدہ خالہ نے جواب دیا

"جی میں بھی بلکل فٹ ہوں"

ساجدہ خالہ کو جواب دیتے ہوئے بھی اسکی نظریں دعا پر ہی جمی رہی جو بلاوجہ ہی اپنا سکارف بار بار درست کرتی۔

"دعا کیا چل رہا ہے آجکل آپکی کیا مصروفیات ہیں؟"

کھڑے کھڑے ہی گاڑی کی چابی کو انگلی پر گھماتے ہوئے اس نے دعا کو ہنوز گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا

"کچھ خاص نہیں"

مختصر جواب دے کر دعا خاموش ہوئی گئی تھی اسے یوسف کی گندی نظریں اپنے جسم کے آرپار ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"یوسف چلیں پھر دیر ہو جائے گی"

دعا کے لہجے کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے نور غصے سے دعا کو دیکھتے ہوئے یوسف سے کہا تھا

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو پھر واپسی پر دیر ہو جائے گی چلو چلتے ہیں اوکے ڈیئر پھر ملاقات ہوگی بائے"

دعا کی جانب دیکھ کر کہتے ہوئے ان دونوں نے قدم باہر گاڑی کی جانب بڑھا دیئے۔

"استغفراللہ اس انسان کی نظروں سے اللہ بچائے بھئی توبہ توبہ"
اسکے جاتے ہی ساجدہ خالہ نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے دعا سے کہا

"اماں زہر لگتا ہے مجھے یہ انسان اسکی نظروں سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ کس قسم کا انسان ہے یہ لیکن یہ بات میں نور کو کیسے سمجھاؤں کہ اس سے دور رہے یہ اچھا انسان نہیں ہے وہ میری کوئی بات نہیں سمجھتی میں اسکی بڑی بہن ہوں اسکا بھلا چاہتی ہوں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتی ماما بابا کو اپنے بزنس اور پارٹیز سے ہی فرصت نہیں ملتی آخر کب تک سب ایسے ہی چلتا رہے گا مجھے ڈر ہے کہی یہ انسان نور کو کوئی نقصان نا پہنچا دے"

آنکھوں میں نمی لیے کہتے ہوئے دعا نے بے بسی سے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر ساجدہ خالہ کو اپنے دل میں پنپتے خدشے سے آگاہ کیا۔

"دعا کیا تم اس سے پہلے بھی مل چکی ہو"

ساجدہ خالہ نے پر دعا سے پوچھا

"جی دو، تین دفعہ پہلے بھی یہ یہاں آچکا ہے دو دفعہ صبح کے وقت آیا تھا نور کو یونیورسٹی لے جانے کے لیے اور ایک دفعہ اسی طرح شام میں آیا تھا اُس وقت بھی یہ دونوں کہی باہر گئے تھے"

دعا نے چہرے پہ پھسلتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے بتایا

"اچھا میری گڑیا تم کیوں رو رہی ہو؟ اس میں رونے کی کیا بات ہے تمہیں پتا ہے نا نور غصے والی ہے اور ضدی بھی تم اس سے کسی وقت آرام سے اور پیار سے سمجھانا مجھے یقین ہے وہ سمجھ جائے گی اب اداس مت ہو بلکل بھی"

ساجدہ خالہ نے محبت سے اسکے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اپنی ہتھیلیوں سے اسکی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا

"اماں میں سوچتی ہوں اگر آپ نا ہوتی تو میرا کیا ہوتا میں بھی ایسے ہوتی نور کی طرح میں بھی اپنا اچھا برا کچھ نا سمجھ پاتی"

دعا نے ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا

"نہیں بیٹا میں اگر نا ہوتی تو اللہ تو ہے نا وہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا وہ کبھی اپنے بندوں کو اکیلے نہیں چھوڑتا وہ تو شہہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے اس لیے دوبارہ کبھی ایسی باتیں مت سوچنا"

ساجدہ خالہ نے اپنے اسی نرم لہجے میں اسے سمجھایا

"دیکھو تم نے مجھے بھی باتوں میں لگا لیا اور خود بھی شروع ہو گئی اب چلو اٹھو کیا شاپنگ کے لیے نہیں جانا جلدی سے منہ دھو کر اور برقع پہن کر آؤ"

ساجدہ خالہ نے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا

"اووو وہاں میں تو بھول ہی گئی تھی بس پانچ منٹ صبر کریں میں ابھی آئی"

یاد آنے پر دعا نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور اندر کی طرف دوڑ لگا دی

پانچ منٹ کا کہہ کر پورے پندرہ منٹ بعد وہ برقع پہنے نقاب کیے اب جانے کے لیے بلکل تیار کھڑی تھی

"اب چلیں"

دعا نے باہر لون میں کھڑی ساجدہ خالہ سے کہا اور دونوں گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئ۔

....

فائیو سٹار ہوٹل کے پرسکون ماحول میں کھانے کے دوران محض چمچ اور کانٹوں کی آوازیں ہی وقتاً فوقتاً ابھر رہی تھی جب نور نے اچانک بات کا آغاز کرتے ہوئے یوسف سے کہا

"یوسف ہم شادی کب کرنے والے ہیں؟"

نیپکن سے لب تھپتھپاتے ہوئے نور نے لاپرواہی سے اس سے پوچھا

"ش شادی کیا مطلب شادی؟

اس کے اچانک سوال پر یوسف نے گڑبڑا کر پوچھا

"مطلب صاف ہے کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے یا تم میرے ساتھ صرف ٹائم پاس کر رہے ہو"

یوسف کے بے تکے سوال پر نور نے اپنے ازلی غصے سے نیپکن میز پر اچھالتے ہوئے کہا

"میں تمہارے ساتھ ٹائم پاس کروں گا تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہوں؟"
یوسف نے خفگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے کچھ دیر پہلے والے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے اس سے کہا

"جب تم اسطرح کی باتیں کرو گے تو مجھے یہی لگے گا کہ میں تمہارے لیے محض وقت گزاری کا سامان ہوں"

نور نے ماتھے پہ بل لیے اس سے کہا یوسف کے بوکھلائے ہوئے لہجے سے اسے اس پر کچھ شک ہوا تھا جیسے وہ شادی کے نام سے بھاگ رہا ہو

"تمہارے زہن میں اچانک یہ شادی کا خیال کہاں سے آگیا میرا مطلب ہے کہ ابھی تو تمہاری بڑی بہن کی بھی شادی نہیں ہوئی اور شادی کے لیے تو ساری زندگی پڑی ہوئی ہے ابھی تو ہماری پڑھائی بھی مکمل نہیں ہوئی"

یوسف نے نے اس سے کہا

"پڑھائی تو شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور جہاں تک میری بہن کی شادی کا سوال ہے تو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ کب شادی کرتی ہے کرتی بھی ہے کہ نہیں وغیرہ میں یہاں تم سے اپنی اور تمہاری شادی کی بات کرنے کے لیے بیٹھی ہوں تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہے یا نہیں "ہاں" یا "نا" میں جواب دو اب میں کوئی ایک فیصلہ کرنا چاہتی ہوں"

ماتھے پہ بل لیے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اب وہ منتظر نگاہوں سے یوسف کی جانب دیکھ رہی تھی جواب شدید اضطرابی کیفیت میں نور کے سامنے بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا جسے اب اپنا سارا منصوبہ ناکام ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

"نہیں اب یہاں تک پہنچنے کے بعد میں ناکام نہیں ہو سکتا اور صرف دو دن کی ہی تو بات ہے اس بیوقوف کو جھوٹی تسلی دینے میں کیا حرج ہے"

گہری نظروں سے نور کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ سیکنڈز میں اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑانے لگا

"ٹھیک ہے ہم شادی کرینگے وہ بھی بہت جلد میرے لیے تمہاری خوشی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے" نور کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا جبکہ یوسف کی بات سنتے ہی نور کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا

"سچ پھر کب کرنے والے ہیں ہم شادی؟"
نور نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

"میں بس ایک دو دن میں مام ڈیڈ سے بات کرتا ہوں جیسے ہی وہ مانتے ہیں میں انہیں تمہارے پیرنٹس سے بات کرنے کے لیے لے آؤں گا"

یوسف نے کھانے کا بل پے کرتے ہوئے کہا

"ہاں ٹھیک ہے۔بس تم جلد از جلد اپنے پیرنٹس سے بات کرو جہاں تک میرے پیرنٹس کی بات ہے ، تو وہ وہی کریں گے جو میں چاہتی ہوں"

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

نور نے غرور سے گردن اکڑا کر کہا

"اچھا شاپنگ بھی ہوگئی ہے کھانا بھی کھا لیا ہے اب چلو تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دیتا ہوں اور یاد رہے کل ویلنٹائن ڈے ہے میں نے تمہارے لیے ایک بہت ہی خوبصورت سرپرائز تیار کر رکھا ہے کل شام پورے چھ بجے میں تمہیں لینے آؤں گا تمہارے گھر مجھے بلکل تیار ملنا"

پارکنگ ایریا کی طرف چلتے ہوئے یوسف ساتھ ہی ساتھ اسے اگلے دن کے لیے ہدایات بھی دے رہا تھا۔

"سمجھ آگئی ہے نا میری بات؟"
یوسف نے نور کے لیے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے کہا

"ہاں ہاں سمجھ گئی ہوں، میں تو خود کل کے گفٹ کے لیے بہت ایکسائٹڈ ہوں"
نور نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا

"ہاں بلکل ایکسائٹڈ ہونا بھی چاہیے کیونکہ کل میں تمہیں ایسا گفٹ دینے والا ہوں جو تمہیں ساری زندگی یاد رہے گا"

یوسف نے گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ہونٹوں پہ معنی خیز مسکراہٹ لیے نور سے کہا اور گاڑی نور کے گھر کو جانے والی راہ پر گامزن کردی

....

"ماما،ماما بابا آ گئے ہیں" ارمان نے کنول کو آگاہ کیا اور خود بھاگ کر اسفند کے پاس پہنچ گیا جس نے گاڑی سے نکلتے ہی اسے گود میں لیتے ہوئے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا اور کبھی اسکے گلابی گالوں کو چومتا تو کبھی اسکے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو۔

"میرا شیر، میرا بیٹا کیسا ہے؟"

اسفند نے ہنوز اسے خود سے لپٹائے پوچھا

"میں بلکل ٹھیک ہوں بابا"

ارمان نے بھی لاڈ سے اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا

"شاباش میری جان

ماما کو تنگ تو نہیں کیا تھا؟"

اسفند نے اندر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے مصنوعی غصے سے پوچھا

"نہیں بابا آپ کو تو پتہ ہے میں کب ماما کو تنگ کرتا ہوں"
ارمان نے دنیا جہاں کی معصومیت چہرے پر سجاتے ہوئے جواب دیا جس پر اسفند نے زوردار قہقہہ لگایا

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اسفند کی نظریں اس تک گئی جو دروازے کے پاس ہی کھڑی ان کے قریب آنے کا انتظار کر رہی تھی ریڈ کلر کی کرتی کے ساتھ بلیک کیپری اور بلیک ہی دوپٹہ زیب تن کیے بلاشبہ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

السلام علیکم!"
اسفند کے قریب آتے ہی کنول نے پرجوش لہجے میں سلام کیا

"وعلیکم السلام"
"کیسی ہو؟"
سلام کا جواب دیتے ہوئے اسفند نے محبت سے کنول کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔

مگر اگلے لمحے اسے خود سے الگ کرتے ہی وہ اسکی آنکھوں میں آنسوں دیکھتے دنگ رہ گیا تھا

"کنول کیا ہوا تمہیں؟ طبعیت تو ٹھیک ہے نا تمہاری میرے جانے کے بعد کچھ ہوا تو نہیں رو کیوں رہی ہو؟ بتاؤ مجھے"

اسفند نے ارمان کو گود سے اتارتے ہوئے دھیرے سے اسکا بھیگا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے ہوئے سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔

جبکہ ارمان بھی اب پریشانی سے اپنی ماں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ

"ماما ابھی کچھ دیر پہلے تک تو بہت خوش تھی لیکن اچانک ان کو ہو کیا گیا جو رو رہی ہے"

"کنول اب پلیز مجھے کچھ بتاؤ گی بھی یا ایسے ہی روتی رہو گی؟"
اسفند نے دھیرے سے اسکی پلکوں پر اٹکے آنسو سمیٹتے ہوئے کہا

"نہیں اسفند ایسا کچھ نہیں ہوا میری طبعیت بھی بلکل ٹھیک ہے وہ اتنے دن آپ نہیں تھے تو مجھے آپ کی بہت یاد آرہی تھی ایک ایک کرکے سبھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اب تو اللہ کے بعد صرف آپ ہی میرا آخری سہارا ہے اور آپ ہی گھر نہیں تھے تو میں بہت اداس ہوگئی تھی"

نم لہجے میں بولتے بولتے وہ ایک بار پھر زور و شور سے رونا شروع کر چکی تھی.

"اچھا اچھا بس چپ ہو جاؤ بس اب اس کے بعد اتنی دور کبھی نہیں جاؤں گا"

ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اسفند نے دھیرے دھیرے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"اچھا آپ تھک گئے ہونگے جلدی سے جا کر فریش ہو جائے میں بس پندرہ منٹ میں کھانا لگاتی ہوں"

کچھ دیر اسی پوزیشن میں کھڑے رہنے کے بعد کنول دھیرے سے اس سے الگ ہوتی آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

" بیگم صاحبہ میں انگلینڈ سے پیدل چل کر نہیں آیا جو تھک گیا ہونگا میں بہت آرام سے ہوائی جہاز کے ذریعے پہنچا ہوں اور یقین کرو بلکل بھی نہیں تھکا۔

اسفند نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تھا جس پر وہ دونوں بھی بے ساختہ ہنس پڑے تھے

دوسری بات یہ کہ تم دونوں تو ویسے بھی تیار ہو اور میں بس دس منٹ میں فرش ہو کر آتا ہوں پھر باہر ڈنر کے لیے چلتے ہیں"

"لیکن اسفند میں کھانا تیار کر چکی ہوں"
کنول نے کہا

"ہاں تو کوئی بات نہیں جو کھانا بنایا ہے وہ پیک کر کے پروین آنٹی (کام والی) کو دے دو اپنے گھر لے جائیں گی,
وہ اور ان کے بچے کھالیں گے"

اسفند نے فوراً حل نکالتے ہوئے کہا
"ٹھیک ہے آپ ریڈی ہو جائیں تب تک میں کھانا پیک کر کے آنٹی کو دے دیتی ہوں"

کہتے ہی کنول فوراً کچن میں گھس گئی جبکہ اسفند فریش ہونے کے لیے اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اور کچھ دیر بعد وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر باہر ڈنر کے لیے روانہ ہو گئے۔

شام کے تقریباً ساڑھے پانچ بجے کا وقت تھا عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد دعا لاؤنج میں آئی تھی اور اپنے ہاتھ میں پکڑے دو چھوٹے چھوٹے سپیکرز کو سامنے شیشے کی میز پر رکھتے ہوئے فل والیوم میں

سورۃ الرحمن لگاتے ہوئے وہ خود سکون سے صوفے پر پیر چڑھا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی تھی پورے گھر کے پرسکون ماحول میں سورۃ الرحمن کی تلاوت دل و دماغ کو ایک الگ ہی سکون بخش رہی تھی ابھی اسے تلاوت سنتے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے جب غصے سے تلملاتی نور وہاں پہنچی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟ آواز آہستہ کریں"

وہ پوری قوت کے ساتھ دعا پہ چیخی تھی سپیکر سے نکلتی آواز بھی اس کی آواز کے سامنے مدھم لگ رہی تھی دعا جو سید صداقت علی کی آواز میں ہونے والی خوبصورت تلاوت میں کھوئی ہوئی تھی اسکے اسطرح سے چیخنے پر ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"ک کیا ہوا؟"

اس نے پریشانی سے پوچھا

"میں کہہ رہی ہوں آواز آہستہ کریں"

نور نے کانوں میں انگلیاں ٹھونستے ہوئے ایک بار پھر چیخ کر کہا

دعا نے اسکے چیخنے پر تیزی سے لپک کر تلاوت بند کر دی

اور پھر حیرت سے اسکے سراپے کو دیکھا تھا جس نے ڈیپ ریڈ کلر کی سلیولیس میکسی کے ساتھ گولڈن کلر کی ہیل پہن رکھی تھی سلکی لمبے بالوں کو آج کرل کر کہ دائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا خوبصورت تو وہ پہلے سے تھی مگر آج اس مہنگے لباس اور میک اپ نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

"ایک تو اگر آپ کو یہ سب سننا بھی ہے تو پلیز والیوم کم کر کے یا ہینڈ فریز لگا کر سنا کریں"
اس کا اشارہ تلاوت کی طرف تھا

"تم اتنی تیار کیوں ہوئی ہو؟, کسی فنکشن پہ جانے والی ہو کیا؟"
دعا نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے حیرت سی اسکی تیاری کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بتاتی ہوں پہلے آپ بتائیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟"
اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی میکسی کو تھامتے ہوئے کسی چابی سے چلنے والی گڑیا کی طرح گول گول گھومتے ہوئے دعا سے پوچھا۔

"ہمم اچھی لگ رہی ہوں مگر کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں تھا پہننے کے لیے جو تم نے یہ آدھا ادھورا لباس پہن لیا"
دعا نے ناپسندیدگی سے اس کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

نور کی مسکراہٹ یک دم سمٹی تھی

"یہ لو میں نے پوچھا بھی تو کس سے جو خود ہر وقت تھان لپیٹے رکھتی ہے جنہیں خود ڈریسنگ سینس نہیں ہے کہ کب اور کہاں کیا پہنا جاتا ہے"

نور نے سلگتی نظروں سے دعا کی جانب دیکھتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں کہا

"خیر آپ کو پتہ نہیں ہو گا تو آپ کی ناقص معلومات میں اضافہ کرتی چلوں کہ آج ویلنٹائن ڈے ہے اب ویلنٹائن ڈے کا تو پتہ ہی ہو گا نا تمام محبت کرنے والے جوڑے ایک دوسرے کو وش کرتے ہیں اور تحائف دیتے ہیں تبھی آج میں اور یوسف ڈنر کیلئے باہر جا رہے ہیں اور اس نے میرے لیے سرپرائز بھی پلین کر رکھا ہے اور یہ سب کچھ بھی کل اس نے مجھے لے کر دیا تھا"

نور نے فخر سے بتاتے ہوئے اپنے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

نہیں اس دن کا تعارف میں تمہیں کرواتی ہوں۔

نور کی باتیں سن کر دعا غصے سے دانت کچکچا کر بولی تھی۔

مغربی تہذیب نے بہت سے بے ہودہ رسوم و رواج کو جنم دیا جن میں سے ایک اس *ویلنٹائینز ڈے* کے نام سے مشہور ہے اس فتنہ کی لپیٹ میں پوری دنیا بطور خاص مسلم معاشرہ ہے۔

اس دن تمام حدوں کو پامال کیا جاتا ہے۔ بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہر ہوتا ہے۔ اور ناجائز طور پر اظہار محبت کے لیئے اس دن کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ چند سال قبل یہ لعنت اس درجہ ہمارے معاشرہ میں عام نہیں تھی لیکن اب رفتہ رفتہ نوجوان طبقہ اس کا غیر معمولی اہتمام کرنے لگا ہے، آج اس رسمِ بد نے بے حیائی کا طوفان برپا کردیا۔ رشتۂ نکاح کے تقدس کو پامال کردیا لیکن نور غور سے سنو

اللہ کا فرمان ہے.. 👇

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

ترجمہ: اور تم بے حیائی کی چیزوں کے قریب بھی نہ جاؤ، ان سے جو ظاہر ہوں اور پوشیدہ ہوں

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (سورۃ النور: 19

یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش (وبے حیائی) پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے جو معاشرہ قائم فرمایا اس کی بنیاد حیا پر رکھی جس میں زنا کرنا ہی نہیں بلکہ اس کے اسباب پھیلانا بھی ایک جرم ہے

فرمان نبوی ﷺ ہے :۔
اِذالم تستحی فاصنع ماشئت ۔۔۔۔۔ جب تم نے حیا نہ کی تو جو تمہارا جی چاہے کرو

مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس دن نہ جانے کتنی حوّا کی نادان بیٹیاں اپنی پاکدامنی محبت کے نام پر ہوس کی بھینٹ چڑھاتی ہیں....اورانہیں احساس ہی نہیں ہونے دیا جاتا کہ یہ کسقدر سنگین گناہ ہے جسکے ارتکاب کرنے کی نہیں بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے....باقی کبائر سے تو قران میں براہ راست منع کیا گیا ہے کہ غیبت نہ کرو، تجسس نہ کرو بہتان نہ باندھو، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو.... لیکن زنا کے بارے میں یہ فرمایا کہ اسکے قریب بھی نہ جاؤ... یعنی کے ان اسباب و ذرائع سے بھی دور رہو جن کی وجہ سے تم سے یہ گناہ صادر ہو جائے...!!

اور کفار کی مشابہت اختیار کرنے والوں کیلیے حدیث شریف میں بہت سخت وعید سنائی گئ ہے فرمایا: کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کریگا وہ انہی میں سے شمار ہوگا...!

"بس ہو گئ آپ کی تقریر ختم یا ابھی کچھ اور بھی کہنا باقی ہے؟"
دعا کے چپ ہوتے ہی نور نے بیزاری سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

میں نے ہمیشہ تمہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن تم نے کبھی میری بات نا مانی اب میں مزید تم پہ اپنے الفاظ ضائع نہیں کرنا چاہتی کیونکہ تمہارے دل و دماغ پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس وقت تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو چکی ہے آج آخری دفعہ کہہ رہی ہوں مت جاؤ رک جاؤ اس کام سے جس کام کہ کرنے سے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔
دعا نے آخری دفعہ بہت امید کے ساتھ اس سے کہا تھا کہ اتنے میں ہارن کی آواز سنائی دی تھی۔

"تقریر اچھی کی آپ نے اگر آپ کسی تقریری مقابلے میں حصہ لیتی تو میں پورے یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ آپ کو فرسٹ پرائز ملتا لیکن کیا ہے نا مجھ پہ ان سب باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا یقیناً یوسف مجھے لینے آگیا ہے بائے! بائے!۔
ہارن کی آواز پہچانتے ہی وہ موبائل اٹھاتی اور پرس اٹھاتی اونچی ہیل میں ٹک ٹک کرتی وہاں سے چلی گئی تھی جبکہ دعا پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

....

اُس فائیو سٹار ہوٹل میں اس وقت ایسے بے شمار لڑکے لڑکیاں موجود تھے جو محبت کے نام پر محض اپنی حوس پوری کرنے آئے تھے پر سکون ماحول میں ہلکے ہلکے میوزک کی آواز سنائی دے رہی تھی کچھ لوگ کھانے کے دوران ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کر رہے تھے کچھ عمر بھر ساتھ نبھانے تو کچھ

بہت جلد شادی کرنے کے عہد و پیماں کررہے تھے جن میں ہوٹل کے بلکل کونے پہ موجود میز کے قریب رکھی آمنے سامنے کرسیوں پر وہ دونوں بھی بیٹھے کچھ ایسے ہی عہد و پیماں کررہے تھے.

"یوسف تم نے اپنے پیرنٹس سے بات کی پھر وہ کب آرہے ہیں میرے گھر؟"

کانٹے کی مدد سے کباب کا ٹکڑا اپنے منہ میں رکھتے ہوئے نور نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا

"ہوں, ہاں کیوں نہیں کی ہے نا میں نے بات مام تو مان بھی گئی ہے لیکن ڈیڈا اپنے کسی ضروری کام کے سلسلے میں لندن گئے ہیں تو جیسے ہی وہ آتے ہیں میں ان سے بھی کرتا ہوں بات اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان کے مانتے ہی بہت دھوم دھام سے ہماری شادی ہوگی"

مسکراتے ہوئے اس نے نور سے وعدہ کیا

جبکہ اس کی بات سنتے ہی نور کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کے پھول کھل گئے تھے

....

"ارمان یہ کھاؤ اسے ختم کرو میں دیکھ رہی ہوں آجکل تم بلکل کھانے پر دھیان نہیں دیتے"

کنول نے ارمان کو ڈپٹتے ہوئے کہا

وہ تینوں بھی اسی فائیوسٹار ہوٹل میں موجود کھانے سے لطف اندوز ہورہے تھے

www.urdunovelsmania.com

"مما بس کر دے موٹا ہو جاؤں گا میں کھا کھا کے اتنا کھلانے کے باوجود بھی آپ کہہ رہی ہے کہ میں کھانے پر دھیان نہیں دیتا"

ارمان نے سامنے پلیٹ میں موجود چاولوں سے چمچ بھر کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا

جبکہ اس کی بات پر کنول نے اسے گھوری سے نوازا

"اسفند آج یہاں پہ کچھ زیادہ ہی لوگ آئیں ہیں کوئی تہوار وغیرہ ہے کیا"

کنول نے ہوٹل میں موجود لوگوں پر ایک نظر دوڑاتے ہوئے نا سمجھی کے ساتھ اسفند سے پوچھا

"نہیں یارر کوئی تہوار نہیں ہے آج چودہ فروری ہے ویلنٹائن ڈے ہے بس اس لیے آج ہوٹلز بھرے ہوئے ہیں لوگوں سے"

اسفند نے کہتے ہوئے آخر میں افسوس سے نفی میں سر ہلایا

"ہممممم اچھا"

کنول نے اسکی بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا

"چلیں اب؟"

کھانا کھاتے ہی اسفند نے ٹشو سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ان دونوں سے پوچھا

"جی چلیں"
کنول نے کہا

"یہ لو تم دونوں جا کر گاڑی میں بیٹھو میں بل پے کر کہ آتا ہوں"
اسفند گاڑی کی چابیاں کنول کے ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولا

"چلو ہاتھ دو اپنا ہم چلتے ہیں بابا آجائیں گے بل پے کر کے"
کنول نے ارمان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور وہ دونوں پارکنگ کی جانب چل دیے

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

....

"کچھ اور چاہیئے سر"
ویٹر نے ان دونوں کی میز کے قریب آتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا

"جی بلکل میرے لیے ایپل جوس, اور نور تم کونسا پیو گی؟"

یوسف نے ویٹر کے چہرے سے نظریں ہٹا کر نور کی جانب دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"نہیں بس میں نے کھانا کھا لیا پیٹ بھر کے اب اور کچھ نہیں لوں گی"

نور نے لاپرواہی سے موبائل پر نظریں جمائے کہا

"ارے ایسے کیسے میرا جوس پینے کا موڈ ہے اب مجھے کمپنی دینے کے لیے ہی سہی لیکن پینا تو پڑے گا اس لیے جلدی سے بتاؤ کونسا جوس لوں گی"

یوسف نے حتمی لہجے میں کہا

"اچھا ٹھیک ہے اورنج جوس لے آؤ میرے لیے"

نور نے ویٹر سے کہا اور وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

یوسف نے محتاط نظروں سے نور کو دیکھتے ہوئے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔

"رمیز ویٹر آرہا ہے کام ہو جانے کے بعد مجھے میسج کر دینا"

یوسف نے نور کو موبائل میں مصروف پاتے ہی اپنے دوست رمیز کو میسج کیا تھا

"بے فکر رہو"

فوراً ہی دوسری جانب سے جواب موصول ہوا

ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے جب یوسف کے موبائل پر بپ ہوئی سکرین پر رمیز کا نام اور نمبر جگمگا رہا تھا یوسف نے تیزی سے موبائل میز سے اٹھاتے ہوئے رمیز کا پیغام پڑھا

"ویٹر جوس لے کر آرہا ہے کام ہوگیا میں نے کچھ پیسے دے کر اسی ویٹر کو منا لیا ہے اس کام کے لیے"

رمیز کے پیغام کو پڑھتے ہی یوسف کے لبوں پر خباثت بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی

دور کھڑے ویٹر نے یوسف کو کچھ اشارہ کیا تھا جس پر اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا

"ہاں" میں جواب ملتے ہی وہ ہاتھ میں جوس کا گلاس لیے تیزی سے چلتے ہوئے قریب آیا تھا اور نور کے قریب آتے ہی وہ جان بوجھ کر لڑکھڑایا تھا جس کے باعث گلاس میں موجود جوس سارا کا سارا نور کے کپڑوں پر گرا تھا۔

"اندھے ہو کیا دیکھ کر نہیں چل سکتے"

وہ غصے سے چیختی اٹھ کھڑی ہوئی

"میرے کپڑے سارے خراب کر دیئیے تم نے اندھے انسان"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ویٹر کا گلا دبا دے

"سوری میم غلطی سے ہوگیا پلیز معاف کر دیں"

وہ ویٹر نظریں جھکائے بولا

"یہاں آئیں میم میں آپ کو واشروم دکھا دیتا ہوں وہاں آپ آسانی سے اسے صاف کر سکتی ہیں پلیز میم آئیں میرے ساتھ"

وہی ویٹر التجائیہ انداز میں بولا

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے نور تم جاؤ اس کے ساتھ میں تب تک بل پے کر دیتا ہوں"

یوسف نے کہا جبکہ نور سر اثبات میں ہلاتی اس ویٹر کے پیچھے چل دی

....

"بل پے کرنے کے بعد اسفند نے پارکنگ ایریا کی جانب قدم بڑھا دیئیے جہاں پر کنول اور ارمان اس کا ویٹ کر رہے تھے ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا جب اس کا موبائل بجا تھا جیب سے موبائل بر آمد کرتے ہی اسنے اسے کان کے ساتھ لگایا تھا دوسری جانب سے ارمان کی آواز سپیکر میں گونجی تھی۔

"بابا کہاں ہیں آپ؟ اتنی دیر لگا دی جلدی آئیں نا مجھے نیند آرہی ہے"

اُس کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی

"جی میری جان بس میں آرہا ہوں"

موبائل کان سے لگائے وہ لمبے لمبے ڈھگ بھرتا وہاں سے جا رہا تھا جب سامنے سے آتی نور سے ٹکرایا تھا

وہ جو اپنے لباس کو افسوس سے دیکھتی ارد گرد سے بے نیاز ویٹر کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی اسفند سے ٹکراتی گرتے گرتے بچی تھی

"سوری پلیز سوری"

ایک نظر نور پر ڈال کر اسے سوری کرتا وہ تیزی سے قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ نور پیچھے غصے سے بل کھا کہ رہ گئی۔

....

"تم مجھے روم میں کیوں لے آئے ؟"

نور نے حیرت سے کمرے میں چاروں جانب نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا

"وہ میم دراصل واشروم میں پانی نہیں آرہا کچھ مسئلہ ہوگیا ہے اس لیے میں آپ کو اس روم میں لے آیا آپ بلکل ریلیکس ہو کر آرام سے یہاں واشروم میں اپنا ڈریس صاف کرلے"

اس ویٹر نے جواباً کہا

"ہممم ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو"

نور نے نخوت سے کہا

اپنے کپڑے صاف کرنے کے بعد جب وہ واشروم سے نکلی تو کمرے میں یوسف کو موجود پایا

"ہو گئے صاف"

اسنے اپنے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے یوسف سے کہا

"اب چلیے"

"نہیں ابھی نہیں چلنا ادھر آؤ یہاں میرے پاس بیٹھو تم مجھے آج تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں"
یوسف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک لاتے ہوئے کہا تھا جس پر نور بھی اس کے ساتھ کھینچی چلی آئی تھی

"بیٹھو یہاں"
یوسف نے خود بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا

"نور تم چاہتی ہو نا کہ ہم شادی کر لیں میں بھی یہی چاہتا ہوں کیونکہ تم سے اب مزید دور رہنا میری برداشت سے باہر ہے"
نور کی طرف گردن موڑتے ہوئے یوسف نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے کہا تھا

"یہی تو میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد اپنے پیرنٹس کو بھیجو مگر تم ہو کہ ٹال مٹول کر رہے ہو"
اس نے یوسف کی شرٹ کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے ناراضگی سے کہا تھا وہ دونوں اس وقت ایک دوسرے کے بے حد قریب بیٹھے ہوئے تھا اتنے قریب کہ ایک دوسرے کی سانسوں کی آواز بھی سن سکتے تھے جب اچانک ہی یوسف نے نور کو کمر سے تھام کر دھیرے سے بیڈ پر لیٹایا تھا

"یوسف یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

نور نے اس سے کہا تھا جو اس کے پیر ہیل سے آزاد کرنے کے بعد

اب اس پر جھک رہا تھا

"کچھ نہیں میری جان ریلیکس ہو جاؤ"

اس نے مخمور لہجے میں کہا تھا

"کچھ غلط نہیں کر رہے ہم بس چند دنوں کی بات ہے پھر ہم ویسے بھی شادی کرنے والے ہیں اور ہسبنڈ وائف بن جائیں گے"

اس نے نور کے ماتھے پر لب رکھتے ہوئے کہا تھا جس نے یوسف کی بات سنتے اور اپنے ماتھے پر اس کا لمس محسوس کرتے ہوئے آنکھیں موندلی تھی اور اس حرام کام کو سر انجام دینے میں اس کی ساتھی بن گئی تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

اس وقت حرام کام میں ان دونوں کو بے حد لذت محسوس ہو رہی تھی وہ دونوں بھول چکے تھے کہ اگر اس بند کمرے میں کوئی نہیں دیکھ رہا مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے نا وہ پروردگار دیکھ رہا ہے جس کی نافرمانی کرنے والا کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا ایسے ہی وہ دونوں بھی بہت جلد ذلیل ہونے والے تھے۔

اوراسی طرح اس بے حیائی کے دن کو مناتے مناتے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انکار کرتے کرتے نجانے کتنی لڑکیاں اپنی عصمتوں کو پامال کرنے والی تھی۔

6

دعا نے شدید اضطرابی کیفیت میں ایک نظر اٹھا کر گھڑی کی جانب دیکھا تھا جو کہ بارہ بجنے کا پیغام دے رہی تھی مزید ضبط کرنا مشکل ہوا تھا جو وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ نور نے گھر آنے میں اتنی دیر کردی تھی ورنہ ہر مرتبہ وہ زیادہ سے زیادہ ساڑھے دس یا گیارہ بجے تک گھر پہنچ ہی جاتی نور کے بارے میں سوچ سوچ کر دعا کا دل پتے کی مانند لرز رہا تھا اسے یہ بھی پتہ تھا کہ اگر یہ بات شاہ میر ملک تک پہنچ گئی تو قیامت آجائے گی مگر اس کے باوجود وہ دل میں ایک فیصلہ کرتی شاہ میر ملک اور انیلہ بیگم کے کمرے کی جانب چل پڑی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی وہ کمرے کے باہر رک گئی تھی اور لرزتے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی تیسری دفعہ دستک دینے پر اندر سے انیلہ بیگم کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی تھی۔

"ایک منٹ آرہی ہوں دروازے توڑو گے کیا؟"

"مما پلیز جلدی کھولیں دروازہ"

دروازے کی دوسری جانب موجود دعا ڈر و خوف سے لرزتے ہوئے لہجے میں بولی

www.urdunovelsmania.com

دعا کی آواز سنتے ہی شاہ میر ملک بھی ایک جھٹکے کے ساتھ بیڈ سے اٹھتے دروازے کی جانب بڑھے تھے۔

"کیا ہوا دعا بیٹا؟ آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے نا؟"

شاہ میر ملک نے انیلہ بیگم کے پہنچنے سے پہلی ہی برق رفتاری سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے دعا سے پوچھا

"بابا نور، نور ابھی تک گھر نہیں آئی بہت دیر ہو چکی اور وہ ابھی تک گھر سے باہر ہے مجھے ڈر لگ رہا ہے وہ کہاں ہو گی؟"

سسکیوں کے درمیان اس نے آدھی ادھوری بات سے باپ کو آگاہ کیا

"کیا مطلب ابھی تک نہیں آئی بیٹا مجھے پوری بات بتاؤ کہاں گئی ہے نور اور کس ٹائم گئی ہے؟"

شاہ میر ملک نے پریشانی سے اسے دونوں کندھوں سے تھامتے ہوئے پوچھا جس کے بعد دعا نے انہیں سارے معاملے سے آگاہ کیا دعا کی بات سنتے ہی انہوں نے جن کاٹ دار نظروں سے انیلہ بیگم کی جانب دیکھا تھا وہ دہل کر رہ گئی تھیں۔

"دعا بیٹا تم نے فون کیا اسے کیا کہا اس نے؟"

شاہ میر ملک نے پوچھا

"جی بابا میں نے کئی دفعہ اسے فون کیا لیکن اس کا نمبر بند جا رہا ہے"

دعا نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا

"ہممم چلو ایک بار پھر فون کر کے دیکھتے ہیں"

انہوں نے کہا اور موبائل اٹھاتے ہوئے سیڑھیاں اترتے وہ تینوں نیچے لاؤنج میں آ گئے۔

شاہ میر ملک فون پہ فون کر کے تھک گئے تھے جب دعا نے کہا

"بابا اس کی دوست ماہم کو فون کر کے اس سے نور کے بارے میں پوچھتے ہیں ہو سکتا ہے اسے کچھ پتہ ہو"

"بلکل نہیں بیٹا ہم رات کے اس وقت اگر کسی کو فون کر کہ پوچھیں گے تو لوگ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں سب تو یہی نتیجہ نکالیں گے نا کہ پتہ نہیں شاہ میر ملک کی بیٹی کس کے ساتھ چلی گئی ہے جو رات کے بارہ بجے دوسروں کو فون کر کے اپنی ہی بیٹی کے بارے میں پوچھ رہا ہے"

انہوں نے دعا کے مشورے پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا

جس کہ بعد دعا بھی خاموشی سے دل میں دعاؤں کا ورد کرنے لگی۔

....

اضطرابی کیفیت میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں مسلتے ہوئے اس نے پھر گھڑی کی جانب دیکھا جواب صبح کے ساڑھے چار بجنے کا پیغام دے رہی تھی وہاں سے نظر ہٹا کر اس نے اپنے باپ کو دیکھا جو شدید غصے کے عالم میں لاؤنج کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک چکر کاٹ رہا تھا تیسری نظر اس نے اپنی ماں پر ڈالی تھی جو لٹھے کی مانند سفید چہرہ لیے صوفے میں دبکی بیٹھی خوف سے سے اپنے شوہر کی جانب دیکھ رہی تھی جن کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی پھیلی ہوئی تھی۔

"ساری غلطی تمہاری ہے جب وہ اس لڑکے یوسف کے ساتھ جا رہی تھی تو تم مجھے یا اپنے بابا کو فون کر کے اطلاع نہیں دے سکتی تھی"

شوہر کے غصے کے ڈر سے انیلہ بیگم سارا ملبہ دعا پر ڈالتے ہوئے بولی جو حق دق ماں کو ہی دیکھی جا رہی تھی اتنے میں شاہ میر ملک کی آواز گونجی۔

"اپنی غلطیوں اور لاپرواہیوں کا ذمہ دار اسے مت ٹھہراؤ اپنی بیٹی کا خیال رکھنا وہ کہاں جاتی ہے کہاں نہیں کس سے ملتی ہے کس سے نہیں ان سب باتوں کا دھیان رکھنا تمہاری ذمہ داری تھی اس کی نہیں

لیکن تم, تمہیں تو اپنے فضول کے سوشل ورک اور پارٹیوں سے ہی فرصت نہیں ملتی میں نے تمہیں کافی سال پہلے ہی یہ باور کرا دیا تھا کہ میں تم پر کسی بھی معاملے میں کوئی بھی پابندی نہیں لگاؤ گا لیکن میرے بچوں کی جانب سے بھی میں کوئی لاپرواہی برداشت نہیں کروں گا لیکن ابھی کچھ دن سے ہی مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم نے ان کا کتنا خیال رکھا ہے کیسی پرورش کی ہے خاص طور پر نور کی اب میری ایک بات کان کھول کر سن لو اگر نور نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو اسکی ذمہ دار تم ہوگی میں پہلی فرصت میں تمہیں طلاق دے کر اس گھر سے باہر نکال دوں گا۔

غصے سے گرجتے ہوئے وہ آخر میں انگلی اٹھاتے ہوئے انیلہ بیگم کو وارن کرنے والے انداز میں بولے تھے جن کا چہرہ زردی کی مانند پیلا پڑ چکا تھا

"اگر یہی بات ہے تو پھر کیا اولاد کی پرورش میں ایک باپ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی آپ کو تو یہ تک نہیں پتا کہ آپ کے بچوں کی پرورش آپ کی بیوی نے نہیں کی بلکہ نوکروں نے کی ہے آپ صبح ناشتے کے بعد جب گھر سے نکلتے تو رات اس وقت آپ کی گھر واپسی ہوتی جب ساجدہ اماں مجھے اور دعا کو سلا چکی ہوتی سکول میں پیرنٹس ٹیچر میٹنگ میں جہاں سب بچوں کے ماں باپ آتے وہی ہمارے گھر سے ساجدہ اماں آتی ساری زندگی آپ نے اپنے بزنس کیلیئے وقف کر دی کبھی اپنے بچوں کو وقت نہیں دیا میں تو چلیں تحمل مزاج تھی وقت کے ساتھ ساتھ میں نے سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا ساجدہ اماں مجھے ماں کا پیار دیتی رہی اور میں نے ان ہی کو اپنی ماں مان بھی لیا پھر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ آپ دونوں کہاں ہیں اور کیا کر رہیں ہیں لیکن نور وہ میری طرح نہیں تھی وہ بچپن سے ہی بہت غصے والی اور ضدی

تھی اس پر رہی سہی کسر آپ دونوں کی عدم توجہ اور لاپرواہی نے پوری کر دی ساجدہ خالہ بھی اسے بہت سمجھاتی مگر وہ نہیں سمجھتی اسے آپ دونوں کے پیار کی ضرورت تھی اب اگر اس موڑ پر آکر وہ کچھ غلط کرتی ہے تو اس کی ذمہ دار وہ یا مما اکیلی نہیں بلکہ آپ تینوں ہی اس کی ہر غلطی کے برابر کے ذمہ دار ہونگے"۔

سالوں سے اپنے اندر جمع کیے غبار کو نکالنے کا موقع دعا کو آج ملا تھا شاہ میر ملک کے سامنے کھڑے ہو کر بولتے بولتے اس کی سسکیاں بندھ گئی بولتے بولتے اس کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر کے ساتھ گر رہے تھے مگر آخر میں بولنا محال ہوا تھا جو وہ بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑتی اوپر اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔

اس کے چپ ہونے کی دیر تھی کہ لاؤنج میں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا شاہ میر ملک صوفے پر گرنے کے انداز میں سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھ گئے تھے جبکہ انیلہ بیگم ترچھی نظروں سے ان کے چہرے کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

....

تاریکی کی چادر چھٹ چکی تھی اور سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا طلوع ہو چکا تھا ہوٹل کے سیکنڈ فلور پہ موجود اس کمرے کی کھڑکیوں پر موجود جالی دار پردوں کے سوراخوں میں سے دھوپ کی کرنیں اندر داخل ہوتی اسکے چہرے پر پڑ رہی تھی جو رات دیر سے سونے کے باعث اب میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی۔

آہستہ آہستہ بند پلکوں کو کھولتے وہ اٹھ بیٹھی تھی کچھ دیر خالی دماغ لیے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی مگر اچانک دماغ پہ زور دینے پر گزشتہ رات کے سارے مناظر کسی فلم کی طرح اسکے ذہن کے پردے پر چلنے لگے

ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے سر اٹھاتے اپنے دائیں بائیں دیکھا تھا یہ ہوٹل کا وہی کمرہ تھا جہاں وہ ویٹر اسے رات کو لیکر آیا تھا باقی کمرہ خالی تھا وہاں کوئی بھی موجود نا تھا بیڈ کے بائیں جانب رکھی اپنی ہیل اٹھا کر پہنی جو کل رات یوسف اسکے پیروں سے اتار چکا تھا رات کے مناظر بار بار اسکی آنکھوں کے سامنے چل رہے تھے اس نے موبائل کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں تھی جو کہ بیڈ پر ہی ایک جانب بند پڑا ہوا تھا لپک کر موبائل اور پرس اٹھا کر اپنا حلیہ ٹھیک کرتی وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی اور دروازہ کھولتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

باہر آتے ہی اس کی نظر میز پر کپڑا مارتے اس ویٹر پر پڑی تھی جو ذو معنی نظروں سے اسے سر سے پیر تک دیکھ رہا تھا اسے ایک گھوری سے نوازتی نور ہوٹل سے باہر آ گئی تھی۔

باہر آتے ہی وہ ٹیکسی والے کو ایڈریس بتاتی اس ٹیکسی میں سوار ہو گئی تھی اور اپنے موبائل کو کھولا تھا جو یوسف رات کو بند کر چکا تھا موبائل کھولتے ہی دعا اور شاہ میر ملک کے نمبر سے آئی کالز اور میسیجز دیکھ کر اسکا دل کانپ اٹھا تھا کیونکہ یہ بات بھی سچ تھی کہ وہ ماں کو تو کچھ بھی بول لیتی تھی اور وہ نور کی کسی بھی بری حرکت کی خبر شاہ میر ملک تک نہیں پہنچنے دیتی لیکن اس کے باوجود اپنے باپ سے وہ بہت ڈرتی تھی اب بھی ان کے غصے کا سوچ کر ہی وہ خوفزدہ ہو رہی تھی گھر پہنچنے تک وہ سارے راستے یوسف کو فون کرتی رہی مگر اسکا نمبر بند جا رہا تھا۔

"بیٹا جی آپ کا گھر آ گیا"

بوڑھے ٹیکسی ڈرائیور نے کہا

جس پر وہ اپنے الجھے بالوں کو ہاتھوں کی مدد سے سلجھانے کی ایک ناکام سی کوشش کرتی ڈرئیور کے ہاتھ میں پیسے تھاماتی ٹیکسی سے باہر آ گئی اور گھر کے کھلے گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی نور کی نظر ان تینوں پر گئی جنھوں نے پوری رات اسکے انتظار میں لاؤنج ہی میں گزار دی تھی

"کہاں سے آرہی ہوں؟ ساری رات گھر سے باہر گزار کر"

اس پر نظر پڑتے ہی شاہ میر ملک صوفے سے اٹھتا ایک ہی جست میں اس تک پہنچتا غصے سے دھاڑا تھا

"ڈیڈ وہ میں ماہم کے گھر تھی کل اسکا برتھ ڈے تھا ہم وہی سلیبیریٹ کر رہے تھے اور پارٹی اتنی لیٹ نائٹ ختم ہوئی ہمیں ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا میں ویسے ہی اس کے روم میں ریسٹ کرنے کے لیے لیٹ گئی مگر تھکن اتنی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور اس نے میرے آرام کی غرض سے مجھے جگایا بھی نہیں ابھی میری آنکھ کھلی تو میں فوراً ان کے گھر سے روانہ ہو گئی"

وہ کمال اعتماد سے جھوٹ بولتی گئی

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تو تم تو اس یوسف کے ساتھ ویلنٹائن ڈے سیلبریٹ کرنے گئی تھی"

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

دعا غصے کی شدت سے چبا چبا کر بولی تھی

"ہاں میں گئی تھی اس کے ساتھ لیکن زیادہ وقت کے لیے نہیں ساڑھے آٹھ بجے ہی میں ماہم کی طرف چلی گئی تھی یقین نہیں آتا تو اسے فون کر کے پوچھ لیں"

بات کے آخر میں وہ اپنا موبائل دعا کے آگے کرتے ہوئے بولی

"اچھا بس ہوگئی بات ختم اپنی دوست کے گھر ہی گئی تھی صرف بتایا نہیں تو کون سی قیامت آگئی چلو اب ساری رات ہم نے یہاں بیٹھ کر گزار دی اب میں تو سونے جا رہی ہوں"

انیلہ بیگم دعا کو مزید باز پرس سے روکتے ہوئے بولی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھنے ہی لگی تھی جب شاہ میر ملک کی رعب دار آواز گونجی

"ٹھرو یہی اور میری بات غور سے سن کر ذہن نشین کر لو کہ آج کے بات یہ میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکالے گی اور یہ یوسف کون ہے اگر تو تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو اور شادی کرنا چاہتے ہو تو اسے مجھ سے ملواؤ جلد از جلد اور اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو آئندہ میں تمہارے منہ سے اسکا نام بھی نا سنوں اور

آخر میں وہ انیلہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بولے

"آج کے بات تمہارا پارٹیز میں جانا اور آفس آنا بند آفس میں ، میں ہوں اور میں سب کچھ سنبھال سکتا ہوں یہ میں پہلی اور آخری دفعہ بتا رہا ہوں میرے منع کرنے کے باوجود اگر کسی نے ان میں سے کوئی ایک کام بھی کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"

وہ غصے سے گرجے تھے اور اپنی بات ختم کرتے ہی سیڑھیاں چڑھتے وہاں سے چلے گئے ان کے جانے کے بعد انیلہ بیگم بھی کینہ توز نظروں سے نور کو گھورتی کمرے کی جانب چل دی اب لاؤنج میں صرف نور اور دعا ہی تھیں جب دعا نے کہا

"تم ان سے جھوٹ بول سکتی ہو لیکن مجھ سے نہیں سچ سچ بتاؤ تم کہاں......."

"اب پلیز آپ شروع مت ہو جائیے گا میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہے مزید میرا دماغ خراب مت کریں"

دعا کی بات درمیان میں ہی کاٹتی وہ سارا غصہ اس پر اتارتی اسے گہری سوچ میں چھوڑتی وہاں سے چلی گئی۔

پندرہ دن سے وہ یوسف کو فون پہ فون کر کے تھک گئی تھی ابھی بھی یونیورسٹی کینٹین میں بیٹھی غصے سے سرخ چہرہ لیے وہ بار بار اس کا نمبر ملا رہی تھی جو کہ اس رات کے بعد بند جا رہا تھا۔

"کسے کال کر رہی ہو بار بار؟"

سامنے رکھی دوسری کرسی پر بیٹھی ماہم نے پوچھا

"یوسف کو"

موبائل کان سے لگائے نور نے دو لفظی جواب دیا

"تم اتنا سب کچھ کیسے کر سکتی ہو نور جو بھی ہم چاہے جتنے بھی لبرل اور بولڈ ہو مگر شادی سے پہلے یہ سب کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔"

ماہم نے غصے سے اسے جھڑکا تھا جو کچھ دیر پہلے ہی اسے سب کچھ بتا چکی تھی کہ 14 فروری کو ہوٹل کے بند کمرے میں وہ اپنی عزت خود اپنے ہاتھوں پامال کروا چکی ہے

"ایک پہلے ہی وہ میرا فون نہیں اٹھا رہا دماغ خراب کر کہ رکھ دیا ہے اوپر سے تم مزید میرے سر میں درد کر رہی یہ گناہ ثواب کی باتیں کر کے"

وہ اس سے بھی تیز لہجے میں بولی تھی۔

"اگر اس کا نمبر ابھی بھی بند جا رہا ہے تو تم اس کے گھر چلی جاؤ وہاں جا کر اس سے بات کرو اس سے کہو کہ جلدی سے اپنے پیرنٹس کو لے کر آئے اور تم نے بھی اتنا سب کچھ کر لیا دماغ خراب ہو گیا تھا کیا تمہارا"

ماہم نے اسے جھڑکا تھا

"ہمممم اگر آج اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تو کل میں یہی کروں گی اس کے گھر چلی جاؤں گی"

نور نے پر سوچ لہجے میں جواب دیا

"اچھا اب زیادہ پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا چلو گھر چلتے ہیں تم کچھ کھا بھی لینا اور آرام بھی کر لینا مجھے تمہاری طبعیت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی"

ماہم نے کہا جس پہ نور بھی سر اثبات میں ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی

....

چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے وہ باہر آئی تھی اور سامنے نظر پڑتے ہی اس کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی جہاں اسفند ارمان کو پیٹھ پر بٹھائے پش اپس لگانے میں مصروف تھا اور ارمان بار بار "بابا آپ ٹھیک سے نہیں لگا رہے اور نیچے تھوڑا اور نیچے "کہتا اسے ہدایات دے رہا تھا آج اسفند آفس سے جلدی آ گیا تھا اور موسم بھی اچھا تھا اسلیے کنول کو چائے لانے کا حکم دیتے خود ان دونوں نے باہر گارڈن کا رخ کر لیا۔

"آ جائیں آپ دونوں چائے تیار ہے"

کنول نے وہی موجود چھوٹے سے میز پر ٹرے رکھتے ہوئے ان دونوں کو آواز دی جو کنول کی آواز سنتے ہی بھاگتے ہوئے وہاں آپہنچے تھے۔

"ارمان ماما کی جان چائے پیو گے؟"

کنول نے خالی کپوں میں چائے انڈیلتے ہوئے اس سے بھی پوچھا

"نہیں ماما مجھے بسکٹ کھانے ہیں"

ماں کو جواب دیتا وہ ہاتھوں میں بسکٹ اٹھاتا بھاگ کر وہاں سے چلا گیا

"تم دن بہ دن خوبصورت ہوتی جارہی ہو یا صرف مجھے ایسا لگ رہا ہے"

ارمان کے وہاں سے جاتے ہی اسفند نے کنول کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا اس کے گھمبیر لہجے اور آنکھوں کی تپش نے کنول کے چہرے کو دہکا دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ اسفند مزید کچھ بولتا وہاں ارمان کی آمد ہوئی تھی

"بابا آپ نے چائے ختم کرلی اب چلیں ہم دونوں کرکٹ کھیلتے ہیں"

ایک ہاتھ میں بیٹ بال پکڑے دوسرے ہاتھ سے باپ کی شرٹ پکڑ کر کھینچتے ہوئے وہ ضدی لہجے میں بولا

"ارمان بیٹا میں آپ کی ماما سے بہت ضروری بات کر رہا ہوں ابھی آپ جاؤ ہم بعد میں کھیلیں گے" اسفند نے سنجیدگی سے جواب جس پر ارمان نے سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو "سچ میں یہاں کوئی ضروری بات چل رہی تھی" اس کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہی کنول نے کہا

"نہیں نہیں ارمان بیٹا یہاں کوئی ضروری بات نہیں ہو رہی آپ کے بابا اس وقت بلکل فارغ بیٹھے ہیں چلو ان کو اپنے ساتھ کھیلنے کے لئے لے کر جاؤ اپنے بابا کے ساتھ نہیں تو اور کس کے ساتھ کھیلو گے"

کنول نے پیار سے اسکا کا گال چٹکی میں بھرتے ہوئے کہا جواب خوشی سے اچھلتا باپ کا ہاتھ پکڑے انہیں اپنے ساتھ وہاں سے لیکر جا رہا تھا جبکہ اسکے ساتھ چلتے ہوئے اسفند گردن موڑ کر خفگی سے کنول کو دیکھ رہا تھا جو منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھی۔

....

دعا کچھ دنوں سے بہت خوش تھی پہلے وہ گھر میں سارا دن اکیلے پھرتی تھی اب جب سے شاہ میر ملک نے نور اور انیلہ بیگم کے بلاوجہ باہر جانے پر پابندی لگائی تھی تب سے وہ دونوں بھی گھر پر ہی موجود رہتی وہ الگ بات تھی کہ کوئی بھی ایک دوسرے سے زیادہ تر بات نہیں کرتا تھا لیکن دعا کیلیئے سب کا

گھر پر موجود رہنا ہی بڑی بات تھی کچھ دنوں سے مسلسل وہ کھانے میں خود اپنے ہاتھوں سے کچھ نا کچھ بنا کر سب کو کھلاتی اور رات کا کھانا بھی اب شاہ میر ملک کے حکم پہ وہ سب ایک ساتھ کھاتے۔

ابھی بھی دعا نے کھانے کی میز پر خوشی خوشی ساجدہ خالہ کے ساتھ مل کر کھانا چن دیا تھا اور پھر وہ سب کو کھانے کے لیے بلانے چلی گئی ٹھیک دس منٹ بعد سب ہی کھانے کی میز پر موجود تھے۔

"بریانی بہت اچھی بنی ہے"

شاہ میر ملک نے بریانی کھاتے ہوئے کہا

"بابا میں نے بنائی ہے"

باپ کی تعریف پر وہ فوراً بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولی

اسکی خوشی کو دیکھتے ہوئے شاہ میر ملک کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ رینگی۔

دعا بار بار نور کی طرف دیکھ رہی تھی جو کسی گہری سوچ میں گم پلیٹ میں موجود کھانے کے ساتھ چمچ کی مدد سے کھیلنے میں مصروف تھی

"نور یہ بریانی کھا کر دیکھو تمہیں پسند آئے گی"

دعا بریانی کا باؤل میز پر اسکے سامنے رکھتے ہوئے بولی

"نہیں میرا کچھ کھانے کا دل نہیں کر رہا دل بوجھل سا ہو رہا ہے میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں آرام کرنے"

ہاتھ میں پکڑے چمچ کو وہ پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی اور جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی.

"صاحب جی,صاحب جی وہ نور بیٹی باہر لاؤنج میں بے ہوش ہو گئی ہے آپ جلدی آئیں"

اسے گئے ابھی چند سیکنڈز ہی ہوئے تھے جب ساجدہ خالہ نے ڈائننگ روم میں آکر ان تینوں کو اطلاع دی

"دعا جلدی سے ڈاکٹر کو فون کر کے بلاؤ"

چمچ میز پر پھینکتے باہر کی جانب دوڑ لگاتے ہوئے شاہ میر ملک نے دعا سے کہا باہر آتے ہی انہوں نے وقت ضائع کیے بغیر نور کو بازوؤں میں اٹھایا تھا اور اسکے کمرے میں لا کر بیڈ پر لیٹا دیا تھا جس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا

"میں نے فون کر دیا ہے وہ آ رہی ہیں"

دعا نے اپنی فیملی ڈاکٹر کے آمد کی اطلاع دیتے ہوئے کہا اور جا کر نور کے سرہانے بیٹھ گئی

www.urdunovelsmania.com

ٹھیک دس منٹ بعد ڈاکٹر کی آمد ہوئی تھی پانی کے چھینٹے منہ پر مارنے سے نور اب ہوش میں آ چکی تھی اور خالی خالی نظروں سے چھت کو گھور رہی تھی.

"آپ سب باہر چلیں جائیں مجھے ان کا چیک اپ کرنا ہے"
ڈاکٹر نے کہا جس پر کمرے میں موجود باقی سب باہر کھڑے ہو کر چیک اپ مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگے
اور کچھ ہی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا تھا دروازہ کھلتے ہی تینوں کمرے کے اندر گئے تھے جہاں موجود ڈاکٹر عجیب نظروں سے کبھی ان تینوں کو دیکھتی تو کبھی نور کو

کیا آپ کی بیٹی شادی شدہ ہے؟
اس ڈاکٹر نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا

"نہیں یہ شادی شدہ نہیں ہے اور بات کیا ہے کیا ہوا ہے نور کو جلدی بتاؤ"
انیلہ بیگم نے تیز لہجے میں جواب دیا جبکہ ڈاکٹر کچھ تذبذب میں مبتلا ہو گئی تھی

"اب منہ سے کچھ بولو گی بھی؟"
اسکی خاموشی پر انیلہ بیگم نے مزید کہا

"آپ کی بیٹی ماں بننے والی ہے شی از پریگننٹ"
ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ وہاں موجود ہر انسان کو زہر میں بھیگے تیر کی طرح لگے تھے

دعا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نور کی جانب دیکھا تھا جس کا چہرہ ڈاکٹر کی بات سنتے ہی لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا

شاہ میر ماتھے پہ بل لیے لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے باہر نکلے تھے انیلہ بیگم بھی تقریبا بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے گئی تھی"
اس ڈاکٹر کو پیسے دے کر اس کا منہ بند کرواؤ اور باقی کسی کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے اس بات کی"

شدید طیش میں بولتے انہوں نے کمرے کے اندر جا کر دروازے کو اس قوت سے بند کیا تھا کہ انیلہ بیگم کانپ اٹھی تھی

"جاؤ اس ڈاکٹر کو بلا کر لاؤ یہاں میرے پاس نور کے کمرے میں ہے وہ"
ساجدہ خالہ کو حکم دیتی وہ دھڑکتے دل کے ساتھ لاؤنج میں موجود صوفے پر بیٹھ گئی تھی

اور پھر انہوں نے ایک بڑی رقم دے کر ڈاکٹر کا منہ تو بند کروالیا مگر ابھی بھی ان کا دل یہ سوچ سوچ کر ہی تھر تھر کانپ رہا تھا کہ اب شاہ میر ملک ان کے اور نور کے ساتھ کیا کریں گے کیونکہ ان کی خاموشی یقیناً طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی.

....

"ماما میری ٹانگوں میں درد ہو رہا ہے"
ارمان نے ٹانگوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کنول سے کہا جو وارڈروب میں کپڑے درست کر رہی تھی

"کہا بھی تھا میں نے کہ زیادہ مت کھیلو تھک جاؤ گے مگر مجال ہے جو تم میری بات سن لو"
کنول اسے گھورتے ہوئے بولی

"اب جاؤ جا کر لیٹو بیڈ پہ میں تیل گرم کر کے لاتی ہوں پھر تمہاری ٹانگوں پر مالش کر دیتی ہوں اس سے درد ٹھیک ہو جائے گا"
وہ کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولی

"آجاؤ یارررر یہاں بہت تنگ کرتے ہو تم میری بیوی کو"

اسفند جو بیڈ پر نیم دراز ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اب ارمان کو گود میں اٹھا کر بیڈ پر لیٹاتے ہوئے بولا

جبکہ ارمان صاحب کا درد کی وجہ سے موڈ آف تھا اسلیے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا

پانچ منٹ میں ہی کنول تیل گرم کر کے لے آئی تھی اور اب ہلکے ہاتھوں سے اس کی ٹانگوں پہ مالش کر رہی تھی جبکہ ارمان سکون سے آنکھیں موندے لیٹا تھا

"افففف میری ٹانگوں میں بھی بہت درد ہو رہا ہے، بہت زیادہ درد ہو رہا ہے"

اسفند لیپ ٹاپ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتا مضحکہ خیز انداز میں دونوں ہاتھ اپنی ٹانگوں پر رکھتے ہوئے بولا

"اس کے بعد میری ٹانگوں پر بھی مالش کر دو پلیز ثواب ملے گا"

اسفند نے جس طرح مسکین صورت بنا کر کہا تھا اس پر نظر پڑتے ہی کنول کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی جبکہ گرم تیل کی مالش کے بعد ارمان اب سکون سے سو چکا تھا.

"پھر کیا خیال ہے؟"

اسفند نے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے ایک بار پھر اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"آپ سو جائیں چپ کر کے"

کنول ہنسی ضبط کرتی اس کے چہرے پر کشن مارتے ہوئے بولی اور خود بھی لائٹ آف کرتی سونے کے لیے لیٹ گئی

"ظالم ,نافرمان بیوی"
اندھیرے میں اسفند کی آواز گونجی تھی جس پر کنول نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی
دن کے گیارہ بج چکے تھے پورے گھر میں موت کا سا سناٹا پھیلا ہوا تھا انیلہ بیگم نے آج سب نوکروں کو بھی چھٹی دے دی تھی بنا ناشتہ کیے بھوکے پیٹ سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے پھر رہے تھے جبکہ شاہ میر ملک رات کے کمرے میں بند ابھی تک باہر نہیں نکلے تھے.

"ماما آپ پلیز جا کر بابا کو دیکھیں بہت ٹائم ہو گیا ہے وہ ابھی تک باہر نہیں نکلے مجھے تو اب ڈر لگ رہا ہے ان کی طبعیت تو ٹھیک ہو گی نہ"
انیلہ بیگم کے بلکل سامنے صوفے پر براجمان دعا نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے ان سے کہا
"تاکہ ان کا سارا غصہ مجھ پر اتر جائے"
انیلہ بیگم نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا.

"وہ غلط بھی تو نہیں کہتے ایک ماں کا فرض ہوتا ہے اپنے بچوں کی پرورش کرنا انہیں صحیح غلط میں فرق سکھانا....."

دعا پلیز اس وقت چپ ہو جاؤ میرا دماغ پہلے ہی ماؤف ہو رہا ہے مزید کچھ برداشت نہیں کر سکتی میں"
انیلہ بیگم نے بیزاری کے ساتھ اسکی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا

"دعا نے بھی خاموشی سے آنکھیں شاہ میر ملک کے کمرے کے بند دروازے پہ ٹکا دی

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی جب شاہ میر ملک کے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلا تھا دعا اور انیلہ بیگم نے دروازہ کھلنے کی زوردار آواز پر نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تھا جہاں شاہ میر ملک کمرے سے نکلنے کے بعد اب سخت طیش میں تیز تیز قدم اٹھاتے نور کے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے ان کے انداز کو دیکھتے ہی دعا اور انیلہ بیگم کو اپنے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی شدید بد حواسی میں اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ وہ دونوں بھی سیڑھیاں پھلانگتی نور کے کمرے میں گئی تھی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اندر کا منظر دیکھ کر ان کا دل دہل گیا تھا جہاں شاہ میر ملک نے جھک کر بیڈ پہ لیٹی زرد رنگت لیے نور کا گلا دونوں ہاتھوں میں دبوچ رکھا تھا

"پتا نہیں تم میرے کس گناہ کی سزا ہو؟"
غصے سے سرخ چہرہ لیے وہ غرائے تھے

"بابا, بابا کیا کر رہے ہیں آپ چھوڑیں اسے, بابا پلیز چھوڑیں اسے"

دعا نے فوراً آگے بڑھ کر باپ کو بازو سے کھینچتے ہوئے کہا
جبکہ وہ ہنوز اسکا گلہ دبوچے ہوئے تھے. جس کا چہرہ تکلیف کی شدد سے سرخ پڑ چکا تھا

"بابا کیا کر رہے ہیں آپ وہ مر جائے گی چھوڑیں اسے"
دعا نور کو چھڑانے کی کوششوں میں بے حال ہوتے ہوئے چیخ رہی تھی.

"شاہ میر دعا صحیح کہہ رہی ہے چھوڑدیں اسے وہ مرجائے گی"
شاہ میر ملک کو ٹس سے مس نا ہوتے دیکھ کر انیلہ بیگم نے بھی آگے بڑھ کر نور کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے ان سے کہا

"اس سب کی ذمہ دار تم ہو تم"
نور کا گلا چھوڑ کر شدید اشتعال میں انہوں نے کچھ اس طرح سے انیلہ بیگم کا ہاتھ چھوڑا تھا کہ وہ لٹھے کی مانند سفید چہرے کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے سے ٹکرائی تھی منہ پر دونوں ہاتھ رکھے دعا خوف سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی جو غصے سے یقیناً پاگل ہو چکے تھے جبکہ نور اپنا ہاتھ گلے پر رکھے کھانسی سے بے حال ہو رہی تھی.

"اگر تم شروع سے ہی اس کی لگامیں کھینچ کر رکھتی تو آج یہ ایسی گھٹیا حرکت کرنے کے بارے میں سوچتی بھی نا لیکن نہیں تمہیں کیوں فرق پڑے گا کہ تمہارے بچے کیا کرتے ہیں کیا نہیں مگر میری ایک بات غور سے سن لو کہ مجھے بہت فرق پڑتا باہر کی دنیا میں میرا ایک نام ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کی وجہ سے میرا نام خاک میں مل جائے اور سب لوگ مجھ پر تھو تھو کرے اس لیے تم سب کی لگامیں اب میں کھینچوں گا.

غصے سے سرخ چہرہ لیے وہ ان پر بھڑک رہے تھے جن کا دل مارے خوف کے لرز رہا تھا

"اب اس گھر میں وہی ہو گا جو میں چاہوں گا اور جس کسی نے بھی میری بات یا میرا حکم ماننے سے انکار کیا تو اسے میں سر سے پیر تک نیلا کر دوں گا"

وہ انگلی اٹھائے وارن کرنے والے انداز میں بولے تھے

"کل ہی کسی ڈاکٹر کے پاس اسے لے کر جاؤں اور اس گندگی کے ڈھیر کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ختم کر دو ڈاکٹر اس کام کے جتنے پیسے لیتی ہے اسے دو لیکن کسی کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے ورنہ ہم ذلیل و رسوا ہو کر رہ جائیں گے"

شاہ میر ملک غصے سے سرخ چہرہ لیے انیلہ بیگم پر غرائے تھے جو زرد چہرہ لیے ان کی ہر بات پر اثبات میں سر ہلا رہی تھی نور تو بے حس و حرکت ایک نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جبکہ باپ کی ان باتوں کو سن کر دعا کا غم و غصے سے برا حال تھا

"بابا آپ نور کی غلطی کی سزا اس معصوم بچے کو دینا چاہتے ہیں جو ابھی اس دنیا میں آیا بھی نہیں ہے اتنے بے حس کب سے ہو گئے ہیں آپ کہ اپنی شان و شوکت کیلیئے ایک ننھے فرشتے کی جان لے لیں صرف اس لیے کہ اس بچے کہ اس دنیا میں آنے سے لوگ آپ کو برا بھلا بولے گے آپ کی یہ دولت, شان و شوکت ختم ہو جائے گی تو یاد رکھے یہ سب کچھ دینے والا بھی اللہ ہے اور لینے والا بھی اللہ ہے اتنے بڑے بڑے گناہ نا کرے کہ بعد میں آپ کو معافی بھی نا ملے "

"خاموش ہو جاؤ تم اور اب تم اپنے باپ کو سمجھاؤ گی کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں ہاں بتاؤ مجھے" وہ دعا پر دھاڑے تھے جواب پہلے کی طرح ڈر نہیں رہی تھی بلکہ چہرے پر پتھر یلے تاثرات لیے اپنے باپ کے سامنے ایک گناہ کو روکنے کی کوشش میں ڈٹ کر کھڑی تھی

"جی بلکل میں آپ کو سمجھاؤں گی بلکہ میں صرف آپ کو نہیں آپ سب کو سمجھاؤں گی اور میں آپ میں سے کسی کو بھی ایک معصوم بچے کا قتل نہیں کرنے دوں گی یاد رکھے آپ لوگ "
دعا نے ان کو انگلی اٹھائے ان سب کو وارن کیا

"ارے ظلم کی بھی انتہا ہوتی ہے ہم مسلمان ہیں ہمارا واسطہ تو اس دین سے ہے. جس کا نام ہی اسلام ہے یعنی امن و سلامتی جائے اور ذرا قرآن پاک کو کھول کر دیکھے اس رب کے فرمان کو پڑھ کر دیکھے جس رب کے اتنے احسانات ہیں ہم پر اور دیکھیں کہ وہ رب فرماتا ہے :

لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ :

اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

"گناہ کبیرہ ہے سنا بابا آپ نے اس آیت میں گناہ کبیرہ "وہ دوبارہ دہراتے ہوئے بولی گناہ کبیرہ کا مطلب ہے عظیم گناہ بہت بڑا گناہ اور اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے بندوں سے دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں"

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ :

اگر تم ان بڑے گُناہوں سے بچتے رہو گے. جس سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گُناہ دُور کر دیں گے اور عزّت و بُزرگی کی جگہ داخل کریں گے ۔

اس آیت کا مطلب تو سمجھ گئے ہونگے بابا اگر ہم ان بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہیں گے جن سے بچنے کا اللہ نے حکم دیا ہے تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ہمارے چھوٹے گناہوں کو معاف کر دیں گے بابا یہ سب میں نہیں کہہ رہی یہ آپ سے اللہ تعالیٰ مخاطب ہیں اور اگر آپ اس رب کی نافرمانی کریں گے" وہ انگلی سے آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی" وہ پھر آپ کا انجام بھی وہی ہوگا جو سابقہ نافرمان قوموں کا ہو چکا ہے

فرمان باری تعالیٰ ہے :

وَمَن ۟یَّف ۟عَل ۟ ذٰلِکَ عُد ۟وَانًا وَّظُل ۟مًا فَسَو ۟فَ نُص ۟لِی ۟هِ نَارًا ۟ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِی ۟رًا﴿۳۰﴾

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

ترجمہ :

اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے ۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے ۔

آپ اگر آج یہ گناہ کریں گے تو پھر اپنا انجام بھی سوچ لیجئیے

"بولتے بولتے دعا کا سانس پھول چکا تھا اب وہ امید بھری نظروں سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ اپنا فیصلہ بدل دیں جب انیلہ بیگم کی آواز گونجی

"کیسی بیٹی ہو تم ,تم یہی چاہتی ہو نا کہ تمہارے ماں باپ ساری دنیا کے سامنے ذلیل ورسوا ہو کر رہ جائے لیکن ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے شاہ میر بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں میں کل نور کو خود لے کر جاؤں گی ڈاکٹر کے پاس ابارشن کے لیے"

وہ خونخوار نظروں سے دعا کو گھورتے ہوئے بولی جبکہ دعا نے باپ کی طرف دیکھا تھا جو کسی گہری سوچ میں گم ایک نقطے پر نظر جمائے خاموش کھڑے تھے دعا ماں کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے شاہ میر ملک کی طرف گئی تھی یہ سوچ کر کہ "لوہا گرم ہے ہتھوڑا مار دیتی ہوں ہوسکتا بابا اپنا فیصلہ بدل دیں"

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی شاہ میر ملک کی جانب آئی تھی اور ان کے پہلو میں گرے ان کے دائیں ہاتھ کو دھیرے سے اٹھاتے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا

"بابا میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں میں آپ کو آگ میں جلتا ہوا نہیں دیکھ سکتی میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی جو کبھی ختم نہیں ہوگی جہاں ملنے والی سزا بہت دردناک ہے اور جہاں ملنے والا انعام بہت شاندار ہے"

وہ اپنے باتوں سے انکو بہت کچھ سمجھا چکی تھی شاہ میر ملک دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جس کی آنکھوں میں ایک آس تھی ایک امید تھی اس کی پلکوں پر اٹکے آنسوں اب اسکے گالوں پر پھسل رہے تھے

بابا ہمارے دین میں تو دشمنوں کے بچوں اور ان کی عورتوں کو جنگ میں بھی مارنے کی اجازت نہیں ہے پھر یہ تو آپکی سگی بیٹی کی اولاد ہے آپ کو پتہ ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ :

Msandahmad6717

"۔ سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں : میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، غامد قبیلہ کی ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہا : اے اللہ کے رسول !میں نے زنا کیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے پاک کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا : واپس لوٹ جا۔ وہ اگلے دن پھر آگئی اور آپ کے پاس زنا کا اعتراف کیا، کہا : اے اللہ کے رسول !میں نے زنا کیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تو واپس چلی جا۔ اگلے دن وہ پھر آگئی اور آپ کے پاس زنا کا اعتراف کیا اور کہا : اے اللہ کے نبی !آپ مجھے پاک کریں، شاید آپ مجھے واپس لوٹانا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو واپس لوٹایا تھا، اللہ کی قسم !میں زنا کی وجہ سے حاملہ بھی ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تو واپس چلی جا، یہاں تک کہ بچے کو جنم دے۔ پس جب اس نے بچہ جنم دیا

تو بچہ اٹھائے ہوئے آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے نبی! میں نے بچہ جنم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو واپس چلی جا، اسے دودھ پلا، یہاں تک کہ تو اس کا دودھ چھڑا دے۔ جب اس نے دودھ چھڑا لیا تو بچہ کو اٹھا کر لائی، جبکہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور کہنے لگی: اے اللہ کے نبی! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کے متعلق حکم دیا کہ اسے ایک مسلمان آدمی کے سپرد کیا گیا اور اس عورت کے متعلق حکم دیا کہ اس کے لئے ایک گڑھا کھودا جائے اور سینے تک اس میں گاڑ دی جائے، پھر لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کے سر پر مارا، جب اس سے ان کے رخسار پر خون کے چھینٹے پڑے تو انہوں نے اسے برا بھلا کہا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ برا بھلا کہہ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خالد! باز آ جاؤ، اسے گالی نہ دو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرے تو اسے بھی بخش دیا جائے گا۔ پھر آپ نے اس کے متعلق حکم دیا پھر اس پر نماز جنازہ پڑھی پھر اسے دفن کر دیا گیا۔"

بابا اس حدیث سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اس سب میں بچے کا کوئی قصور نہیں ہے ساری غلطی نور کی اور اس شخص کی ہے جس کے ساتھ مل کر اس نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اس بچے کا کوئی قصور نہیں ہے اب تو مان جائیں آپ اور اگر سزا دینی ہی ہے تو اسے سزا دیں یہی سزا کے لائق ہے

وہ باپ کو مناتے مناتے آخر میں نور کو گھورتے ہوئے بولی تھی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی روایت کرتے ہیں:

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن قتل النساء والولدان.

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔''

طبرانی، المعجم الاوسط، 7 : 113، رقم : 7011

اس سلسلے میں دوسری روایت ملاحظہ کریں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے سخت کلمات کے ذریعے صحابہ ث کو غیر مسلموں کے بچے قتل کرنے سے منع فرمایا اور ان کلمات کو بار بار تاکیداً دہرایا۔ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

کُنَّا فِی غَزَاةٍ فَاَصَبْنَا ظَفَرًا وَقَتَلْنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، حَتّٰی بَلَغَ بِهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی اَنْ قَتَلُوا الذُّرِّیَةَ، فَبَلَغَ ذَالِکَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: مَا بَالُ اَقْوَامٍ بَلَغَ بِهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی اَنْ قَتَلُوا الذُّرِّیَةَ؟ اَلَا! لَا تَقْتُلُنَّ ذُرِّیَةً. اَلَا! لَا تَقْتُلُنَّ ذُرِّیَةً. قِیْلَ: لِمَ یَا رَسُوْلَ اللهِ، اَلَیْسَ هُمْ اَوْلَادُ الْمُشْرِکِیْنَ؟ قَالَ: اَوَلَیْسَ خِیَارُکُمْ اَوْلَادُ الْمُشْرِکِیْنَ؟

’’ہم ایک غزوہ میں شریک تھے (ہم لڑتے رہے یہاں تک) کہ ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا اور ہم نے مشرکوں سے قتال کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے بعض بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جن کے قتل کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے بچوں تک کو قتل کر ڈالا؟ خبردار! بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیوں، کیا وہ مشرکوں کے بچے نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے بہترین لوگ بھی مشرکوں کے بچے نہیں تھے؟‘‘

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

نسائی، السنن الکبري، کتاب السیر، باب النهی عن قتل ذراري المشرکین، 5: 184، رقم: 8616

دارمی، السنن، کتاب السیر، باب النهی عن قتل النساء والصبیان، 2: 294، رقم: 2463

حاکم، المستدرک، 2: 133، 134، رقم: 2566، 2567

طبرانی، المعجم الکبیر، 1: 284، رقم: 829

بابا مما پلیز ذرا سوچے جس اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار و مشرکین یعنی دشمنوں کے بچوں پر بھی رحم کرنے ان کو نا مارنے کا حکم دیا ہے آپ ان کے حکم کا انکار کر کے کہاں جائیں گے کب تک بچتے رہیں گے وہ رب بڑا طاقتور ہے اس وقت تو اس پروردگار نے آپ کو گوں کی رسی کو دراز کر رکھا ہے لیکن جب وہ رب اس رسی کو کھینچے کا تو پھر آپ کو کوئی جائے پناہ نظر نہیں آئے گی میں ایک بار پھر کہہ رہی ہوں مما، بابا مت کریں یہ گناہ کبیرا ابھی بھی وقت ہے باز آجائیں رک جائیں ایک معصوم کو قتل کرنے سے "

وہ باپ کو ہر طرح سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی قرآن و حدیث سے حوالے دے کر اللہ کے عذاب سے ڈرا کر کہ شاید ان کے دل نرم ہو جائیں اور شاہ میر ملک کا دل ایک پل کو موم ہوا بھی تھا مگر انیلہ بیگم کی باتوں نے دعا کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا جس نے دعا سے کہا
"دعا تم نہیں سمجھ سکتی اس وقت مگر ہم تمہارے ماں باپ ہیں تمہارا بھلا ہی سوچیں گے نا شاہ میر آپ اس کی باتوں پر دھیان مت دیں" انہوں نے شاہ میر ملک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو ہنوز کسی گہری سوچ میں گم تھے "شاہ میر آپ خود سوچیں اب ان دونوں کی شادیوں کی عمریں ہیں اور اگر ہم

اس بچے کو اس دنیا میں آنے دیتے ہیں تو کون کرے گا ایک ایسی لڑکی سے شادی جس کی پہلے سے ہی ناجائز اولاد ہو اور اسی وجہ سے دعا سے بھی کوئی شادی نہیں گا سمجھ رہے ہیں نا آپ"

وہ شاہ میر ملک کے بازو پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے والے انداز میں بولی

"نہیں بابا ایسا نہیں ہ.........."

دعا کچھ بولتی اس سے پہلے ہی شاہ میر ملک نے اس کی بات کو درمیان میں کاٹ دیا

"میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں تم کل ہی اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ گی یہ میرا حکم ہے اب اس بارے میں مزید بحث نہیں ہوگی بات ختم"

اپنی بات کے ختم کرتے ہوئے وہ آخر میں دعا کی جانب دیکھتے ہوئے غصے سے چبا چبا کر بولے تھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے چلے گئے دعا کی غصیلی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہی انیلہ بیگم بھی مزید بحث سے بچنے کے لیے کمرے سے چلی گئی

اب اس کمرے میں گہرا سناٹا چھا چکا تھا اور وہاں صرف دعا اور نور ہی موجود تھیں.

....

"یہ بچہ کس کا ہے نور اب تو سچ بول دو"

دعا نے تھکے تھکے انداز میں نور کے سامنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا

"یہ میرا اور یوسف کا بچہ ہے آپ کو یاد ہے ناویلنٹائن ڈے پر میں اس کے ساتھ ہوٹل گئی تھی وہی ہم نے.........

مزید اس سے بولا نا گیا اور وہ خاموش ہو گئی

"میں نے تمہیں کتنا منع کیا تھا نور کہ مت جاؤ جاؤ لیکن تم نے میری ایک نہ سنی اب پلیز ابارشن مت کرواؤں ایک ماں تو اپنی اولاد کیلیئے کچھ بھی کر سکتی اپنی جان تک دے سکتی ہے اگر تم خود اپنے بچے کی ڈھال بن کر ماما بابا کے سامنے ڈٹ جاؤ گی تو وہ خود بھی تمہارے فیصلے کے آگے مجبور ہو جائیں گے ایک گناہ کر کے اب دوسرا گناہ مت کرو"

دعا اسے سمجھاتے ہوئے بولی جس پر نور کی آنکھیں کسی سوچ کے تحت چمک اٹھی تھی

"آپ نہیں چاہتی نا کہ میں ابارشن کرواؤں میں بھی نہیں چاہتی لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر میری شادی یوسف سے ہو جائے "

نور دعا کا ہاتھ تھامتے ہوئے مزید بولی

"یوسف میری کالز نہیں اٹینڈ کر رہا مجھے لگتا ہے وہ بہت مصروف ہے آپ میری مدد کریں گھر سے نکلنے میں، میں اسکے گھر جا کر اسے مناؤں گی اسے بتاؤں گی کہ میں اسکے بچے کی ماں بننے والی ہوں مجھے بتا

ہے وہ بہت خوش ہوگا وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے پھر ہم شادی کرلینگے اس طرح بابا بھی کچھ نہیں کہے گے اور میں ابارشن بھی نہیں کرواؤں گی بس صرف ایک بار آپ گھر سے نکلنے میں میری مدد کر دے"

وہ دعا کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بولی تھی

"تم کب سمجھوگی وہ تم سے پیار نہیں کرتا صرف ٹائم پاس کررہا تھا اور اب وہ تمہاری طرف دیکھے گا بھی نہیں"

دعا کا پارہ ایک بار پھر ہائی ہوا تھا اس نے نور کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ ایک بار یوسف سے بات کرنا چاہتی ہے آخر کار دعا نے بھی یہ سوچ کر اس کی مدد کرنے کی حامی بھرلی "کہ جب وہ خود نور کو دھکے مار کر گھر سے نکالے گا تبھی اسکی عقل ٹھکانے آئے گی"

"ٹھیک ہے بابا اس وقت گھر سے باہر گئے یہی وقت ہے جاؤ مگر پلیز مجھے ایک اور مصیبت میں مت ڈال دینا جلدی سے واپس آنا تب تک میں تمہارے کمرے میں رکتی ہوں اگر کوئی آئیگا تو میں کہہ دوں گی کہ نور کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے وہ سو رہی ہے"

دعا نے اسے سارا لائحہ عمل طے کرتے ہوئے کہا

نوراثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی اور پندرہ منٹ میں بلکل تیار ہو کر اپنے گھر سے یوسف سے ملنے اسکے گھر کی جانب چل دی

ٹیکسی سے اتر کر اسنے ڈرائیور کو کرایہ پکڑایا تھا اور سر اٹھا کر اس محل نما گھر کو دیکھا تھا جس کہ باہر لگے سفید بورڈ پر کالی سیاہی سے لکھے "خان ہاؤس" کے الفاظ دھوپ کی تیز روشنی کے باعث چمک رہے تھے قدم آگے بڑھاتی وہ مین گیٹ تک آئی تھی اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اسنے دروازے پر دستک دی تھی پہلی دستک میں ہی دروازہ کھول کر ایک ادھیڑ عمر چوکیدار نے سر باہر نکال کر پوچھا تھا

"جی آپ کون ہیں؟ اور کس سے ملنا ہے؟ اسنے کسی بھی احساس سے عاری چہرے کے ساتھ نور کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

"میں یوسف کی دوست ہوں اسنے مجھے بلایا تھا مجھے اس سے ضروری کام ہے آپ پلیز اسے بلا کر لائیں یہاں"

نور نے آنکھوں سے سن گلاسز اتارتے ہوئے جواب دیا

"جی آپ آئیں میں ان کو پیغام بھجواتا ہوں"

نور کو لیے وہ چوکیدار اندر چلا گیا اسے گارڈن میں رکنے کا کہہ کر وہ خود یوسف کو بلانے کی غرض سے گھر کے اندرونی حصے کی جانب چل دیا

چوکیدار نے یوسف کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر دو چار مرتبہ دروازے پر دستک دی تھی مگر دوسری جانب سے جواب ندارد تنگ آ کر وہ خود ہی دروازہ کھولتا کمرے میں گھس گیا اور جا کر یوسف کے سرہانے کھڑا ہو گیا جو اوندھے منہ لیٹا خرگوش کی نیند سو رہا تھا.

"صاحب جی, صاحب جی اٹھے آپ سے ملنے کوئی آیا ہے"

اس ادھیڑ عمر چوکیدار نے اس کے اوپر ہلکا سا جھکتے ہوئے کہا مگر دوسری طرف وہ ویسے کا ویسا ہی پڑا رہا

"صاحب جی"

اس مرتبہ اس نے یوسف کے شانے کو انگلی سے ٹھونکتے ہوئے کہا جس پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا

"کیا ہوا؟"

چوکیدار کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ غصے سے دھاڑا تھا

"صاحب جی وہ آپکی ایک دوست آپ سے ملنے آئی ہے کب سے نیچے کھڑی وہ آپ کا انتظار کر رہی ہے میں یہاں آپ کو بلانے آیا تھا کئی دفعہ دروازہ بجایا مگر آپ نے نہیں کھولا اس لیے میں خود اندر آ گیا"

یوسف کی دھاڑ پر ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹتا وہ فوراََ صفائی پیش کرتے ہوئے بولا

"دوست, کون سی دوست"

وہ الجھے انداز میں سر کھجاتے ہوئے بولا

"پتہ نہیں صاحب جی میں نے ان کو پہلی بار یہاں دیکھا ہے"

وہ مزید بولا تھا

"اچھا چلو تم جاؤ میں آتا ہوں"

وہ ہنوز حیرت سے اسے جانے کا کہتا خود بھی بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا

دائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھے وہ جمائیاں لیتا ہوا چوکیدار کے پیچھے پیچھے گارڈن میں داخل ہوا اور وہاں موجود نور کو دیکھ کر اسکے قدموں تلے زمین کھسک گئی اس سے پہلے کے وہ واپس اندر کی جانب بھاگتا نور کی نظر اس پر پڑ چکی تھی جو کہ گارڈن میں رکھے میز کے گرد رکھی چار کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھی یہاں وہاں دیکھتی ارد گرد کا جائزہ لینے میں مصروف تھی اب یوسف کو دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوتی تیزی سے قدم اٹھاتی اس تک آئی تھی جبکہ یوسف خود بھی بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا

"تم کیا کر رہی ہو یہاں؟"

وہ دبی دبی آواز میں غرایا تھا

"گھٹیا انسان میرے ساتھ اتنی گھناؤنی حرکت کے بعد بھی تم یہ پوچھ رہے ہو کہ میں یہاں کیا کر رہی ہوں"

نوراس کے برعکس پوری قوت سے چلائی تھی

"آواز نیچے رکھواپنی ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا"
نور کا بازو پکڑ کر وہ زور سے جھٹکتے ہوئے بولا جبکہ نور تو اس کے لب و لہجے پر دنگ کھڑی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی یہ وہ یوسف تو نہیں تھا جو ہر وقت نور کے پیچھے پیچھے پھرتا اسکے بولنے سے پہلے ہی اسکی ہر خواہش پوری کرتا کبھی اس سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کرتا
"یوسف تمہیں کیا ہوگیا ہے یہ تم مجھ سے کس طرح بات کر رہے ہو؟"
اسے لگ رہا تھا کہ بچے کی بات سن کر یوسف بہت خوش ہوگا اپنے ماں باپ کو شادی کیلیئے راضی کرے گا اور پھر وہ دونوں شادی کر کے ہنسی خوشی رہینگے مگر اب یوسف کی باتیں سننے کے بعد اسکے دل میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھی

"تم مجھے یہ بتاؤ تم یہاں آئی کیوں ہو؟ یہ میرا گھر ہے کوئی ہوٹل نہیں یہ تو اچھا ہے کہ میرے پیرنٹس (ماں باپ) گھر نہیں ہے ورنہ تمہیں دیکھ کر وہ مجھ سے کتنے سوال کرتے"
وہ اسی لہجے میں نور پر غرا رہا تھا

"اس رات کے بعد تم میرا فون نہیں اٹھا رہے مجھ سے بات نہیں کر رہے یونیورسٹی نہیں آ رہے تو پھر میں کیا کرتی تم سے کہاں ملتی اس لیے میں یہاں تمہارے گھر آگئی تم سے ملنے اور ایک بہت ضروری بات بتانے"

یوسف کے غصے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مرتبہ وہ نرم لہجے میں اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولی تھی

اس کے بدلتے ہوئے لہجے اور آخری بات پر یوسف کے کان کھڑے ہو گئے تھے

"کیسی بات؟ کیا بات بتانی ہے تم نے؟

اس نے چونکتے ہوئے پوچھا

"یوسف بات یہ ہے کہ میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں آئی ایم پریگننٹ"

وہ اسکے دونوں ہاتھ تھامے خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی تھی جبکہ یوسف کہ تو صحیح معنوں میں آج چودہ طبق روشن ہوئے تھے وہ فوراً اسکو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے گھر کے پچھلے حصے میں بلکل کونے میں لے آیا تھا اور پھر اسکے دونوں بازوؤں کو اپنی سخت گرفت میں لیتے ہوئے اسے بلکل دیوار کے ساتھ لگایا تھا نور کو اسکی انگلیاں اپنے بازوؤں میں گڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ابھی جو تم نے بکواس کی ہے نا اگر یہ دوبارہ کی نا تو چند سیکنڈز میں تمہارا گلا گھونٹ کر یہی تمہاری جان لے لوں گا آئی سمجھ"

وہ اسکو دیوار سے لگائے دبی دبی آواز میں غرا رہا تھا اسکی آنکھیں غصے کی شدت سے لال انگارہ ہو رہی تھی

"تمہیں کیا لگتا ہے تم جیسی بدکردار لڑکی کہیں بھی منہ کالا کر کے آئے گی اسکے بعد مجھ سے یہ کہے گی کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے اور میں اسکے ناجائز بچے کو سینے سے لگا لوں گا؟ میری بات مانو اور یا تو ابارشن کرواؤ اور یا اس بچے کو کہیں پھینک دو اپنی زندگی جیو"
وہ غصے اور نفرت سے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہا تھا جبکہ لفظ بدکردار پر نور کسی بھوکی شیرنی کی مانند اس پر جھپٹ پڑی تھی.

"ذلیل انسان تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے بدکردار کہنے کی اس دن ہوٹل تم مجھے لے کر گئے تھے جو بھی ہوا اس میں ہم دونوں برابر کے شریک تھے اگر میں بدکردار ہوں تو تم کونسے پارسا ہو"
اسکا کالر دونوں مٹھیوں میں جکڑے وہ پوری قوت سے چیخی تھی غصے کی شدت سے اسکا تنفس تیز ہو چکا تھا.

"ہاں میں تمہیں لے کر گیا تھا لیکن کیا تم بچی تھی جو میں نے تمہیں چاکلیٹ دکھائی اور تم میرے ساتھ چل دی نہیں نا بلکہ تم ایک چوبیس سالہ جوان لڑکی ہو اپنا برا بھلا سب جانتی ہو پھر بھی تم میرے ساتھ ویلنٹائن ڈے منانے چلی گئی مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم دعا کی ہی بہن ہو ایک طرف اسے دیکھو مرد کو

ایک نظر میں ہی پرکھ لیتی ہے کہ اچھا ہے یا برا بلکہ چھٹی حس تو سبھی عورتوں کی تیز ہوتی ہے ہر عورت ہی مرد کو ایک نظر میں پہچان لیتی ہے مگر کچھ عورتیں دعا کی طرح ہوتی ہے جو خود کو ایک قیمتی موتی کی طرح سنبھال کر رکھتی ہیں ٹھیک ویسے جیسے ایک سیپ میں ایک قیمتی موتی محفوظ ہوتا ہے اور کچھ تمھاری طرح ہوتی ہے جو اپنے جسم کی نمائش خود کرتی ہے خود ہی ہر مرد کو دعوت دیتی ہے تم جیسی لڑکیوں کو محض ایک شوپیس کی طرح صرف اپنے محفلوں کی زینت ہی بنایا جاسکتا ہے مگر اپنے گھر کی عزت نہیں بنایا جاسکتا"

وہ آخر میں تمسخرانہ لہجے میں اسکا مذاق اڑاتے ہوئے بولا تھا جواب غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ یوسف کو جان سے مار دے

"اب دوبارہ اس گھر میں قدم بھی نا رکھنا میرے ماں باپ تمہاری کسی بھی بات کا یقین نہیں کریں گے تمہیں گھر سے دھکے مار کر باہر نکال دیں گے"

وہ اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو اپنے شہادت کی پر لپیٹتے ہوئے خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا

اور جہاں تک رہی شادی کی بات تو شادیاں تم جیسی بدکردار لڑکیوں سے نہیں کی جاتی جو پتہ نہیں کتنے مردوں کے بستروں کی زینت بن چکی ہو میری منگنی چار دن پہلے میری خالہ زاد مریم ہمدانی سے ہو چکی ہے میرے خالو کا نام تو تمہارے باپ نے بھی سنا ہوگا غفار ہمدانی ایک بہت ہی بڑا اور مشہور بزنس

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

مین مریم اسکی اکلوتی بیٹی ہے اور ظاہر ہے باپ کے بعد اسکی ساری جائیداد بیٹی کے پاس آئے گی اور وہاں سے میرے پاس "

یوسف کی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا نور نے اسکے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلا تھا اور پھر پوری قوت سے اسکے منہ پر تھپڑ مارا تھا

" صحیح کہتی تھی دعا کہ تم ایک بے غیرت اور گھٹیا انسان ہو لیکن میں نے اسکی ایک نا سنی تم کیا مجھے رد کرو گے میں تھوکتی ہوں تم جیسے بے غیرت مرد پہ اور اس بچے کی رگوں میں بھی تمہارا ہی گندا خون ہو گا اسکو بھی میں اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کر دوں گی "

وہ غصے سے دھاڑی تھی اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہاں سے چلی گئی جبکہ اس کے جاتے ہی یوسف نے شکر کا سانس لیا تھا کہ اگر یہ بات خاندان میں پھیل جاتی تو اسکا اور مریم کا رشتہ ٹوٹ جاتا اور وہ کسی صورت اُس سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا تھا.

....

یوسف کے گھر سے نکلتے ہی اسنے گہرا سانس لے کر چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنے خطا ہونے والے اوسان پر قابو پایا تھا اسکے بعد وہ دل میں ایک فیصلہ کرتی ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس گھر کی جانب چل دی گھر آتے ہی وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے کی طرف گئی جہاں دعا کب سے بیٹھی دھڑکتے دل کے ساتھ اسکا انتظار کر رہی تھی

"اسے پتہ تھا کہ اگر شاہ میر ملک کو نور کے گھر سے جانے کا پتا چلا تو اس مرتبہ سب سے پہلے دعا کی خیر نہیں ہے" ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی جب کسی نے دروازے پر زوردار دستک دی تھی دعا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا.

"ک کون ہے ؟" دعا نے ڈر کے باعث کانپتے ہوئے لہجے میں پوچھا

"میں ہوں کھولیں دروازہ" دوسری جانب وہ جو پہلے ہی غصے میں تھی سارا غصہ دروازے پر نکالتی اسے ایک اور ٹھوکر رسید کرتے ہوئے دوسری جانب سے دھاڑی تھی

دعا نے فوراً آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اسے اندر آنے کا راستہ دیا جس کا چہرہ غصے کی شدت سے تپ رہا تھا

"کیا ہوا نور؟ کیا کہا یوسف نے ؟"

دعا کو اندازہ تو پہلے سے ہی تھا کہ اس نے کیا کہا ہوگا مگر پھر بھی اسکے غصیلے تاثرات کو دیکھتے ہوئے اس نے محتاط لہجے میں پوچھا

"انکار کر دیا ہے اسنے شادی سے بلکہ اس نے مجھے بدکردار کہا گھٹیا انسان جیسے خود تو بہت نیک اور پارسا ہے نا میں بھی لعنت بھیجتی ہوں اس پہ لیکن ایسے تو میں بھی نہیں چھوڑوں گی اسے جو سب اس نے میرے ساتھ کیا اسکا ایسا بدلہ لوں گی ناکہ زندگی بھر یاد رکھے گا"

وہ سامنے میز پہ رکھا گلاس اٹھا کر دیوار پر مارتے ہوئے بولی جبکہ دعا نے اسکا یہ سارا بیان بیزاری کے ساتھ سنا تھا اسے یوسف سے اس سب کی ہی امید تھی

"اور اپنے بچے کے بارے میں کیا سوچا تم نے ؟"

دعا نے تھوک نگلتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا مگر اسکے اس سوال پر نور مزید آگ بگولہ ہو گئی

"کیا مطلب بچہ آپ کو ابھی بھی اس بچے کی پڑی ہوئی ہے جب اسکے باپ کو اسکی پرواہ نہیں تو میں کیوں کروں اگر یہ اس دنیا میں آگیا تو میرے لیے پیروں کی زنجیر بن جائے گا میری ساری زندگی تباہ ہو جائے گی ایک غلطی کی وجہ سے میں اپنی ساری زندگی تباہ ہرگز نہیں کروں گی مام کی بات ٹھیک تھی پھر کون کرے گا مجھ سے شادی میں اپنی ساری زندگی ایسے ہی ایک قید میں نہیں گزار سکتی مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے اپنی زندگی میں"

وہ کاٹ دار لہجے میں بولی

"کیا مطلب اب تم کیا کرنے والی ہوں ؟"

دعا نے پوچھا

"ظاہر ہے کل مما کے ساتھ جاؤں گی ڈاکٹر کے پاس ابارشن کروانے"

وہ کندھے اچکاتی لاپرواہی سے بولی

"نور یہ غلط ہے تم ایک بہت بڑا گناہ کر چکی ہو اب مزید ایک اور گناہ مت کرو پلیز"

دعا نے التجا کی

"او پلیز میں اس وقت بہت غصے میں ہوں اس سے پہلے آپکی ان بے تکی باتوں پہ آپکو کچھ غلط بول دوں چلی جائیں یہاں سے"

وہ دروازے کے پاس کھڑی ہوتی اسے باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی

"مجھے لگا تھا تم اس ایک ٹھوکر سے سدھر جاؤ گی مگر نہیں تم جیسی لڑکیاں جب تک اللہ کی پکڑ میں نہیں آتی تب تک نہیں سدھرتی"

وہ شدید تاسف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی

"آپ جا سکتی ہے"

اس نے ہنوز دروازے میں کھڑے ہو کر اسے کمرے سے جانے کا کہا اور دعا کے نکلتے ہی ایک بار پھر پوری قوت کے ساتھ دروازہ بند کر دیا

"یا اللہ اسکو ہدایت دے دیں"

دعا نے ہمیشہ کی طرح اسکے لیے دعا کی تھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا رات کا اندھیرا چھٹ جانے کے بعد اب ہر سوں صبح کی روشنی پھیل چکی تھی دن گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی کی شدد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا کچھ لوگ اپنے روزمرہ کے کاموں کو سرانجام دینے کیلئے گھروں سے نکل چکے تھے تو کچھ نکلنے کی تیاریوں میں مصروف تھے شاہ میر ملک کے گھر کا منظر بھی کچھ ایسا ہی تھا جہاں شاہ میر ملک آفس کیلئے بلکل تیار ناشتہ کی میز پر سربراہی کرسی پر براجمان تھے ان کے دائیں جانب رکھی کرسی پر دعا منہ بنائے بیٹھی تھی وہ کب سے شاہ میر ملک سے آخری دفع بات کرنا چاہ رہی تھی مگر ڈر کی وجہ سے زبان ساتھ دینے کو تیار نہیں تھی ان کے بائیں

جانب رکھی کرسی پہ خوب میک اپ کیے بلکل تیار انیلہ بیگم بیٹھی تھی جبکہ ان کے ساتھ والی کرسی پہ نور براجمان تھی ابھی کچھ ہی دیر میں وہ دونوں نور کے ابارشن کے لیے ڈاکٹر کے پاس جانے والی تھی دعا نے آخر کار ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاہ میر ملک کو مخاطب کیا.

"بابا! وہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے"

اس نے بے چینی سے انگلیاں مروڑتے ہوئے باپ سے کہا

"کل میں نور کے معاملے میں جو فیصلہ کر چکا ہوں اگر بات اس سے متعلق ہے تو بہتر یہی ہے کہ تم خاموشی اختیار کر لو کیونکہ میں کسی صورت اپنا فیصلہ بدلنے والا نہیں ہوں اور اگر کسی نے میری بات نا مانی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا اس انسان کے ساتھ.

وہ اپنے رعب دار لہجے میں دعا کو بہت کچھ باور کروا چکے تھے جو میز کی سطح پر آنکھیں جمائے ساکت بیٹھی تھی

"اب اگر کچھ اور کہنا ہے تو کہو میں سننے کو تیار ہوں"

جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے دعا کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

"بابا آپ سب جو کر رہے ہیں وہ غلط.........."

مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے تم اس کو وقت پر ڈاکٹر کے پاس لے جانا اور ڈاکٹر جتنے پیسے کہے دے دینا مگر اسے منہ بند رکھنے کا کہنا" کرسی سے اٹھتے ہوئے ہوئے انہوں نے غصے سے نور کی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انیلہ بیگم سے کہا تھا اور پھر وہ دعا سے مخاطب ہوئے تھے جو باپ کے جھڑکنے کے بعد اب گم سم سی بیٹھی تھی شاہ میر ملک نے کرسی کھینچ کر دعا کے قریب رکھی تھی اور ایک بار پھر وہ کرسی پر بیٹھ گئے تھے انیلہ بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں نور کو اشارہ کیا تھا جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو "یہ کیا کرنے والے ہیں؟" جس کے جواب میں نور نے کندھے اچکاتے ہوئے لاتعلقی کا اظہار کیا.

"دعا"

شاہ میر ملک نے کرسی پر بیٹھتے ہی دعا کو مخاطب کر کہ کہنا شروع کیا.

"مجھے تم سے بہت محبت ہے تم میری بہت پیاری بیٹی ہو کبھی کچھ برا نہیں کرتی یہ صرف اب کی بات نہیں کر رہا میں, تم بچپن سے ہی اتنی پیاری, اچھی اور نرم دل ہو تم نے ہمیشہ میری ہر بات مانی ہے اور میں بار بار تم پر غصہ کر کے تمہیں جھڑک کر تمہیں اداس نہیں کرنا چاہتا اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کی وجہ سے میں پوری دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جاؤں"
وہ آخر میں کینہ توز نظروں سے نور کو دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولے تھے

"اس لیے بار بار اس موضوع کو مت چھیڑو میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ لیا ہے اب میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا ورنہ سب کو ہم کیا کہیں گے کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ اس کا باپ کون؟ ہمارے پاس کسی بھی سوال کا جواب نہیں اسلیے اس معملے میں مت پڑو"

"مجھے دیر ہو رہی ہے اب میں چلتا ہوں امید کرتا ہوں تم میری باتوں کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوگی"

آخر میں وہ دعا کے سر پہ بوسہ دیتے اٹھ کھڑے ہوئے اور میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے وہاں سے چل دیئے دعا ویسے ہی نظریں جھکائے خاموشی سے بیٹھی تھی اسے اب اس بات کی سمجھ آ چکی تھی کہ وہ چاہے کچھ بھی کر لے مگر یہ لوگ کسی صورت اُس بچے کو اِس دنیا میں آنے نہیں دیں گے ان کے دل و دماغ پر پردے پڑے ہوئے تھے جنہیں صرف ایک اللہ ہی ہٹا سکتا تھا.

"نور چلو تمہاری اپائنمنٹ ہے ڈاکٹر کے پاس کہیں دیر نا ہو جائے"

انیلہ بیگم نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے نور سے کہا اور نور بھی اثبات میں سر ہلاتی میز سے اپنا موبائل اٹھاتی ان کے پیچھے چل دی

ڈائننگ ٹیبل پہ سوچوں میں ڈوبی اب صرف دعا ہی رہ گئی تھی ناشتے کی میز سے اٹھتی اب وہ اپنی ساجدہ اماں کے پاس چلی گئی جو باہر ہی لاؤنج میں موجود صفائی کر رہی تھی ایک وہی تو تھی جو دعا کی ہر بات کو

سمجھتی تھی اسے سمجھاتی تھی اور دعا ہمیشہ سے ہی دل ہلکا کرنے کے لیئے ان کے سامنے بیٹھ کر انہیں اپنی ہر پریشانی بتا کر دل کا غبار نکال لیتی تھی۔

....

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں ماں بیٹی اُس بڑے پرائیوٹ ہسپتال کے کمرے میں ایک پینتیس۔
چھتیس سالہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے بیٹھی ان کو تمام تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی
شیشے کی میز کے ایک جانب ڈاکٹر آمنہ بیٹھی پوری توجہ کے ساتھ ان کی باتیں سن رہی تھی ان کی دائیں جانب سفید کوٹ میں ملبوس نرس رمشاء کھڑی تھی جبکہ میز کی دوسری جانب وہ دونوں ماں بیٹی دو کرسیوں پہ براجمان تھیں
انیلہ بیگم ڈاکٹر آمنہ سے بات کرنے میں مشغول تھی جبکہ نور ٹانگ پر ٹانگ جمائے ایسے بیٹھی تھی جیسے اس کی نہیں کسی اور کے بارے میں بات ہو رہی ہو۔

"ڈاکٹر آمنہ میں نے آپ کے بارے میں اپنی دوست مدیحہ سے بہت کچھ سن رکھا ہے یہ بھی کہ آپ ابارشن نہیں کرتی مگر میں بہت امید سے آپ کے پاس آئی ہوں آپ شہر کی سب سے بڑی گائناکالوجسٹ ہے آپ جتنے پیسے کہیں گی آپ کو مل جائیں گے مگر پلیز انکار مت کیجئے گا"
انیلہ بیگم نے انہیں ساری بات سے آگاہ کرنے کے بعد آخر میں ان سے التجا کی۔

"جی مسز شاہ میر میں انکار کیوں کرونگی آپ مدیحہ کی دوست ہے وہ میری چچا زاد ہے اس نے رات ہی مجھے فون کر کے کہا تھا کہ ان کی دوست کو مایوس کر کہ نا بھیجوں تو ابارشن ہو جائے گا آپ فکر نا کریں"

ڈاکٹر آمنہ نے مسکراتے ہوئے پیشہ ورانہ لہجے میں انہیں اطلاع دی جبکہ ان کی بات پہ انیلہ بیگم کے لبوں پر فخریہ مسکراہٹ نمودار ہوئی پاس کھڑی نرس نے شدید حیرت کے ساتھ ڈاکٹر آمنہ کی جانب دیکھا تھا جیسے کہ پوچھ رہی ہو

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے سچ میں آپ ابارشن کرنے والی ہو" مگر ڈاکٹر آمنہ اس کی حیرت بھری نگاہوں کو نظر انداز کرتی انیلہ بیگم کی طرف ہی متوجہ رہی۔

"اچھا تو پہلے میں آپ کو کچھ ٹیسٹس لکھ کر دیتی ہوں اور الٹرا ساؤنڈ یہ کروانے کے بعد آپ میرے پاس لے کر آئیں سب کچھ نارمل ہوا تو پھر میں آپ کو ایک تاریخ دوں گی اس تاریخ کو آپکو آنا پڑے گا آپ کی بیٹی کا ابارشن ہو گا"

ڈاکٹر آمنہ نے مزید کہتے ہوئے ایک پرچی پر انہیں کچھ لکھ کر دیا جسے لیے وہ دونوں وہاں سے چلی گئی۔

ان کے جاتے ہی وہ نرس رمشاء جو پہلے ایک طرف کھڑی تھی اب لپک کر آئی تھی اور اسی کرسی پر ڈاکٹر آمنہ کے سامنے بیٹھ گئی تھی جس پر کچھ دیر پہلے نور بیٹھی تھی.

"میم !کیا میں نے ٹھیک سنا ہے آپ اس لڑکی کا ابارشن کرنے والی ہے ؟"

رمشاء نے حیرت ذدہ ہو کر پوچھا کیونکہ آج تک ڈاکٹر آمنہ کے پاس جتنے بھی ابارشن کے کیسز آتے وہ انہیں صاف لفظوں میں انکار کر دیتی اب انہیں انیلہ بیگم کے سامنے حامی بھرتے دیکھ کر رمشاء کنفیوز ہو گئی تھی اسی کنفیوژن کو دور کرنے کے لیے اس نے ڈاکٹر آمنہ سے پوچھا جو رمشاء کا سوال سننے کے بعد لبوں پہ ملائم مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھی.

"ہاں رمشاء تم نے بلکل صحیح سنا میں نے ان کے سامنے یہی کہا ہے کہ میں ان کی بیٹی کا ابارشن کروں گی"

"مگر"

"میں نے صرف ان کے سامنے کہا ہے اصل میں میں ایسا کچھ نہیں کرنے والی"

ڈاکٹر آمنہ نے آنکھوں سے عینک اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا

"کیا ؟مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی ابھی کچھ دیر پہلے ان کے سامنے آپ نے کہا کہ آپ کریں گی ابارشن اب آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ نہیں کریں گی کیا مطلب ؟

"اس نے الجھ کر پوچھا

"تھوڑی دیر انتظار کرو تمہیں سب سمجھ میں آ جائے گا"

انہوں نے کہا جس پر رمشاء نے مزید سوالات کرنے کے بجائے اثبات میں سر ہلا دیا

کافی دیر بعد ان دونوں ماں بیٹی کی واپسی ہوئی تھی ہاتھوں میں کچھ رپورٹس تھامے وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئی اور آتے ہی اپنی سابقہ نشستیں سنبھال لی تھی۔

"یہ رپورٹس مجھے دکھائے"

ان کے بیٹھتے ہی ڈاکٹر آمنہ نے رپورٹس لینے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا جس پہ نور نے خود ساری رپورٹس ان کے ہاتھ میں تھما دی۔

میز سے اپنی عینک اٹھا کر آنکھوں پہ لگاتے ہوئے وہ بغور ان رپورٹس کا مطالعہ کر رہی تھی تقریباً پانچ منٹ ان رپورٹس کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد انہوں نے انیلہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"دیکھیں مسز شاہ میر آپ کی بیٹی بہت کمزور ہے ان میں خون کی کمی بھی بہت ہے ایسے میں ابارشن کے دوران ان کی جان کو خطرہ ہے آپ کی بیٹی کے بچنے کے چانسز بیس فیصد ہے اب اگر آپ اپنی بیٹی کا ابارشن کروانا چاہتی ہے تو یکم مئی کو تشریف لے آئیے گا میں آپ کو انکار نہیں کروں گی"

ڈاکٹر آمنہ نے ویسے ہی پیشہ ورانہ لہجے میں ان کو آگاہ کیا جبکہ ڈاکٹر کی بات سنتے ہی نور کا دل دہل اٹھا تھا۔

"نہیں نہیں مجھے ابارشن نہیں کروانا" نور نے فوراً ڈاکٹر آمنہ سے کہا تھا

"اوکے ڈاکٹر میں کل تک سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کے بعد آپ کو انفارم کردوں گی کہ کروانا ہے یا نہیں"

انیلہ بیگم کا جوش وخروش اب ماند پڑ پڑچکا تھا بجھے ہوئے چہرے کے ساتھ بولتے ہوئے ان دونوں نے الوداعی کلمات ادا کیے تھے اور پھر وہاں سے چلی گئی.

"کچھ سمجھی؟"

ڈاکٹر آمنہ نے مسکرا کر ابرو اچکاتے ہوئے رمشاء سے پوچھا

"نہیں میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا" رمشاء نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا

"تمہیں پتا ہے رمشاء اس دنیا کے لوگ بہت ظالم ہیں یہ ظلم کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ جس پر ہم ظلم ڈھا رہے ہیں وہ بچہ ہے یا بوڑھا مجھے خود ان عورتوں پہ حیرت ہوتی ہے جو اپنی اولاد کو اپنے جسم کے حصے کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے خود اپنے جسم سے سے الگ کرتی ہے ماں تو وہ عظیم ہستی ہے جس کے قدموں تلے اللہ تعالیٰ نے جنت رکھی ہے مگر مجھے افسوس ہوتا ہے ان ماؤں پہ جو خود اپنی اولاد کا قتل کرتی ہے اور اپنے ہی بچے کی قاتل بن جاتی ہیں اس قتل کا حساب اس دنیا میں تو نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ زبردست حساب لینے والا ہے

اس ظلم میں آجکل کے کچھ لالچی ڈاکٹرز بھی شامل ہیں جو چند پیسوں کے عوض ان معصوموں کی جڑیں کاٹ دیتے ہیں اِن بچوں کے جسم کے ایک ایک حصے کو کاٹ کاٹ کر ماں کے پیٹ سے الگ کرتے ہیں ظلم کا ساتھ جو دیتا ہے وہ بھی ظالم ہے ہمارے دین میں تو ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت

کے قتل کے برابر کہا گیا ہے اور آج کل کی عورتیں اپنی بدکاریوں کی سزا ان معصوموں کو دیتی ہے جو ابھی اس دنیا میں آئے بھی نہیں ایسے تمام ماں باپ جو اپنی اولاد کو ابارشن کے ذریعے قتل کرتے ہیں ایسے تمام ڈاکٹر جو اس قتل میں شامل ہوتے ہیں انکا بھی روز قیامت حساب ہوگا."

وہ سانس لینے کو رکی تھی

"میں اس بچے کو مار کر اس معصوم کے قتل میں حصہ دار نہیں بن سکتی اس لیے میں نے اُسکی ماں سے جھوٹ بولا کہ ابارشن میں اسکی جان کو خطرہ ہے"

ڈاکٹر آمنہ نے اطمینان سے اسے بتایا

"مگر میم آپ انکو صاف صاف منع بھی تو کر سکتی تھی"

رمشاء نے پوچھا

"ہاں بلکل میں ایسا کر سکتی تھی لیکن اس سے کیا ہوتا وہ کسی لالچی اور بے ضمیر ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتے اور پیسے دے کر اس بچے کو مار دیتے مگر اب وہ کہی نہیں جائیں گے یہ سوچ کر کہ شہر کی سب سے بڑی ڈاکٹر نے اگر یہ کہا ہے کہ اب کے بیٹی کی جان کو خطرہ ہے تو ایسا ہی ہوگا میں نے اس بچے کو بچانے کی ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے باقی اگر اس کی قسمت میں اللہ نے اس دنیا میں آنا لکھ دیا ہو تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے اس دنیا میں آنے سے نہیں روک سکتی"

ڈاکٹر آمنہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا

"میم کاش ہر ڈاکٹر آپ کی طرح سوچے تو کتنی زندگیاں بچ جائے گی کتنے معصوم پیدا ہونے سے پہلے قتل ہونے سے بچ جائیں گے"

رمشاء حسرت سے بولی تھی

یہی تو بات ہے رمشاء وہ دنیاوی علم جو آپ کو اپنے رب کے قریب لے جاتا ہے وہ آپ کے لئے بہترین ہے لیکن وہ علم جو آپ کو اپنے اللہ, اپنے خالق سے دور کر دے ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں آجکل کے معاشرے میں بہترین پیشہ جو سمجھا جاتا ہے وہ ہے ڈاکٹر کا بہت سے ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کا بیٹا یا ان کی بیٹی ڈاکٹر بنے اس میں کئی فائدے ہیں ایک ڈاکٹر بننے کے بعد آپ کئی انسانوں کی جان بچا سکتے ہیں اچھا ہے لیکن اس علم کے ذریعے آپ غلط کام بھی کر سکتے ہیں ایک طرف کسی کی زندگی بچا کر اچھا کام کر سکتے ہیں مگر دوسری طرف اسی میڈیکل کی تعلیم کے ذریعے کسی کی جان بھی لے سکتے ہیں اور میں زندگی بچانے والی بننا چاہتی ہوں زندگی چھیننے والی نہیں اللہ ایسے تمام ڈاکٹرز کو ہدایت دے جو اپنے علم کا غلط استعمال کر کے معصوم بچوں کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی مار دیتے ہیں"

ڈاکٹر آمنہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا تھا جس پر رمشاء نے بھی "امین" کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ دونوں دروازے سے داخل ہونے والے نئے پیشینٹ کی طرف متوجہ ہو گئی.

....

ڈائننگ ٹیبل پہ سب ڈنر کے لیے موجود تھے نور نے سلگتی نظروں سے دعا کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا جب سے اُسے پتا چلا تھا کہ ڈاکٹر نے ابارشن سے منع کر دیا ہے تب سے دعا بہت خوش تھی مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی مکمل خاموشی میں انیلہ بیگم نے بات کا آغاز کیا۔

"شاہ میر وہ آج ہم ڈاکٹر کے پاس گئے تھے"

انیلہ بیگم نے بتایا

"ہمم پتا ہے مجھے پھر کیا کہا ڈاکٹر نے ؟"

شاہ میر ملک نے نوالہ چباتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا

"ڈاکٹر نے ابارشن نا کروانے کی تجویز دی ان کا کہنا ہے کہ نور بہت ویک (کمزور) ہے ابارشن کے دوران اس کی جان کو خطرہ ہے"

انیلہ بیگم نے مزید بتایا جس پہ شاہ میر ملک کے چہرے کے تاثرات یک دم تن گئے تھے

"اگر مرتی ہے تو مر جائے لیکن میں کسی صورت اپنی بدنامی برداشت نہیں کروں گا"

چمچ پلیٹ میں پٹختے ہو وہ ناگواری سے بولے تھے

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں شاہ میر ہم سوچتے ہیں کوئی دوسرا راستہ نکل آئے گا"
انیلہ بیگم نے ان کے غصیلے تاثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے ملائم لہجے میں کہا
"اب مزید سوچنے کا وقت نہیں ہے تم دونوں اپنا سامان پیک کرو اور کل صبح کی پہلی فلائٹ سے راولپنڈی پہنچو بچے کی پیدائش تک تم دونوں وہی پرانے گھر میں رہو اور جیسے ہی بچہ پیدا ہو گا میں اس کو کہیں پھینک دوں گا یہاں سے بہت دور تاکہ کسی کو بھی شک نا ہو"

"جب تک یہ یہاں رہے گی تب تک سب کو پتا چل جائے گا اس لیے کل صبح ہی یہاں سے چلیں جانا دونوں"
شاہ میر ملک نے خونخوار نظروں سے دونوں کو گھورتے ہوئے چبا چبا کر کہا
"اور ہاں وہاں جا کر گھر میں ٹک کر بیٹھنا اگر مجھے تمہارے گھر سے باہر جانے کی خبر ملی تو ٹانگیں توڑ دوں گا"
انگلی اٹھا کر نور کو وارن کرنے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ڈائننگ روم سے چلے گئے نور بھی غصے سے پیر پٹختی کمرے میں چلی گئی.
"اب کرنی پڑے گی پیکنگ"
سلگ کر بولتے ہوئے انیلہ بیگم بھی پیکنگ کرنے کیلیئے اپنے کمرے میں چلی گئی جبکہ دعا وہی بیٹھی رہی
"جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے"

مسکرا کر زیر لب کہتی وہ اطمینان سے کھانا کھاتی رہی

دن پر لگا کر گزر رہے تھے نور اور انیلہ بیگم کو کراچی آئے آٹھ ماہ ہو چکے تھے اب تو نور کی پریگنینسی کا بھی آٹھواں مہینہ اپنے اختتام کو پہنچ کر نوا مہینہ شروع ہو چکا تھا

دن دس بجے کا وقت تھا جب نیند سے اسکی آنکھ کھلی تھی بستر چھوڑتی وہ آنکھیں مسلتی اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر آتے ہوئے لاؤنج کا رخ کیا جہاں انیلہ بیگم پہلے سے موجود صوفے پر براجمان ریموٹ ہاتھ میں تھامے ٹی۔وی دیکھنے میں مصروف تھی۔

"کیا مصیبت ہے آخر کب میں اس قید خانے سے باہر نکلوں گی دم گھٹتا ہے میرا اس پنجرے میں" وہ انیلہ بیگم کے دائیں جانب رکھے صوفے پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے اونچی آواز میں بولی تھی انیلہ بیگم نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی تھی جو اس وقت ٹراؤزر اور قدرے لوز شرٹ پہنے رف سے حلیے میں منہ بنائے بیٹھی تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اپنی حالت دیکھو اگر اس حالت میں تم تھوڑی سی شرم و حیا کا دامن پکڑ کر انسانوں کی طرح اٹھو بیٹھو تو کیا یہ بہتر نہیں ہے"

ناگواری کے ساتھ بولتے ہوئے انیلہ بیگم نے اس کے بڑھے ہوئے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسکے بیٹھنے کے انداز پہ چوٹ کی تھی۔

"مجھے باہر جانا ہے میں بور ہو رہی ہوں گھر پہ, اب مجھ سے مزید یہاں نہیں رہا جاتا" وہ ماں کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ضدی انداز میں بولی

"خود تو آپ آئے دن باہر شاپنگ کرنے, ہوٹلز میں کھانا کھانے اور اپنی فرینڈز سے ملنے جاتی رہتی ہے اور مجھے باندھا ہوا ہے یہاں بھیڑ بکریوں کی طرح "

نور بھرائے لہجے میں ان سے بولی تھی جو افسوس بھری نظروں سے اُسی کی جانب ہی متوجہ تھی

"جاؤ ذرا اندر سے میرا موبائل لے کر آؤ کرتی ہوں تمہارے باپ سے بات کے محترمہ کا دم گھٹ رہا ہے گھر میں اس حالت میں سیر سپاٹوں کے لئے باہر جانا چاہتی ہے تاکہ پہلی ہی فرصت میں وہ یہاں حاضر ہو کر تمہاری ٹانگیں توڑ ڈالے "

انیلہ بیگم غصے سے اس پہ غرائی تھی جواب منہ بنائے خاموشی سے بیٹھی تھی

"نور دیکھو میری بات سنو" اس کے ناراض چہرے کو دیکھتے ہوئے انیلہ بیگم نرم ہوئی تھی ملائم لہجے میں بولتے ہوئے وہ ٹی۔وی بند کرتی اسکے پاس آئی تھی اور اسکے برابر میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"تمہیں تو تمہارے ڈیڈ کا پتا ہے نا اگر میں نے تمہیں ابھی باہر جانے دیا اور ان کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ گھر سر پر اٹھا لیں گے تم نے اتنے دن انتظار کر لیا ہے تو میری بات مان کر چند دن اور انتظار کر لو اس بچے کی پیدائش کے بعد جب ہم اس کو ٹھکانے لگا دیں گے تب تمہارے کندھوں سے بھی بوجھ ہلکا ہو

جائے گا پھر جہاں جانا چاہوں گی چلی جانا فرینڈز کے ساتھ جانا چاہو گی تو بھی چلی جانا تمہیں کوئی نہیں روکے گا اگر تمہارے ڈیڈ تمہیں روکے گے تو میں خود ان سے بات کروں گی.

"ٹھیک ہے سمجھ گئی نا میری بات کو؟"

انیلہ بیگم نے اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے ہوئے پوچھا تھا جس پہ نور نے بھی دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا

"اب چلو اٹھو جلدی سے روبینہ (کام والی) سے کہو کہ تمہیں ناشتہ بنا کر دیں اچھی طرح کھاؤ پیو تم ابھی بھی کمزور ہو یہ نا ہو پھر ڈیلیوری کے ٹائم کچھ مسلہ بن جائے"

انہوں نے محبت سے نور کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا جو "ٹھیک ہے "کہتی اپنے بھاری بھر کم وجود کو سنبھالتی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور روبینہ کو آوازیں دیتی کچن کی جانب چلی گئی.

....

وہ کب سے اس جنگل میں بھاگ رہی تھی بھاگ بھاگ کر اس کے پیر شل ہو چکے تھے اس کے سر سے دوپٹہ پھسل کر نیچے گر چکا تھا کمر تک آتے لمبے بال بکھر چکے تھے مگر اسے اس وقت کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں تھی پرواہ تھی تو صرف اس بات کی کہ کوئی آدمی اسے مارنے کے لیے اسکے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اسنے کسی بھی طرح اپنی جان بچانی ہے.

بھاگتے بھاگتے وہ ایک دم سے رک گئی تھی اسکا سانس بری طرح پھول رہا تھا دائیں بائیں کمر پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس لیتی وہ ارد گرد کا جائزہ لینے لگی نظریں اٹھا کر اسنے اپنے دائیں بائیں دیکھا تھا جہاں گھپ اندھیرے اور بے تحاشہ درختوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا.

"جنگل یا میرے اللہ میں اس جنگل میں کیسے پہنچ گئی اب میں گھر کیسے جاؤں گی مجھے تو راستہ بھی نہیں پتا اور اگر,اگر وہ آدمی مجھ تک پہنچ گیا اور اس نے مجھے مار دیا تو"

اُس گھنے جنگل میں اس وقت کنول اکیلی کھڑی تھی ڈر و خوف سے اس کا دل دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر نکلنے کو تھا.

"اسفند کو کیسے پتا چلے گا کہ میں اس جنگل میں پھنس گئی ہوں وہ اور ارمان تو مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے اگر میں یہاں مر گئی انہیں تو پتا تک نہیں چلے گا" یہ سوچتے ہی وہ زور و شور سے رونا شروع کر چکی تھی.

روتے روتے یک دم اسکی سسکیوں کو بریک اس وقت لگا تھا جب اسے اپنے پیچھے قدموں کی چھاپ سنائی دی تھی خوف سے اسکا دل دہل اٹھا تھا اسنے تیزی سے اپنے چاروں طرف دیکھا تھا مگر وہاں کسی کو موجود نا پایا.

اس سے پہلے کہ وہ آدمی مجھ تک پہنچے میں یہی کہی چھپ جاتی ہوں"

اس نے سوچا اور تیزی سے دائیں بائیں دیکھتی اپنے لیے جائے پناہ تلاش کرنے لگی کہ اسکی نظر بائیں جانب موجود ایک بہت بڑے درخت پر گئی وہ بھاگ کر اس درخت کے موٹے تنے کے پیچھے سمٹ کر بیٹھ گئی کافی دیر تک وہ وہی بیٹھی رہی مگر وہاں کوئی نہیں آیا۔

"لگتا ہے مجھے یہاں موجود نا پا کر وہ چلا گیا ہے"

درخت کے پیچھے سے آہستہ سے سر نکال کر اسنے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے خود سے کہا دل ہنوز بری طرح دھڑک رہا تھا

جیسے ہی اس نے واپس سر سیدھا کر کے سامنے دیکھا اس کا دم خشک ہو گیا وہی آدمی بلیک پینٹ کے ساتھ بلیک ہی شرٹ پہنے، چہرے کو بلیک رومال سے ڈھانپے کنول کے بلکل سامنے موجود تھا کچھ اس نے چہرے کو کالے رومال کی مدد سے چھپایا تھا اور کچھ اندھیرے کے باعث کنول اسے پہچاننے میں ناکام رہی۔

"ک کون ہو تم؟"

میں نے تمہارا ک کیا بگاڑا ہے؟ "کیوں میرے پیچھے پ پڑے ہو؟"

کنول کے پیروں سے دم نکل چکا تھا بیٹھے بیٹھے ہی اس نے سر اٹھا کر رندھی ہوئی آواز میں اٹکتے اٹکتے اس نقاب پوش سے پوچھا تھا مگر جواباً کچھ بھی کہنے کے بجائے اسنے کنول کا گلا دبوچ کر اسے گلے سے پکڑے ہی کھڑا کیا۔

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

درد اور تکلیف کی شدد سے اسکی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں تھی دونوں ہاتھوں سے اسکا ہاتھ اپنے گلے سے ہٹانے کی کوششوں میں وہ ہلکان ہو رہی تھی تکلیف کی شدد سے اسکا چہرہ سرخ ہو چکا تھا چاند کی مدھم روشنی میں کنول کی نظر ایک پل کو نقاب سے جھانکتی اسکی آنکھوں پر گئی تھی وہ بس صرف ایک جھلک ہی دیکھ سکی تھی مگر کنول کو اسکی آنکھیں جانی پہچانی لگی تھی اپنے گلے پہ موجود اس شخص کے ہاتھ سے اپنا ایک ہٹاتے ہوئے کنول نے جھٹ سے اسکے چہرے سے رومال کھینچا تھا سامنے موجود شخص کا چہرہ اب چاند کی روشنی میں صاف صاف نظر آ رہا تھا گلے میں اٹھتی درد کی لہروں کے باوجود اسنے شدید حیرت کے باعث مزاحمت ترک کر دی تھی جبکہ اس شخص نے کنول کے گلے پہ اب اپنی گرفت مزید سخت کر دی تھی

"اسفند"

اسکا ہاتھ اپنے گلے سے ہٹانے کی ایک بار پھر کوشش کرتی کنول کے لبوں نے حرکت کی تھی سامنے موجود وہ اسفند ہی تھا جو سختی سے جبڑے بھینچے اسکا گلا دبا رہا تھا۔

"اسفند" یکدم ہی چیخ کر اسنے اسفند کا نام لیا تھا اور آنکھیں کھول لی تھی اگلے ہی پل خود پر جھکے اسفند کو دونوں ہاتھوں سے دھکیلتی وہ اٹھ بیٹھی تھی اسفند سمجھ چکا تھا کہ اسنے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے اس لیے دھیرے سے اسے خود سے لگائے وہ اسکے نارمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا جو پسینے میں شرابور ایسے گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی جیسے وہ میلوں دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔

"اللہ کا شکر ہے یہ خواب تھا, یا میرے مالک تیرا شکر ہے کہ یہ خواب تھا"

اسکے پسینے میں بھیگے بالوں پر چہرہ ٹکائے وہ ساکت بیٹھا تھا مگر سن سکتا تھا تو تین بار اسنے اللہ کا شکر ادا کیا تھا.

اسکے نارمل ہونے پر اسفند نے دھیرے سے اسے خود سے الگ کیا تھا

"کنول کیا ہوا تمہاری طبعیت ٹھیک ہے ؟"

اسفند نے مدھم آواز میں اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے ہوئے پوچھا تھا

جواباً کنول نے اثبات میں سر ہلا دیا.

"اسفند میں نے ابھی ابھی ایک بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ تم میرا گلا دبوچے مجھے جان سے مار رہے ہو"

کنول نے بھیگے ہوئے لہجے بتایا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اچھا پھر تو واقعی تمہیں مجھ سے بچ کر رہنا چاہیئے"

اسفند نے آنکھوں میں شرارت لیے اس سے کہا جو سچ مچ اس سے دور ہو گئی تھی

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا بھلا میں تمہیں کیسے مار سکتا ہوں تم تو میرا واحد قیمتی اثاثہ ہو تمہیں کچھ ہو گیا تو میں تو خود مر جاؤں گا"

اسفند نے اسکا چہرہ پھر سے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے اسکی آنکھوں میں جھانکتے محبت سے کہا تھا اور پھر اسے اپنے قریب کرتا دھیرے دھیرے سے اسکی پیٹھ تھپکنے لگا جو اسفند کے سینے سے چہرہ ٹکائے اب بلکل پر سکون بیٹھی تھی کافی دیر وہ دونوں اسی پوزیشن میں رہے اسفند کو ہوش تو تب آیا جب اسے کنول کے گہرے گہرے سانس لینے کی آواز سنائی دی آہستہ سے جھک کر اسنے کنول کے چہرے کو دیکھا تھا جو اسکے سینے پر سر رکھے ایک بار پھر آرام سے سو چکی تھی دھیرے سے اسے بیڈ پر لیٹا تا ارمان پر کمبل اچھی طرح پھیلانے کے بعد اسفند خود بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔

....

یوسف اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھا ہاتھ میں ریموٹ لیے بیزاری سے چینل بدل رہا تھا کہ اتنے میں قاسم اور رمیز دروازے کو ٹھوکر مار کر کھولتے آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئے تھے ایک نظر ان کی طرف دیکھنے کے بعد یوسف نے پھر سے اپنی نگاہوں کا مرکز ٹی۔وی کو بنا لیا۔

"ارے یوسف! یار کیا ہوا ہے تمہیں یہاں خود کو کمرے میں بند کیے بیٹھے ہو نہ یونیورسٹی آرہے ہو نا میسیجز کا رپلائے دے رہے ہو اور نا ہی ہماری کالز اٹینڈ کر رہے ہو ناراض ہو کیا ہم سے؟"

رمیز نے قریب ہی موجود سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے خفگی سے اس سے پوچھا جبکہ قاسم نیچے فلور کشن پر بیٹھ چکا تھا

"نہیں یار کیوں ہوں گا میں تم دونوں سے ناراض تم دونوں تو میرے جگری یار ہو"

یوسف نے دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا

"بس یار پتا نہیں کیوں پر آجکل میرا دل بہت اداس ہے کہی جانے کا دل نہیں کرتا کسی سے بات کرنے کا دل نہیں کرتا بس عجیب سے کیفیت ہے"

وہ ریموٹ سے ٹی۔وی بند کر کے ریموٹ صوفے پر اچھالتا بے دلی سے کھوئے کھوئے لہجے میں بولا

"یہ لو اب گھر میں بند کمرے میں پڑے رہو گے کسی سے بات نہیں کرو گے تو یہی ہو گا نا"

رمیز نے اس سے کہا

"ہاں یہ بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے میں تو کہتا ہوں چلو تینوں کہی چلتے ہیں گھومنے پھرنے ویسے بھی بہت دن ہو گئے ہم ایک ساتھ کہیں نہیں گئے"

قاسم نے آئیڈیا دیتے ہوئے کہا

"نہیں مام ڈیڈ اسلام آباد گئے ہیں ڈیڈ کے فرینڈ ہیں ان کے بیٹے کی شادی ہے وہی اٹینڈ کرنے گئے ہیں کل رات تک آجائیں گے اب میں بھی چلا جاؤں گا تو پھر گھر پہ کون ہو گا ڈیڈ کو پتا چل گیا تو پھر بہت ناراض ہونگے"

یوسف نے انکار کرتے ہوئے کہا

"ارے بھئی تو ٹھیک ہے نا کل رات تک آئیں گے نا انکل آنٹی تو کل شام تک ہم بھی ان سے پہلے پہنچ جائیں گے انہیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ تم کہیں گئے تھے"

قاسم نے حل مسئلے کا حل نکالتے ہوئے کہا

"ہاں یوسف یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ان سے پہلے ہم آجائیں گے"

رمیز نے بھی قاسم کی تائید کی

"لیکن میرا کہیں بھی جانے کا دل نہیں کر رہا"

یوسف نے ایک بار پھر بیزاری سے کہا

"اٹھو بس اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا تم ابھی کہ ابھی ہمارے ساتھ چل رہے ہو گھر سے باہر نکلو گے تو طبعیت خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گی"

قاسم نے کھڑے ہو کر اسکو بازو سے کھینچ کر صوفے سے اٹھاتے ہوئے کہا

"اچھا ٹھیک ہے چلتے ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ چلنا کہاں ہے؟"

یوسف نے ان دونوں سے پوچھا

"یار میں تو کہتا ہوں پہاڑی علاقوں کی طرف چلتے ہیں یہاں اتنا پیارا موسم ہے بارش ہو رہی ہے میں نے نیوز میں دیکھا تھا پہاڑی علاقوں میں زبردست برف باری ہو رہی ہے"

رمیز نے خوش ہوتے ہوئے کہا

"ہاں ٹھیک ہے میں بھی یہی سوچ رہا تھا چلو سوات چلتے ہیں کیسا"

قاسم نے بولتے ہوئے یوسف سے رائے مانگی جس نے بے دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا

"ٹھیک ہے تم گاڑی نکالو ہم دونوں بھی اپنے کچھ کپڑے پیک کر کے لاتے ہیں"

رمیز نے یوسف سے کہا جو کہ اب اپنے کچھ کپڑے الماری سے نکال کر ایک چھوٹے سے سفری بیگ میں رکھ رہا تھا

وہ دونوں بھی آدھے گھنٹے میں اپنا سامان پیک کیے آ گئے تھے اور تینوں گاڑی میں بیٹھ کر سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔

....

"روبینہ !، روبینہ کہاں ہو؟"

رات کے دس بجے کا ٹائم تھا جب نور اور انیلہ بیگم ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسوں پر بیٹھی ڈنر کر رہی تھی ڈنر کرنے کے بعد اب نور گلا پھاڑ کر روبینہ آنٹی کو برتن اٹھانے کے لیے آوازیں دے رہی تھی

"مت چلاؤ روبینہ نہیں ہے وہ گھر چلی گئی ہے اس کے بیٹے کو بہت تیز بخار تھا چھٹی مانگ رہی تھی میں نے دے دی"

انیلہ بیگم نے اس سے کہا

"آپ کو کب سے ان دو ٹکے کے نوکروں سے ہمدردی ہونے لگی اگر اسے چھٹی ہی چاہیئے تھی تو پھر گھر ہی بیٹھے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے"

وہ ناگواری سے سر جھٹکتے ہوئے بولی

"اچھا کوئی بات نہیں تم اٹھ کر یہ برتن خود کچن میں رکھ آؤ گی تو قیامت نہیں آئے گی اور ایک بات اور سنو میری تمہاری ڈیلیوری کے دن اب قریب ہے میں نے صبح تمہارے ڈیڈ کو فون کر کہ کہہ دیا تھا کہ وہ آجائے ظاہر ہے اگر تمہاری طبیعت اچانک سے خراب ہو گئی تو میں اکیلے کیا کرونگی تمہارے ڈیڈ اب آنے ہی والے ہونگے یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں تمہیں کہ ان کے سامنے اپنا رویہ ٹھیک رکھنا وہ پہلے ہی بہت بدظن ہے تم سے مزید کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا ان کے سامنے"

انیلہ بیگم نے اسے سختی سے سمجھایا

"اچھا ٹھیک ہے سمجھ گئی ہوں"

پلیٹیں ہاتھوں میں اٹھائے وہ بے نیازی سے بولی تھی اور کچن کی جانب چلی گئی تھی

اسی وقت شاہ میر ملک کی گاڑی بھی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی

نور سنک میں پلیٹیں رکھ کر پلٹی ہی تھی کہ نیچے پڑے پانی میں اسکا پیر پھسلا تھا اور وہ منہ کے بل زمین پہ گری تھی اسکی اذیت ناک چیخیں سنتے ہی انیلہ بیگم نے بھی دہل کر کچن کی طرف دوڑ لگا دی تھی شاہ میر ملک ایک ہاتھ میں سفری بیگ تھامے ابھی اندر داخل ہی ہوئے تھے کہ انکے کانوں میں نور کی کربناک چیخوں کی آواز پڑی بیگ وہی پھینکتے وہ کچن کی طرف بھاگے تھے اور اندر کا منظر دیکھ کر ان کے اپنے

ہاتھ پیر بھی پھول گئے تھے جہاں نور زمین پہ پڑی پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے درد کی شدت سے تڑپ رہی تھی شاہ میر ملک وقت ضائع کیے بغیر بھاگ کر اس تک آئے تھے اور اسے بازوؤں میں اٹھاتے باہر کی جانب دوڑ لگا دی تھی جبکہ نور کے سرہانے بیٹھی انیلہ بیگم بھی انکے پیچھے ہی دوڑی تھی اور اسے لیے وہ ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

شاہ میر ملک اور انیلہ بیگم نور کو ہسپتال لے آئے تھے اسے فوراً آپریشن تھیٹر لے جایا گیا جبکہ شاہ میر ملک اور انیلہ بیگم دونوں وہی کوریڈور میں بے چینی سے کھڑے کچھ خبر ملنے کا انتظار کر رہے تھے ابھی انکو وہاں بیٹھے بمشکل تین۔ چار منٹ ہی ہوئے تھے جب ایک لیڈی ڈاکٹر ہاتھ میں کچھ پیپرز تھامے ان تک آئی تھی ڈاکٹر کو سامنے موجود پا کر وہ دونوں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ڈاکٹر صاحبہ کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا؟"

انیلہ بیگم نے پریشان سے لہجے میں پوچھا

"جی نہیں مسز شاہ میر خیریت بلکل بھی نہیں ہے آپ کی بیٹی کی کنڈیشن بہت سیریس ہے ہمیں جلد از جلد ان کا آپریشن کرنا پڑے گا"

اس ڈاکٹر نے عجلت میں کہتے ہوئے ہاتھ میں تھامے پیپرز ان کے سامنے کیے

"اُن کے ہزبنڈ کہاں ہیں؟ ہمیں ان پیپرز پہ اُن کے ہزبنڈ کے دستخط چاہیئے"

www.urdunovelsmania.com

ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ان سے پوچھا

"وہ نور کے ہزبنڈ................"

"وہ ملک سے باہر ہے بزنس کے سلسلے میں امریکا گیا ہے میں اسکا باپ ہوں دستخط کہاں کرنے ہیں مجھے دیں میں کر دیتا ہوں"

شاہ میر ملک نے انیلہ بیگم کی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا

اُن پیپرز پر سائن کر کے انھوں نے واپس ڈاکٹر کے ہاتھ میں تھما دیئے انیلہ بیگم اور شاہ میر ملک کو نور کے لیے دعائیں کرنے کا کہتی ڈاکٹر خود آپریشن تھیٹر کی جانب چلی گئی۔

....

اکتوبر کی سخت سردی میں بارش زور و شور سے برس رہی تھی ہسپتال کے کوریڈور میں وہ دونوں میاں بیوی بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہے تھے کافی دیر بعد وہی لیڈی ڈاکٹر ان کے پاس آئی تھی

"مبارک ہو آپ کا نواسہ ہوا ہے" اس ڈاکٹر نے آنکھوں پہ چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے مسکرا کر خوشخبری سنائی یہ جانے بغیر کے سامنے موجود نفوس کے لیے یہ کوئی خوشخبری نہیں پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اس ڈاکٹر نے ان دونوں کے کانوں میں انڈیلا تھا مگر ان دونوں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش

کی "اور ہماری بیٹی وہ کیسی ہے اب؟ کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟" انیلہ بیگم نے بے چینی سے پوچھا تھا

"ارے نہیں نہیں کوئی خطرے کی بات نہیں آپ کی بیٹی اب خطرے سے باہر ہے اللہ کا شکر ہے آپریشن کامیاب رہالیکن ابھی وہ دواؤں کے زیر اثر آرام کر رہی ہے تو بہتر ہے آپ صبح تک انتظار کریں صبح مل لیجئیے گا اپنی بیٹی سے" اس ڈاکٹر نے ویسے ہی مسکرتے ہوئے پیشہ ورانہ لہجے میں بتایا جس پہ انیلہ بیگم نے بھی شکر کا سانس لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا

"اللہ کا شکر ہے ہماری بیٹی ٹھیک ہے" ڈاکٹر کے وہاں سے جاتے ہی ان کی سرگوشی نما آواز سنائی دی "ہاں ہاں زندہ ہے تمہاری بیٹی ہماری عزت کا جنازہ نکالنے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود بھی زندہ ہے وہ" شاہ میر ملک نے غصے سے بھینچی ہوئی آواز میں کہا "صرف میری نہیں آپکی بھی بیٹی ہے وہ" انیلہ بیگم نے تصیح کی "ہاں پتہ نہیں میں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا زندگی میں جس کی سزا مجھے اس بیٹی کی شکل میں ملی" وہ مزید غصے سے بولے تھے

جبکہ اس سے پہلے کہ انیلہ بیگم جواب دیتی وہاں ایک نرس کی آمد ہوئی تھی جس کے باعث وہ دونوں خاموش ہو گئے تھے "یہ ہے آپ کا بے بی ماشاللہ بہت پیارا ہے" نرس نے مہرون رنگ کے کمبل میں لپٹے بچے کو شاہ میر ملک کی گود میں دیتے ہوئے پیار سے کہا اور وہاں سے چلی گئی "اب بتاؤ اس

بچے کا کیا کروں کسی کو پتہ چل گیا کہ میری بیٹی نے کیا گل کھلایا ہے تو میں تو کسی کو منہ دکھانے لائق بھی نہیں رہوں گا" نرس کے جاتے ہی وہ شدید غصے سے چبا چبا کر بولے تھے "اچھا بس ٹھیک ہے اب یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے پلین کے مطابق اس بچے کو شہر سے باہر کہیں چھوڑ آئے" انیلہ بیگم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم یہاں سب سنبھالو اور میں اس گناہ کی پوٹلی کو کہیں پھینکنے جا رہا ہوں" انہوں نے کمبل میں لپٹے اس معصوم بچے کی طرف دیکھتے ہوئے چبا چبا کر رہا اور کمبل سے بچے کا چہرہ بھی ڈھک دیا اس کے بعد وہ وہاں رکے نہیں تیز تیز قدموں کے ساتھ بنا پیچھے دیکھے وہ وہاں سے چلے گئے.

رات کی تاریکی ابھی بھی ہر سوں پھیلی ہوئی تھی اس خاموش اور تاریک رات میں گاڑی پوری رفتار کے ساتھ سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی ڈرائیونگ سیٹھ پر شاہ میر ملک ماتھے پہ بل لیے بیٹھے تھے جبکہ ساتھ والی سیٹھ پر لال گلابی بچہ کمبل میں لپٹا پر سکون نیند سو رہا تھا۔

گاڑی اب شہر کی حدود سے باہر آکر ایک بہت ہی سنسان علاقے میں ایک دم رک گئی تھی اس سفید گاڑی کا دروازہ ایک پل کو کھل کر بند ہوا تھا گاڑی کے اندر سے وہ کمبل میں لپٹے بچے کو گود میں لیے تیزی سے باہر آئے تھے "یہ جگہ ٹھیک ہے اس بچے کو یہی چھوڑ جاتا ہوں کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا"

انہوں نے خود کلامی کی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جگہ تلاش کرنے لگے جہاں اس بچے کو پھینک سکے کہ اتنے میں قریب واقع مسجد سے فجر کے آذان کی آواز بلند ہوئی۔

"اللہ سب سے بڑا ہے...... اللہ سب سے بڑا ہے"

"اب سب لوگ اس مسجد میں نماز کے لیے آئیں گے اگر کسی نے مجھے بچے کو یہاں چھوڑتے دیکھ لیا تو مسئلہ بن جائے گا"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"

ہر طرف پھیلے سکوت میں صرف مؤذن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ایک کام کرتا ہوں کسی کے آنے سے پہلے ہی اس کو یہاں چھوڑ کر چلا جاتا ہوں" انہوں نے خود سے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"
"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"

ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ ان کی نظر کچھ فاصلے پہ موجود کچرے پہ پڑی۔

"آؤ نماز کی طرف "........."آؤ نماز کی طرف "

"آؤ کامیابی کی طرف "..........."آؤ کامیابی کی طرف "

مؤذن کی صدا برابر آرہی تھی

"نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے "

انہوں نے قدم کچرے کی طرف بڑھا دیئے "اس سے پہلے پہلے کہ کوئی آجائے میں اس کو یہی چھوڑ جاتا ہوں "شاہ میر ملک نے کچرے کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کی جہاں جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر موجود تھے اور اس میں سے نکلنے والی بدبو ناقابل برداشت تھی۔

"اللہ سب سے بڑا ہے "..........."اللہ سب سے بڑا ہے "

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں "

آذان کی آواز آنا بند ہو چکی تھی ایک بار پھر ہر سوں موت کا سا سناٹا پھیل چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ بچے کے لیے کسی جگہ کا انتخاب کرتے انہیں کچھ مردوں کی آوازیں سنائی دی۔

"لگتا ہے یہ اسی گاؤں کے لوگ ہیں نماز پڑھنے مسجد کی طرف آ رہے ہیں" شاہ میر ملک نے سوچا اور فورا کمبل میں لپٹے بچے کو کچرے کے ڈھیر پر رکھتے بھاگتے ہوئے آئے اور گاڑی میں بیٹھ کر پوری رفتار سے گاڑی وہاں سے بھاگاتے چلے گئے۔

ایک اور بچہ کچرے کی نظر ہو چکا تھا کسی اور کی بدکاری کی سزا ایک معصوم ننھے فرشتے کو مل چکی تھی، ایک ایسے گناہ کی سزا جو کیا تو کسی اور نے تھا لیکن بھگتنا اب اسی ننھی جان کو تھا۔

....

جہاں پہ شاہ میر ملک اس بچے کو چھوڑ کر گیا تھا وہ پشاور کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا نام ہے " غریب آباد" اور اس گاؤں کے نام ہی کی طرح وہاں کے لوگ بھی بے حد غریب اور سادہ تھے جہاں وہ بچے کو کچرے کے ڈھیر پر پھینک کر گئے تھے وہاں سے آبادی کچھ ہی فاصلے پر تھی اس حسین گاؤں کے لوگ بھی دلوں کے حسین اور نرم تھے ہر مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے والے ہر

خوشی کے موقعے پر ایک دوسرے کی خوشی میں شریک ہونے والے سب ہی ایک دوسرے کی عزت کرنے والے معزز لوگ تھے.

جہاں اس بچے کو پھینکا گیا تھا وہ کچرے کا ایک بہت بڑا ڈھیر تھا پورے گاؤں کے لوگ وہاں کچرا پھینکتے تھے جہاں سے دو دن بعد ایک بہت بڑی گاڑی آکر اس گند کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کر دیتی یہ ڈھیر سیدھی سڑک کے کنارے پر موجود تھا جس کی بائیں جانب کافی فاصلے پر گاؤں کی ایک چھوٹی سی مسجد واقع تھی اسی کے ساتھ چند کریانے اور دوسری اشیا کی دکانیں موجود تھی کچرے کے ڈھیر کی دائیں جانب بہت فاصلے پر گاؤں کے لوگوں کے گھر واقع تھے تمام گھر ایک دوسرے کے بلکل قریب تعمیر کیے گئے تھے.

اس وقت فجر کی آذان ہو چکی تھی گاؤں کی عورتیں گھروں میں ہی جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی جبکہ بچے، بڑے، بوڑھے سب جوک در جوک گھروں سے نکلتے نماز کے لئے مسجد کا رخ کر رہے تھے انہی سب میں گاؤں کا وہ معزز اور نیک انسان بھی شامل تھا جن کو سب استاد احمد صاحب بولتے تھے.

استاد احمد صاحب بھی اسی گاؤں میں اپنی بیگم یاسمین کے ہمراہ رہتے تھے وہ گاؤں کے ایک سرکاری سکول میں معلم تھے یہی وجہ تھی کہ سب ان کو استاد احمد صاحب کہہ کر پکارتے تھے ان کا اس دنیا میں

اپنی زوجہ یاسمین کے سوا اور کوئی نا تھا استاد احمد اور یاسمین کی شادی کو دس سال کا عرصہ ہو چکا تھا مگر وہ دونوں ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھے اس کے باوجود انہوں نے کبھی اللہ سے شکوہ نہیں کیا انہیں اللہ سے امید تھی کہ ایک نا ایک دن اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اولاد کی نعمت سے نوازے گا اگر کبھی یاسمین بیگم اللہ سے شکوہ کرتی بھی تو احمد صاحب ان کو ڈپٹ کر صبر کی تلقین کرتے ماں باپ کئی سال پہلے وفات پا چکے تھے انہی کی طرح یاسمین کا بھی اس دنیا میں کوئی نا تھا ماں باپ تو سالوں پہلے خالق حقیقی سے جا ملے تھے ایک بھائی تھا جو بھری جوانی میں گاڑی کے نیچے آکر مر گیا تھا اب بس صرف ان کی ایک بہن مہناز تھی جو بچاری غربت کی ماری گجرانوالہ میں اپنے شوہر اور سات بچوں کے ساتھ مقیم تھی۔

سب لوگ نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے جا چکے تھے مگر استاد احمد ابھی تک مولوی صاحب کے پاس بیٹھے باتیں کرنے میں مصروف تھے مسجد کے مولوی صاحب جن کا نام "لطیف" تھا احمد صاحب کے بچپن کے دوست بھی تھے اسی لیے احمد صاحب اکثر اوقات نماز پڑھنے کے بعد دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے۔

"اچھا چلو لطیف اب میں چلتا ہوں" کافی دیر بعد احمد صاحب اٹھتے ہوئے بولے

"ٹھیک ہے پھر ملاقات ہوتی ہے" مولوی صاحب نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے الوداعی کلمات ادا کیے اور اس کے بعد احمد صاحب وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"احمد صاحب جب مسجد سے باہر نکلے تو تاریکی کی چادر چھٹ چکی تھی آسمان پر دھیرے دھیرے سپیدی پھیلتی جا رہی تھی وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن دونوں ہاتھ پیچھے کمر پہ باندھے گھر کی جانب چلتے جا رہے تھے جب اچانک کچرے کے ڈھیر کے پاس پہنچتے ہی ان کے کانوں میں شیر خوار بچے کے رونے کی آواز پڑی بنا دھیان دئیے وہ چلتے جا رہے تھے مگراب کی باران کے کانوں میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی پڑی جبکہ کتوں کے بھونکتے ہی بچے کے رونے میں مزید اضافہ ہوا تھا.

"یہ بچے کی آواز کہاں سے آرہی ہے"

انہوں نے خود کلامی کرتے ہوئے اردگرد دیکھا مگر کچرے کے ڈھیر پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی جہاں دو خونخوار کتے گند کے ڈھیر پر پڑے گلابی کمبل میں لپٹے بچے پر حملے کر رہے تھے کتوں کے حملوں سے شاید وہ بچہ زخمی ہو چکا تھا تبھی وہ بے تحاشہ رو رہا تھا

احمد صاحب نے وقت ضائع کیے بغیر قریب پڑے پتھر اٹھا کر کتوں کو مارے تھے جو بھونکتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئے تھے اس کے بعد وہ فوراً دوڑ کر اس بچے تک پہنچے تھے اور اس کو گود میں اٹھایا تھا جس کے تن پر صرف ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہیں تھا وہ بھی کتوں کے حملوں کے باعث اس کے آدھے بدن سے اتر چکا تھا کمبل اترنے کی وجہ سے ہی ان خونخوار کتوں نے اس کے سینے پر بری طرح سے حملہ کیا تھا جہاں سے اب بے تحاشہ خون رس رہا تھا جب وہ لوگ مسجد کی طرف جا رہے ح تھے تب شاید اندھیرے کے باعث اس بچے کو وہاں کوئی نہیں دیکھ سکا تھا اور احمد صاحب ابھی بھی اپنی سوچوں میں گم گھر پہنچ جاتے اور اسے نا دیکھ پاتے مگر بچے کے رونے کی آواز سن کر ہی وہ اسکی طرف

متوجہ ہو گئے تھے یا یوں کہہ لیں کہ اللہ نے ان کو وہاں اُس بچے کی مدد اور اس کی حفاظت کے واسطے بھیجا تھا۔

اُس ننھے معصوم روتے بلکتے بچے کو اچھی طرح کمبل میں لپیٹنے کے بعد وہ اُسے لیے گھر کی جانب چل دئیے۔

گھر کا دروازہ بجاتے ہی یاسمین نے دروازہ کھول کر ان کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا

"آپ آ گئے آج بڑی دیر لگا دی آپ نے میں نے ناشتہ تیار کر لیا آپ.........."

اپنے ہی دھیان میں بولتے بولتے ان کی نظر احمد صاحب کی گود میں اُس روتے بچے پہ گئی تھی اور اگلے ہی پل وہ حیران رہ گئی تھی۔

"احمد یہ کون ہے؟"

"یہ آپ کس کے بچے کو اٹھا لائے؟"

کہاں سے لیکر آئے ہیں آپ اسے؟"

دروازہ کھولتے ہی وہ شروع ہو چکی تھی جبکہ احمد صاحب اس کے کسی بھی سوال کا جواب دیے بغیر اندر کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے اور بچے کو کمرے میں بیڈ پر لیٹاتے وہ یاسمین کی طرف مڑے جو ان کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اب سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف ہی دیکھ رہی تھی جبکہ بچہ ابھی بھی زور و شور سے رونے میں مصروف تھا۔

"مجھے نہیں پتا یہ کس کا بچہ ہے میں نماز کے بعد جب گھر آرہا تھا تب یہ مجھے وہاں کچرے کے بڑے ڈھیر سے ملا کوئی ظالم اس معصوم کو وہاں پھینک گیا تھا جب تک میں وہاں پہنچا تب تک دو کتے اس پر حملہ کر کے اس کو زخمی بھی کر چکے تھے"

بولتے ہوئے انہوں نے اس کے سینے سے کمبل ہٹا کر یاسمین کو وہ زخم دکھایا تھا جس سے ہنوز خون بہہ رہا تھا

"ہائے میرے اللہ" یاسمین نے زخم اور خون دیکھتے ہی دہل کر دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا

"ابھی باقی سب کچھ چھوڑو جاؤ جلدی سے وہ مرہم لے کر آؤ جو مجھے حکیم صاحب نے دیا تھا جب میرے پیر میں چوٹ لگی تھی وہ بہت اچھا مرہم ہے اِس بچے کو آرام ملے گا اس سے"

استاد احمد صاحب نے پریشان لہجے میں کہا جس پہ یاسمین بیگم تقریباً بھاگتی ہوئی گئی تھی اور مرہم لے آئی تھی جیسے جیسے احمد صاحب وہ مرہم بچے کے زخم پر لگا رہے تھے تکلیف کی شدت سے اُس معصوم کے رونے میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا

"یاسمین دودھ تو ہوگا نا گھر پہ"

احمد صاحب نے مرہم لگا کر کپڑے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا

"جی ہے" یاسمین نے جواب دیا

"جاؤ جلدی سے اس بچے کے لئے لے کر آؤں پتا نہیں کب کا بھوکا ہے یہ"

انہوں نے بچے کو گود میں لے کر محبت سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا

"لیکن رکوں ہمارے گھر تو فیڈر رہی نہیں ہے اس کو پلائیں گے کیسے؟" وہ ابھی دو قدم آگے بڑھی تھی جب احمد صاحب نے ایک بار پھر ان کو آواز دے کر روکا تھا

"وہ ساتھ والے قریشی صاحب کی بیٹی ہوئی ہے نا دو ماہ پہلے تو ان کے ہاں ہوگا ابھی ان سے مانگ کر لے آتی ہوں فلحال" یاسمین نے کہا اور وہاں سے چلی گئی تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں دودھ سے بھرا فیڈر تھا احمد صاحب نے بچے کو یاسمین کی گود میں دے دیا تھا جواب اسے فیڈر پلا رہی تھی فیڈر پیتے ہی بچہ رو رو کر اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ فوراً سو گیا.

"احمد اس بچے کا کیا کرنا ہے اب" یاسمین نے سوئے ہوئے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے احمد صاحب سے پوچھا جو کچھ سوچنے میں مگن تھے اچانک یاسمین کے کیے جانے سوال پر چونک اٹھے تھے.

"میں وہی سوچ رہا تھا ابھی کہ اس بچے کو پولیس اسٹیشن لے جاتا ہوں وہاں رپورٹ بھی لکھوا دوں گا اور پھر اس کو کسی یتیم خانے میں دے آؤں گا"

احمد صاحب پر سوچ لہجے میں بولے تھے

یک دم ہی بچے کو دیکھتے ہوئے یاسمین کی آنکھیں کسی سوچ کہ تحت چمک اٹھی تھی

"نہیں میں اس کو یتیم خانے میں نہیں دینے والی"

وہ احمد صاحب سے بولی تھی جو اسکی بات سنتے ہی اب حیرت سے اسکی جانب دیکھ رہے تھے

www.urdunovelsmania.com

"کیا مطلب یتیم خانے میں نہیں دینے والی ؟"

انہوں نے سوالیہ نظروں سے یاسمن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جس پر یاسمین بچے کو نیچے بیڈ پہ لیٹاتی گھوم کر بیڈ کی دوسری جانب آئی تھی اور احمد صاحب کے قریب بیٹھ گئی.

"احمد آپ کو نہیں لگتا ہماری دعائیں سن لی گئی ہے اللہ نے اس بچے کو ہمارے لیے بھیجا ہے"

وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے نم لہجے میں بولی تھی جو اس کی بات سنتے ہی مزید حیرت میں مبتلا ہو گئے تھے.

"گھما پھرا کر بات مت کرو صاف صاف کہو کیا کہنا چاہتی ہو"

وہ یاسمین کی بات کو کسی حد تک سمجھ چکے تھے اس لیے اب کی بار ذرا سخت لہجے میں بولے

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم اس بچے کو گود لے لیتے ہیں یتیم خانے میں بھی تو دینا ہی ہے نا اس سے اچھا ہم اس کو پال لیتے ہیں"

وہ بچے کی جانب دیکھتے ہوئے محبت سے لبریز لہجے میں بولی تھی

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا ؟ ہمیں کیا پتا یہ کس کا بچہ ہے اسے کون وہاں چھوڑ کر گیا ہے ایسے کیسے ہم کسی بھی بچے کو اٹھا کر گود لے لیں اگر کل کو کسی نے پولیس کو بتا دیا اس بچے کے بارے میں یہاں پولیس آ گئی اور ہم پر بچے کے اغوا کا الزام لگ گیا تو پھر کیا کریں گے ہم ؟"

احمد صاحب کرخت لہجے میں بولے تھے

"احمد ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ پتا نہیں کیا کیا سوچ رہے ہیں ہم کسی کو یہ بتائیں گے ہی نہیں کہ یہ بچہ ہمیں کچرے سے ملا ہے"

یاسمین ان کو شانت کرتے ہوئے نرم لہجے میں بولی تھی

"کیا مطلب نہیں بتائیں گے اگر سچ بات نہیں بتائیں گے تو پھر کیا کہیں گے ہم لوگوں سے جب وہ ہم سے اس بچے کے بارے میں پوچھیں گے ؟"

احمد صاحب نے غصیلے لہجے میں پوچھا تھا

"ارے میں بتاتی ہوں نا آپ کو میری بہن مہناز باجی کے ہاں آٹھویں اولاد آنے والی ہے ان کا بھی یہ آخری مہینہ چل رہا ہے یہ بات آس پاس کی تقریباً سبھی عورتیں جانتی ہیں اور سب یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بچاری کتنی غریب ہے میں سب سے یہی کہوں گی کہ ان کو کل رات ہی اللہ نے بیٹے سے نوازا ہے مگر غربت کے باعث وہ اس بچہ کی پرورش کرنے سے قاصر ہیں اسی لیے صبح مہناز باجی کہ شوہر صدیق بھائی یہ بچہ ہمیں دے گئے ہیں یہ کہہ کر کہ:

"ہمارے پہلے ہی سات بچے ہیں غربت کی وجہ سے ہم اسکی صحیح سے پرورش نہیں کر پائیں گے اس لیے میں اور مہناز ہم دونوں نے سوچا کہ اس بچے کو آپ کو دے دیں آپ کی زندگی میں بھی اولاد کی کمی پوری ہو جائے گی اور ہمارا دل بھی مطمئن رہے گا یہ سوچ کر کہ ہمارے بچے کی پرورش محفوظ ہاتھوں میں ہو رہی ہے"

اس نے سب کچھ پہلے ہی سوچ رکھا تھا اب اپنی سوچ سے احمد صاحب کو آگاہ کرتے ہوئے بولی

"اور ویسے بھی کونسا مہناز باجی یہاں آتی ہے جو ان کے یہاں آنے سے کسی کو کچھ پتا چل جائے گا ان کے پاس کہاں گجرانوالہ سے یہاں تک آنے کے لیے اپنے اور اپنے سات بچوں کے سفر کے پیسے ہیں" وہ مزید بولی تھی

"نہیں یاسمین میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ہم اس بچے کو نہیں پال سکتے کیونکہ..........."
کیوں سمجھنے کی کوشش کروں میں اور کیوں نہیں پال سکتے ہم اسے کیا صرف اس لیے کہ یہ ہماری سگی اولاد نہیں ہے؟"
وہ انکی بات کاٹ کر روتے ہوئے ان کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی
"کیا ساری زندگی میں اولاد کو ترستی رہوں گی آپ ہی مجھ سے کہتے تھے نا کہ صبر سے کام لو اللہ پر یقین رکھو اس پاک ذات کی بارگاہ میں کسی بھی شے کی کمی نہیں ہے وہ ہمیں ہماری سوچ سے بھی بڑھ کر نوازے گا اور بے شک کہ آپ ٹھیک کہتے تھے اب جب اللہ ہمیں نواز رہا ہے تو آپ انکاری ہو رہے ہیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس بچے کی پرورش جیسے نیک کام کے لیے ہمیں ہی چنا ہو"
بولتے ہوئے آنسو ایک تواتر سے انکے گالوں پر پھسلتے جا رہے تھے

"ٹھیک ہے اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ میری گود ساری عمر سونی ہی رہے کبھی میری ممتا کو سکون نصیب نا ہو تو ایسا ہی صحیح اب اس کے بعد میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی کچھ بھی نہیں" ان کے خاموشی سے دیکھنے پر یاسمین بے دردی سے اپنی آنکھیں دوپٹے سے رگڑتی ان کے سامنے سے ہٹ

رہی تھی جب احمد صاحب نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں دونوں کندھوں سے تھامتے ہوئے واپس اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو یاسمین اللہ تعالیٰ نے اس معصوم کی پرورش کے لیے یقیناً ہمیں چنا ہے تبھی تو اس پاک ذات نے مجھے اس بچے کی مدد کو بھیجا ورنہ اگر تھوڑی دیر اور ہو جاتی تو وہ خونخوار کتے اس کو بری طرح نوچ کھاتے اب اسکی اچھی پرورش ہماری ذمہ داری اور ہم دونوں یہ ذمہ داری بخوبی نبھائے گے"

اپنی محبوب بیوی کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے ہی ان کا دل پسیج گیا تھا وہ بہت محبت سے اُنکے پلکوں پر اٹکے آنسو دھیرے سے سمیٹتے ہوئے بولے تھے

"سچ کہہ رہے ہیں نا آپ اسکو ہم پالے گے ہم اس کی پرورش کریں گے؟"

خوشی سے اچھلتے ہوئے بے یقین لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی جواباً احمد صاحب نے ان کے خوشی سے کھلتے چہرے کو آنکھوں کے ذریعے دل میں اتارتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا

"ایک منٹ میں ابھی آئی" کہتے ہی یاسمین بیڈ کی جانب گئی تھی اور کمبل میں لپٹے بچے کو گود میں اٹھاتے ہوئے واپس احمد صاحب کی طرف آئی تھی اور ان کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بچے کو ان کی گود میں دیا تھا جس پر احمد صاحب نے سوالیہ نظروں نے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"پتا نہیں کسی نے اس کے کان میں اذان دی ہوگی کہ نہیں آپ اس کے کان میں اذان دیں اور آپ نے ایک دن کہا تھا کہ ہماری اولاد ہوگی تو اسکا نام آپ رکھیں گے میں چاہتی ہوں اسکا نام اب آپ رکھیں"

ان کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر یاسمین نے نم لہجے میں کہا تھا دوسری جانب ان کی باتیں سن کر احمد صاحب کی اپنی آنکھوں میں بھی نمی اترنے لگی تھی بچے کو گود میں لیتے ہوئے انہوں نے پہلے اُس کے دونوں کانوں میں اذان دی تھی اور پھر یاسمین کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا تھا

"اس کا نام "عبداللہ" ہوگا میرا بیٹا "عبداللہ"

وہ بیک وقت آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ لیے اسے دیکھتے ہوئے بولے تھے جو کمبل میں لپٹا پر سکون نیند سو رہا تھا

"عبداللہ یعنی......."

عبداللہ مطلب "اللہ کا بندہ "میرا بیٹا اللہ کا نیک بندہ بنے گا دوسروں کی مدد کرنے والا نا کہ کسی کو تکلیف پہنچانے والا میں اپنے بیٹے کو قرآن حافظ بناؤں گا"

یاسمین کی بات کاٹتے ہوئے وہ درمیان میں تفاخر سے بولے تھے جبکہ بولتے ہوئے ایک خاموش آنسو ان کی آنکھ سے گرتا عبداللہ کے کمبل میں جذب ہوتا چلا گیا

"اچھا اب چلیں اسے سونے دیں اٹھا نا دینا اب آپ میرے بیٹے کو اور آپ آئیں میرے ساتھ ناشتہ کرتے ہیں چل کر کب سے میں نے تیار کر کہ رکھا ہوا ہے اب تک تو ٹھنڈا بھی ہو گیا ہوگا"

عبداللہ کو ان سے لیکر بیڈ پر آرام سے لیٹاتے ہوئے وہ بولی تھی اور پھر دونوں باہر صحن کی جانب چلے گئے جہاں یاسمین نے ناشتہ تیار کر کے رکھا ہوا تھا.

....

یوسف سوات کے فائیو سٹار ہوٹل کے شاندار کمرے میں کھڑکی کے پاس کھڑا باہر برستی برف کو دیکھ رہا تھا جو اُون کے گالوں کی طرح برستی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام پہاڑوں نے سفید چادریں اوڑھ رکھی ہو

وہ تو یہ سوچ کر دوستوں کے ساتھ باہر آگیا تھا کہ ہو سکتا ہے دل کی بے چینی ختم ہو جائے اور اس کے بے سکون دل کو سکون ملے مگر گناہ کرنے والا کب سکون میں رہتا ہے اور پھر گناہ بھی زنا جیسا گناہ جسے گناہِ کبیرہ کہا گیا ہے گناہوں میں لذت ضرور ہے مگر گناہ کرنے کے بعد سکون کسی صورت نصیب نہیں ہوتا یہی یوسف کے ساتھ بھی ہوا تھا گناہ تو وہ بڑے فخر کے ساتھ کر چکا تھا مگر نادان اب سکون ڈھونڈنے کے لیے اللہ کے در پہ جانے کے بجائے سوات کے پہاڑوں میں گھوم رہا تھا.

یہاں کے بوجھل موسم نے اس کے دل کے بوجھل پن کو ختم کرنے کے بجائے مزید بڑھا دیا تھا کھڑکی پر نظریں جمائے نجانے وہ کن سوچوں میں گم تھا جب دروازہ کھول کر رمیز اور قاسم اندر آئے تھے.

"یوسف یار چلو نا کیوں یہاں پر منہ لٹکا کر کھڑے ہو ہم نے نیچے بہت انجوائے کیا بہت مزا آرہا ہے تم بھی چلو ہمارے ساتھ"

قاسم اسکا کوٹ اور ٹوپی اٹھا کر زبردستی اسے پہناتے ہوئے بولا تھا

"ہاں یار ہم اس برفباری کو انجوائے کرنے کے لیے لاہور سے یہاں آئیں ہیں اور ایک یہ صاحب ہے جو دلہنوں کی طرح کمرے میں چھپے بیٹھے ہیں"

رمیز بھی اسکی چھترول کرتے ہوئے بولا تھا

"یہ شوز پہنو جلدی سے پھر چلتے ہیں" اسکو زبردستی کوٹ پہنانے کے بعد قاسم اسکے سامنے اسکے خاص شوز رکھتے ہوئے بولا تھا جو یوسف خاص طور پر شمالی علاقہ جات میں پہنتا تھا چپ چاپ شوز پہننے کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکل آیا تھا.

"چلو یہاں جو پہاڑ ہے اس پر چڑھتے ہیں وہاں سے نیچے کا نظارہ ہی الگ ہے"

رمیز نے کہا

"ہاں صحیح کہہ رہے ہو مگر کیمرہ تو اٹھا لائے ہو نا وہاں تصویریں بنائیں گے"

قاسم نے جوش سے بولتے ہوئے رمیز سے پوچھا تھا

"ہاں ہاں ٹینشن نہ لو یہ کیمرہ میرے پاس ہے"

رمیز نے ہاتھ میں موجود کیمرہ ہوا میں لہراتے ہوئے جواب دیا

....

آہستہ آہستہ وہ ہوش کی دنیا میں واپس آ رہی تھی بند ہوتی پلکوں کو بمشکل کھولتے ہوئے اس نے یہاں وہاں نظریں دوڑائی تھی اس کے پیٹ میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھی دائیں ہاتھ کی پشت پر لگی ڈرب کے ذریعے خون قطرہ قطرہ کرکہ اسکی رگوں میں اتر رہا تھا پیاس کی وجہ سے اسکے گلے میں جیسے کانٹے چبھ رہے تھے۔

"پانی" قریب پڑی کرسی پر بیٹھی انیلہ بیگم کو دیکھتے ہوئے اسنے لبوں کو حرکت دی تھی جو بمشکل ہی وہ سن سکی تھی آرام سے کرسی سے اٹھتی وہ خراماں خراماں چلتی اس چھوٹے سے بیڈ تک آئی تھی جس پہ نور ادھ کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھتی تکلیف سے کراہ رہی تھی۔

"وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو یہاں آ کر دیکھو اسے ہوش آگیا ہے پانی پلاؤ اسے"

انیلہ بیگم نے کمرمیں موجود نرس سے کہا تھا جو مزے سے کھڑکی کے قریب کھڑی باہر کے نظارے دیکھنے کے ساتھ ساتھ اخبار پڑھنے میں مصروف تھی مگراب انیلہ بیگم کے بلانے پر بدنزہ ہو کر براسا منہ بناتی آگے آئی تھی اور دعا کو احتیاط کے ساتھ بیٹھاتے ہوئے اسے پانی پلایا تھا اسکے بعد وہ ڈاکٹر کو بلانے کی غرض سے وہاں سے چلی گئی.

"کیسا فیل کررہی ہو اب؟"

نرس کے وہاں سے جاتے ہی انیلہ بیگم نے اس سے پوچھا تھا جو بلکل نڈھال ہو چکی تھی

"بہت پین (درد) ہورہا ہے"

وہ کمزور سے لہجے میں بولی تھی

"کوئی بات نہیں آپریشن ہوا ہے تو ظاہر ہے اب زخم بھرنے میں وقت تو لگے گا"

انیلہ بیگم نے کہا ہی تھا کہ اتنے میں دروازہ کھولتی وہی ڈاکٹر اندر آئی تھی جس نے نور کا آپریشن کیا تھا جبکہ ان کے پیچھے ہی شاہ میر ملک بھی نور کے ہوش میں آنے کا سنتے روم میں داخل ہوئے تھے.

"اب سب کچھ نارمل ہے بس ابھی کچھ دنوں تک ان کو ہلکی غذا کھانی ہوگی اور جو میڈیسنز میں لکھ کردے رہی ہوں ان کا باقاعدگی سے استعمال کرنا ہے تاکہ زخم جلد از جلد ٹھیک ہو"

ڈاکٹر نے نور کا معائنہ کرتے ہوئے کہا

"ڈاکٹر کیا اب ہم نور کو لے جاسکتے ہیں؟"

شاہ میر ملک نے پوچھا

"نہیں ابھی لے جانا مناسب نہیں ہے آپ کل تک انتظار کیجئیے کل یہ ڈسچارج ہو جائے گی پھر آپ اس کو لے جاسکتے ہیں"

اس ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ لہجے میں جواب دیا

"نہیں ہم آج ہی جانا چاہتے ہیں آپ اس کو ڈسچارج کریں آج ہی میں بل پے کر دیتا ہوں"

شاہ میر ملک نے مزید کہا

"مگر ابھی چند گھنٹے پہلے ہی انکا آپریشن ہوا ہے ابھی آپ اسے نہیں لے جاسکتے یہ ہمارے رولز کے خلاف ہے اگر ان کو کچھ ہو گیا یا اچانک سے طبعیت بگڑ گئی تو تو سارا الزام ہم پر آئے گا"

ڈاکٹر نے ان کی بات کا انکار کرتے ہوئے کہا

"اگر اسے کچھ بھی ہوتا ہے تو آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا فکر مت کریں اس بات کی اور بل بنائیں میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے"

شاہ میر ملک نے کرخت لہجے میں کہا جس پر وہ ڈاکٹر بھی غصے سے نرس کو ساتھ لیے وہاں سے چلی گئی تھی

"شاہ میر کیا ہو گیا آپ کو کل تک انتظار کر لیتے"

ان کے جاتے ہی انیلہ بیگم نے شاہ میر ملک سے کہا جو بار بار ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈال رہے تھے

"میرے آفس میں ہزاروں کام ہیں جو مجھے کرنے ہیں اب کیا وہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں تم لوگوں کے ساتھ بیٹھا رہوں؟ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے ہم ابھی کے ابھی واپس لاہور جا رہے ہیں میں بل پے کر کے آتا ہوں تب تک تم یہاں نرسز کی مدد سے اسکو گاڑی میں بیٹھاؤ" بولتے ہوئے وہ آخر میں نور کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے تھے

"ابھی پہلے ہم گھر چلیں گے میں اور نور گاڑی میں تمہارا انتظار کریں گے اور تم اپنا اور اسکا سارا سامان پیک کر کے لے آنا اسکے بعد ہم واپس لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے" وہ ان کو سارے لائحہ عمل سے آگاہ کرتے ہوئے بولے اور مزید ان کی کوئی بھی بات سنیں بغیر وہاں سے چلے گئے

"ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں"

انیلہ بیگم غصے سے بڑبڑائی تھی

اس کے بعد شاہ میر ملک کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے چند گھنٹوں میں ہی دعا کو اپنے آنے کی اطلاع دیتے وہاں سے واپس لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔

....

تین گھنٹوں کی انتھک محنت کے بعد وہ کچھ اور سیاحوں کے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے ان کا سانس بری طرح پھول چکا گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر نیچے جھکے وہ تینوں گہرے گہرے سانس لے رہے تھے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ تینوں کیمرہ اٹھاتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہاں کے خوبصورت مناظر اور ان یادگار لمحات کو اپنے کیمرے میں محفوظ کرنے لگے تھے.

"میں وہاں بلکل پیچھے جاتا ہوں تم میری اچھی سی پکچر بنانا اوکے"

یوسف رمیز سے کہتا کیمرہ اس کے ہاتھ میں دیتا بلکل پہاڑ کے خطرناک حصے کی جانب چلا گیا تھا.

یوسف یار ردھیان سے.بس کر اور پیچھے مت جا"

قاسم نے ڈر کر اس سے کہا تھا جو مزید پیچھے جا رہا تھا"

"کچھ نہیں ہوتا یار ریہ دیکھو اب لو پکچرز"

انتہائی خطرناک جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے وہ بولا تھا

"ابھی رمیز نے بمشکل تین ہی تصویریں بنائی تھی جب برف کی وجہ سے یوسف کا پیر پھسلا تھا اور ایک دردناک چیخ کے ساتھ وہ اس پہاڑ سے گرتا چلا گیا رمیز اور قاسم کیمرہ پھینکتے چیختے ہوئے وہاں گئے تھے مگر یوسف کا نام و نشان بھی نہیں مل رہا تھا وہاں موجود باقی سیاح بھی افسوس و ہمدردی کے ساتھ اُن دونوں کو دیکھ رہے تھے جو پاگلوں کی طرح یوسف کو پکارتے ہوئے چیخ رہے تھے.

"ریسکیو والوں کو بلاؤ جلدی کوئی تو مدد کرو ہمارا دوست نیچے گر گیا ہے پلیز کوئی تو ریسکیو کال کرو"
وہ دونوں ایسے ہی چیخ رہے تھے جبکہ وہاں پہ موجود چند لوگوں نے فوراً ریسکیو والوں کو فون کر کے وہاں ہونے والے حادثے کی اطلاع دی وہ ان سب کو صبر و انتظار کی تلقین کرتے ان کی مدد کو پہنچنے کے لیے روانہ ہو گئے تھے.

جب سے گاؤں کی عورتوں کو استاد احمد کے گھر ننھے مہمان کی آمد کا پتا چلا تھا تب سے اُن کے گھر آس پڑوس کی عورتوں کی آمد کا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جن میں کچھ خواتین بخوشی مبارک باد اور دعائیں دیں رہی تھیں جبکہ کچھ اپنی عادت سے مجبور عجیب و غریب سوالات پوچھنے اور طعنے کسنے میں مصروف تھی.

ابھی بھی پانچ عورتیں صحن میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھی چائے اور دیگر لوازمات سے انصاف کر رہی تھی جبکہ یاسمین بھی انہی کے درمیان عبداللہ کو لیے بیٹھی محبت سے کبھی اس کے ہاتھ پیر تو کبھی منہ چومتی جب ان کے برابر میں رہنے والے صادق صاحب کی بیوی عشرت نے کہا تھا.

"ارے یاسمین ویسے اللہ پاک کی قدرت تو دیکھو یہ بچہ کتنا پیارا ہے بلکل شہزادوں جیسا حلانکہ نا تو تیری بہن مہناز باجی اتنی کوئی خاص شکل و صورت والی ہے نا ہی اسکا موٹا میاں پتا نہیں یہ بچہ کس پہ چلا گیا ہے"

انہوں نے نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے کہا تھا

بوکھلاہٹ کی وجہ سے یاسمین کو تو سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا جواب دے کیونکہ بات تو عشرت نے صحیح کہی تھی نا تو مہناز باجی اتنی پیاری تھی نا ان کے شوہر جبکہ عبداللہ واقعی بلکل شہزادوں جیسا پیارا تھا سرخ و سفید رنگت ہرنی جیسی آنکھیں جو ہوبہو نور کی آنکھوں جیسی تھی یاسمین کے برعکس گاؤں کی ایک بزرگ عورت "شگفتہ اماں" جو کب سے عشرت کی ایسی ہی گفتگو سن رہی تھی بلآخرا اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے بولی۔

"اس بچے کو چھوڑو عشرت یہ بتاؤ تمہاری یہ بیٹی "میرو "کس پر چلی گئی ہے کیونکہ پھر وہی بات آگئی نا تو تیری شکل و صورت اتنی کوئی خاص ہے اور نا تیرے شوہر صادق کی مگر اللہ پاک کی قدرت دیکھو بیٹی بلکل شہزادیوں جیسی ہے"

عشرت اور صادق صاحب کی شادی کو بھی یاسمین اور احمد صاحب کی طرح دس سال ہو چکے تھے ان کو اللہ تعالٰی نے چار بچوں سے نوازا تھا جن میں تین بیٹے سعد، شان اور عاطف جو کہ بڑے تھے اور ایک

اکلوتی لاڈلی بیٹی "مہراب" تھی جسے سب پیار سے "میرو" کہتے تھے شگفتہ اماں نے بھی گول مٹول میرو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان پر طنز کیا تھا کیونکہ سچائی تو یہی تھی کہ عشرت واقعی معمولی شکل وصورت کی حامل تھی مگر سیب جیسے گالوں والی خوبصورت مہراب نا جانے کس پر چلی گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ لڑائی مزید بڑھتی یاسمین نے فوراً کہا تھا

"ارے عشرت تم یہ لونہ تم نے تو کچھ کھایا ہی نہیں یہ کھاؤ باتیں تو ہوتی رہے گی" غصے سے سرخ چہرہ لیے عشرت کو جواب کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر یاسمین نے پکوڑوں کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا پلیٹ ہاتھ میں اٹھاتی وہ ناگواری سے سر جھٹک کر گرم گرم پکوڑے کھانا شروع کر چکی تھی تب جا کر یاسمین نے بھی سکون کا سانس لیا تھا اور پھر ایسے ہی سارا دن لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جن کی خاطر تواضع میں یاسمین گھن چکر سی بن گئی تھی۔

....

دعا کو جیسے ہی شاہ میر ملک، انیلہ بیگم اور نور کی آمد کا پتا چلا تھا تب سے وہ کچن میں ساجدہ اماں کے ساتھ گھُسی کھانا پکانے میں لگی ہوئی تھی ڈھیر سارے لوازمات کے ساتھ ساتھ نور کے لیے پرہیزی کھانا تیار کرنے کے بعد ابھی وہ دونوں تھکی ہاری کچن سے باہر نکلی ہی تھی کہ گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا وہ لوگ اتنی جلدی پہنچ بھی گئے" دعا نے حیرت سے ساجدہ اماں کو دیکھتے ہوئے ان سے پوچھا تھا
"لگ تو یہی رہا ہے" ساجدہ اماں نے جواب دیا۔

وہ دونوں لاؤنج میں کھڑی ان کا انتظار کررہی تھی اور ان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کچھ ہی دیر میں گیٹ سے پہلے دو نوکر اندر داخل ہوئے تھے جو ہاتھ میں تھامے بڑے بڑے سفری بیگ لیے ان کو نور اور شاہ میر ملک کے کمروں تک پہنچانے کے لیے سیدھا اوپر کی جانب چلے گئے تھے ان کے پیچھے ہی انیلہ بیگم نور کو سہارا دیئے چلی آرہی تھی جس کی رنگت زردی مائل ہورہی تھی آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے موجود تھے دعا اور ساجدہ اماں کے قریب آتے ہی وہ دونوں رک گئی تھی۔

"السلام علیکم!"
دعا اور ساجدہ اماں نے بیک وقت سلام کیا تھا جس کا جواب انیلہ بیگم نے سر کے اشارے سے دیا تھا جبکہ نور تو خود درد سے ہلکان ہورہی تھی اُسے کسی چیز کا کوئی ہوش نہیں تھا وہ تو بس جلد از جلد اپنے کمرے تک پہنچ کر آرام کرنا چاہ رہی تھی۔

"نور کیسی ہو تم؟"
دعا نے اسکے ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا تھا

"بلکل بھی ٹھیک نہیں ہوں"

بمشکل کھڑے رہتے ہوئے اسنے کمزور لہجے میں جواب دیا تھا کہ اتنے میں شاہ میر ملک بھی گھر میں داخل ہوتے ہوئے ان تک آئے تھے شاہ میر ملک کو بھی خالی ہاتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر نور کا دل دھڑکا تھا۔

"بچہ کہاں ہے؟" دعا نے اضطرابی کیفیت میں ان تینوں سے پوچھا تھا اُس کے سوال پر شاہ میر ملک ایک تیز نظر اُس پہ ڈالتے وہاں سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے جبکہ انیلہ بیگم نے نور کے گِرنے سے لیکر بچے کو پھینکنے تک کی ساری داستان سے دعا کو آگاہ کر دیا تھا۔

"مام آپ نے تو آرام سے ساری کہانی کھڑے کھڑے ہی سنا دی ہے مگر یہاں درد سے میری جان نکلی جا رہی ہے اوپر سے آپ کے ہسبنڈ بھی ہوا کے گھوڑے پر سوار مجھے آج ہی اٹھا لائیں اب پلیز آپ مجھے کمرے تک لے جائے اس سے پہلے میں یہی بے ہوش ہو جاؤں"

نور نے تکلیف سے بلبلاتے ہوئے کہا تھا

"ارے ہاں میں تو بھول گئی تھی چلو تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ دیتی ہوں اس کے بعد دیکھتی ہوں تمہارے ڈیڈ کو کچھ چاہیے تو نہیں"

دعا کو حق دق چھوڑتی انیلہ بیگم نور کو سہارا دیئیے سیڑھیاں چڑھتی گئ

ان کے جاتے ہی دعا گرنے کے انداز میں لاؤنج میں موجود صوفے پر بیٹھی تھی تبھی انکے کانوں میں ساجدہ اماں کی آواز پڑی تھی.

"اللہ معاف کرے ,اللہ معاف کرے اتنا ظلم اب تک تو اس بچے کو چیل کوے کھا چکے ہونگے دعا بیٹا تمہیں تو ان سب کو سمجھانا چاہیئے تھا نہ"

انہوں نے دعا سے کہا تھا جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی.

"اماں آپ کو کیا لگتا ہے میں نے انہیں سمجھایا نہیں ؟ ,بہت سمجھایا میں نے مگر ان سب نے میری کوئی بات نا مانی اب تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے ایک انسان کے راہ راست پر آنے کے لیے ایک ٹھوکر کافی ہوتی ہے جب اللہ اسے ایک ٹھوکر سے نوازتا ہے تو اسے چاہیئے کہ راستہ بدل لے توبہ کر کے برائی کو چھوڑ کر بھلائی کی راہ اختیار کر لے لیکن اگر وہ انسان ہنوز شیطان کی بات مان کر آنکھیں بند کیے برائی کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو اسے نصیحت کرو اگر نصیحت پر بھی عمل نہیں کرتا تو بس وہاں سے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو ایسے انسانوں کی رسی کو پہلے تو اللہ تعالیٰ دراز کرتا ہے مگر جب وہ ذات باری تعالیٰ ان کی رسی کو کھینچتا ہے تو پھر وہ انسان دنیا کے باقی تمام انسانوں کے لیے محض عبرت کا نشان بن کر رہ جاتا ہے.

بابا نے اس بچے کو پھینک دیا صرف اپنی دولت اور شہرت کے لیے یہ سوچ کر کہ لوگ کیا کہے گے اسی سوچ میں انہوں نے ایک معصوم کی جان لے لی مگر کیا فائدہ ایسی دولت کا جو ہمارے اُس دنیا میں کام نہیں آئے گی وہاں اگر کچھ کام آئے گا تو وہ ہیں ہمارے نیک اعمال مگر اس دنیا کی رنگینیوں میں پیسے کے پیچھے بھاگتے بھاگتے یہ لوگ بھول چکے ہیں کہ زندگی کی تمام ترکمائیاں جب موت سے ضرب کھاتی ہے تو باقی صرف صفر رہ جاتا ہے.

انہوں نے ظلم کیا ہے اور ظلم وہ گناہ ہے. جس کی سزا اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں دے دیتا ہے.
آخر میں وہ گہرا سانس لے کر خود کو پر سکون کرتے ہوئے بولی تھی.

"میری گڑیا بلکل صحیح کہا" ساجدہ اماں نے مسکرا کر کہتے ہوئے اسکا ماتھا چوما تھا

"چلو صبح سے کچن میں خوار ہوتی رہی ہو اب خود بھی چل کر کچھ کھالو"
ساجدہ اماں اسکا ہاتھ پکڑ کر صوفے سے اٹھاتے ہوئے بولی تھی اور پھر اسے لیے ڈائننگ روم کی جانب چلی گئی.

....

صبح سے شام ہوگئی تب جا کر کہیں ریسکیو اہلکاروں کی کمر توڑ کوششوں کے بعد یوسف کو ڈھونڈ لیا گیا تھا رمیز اور قاسم ریسکیو اہلکاروں کے ساتھ مل کر اسے سوات ہی کے ایک ہسپتال میں لے کر گئے تھے جہاں سے اُسے یہ کہہ کر رخصت کر دیا گیا کہ :

"ان کی حالت انتہائی نازک ہے ہمارے پاس ان کے علاج کی مکمل سہولیات موجود نہیں ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ ان کو اسلام آباد کے کسی بڑے ہسپتال لے جائیں ممکن ہے کہ وہاں ان کا علاج ہو سکے "

ڈاکٹر نے یوسف کے زخموں پر عارضی پٹیاں کرتے ہوئے کہا تھا جن سے نا رکنے والا خون رس رہا تھا سرخ و سفید رنگت والا یوسف اس وقت لاچار و بے بس ذرد رنگت لیے ہوش سے بیگانہ پڑا تھا۔

www.urdunovelsmania.com

مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍؕ (۳۰)

سورۃ : الشوریٰ

ترجمہ :

اور تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اپنے اعمال کے سبب آتی ہے اور بہت کچھ تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

رمیز اور قاسم ایک ڈاکٹر سمیت اُسی ایمبولینس میں واپس یوسف کو ڈالتے اسلام آباد کی جانب روانہ ہو گئے تھے اسلام آباد کے سب سے بڑے ہسپتال میں پہنچتے ہی یوسف کی انتہائی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے وقت ضائع کیے بغیر اُسے آپریشن تھیٹر لے جایا گیا وہی کھڑے کھڑے رمیز نے یوسف کی ماں شازیہ بیگم اور اس کے والد اسحاق خان کو ہسپتال آنے کا کہا تھا جو اسلام آباد ہی میں موجود ابھی تک شادی اٹینڈ کر کر رہے تھے آج رات کی ہی فلائٹ سے انہیں لاہور واپس جانا تھا قاسم اور رمیز نے ابھی ان کو صرف یہی کہا تھا کہ یوسف ہسپتال میں ایڈمٹ ہے مکمل سچائی سے ابھی وہ لوگ نا واقف تھے۔

بیس منٹ بعد اسحاق خان اور شازیہ بیگم بھی وہاں پہنچے تھے رمیز اور قاسم کو دیکھتے ہی وہ دونوں بھاگتے ہوئے اُن کے پاس آئے تھے۔

"رمیز، قاسم کیا ہوا ہے یوسف کو کیوں وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہے بتاؤ مجھے پلیز"
شازیہ بیگم ان دونوں سے سوال کرتے ہوئے بولی تھی جو نظریں جھکائے خاموش کھڑے تھے

اگلے ہی لمحے ان کے کپڑوں پر نظر پڑتے ہی شازیہ بیگم کا دل دھڑکنا بھول گیا جن کے کپڑے یوسف کے خون میں رنگے سرخ ہو چکے تھے۔

www.urdunovelsmania.com

"یہ ,یہ خون کہاں سے آگیا کیا ہوا ہے یوسف کو بتاؤ مجھے"

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ان دونوں پہ دہاڑی تھی

"ہاں رمیز,قاسم جلدی بتاؤ کیا ہوا ہے یوسف کو؟"

اسحاق خان نے بھی غصیلے لہجے میں پوچھا تھا

"انکل وہ میں رمیز اور یوسف ہم گھومنے پھرنے سوات گئے تھے وہی ہم باقی سیاحوں کے کے ساتھ انٹرٹینمنٹ کے لیے ایک پہاڑ پر چڑھ گئے وہاں ہم تصویریں لے رہے تھے تصویریں لیتے لیتے برف کی وجہ سے یوسف کا پیر پھسلا اور وہ پہاڑ سے نیچے گر گیا"

آخر کار قاسم نے ہمت کرتے ہوئے ان کو پوری بات سے آگاہ کر دیا جس کو سنتے ہی ان دونوں کے سر پر جیسے آسمان آگرا تھا شازیہ بیگم تو باقاعدہ دھاڑے مار مار کر رونا شروع کر چکی تھی.

"رمیز ڈاکٹر,ڈاکٹر نے کیا کہا میرا بیٹا ٹھیک تو ہو جائے گا نہ"

شازیہ بیگم بے تحاشا روتے ہوئے رمیز کے دونوں ہاتھوں کو تھامے اس سے پوچھ رہی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"آنٹی ابھی فلحال ڈاکٹرز نے کچھ نہیں کہا پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹرز باہر آئیں گے تو ہی کچھ پتا چلے گا"

رمیز نے نم لہجے میں جواب دیا

"پلیز آپ لوگ ہمت و حوصلے سے کام لے کر ڈاکٹرز کے باہر آنے کا انتظار کریں اور برائے مہربانی شور شرابہ کرنے سے گریز کریں یہاں اور بھی مریض ہے جو آپ لوگوں کے شور کی وجہ سے ڈسٹرب ہو رہے ہیں"

ساتھ والے وارڈ سے ایک نرس باہر نکلتی اُن سے سخت لہجے میں بولی تھی جو رو رو کر بے حال ہو رہی تھی اسحاق خان نے آگے بڑھ کر ان کو دونوں کندھوں سے تھامتے ہوئے وہاں موجود بینچ پر بٹھا کر حوصلہ دیا تھا۔

دو گھنٹے گزرنے کے بعد کہیں جا کر آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اندر سے دو سینئر ڈاکٹرز سمیت دو نرسز باہر آئی تھی ایک ڈاکٹر دوسرے سے کچھ کہتا وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ دوسرا ڈاکٹر تیز تیز قدم اٹھاتا ان تک آیا تھا جو آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلتے ہی اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے۔

"پیشنٹ کے گھر والے کہاں ہیں؟"

ڈاکٹر نے سوالیہ نظروں سے ان سب کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"میں اسحاق خان یوسف کا باپ ہوں اور یہ یوسف کی ماں ہے"

اسحاق خان نے اپنا تعارف کروانے کے بعد شازیہ بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا

"ہممم, دیکھیں مسٹر اینڈ مسز یوسف ابھی جو میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں اُسے آپ نے بہت ہمت اور حوصلے کے ساتھ سننا ہے"

ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں تمہید باندھتے ہوئے کہا تھا

"ڈاکٹر صاحب جو بھی بات ہے پلیز آپ جلدی بتائے مزید ہمارے صبر کا امتحان مت لے"

شازیہ بیگم نے روتے ہوئے التجا کی تھی

"دیکھے بات دراصل ایسی ہے کہ پہاڑ سے گرنا کوئی معمولی حادثہ ہر گز نہ تھا اتنی اونچائی سے گرنے کے باعث آپ کے بیٹے کے پیر مکمل ناکارہ ہو چکے ہیں اور ہمیں مزید افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ سر سے بے تحاشا خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ کومہ میں جا چکا ہے"

اسحاق خان کو اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل لگ رہا تھا وہ لڑکھڑایا تھا مگر رمیز نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے انہیں بازوؤں سے تھام کر پیچھے بینچ پر بٹھایا تھا جبکہ شازیہ بیگم وہی زمین بوس ہو چکی تھی.

"نرس یہاں آؤ, پانی لیکر آؤ ذرا انہیں دیکھو ذرا کیا ہوا ہے"

ڈاکٹر نے نرس کی توجہ شازیہ بیگم کی طرف دلائی تھی جو زمین پر بے ہوش پڑی تھی قاسم نے اُن کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا تھا کہ اتنے میں نرس بھی پانی لے کر آئی تھی اور اب شازیہ بیگم کو ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہی تھی جبکہ قریب کھڑا ڈاکٹر اسحاق خان کا کندھا تھپک کر انہیں حوصلہ دیتا وہاں سے چلا گیا تھا جو جوان بیٹے کے غم میں اردگرد سے بے نیاز بلکل نڈھال بیٹھے تھے.

نور کی ڈیلیوری کو چار ماہ ہو چکے تھے اب تو اس کے زخم بھی مکمل طور پر مندمل ہو چکے تھے اسلیے اس نے دوبارہ اپنی پڑھائی شروع کرنے کے بارے میں سوچا اسی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے آج ایک طویل عرصے کے بعد ایک بار پھر اپنا داخلہ کروانے کے بعد وہ یونیورسٹی آئی تھی دو کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد اس وقت وہ کینٹین میں اپنی سہیلی ماہم کے ساتھ بیٹھی خود پر بیتی ساری داستان سے اُسے اگاہ کر رہی تھی ماہم بھی خاموشی اور تجسس کے ساتھ سننے میں مگن تھی جب نور نے اُسے ساری کہانی سے آگاہ کرتے ہوئے آخر میں اچانک یوسف کے بارے میں اُس سے دریافت کیا تھا.

"ویسے ہے کہاں وہ ذلیل انسان مجھے تو آج سارا دن نظر نہیں آیا"

سامنے میز پر رکھے ٹھنڈے جوس کے گلاس سے وہ گھونٹ بھرتے ہوئے بولی تھی

"کیا مطلب تمہیں سچ میں اس کے بارے میں نہیں پتا یا جان کہ انجان بن رہی ہو؟"
ماہم نے ابرو اچکاتے ہوئے تفتیشی لہجے میں پوچھا

"ارے یار را تنے مہینوں بعد میں گھر سے باہر نکلی ہوں مجھے کیا پتا وہ کہاں ہے کیا کر رہا ہے"
نور نے ماتھے پہ بل لیے جواب دیا

"ویسے کہیں مر مرا گیا ہے کیا؟"
جوس کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر بولی تھی

"ہاں بس یہی سمجھ لو"
ماہم نے سنجیدگی سے جواب دیا جس کو سنتے ہی نور کے چپس کے پیکٹ کو کھولتے ہاتھ یک دم تھم گئے تھے۔

"کیا مطلب ہوا کیا ہے مجھے جلدی سے ساری بات بتاؤ"
ماہم کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے ہوئے نور کو یقین ہو چلا تھا کہ اسکی غیر حاضری میں کچھ تو ضرور ہوا ہے تبھی اس نے تجسس سے میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر ماہم کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ انداز میں پوچھا

"یہ بات اسی دن کی ہے جس دن تمہاری ڈیلیوری ہوئی تھی کیونکہ جو تاریخ تم نے مجھے اپنی ڈیلیوری کی بتائی ہے اسی تاریخ کو یوسف کے ساتھ بھی ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا"
ماہم نے اردگرد دیکھتے ہوئے لوگوں کی موجودگی کو مدنظر رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بتانا شروع کیا

"کیا حادثہ ہوا اس ذلیل انسان کے ساتھ جلدی بتاؤ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا"
نور نے مسکراتے ہوئے پرجوش لہجے میں ماہم سے کہا

"اچھا تو بات یہ کہ یوسف اور اس کے وہ دو چہیتے دوست تینوں مل کر سوات گئے تھے گھومنے پھرنے تمہیں تو پتا ہے تینوں کو ایڈونچر کا کتنا شوق تھا اِسی ایڈونچر کے چکر میں وہ تینوں کسی پہاڑ پر چڑھ گئے پکچرز لیتے لیتے یوسف کا پیر پھسلا اور وہ پہاڑ سے نیچے گر گیا اسے بہت زیادہ چوٹیں آئی تھی پیر تو اسکے مکمل ناکارہ ہو چکے ہیں اور اس کے علاوہ سر سے بے تحاشہ خون بہنے کی وجہ سے وہ کومہ میں جا چکا ہے"
ماہم نے اسے تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا جس کا چہرہ خوشی سے لال ہو رہا تھا

"واہ ماہم واہ کیا خوشخبری سنائی ہے تم نے مجھے اب اس کے بدلے تمہارے لیے ایک شاندار ٹریٹ آج رات فائیو سٹار ہوٹل میں میری طرف سے اور تمہیں پک کرنے بھی میں ہی آؤں گی"

پرجوش لہجے میں وہ چٹکی بجاتے ہوئی بولی تھی

اور پھر پرس اٹھاتی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی

"ویسے تم غلط کررہی ہو وہ اتنی تکلیف میں ہے اور تم خوش ہو رہی ہو حلانکہ جو کیا تھا اس رات تم دونوں نے کیا تھا۔"

ماہم نے اس سے کہا تھا جس کے ماتھے پہ بل پڑ چکے تھے اور وہاں سے جانے لگی تھی جب نور نے آواز دے کر روکا تھا

"تم کہاں چل دی؟"

ماہم نے اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا تھا

"عیادت کرنے"

وہ پرس کندھے پر لٹکاتے ہوئے بولی تھی

"عیادت، کس کی عیادت کرنے جارہی ہو؟"

ماہم نے حیرت سے پوچھا

"ارے یوسف خان کی عیادت کرنے اور کس کی"

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

اب کی بار وہ چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے بولی

"تم نہیں جانتی اسے اس حال میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو گی مجھ سے تو اب صبر ہی نہیں ہو رہا ہے میں جا رہی ہوں پھر رات میں ملاقات ہوتی ہے, بائے"

خوشگوار لہجے میں بولتے ہوئے وہ وہاں سے چلی گئی.

....

گاؤں میں موجود واحد سرکاری سکول میں بھی چھٹی کی گھنٹی بج چکی تھی سب بچے اپنے اپنے بستے کندھوں پر ڈالے جیل سے نکلے قیدیوں کی طرح خوش ہوتے گھروں کو بھاگ رہے تھے استاد احمد صاحب نے بھی باقی تمام اساتذہ کو خدا حافظ کہا اور سکول سے نکل کر گھر کو چل دیئے گھر پہنچ کر دستک دینے کے لیے انہوں نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا مگر دروازہ کھلا دیکھ کر انہوں نے واپس اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر سب سے پہلے صحن کے بیچ و بیچ دھوپ میں پچھی چارپائی تک گئی تھی جس پہ یاسمین پیر چڑھائے بیٹھی تھی اور اپنے سامنے ہی عبداللہ کو کچھ اس طرح سے لیٹایا تھا کہ اس کا چہرہ چھاؤں میں تھا جبکہ باقی پورے جسم پر دھوپ پڑ رہی تھی.

آنکھوں کے سامنے نظر آتے منظر کو دیکھتے ہوئے ان کے لبوں پر ملائم مسکراہٹ پھیل گئی تھی جہاں یاسمین عبداللہ پر جھکی اس کے پیٹ سے قمیض اُٹھائیں وہاں ہونٹ رکھ کر پھونک مار رہی تھی جس کی

وجہ سے عبداللہ کی کھلکھلاہٹیں پورے صحن میں گونج رہی تھی اس حسین منظر کو آنکھوں کے ذریعے دل میں محفوظ کرتے ہوئے وہ بھی آگے بڑھ گئے تھے اور قدم قدم چلتے ان دونوں کے قریب آکر خود بھی چارپائی پر ان کے بلکل قریب بیٹھ گئے.

"السلام علیکم"

یاسمین نے ان کو دیکھتے ہی عبداللہ کی قمیض نیچے کرتے ہوئے سلام کیا

وعلیکم السلام! بیگم صاحبہ ویسے میں دیکھ رہا ہوں کہ جب سے آپ کا بیٹا آیا ہے تب سے آپ دونوں ماں بیٹے نے مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال باہر کیا ہے پہلے جب میں آتا تھا تو میرے لیے پانی لایا جاتا تھا پھر چائے کا پوچھا جاتا تھا مگر اب تو دونوں ماں بیٹا ملے ہوئے ہیں اور میری کوئی فکر ہی نہیں کسی کو"

احمد صاحب مصنوعی ناراضگی سے شکایت کرتے ہوئے بولے تھے

"نہیں, نہیں احمد ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ابھی آپ کے لیے چائے پانی لیکر آتی ہوں آپ پلیز ناراض مت ہو"

ان کے ناراض چہرے پر نظر پڑتے ہی یاسمین بیگم کا دل ڈوبا تھا جو وہ فوراً چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولی تھی

"ارے بھئی رکو کہاں جا رہی ہو؟ میں تو مذاق کر رہا تھا"

اسے اٹھتے دیکھ کر احمد صاحب دھیرے سے ہنستے اسکا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھاتے ہوئے بولے تھے. جس کے باعث یاسمین کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کے پھول کھل گئے

"اب اس کا وہ زخم کیسا ہے؟"

کچھ دیر یہاں وہاں کی باتیں کرنے کے بعد احمد صاحب نے عبداللہ کے سینے پر موجود زخم کے متعلق دریافت کیا

"ہمم زخم تو بھر گیا ہے بلکہ اب تو مکمل ٹھیک ہو چکا ہے لیکن اُس کا نشان نہیں جا رہا ویسے کا ویسا ہی اسکے سینے پر موجود ہے"

یاسمین نے اسکی قمیض کو اوپر کرتے ہوئے زخم کا نشان اُن کو دکھاتے ہوئے جواب دیا اسکے بعد دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا

"کیا سوچ رہی ہو؟"

گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے احمد صاحب نے خود ان کو مخاطب کیا جو عبداللہ کے چہرے کو پر سوچ نظروں سے بن پلکیں جھپکائے دیکھ رہی تھی.

"آپ اس بچے کو دیکھیں ذرا کتنا پیارا ہے یہ کتنا معصوم میں تو یہ سوچ رہی ہو کہ یہ اتنا پیارا ہے تو اسکے ماں باپ کتنے پیارے ہونگے احمد کیا ایسی مائیں بھی ہوتی ہے جو اپنی اولاد کو اپنے لخت جگر کو خود موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے کیا ایسے لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف بلکل نہیں ہوتا"

ہنوز عبداللہ کے چہرے پر نظریں جمائے وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہی تھی

"نہیں یاسمین ایسے لوگوں کے دلوں میں واقعی اللہ کا خوف نہیں ہوتا یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زنا خود کرتے ہیں، حرام کام خود کرتے ہیں اور پھر سزا ایسے معصوموں کو دیتے ہیں تمہیں پتا ہے ان سب میں اسی فیصد غلطی ماں باپ کی ہوتی ہے جو اپنے بچوں پر نظر نہیں رکھتے کہ کہاں جاتے ہیں کیا کرتے ہیں اور پھر جب اولاد زنا جیسا گناہ کر کے باہر منہ کالا کر آتی ہے تو بجائے اسے اسلامی سزا کے مطابق پتھروں سے سنگسار کرنے کے، کوڑے مارنے کے وہ بڑی آسانی سے اُن کے اس عظیم گناہ پر پردہ ڈال لیتے ہیں اور زانیوں کے بجائے سزا ملتی ہے اس جیسے معصوموں کو" وہ عبداللہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بول رہے تھے "پھر ایسے بچے یا تو کچرے کے ڈھیروں سے مرے ہوئے ملتے ہیں اور یا تو ملتے ہی نہیں کتے بلیوں کی خوراک بن جاتے ہیں

"یہ بچہ تو ہمیں مل گیا کیونکہ اس کی قسمت میں زندگی لکھی تھی مگر کئی بچے تو ایسے ہوتے ہیں جن کا نام و نشان بھی نہیں ملتا رات کو لوگ اسے پھینکتے ہیں اور صبح تک جانور اسے کھا چکے ہوتے ہیں مگر جسے اللہ

تعالیٰ نے زندہ رکھنا ہوتا ہے پھر اسے مارنے کے لیے اگر پوری کائنات بھی ایک ہو جائے اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی"

"فرعون نے کتنے بچوں کو ذبح کر کے انکی جانیں لے لی یہ سوچ کر کہ ان میں سے کوئی بڑا ہو کر میری سلطنت نا الٹ دے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اسی فرعون کے گھر میں پرورش پائی مطلب اللہ کا جو فیصلہ ہے وہ اٹل ہے پھر کوئی انسان چاہے کچھ بھی کر لے اس رب کے فیصلے کو نہیں بدل سکتا بیشک اللہ تعالیٰ زبردست فیصلہ کرنے والا ہے"

"اور اس دنیا کا قانون اور عدالتیں تو اب کسی کام کی نہیں رہی ایسے گنہگاروں کو ان کے کیے کی سزا اللہ ہی دے گا ان شاء اللہ!"

گہرا سانس لے کر وہ بات ختم کرتے ہوئے بولے تھے جس پر یاسمین نے بھی ان شاء اللہ کہتے ہوئے نم آنکھوں کو دوپٹے سے رگڑا تھا جھک کر عبداللہ کے منہ کو زور سے چوما تھا"

"اچھا اب بس اداس مت ہو مجھے بہت بھوک لگی ہے جلدی سے میرے لیے کچھ کھانے کو لاؤ" یاسمین کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر وہ فوراً موضوع بدلتے ہوئے بولے تھے

جس کے بعد یاسمین اثبات میں سر ہلاتی عبداللہ کو احمد صاحب کے حوالے کرتی خود اُن کے لیے کھانا گرم کرنے چلی گئی۔

....

یونیورسٹی سے نکلتے ہی اُس نے سیدھا یوسف کے گھر کا رخ کیا تھا گیٹ پر پہنچتے ہی اِس مرتبہ چوکیدار نے اُسے پہچان لیا تھا۔

"آپ چھوٹے صاحب کی دوست ہیں نہ؟"
اس چوکیدار نے مؤدب سے لہجے میں تصدیق کرنی چاہی

"جی بلکل"
نور نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا

"ٹھیک ہے آپ اندر چلی جائیں بیگم صاحبہ اندر ہی ہیں"
چوکیدار نے کہا جس پر نور اونچی ہیل پہنے ٹک ٹک کرتی اندر کی جانب چلی گئی

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے لاؤنج میں موجود اس پینتالیس چھیالیس سالہ خوبصورت عورت پر گئی تھی جو یقیناً یوسف کی ماں تھی کیونکہ اس کے نین نقش بلکل یوسف جیسے تھے انہوں نے بھی نور کو دیکھ لیا تھا اس لیے ہاتھ میں موجود جگ وہی لاؤنج میں میز پر رکھتی نور کی طرف آئی.

"جی بیٹا آپ کون؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں"
شازیہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے نور کو دیکھتے ہوئے پوچھا

"جی میں یوسف کی دوست ہوں جس یونیورسٹی میں وہ پڑھتا تھا میں بھی اسی یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں میں شہر سے باہر تھی آج ہی آئی ہوں جیسے ہی مجھے یوسف کے بارے میں پتا چلا میں فوراًاسکی عیادت کو چلی آئی اب کیسی طبعیت ہے اسکی؟"
اسنے مصنوعی ہمدردی لہجے میں سموتے ہوئے جواب دیا اور آخر میں جلتے دل سے اس کی خیریت دریافت کی

"بیٹا کومہ میں پڑے انسان کی طبعیت کیسی ہو سکتی ہے خیر آپ یہاں بیٹھو میں بس ابھی آئی"
تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیتے ہوئے انہوں نے لاؤنج میں موجود صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نور کو بیٹھنے کی پیش کش کی

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

"آنٹی وہ کیا میں یوسف سے مل سکتی ہوں ایک دفعہ اسے دیکھنا چاہتی ہوں پلیز اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو؟"

اسنے شازیہ بیگم کے سامنے کمال اداکاری کرتے ہوئے التجا کی تھی

"ہاں، ہاں کیوں نہیں چلی جاؤ یہاں سے سیڑھیاں طے کر کے اوپر جاؤگی تو بائیں طرہاں، ہاں کیوں نہیں چلی جاؤ یہاں سے سیڑھیاں طے کر کے اوپر جاؤگی تو بائیں طرف موجود کمروں میں سے پہلا کمرہ یوسف کا ہے تم جاؤ میں بھی آتی ہوں دیکھنے کہ آج اس کے کمرے کی صفائی کی گئی ہے کہ نہیں "

شازیہ بیگم نے نور سے کہا تھا جو اثبات میں سر ہلاتی سیڑھیاں طے کرتی یوسف کے کمرے کی جانب اوپر چلی گئی موجود کمروں میں سے پہلا کمرہ یوسف کا ہے تم جاؤ میں بھی آتی ہوں دیکھنے کہ آج اس کے کمرے کی صفائی کی گئی ہے کہ نہیں "

شازیہ بیگم نے نور سے کہا تھا جو اثبات میں سر ہلاتی سیڑھیاں طے کرتی یوسف کے کمرے کی جانب اوپر چلی گئی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتے ہی شدید گندی بدبو کی وجہ سے نور کا دل منہ کو آگیا پورے کمرے کی حالت بگڑی ہوئی تھی ساری چیزیں بکھری پڑی تھی ناک اور منہ پر ہاتھ رکھ کر بدبو سے بچنے کی ایک ناکام سی کوشش کرتی وہ اندر داخل ہوئی اور یوسف کے بیڈ کے قریب کھڑے ہو کر اسکا جائزہ لینے لگی جس کے ناک اور منہ میں نالیاں لگی ہوئی تھی اس کے سرہانے بیڈ کے قریب وہ ساری

مشینری پڑی تھی جس کے ذریعے وہ سانس لے رہا تھا دائیں ہاتھ کی پشت پر ڈرپ لگی تھی تو منہ کو آکسیجن ماسک نے ڈھانپ رکھا تھا اسکے تن پر ایک گندی سی شرٹ موجود تھی جس پر شاید جوس گرا تھا جسے چاٹنے کے لیے چھوٹی چھوٹی سی کیڑیاں اسکے پیٹ اور شرٹ پر رینگ رہی تھی بال گندے ہونے کے باعث ایک دوسرے سے بلکل چپک گئے تھے اسکی آنکھیں پوری کھلی ہوئی اور کمرے کی چھت پر ساکت تھی۔

"کیا حال ہے یوسف خان؟ امید کرتی ہوں کہ تم بلکل بھی ٹھیک نہیں ہونگے بڑا زعم تھا نا تمہیں تمہاری دولت کا بہت غرور تھا نہ تمہیں تمہارے حسن کا مگر دیکھو سب خاک میں مل گیا تم سوچ بھی نہیں سکتے تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میرے کلیجے میں کتنی ٹھنڈک پڑی ہے"
وہ اس کے بیڈ کے بلکل قریب کھڑی بول رہی غرور اور خوشی اس وقت نور کے انگ انگ سے سے پھوٹ رہی تھی مگر وہ بھول چکی تھی کہ غرور ایک نا ایک دن ٹوٹ ہی جاتا ہے جیسے آج یوسف کا ٹوٹا تھا ویسے ہی ایک دن نور کا بھی ٹوٹے گا۔

"اور تم تو شادی کرنے والے تھے نا اپنی امیر کبیر کزن سے کیا نام بتایا تھا تم نے؟" وہ انگلی ٹھوڑی پر رکھے سوچ رہی تھی اور اچانک یاد آنے پر کہا تھا "ہاں مریم نام تھا اسکا ہے نا مریم ہمدانی نام بتایا تھا تم نے تو پھر اب کب سجنے والا ہے تمہارے سر پر شادی کا سہرا"
بولتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھی اور پھر ہنستی چلی گئی

"مگر اسکی ہنسی کو یک دم بریک تو اس وقت لگا جب اس نے شازیہ بیگم کو دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ شازیہ بیگم کی نظر نور کی ہنسی پر پڑتی اس نے فوراََ خود کو کمپوز کر لیا تھا.

"اوہو آج بھی صفائی نہیں ہوئی اتنی گندی بدبو ہے"

شازیہ بیگم کمرے میں داخل ہوتے ہی ناک کو دوپٹے سے ڈھانپتے ہوئے بولی تھی

"رشید، رشید کہاں مر گئے ہو یہاں آؤ"

انہوں نے گلہ پھاڑ کر گھر کے نوکر رشید کو آواز دی تھی جو بھاگتے ہوئے آیا تھا

"جی بیگم صاحبہ کوئی کام ہے؟"

اس نے اندر آنے کی زحمت کیے بغیر دروازے میں ہی کھڑے ہو کر پوچھا تھا

"تمہیں میں نے کہا تھا کہ اس کمرے کی صفائی کر دینا اور یوسف کو بھی صاف کر کہ دوسرے کپڑے پہنا دینا لیکن تم نے کچھ نہیں کیا سب کچھ ویسے کا ویسا ہے"

شازیہ بیگم غصے سے چلائیں تھیں

"معاف کیجئے بیگم صاحبہ مگر مجھ سے یہ کام نہیں ہوتا یہاں بدبو کی وجہ سے کمرے میں قدم رکھنا بھی محال ہے صفائی تو دور کی بات"

وہ بھی منہ بناتے ہوئے بولا تھا لہجے سے انکار صاف صاف جھلک رہا تھا کہ وہ یہ کام بلکل بھی نہیں کرنا چاہتا۔

"ٹھیک ہے نہیں کرنا تو پھر دفع ہو جاؤ یہاں سے مجھے دوبارہ نظر نا آنا یہاں"
وہ غصے سے انگلی اٹھا کر وارن کرتے ہوئے بولی تھی جبکہ دوسری جانب رشید لاپرواہی سے سر جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلا گیا

"افف کیا کروں میں ان چار مہینوں میں یہ آٹھواں نوکر ہے جو ایسے ہی انکار کرتے ہوئے چلا گیا دو میل نرسز کو بھی اس کے لیے رکھا تھا وہ بھی بھاگ گئے اب مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی کیا کروں"
وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی

"تو آنٹی آپ کر دیا کریں اسکا سارا کام"
نور نے بے زاری سے مشورہ دیا

"نہیں بیٹا میں خود بڑی مصروف رہتی ہوں ہزاروں کام ہوتے ہیں مجھے اسکے بابا کے ساتھ آفس بھی جانا ہوتا ہے میرے پاس ٹائم نہیں ہوتا"
وہ نظریں چراتے ہوئے بولی تھی صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ بہانے بنا رہی ہے

"ہیلو آنٹی"

اس سے پہلے کہ نور جواب دیتی کمرے میں زنانہ آواز گونجی تھی جس پر ان دونوں نے بیک وقت دروازے کی جانب دیکھا تھا۔

دونوں نے بیک وقت دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں ایک سے پیاری سی لڑکی اندر کمرے میں داخل ہو رہی تھی گولڈن کمر تک آتے لمبے بال دودھیا رنگت بلاشبہ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی جس نے ڈارک بلیو شارٹ فراک کے ساتھ وائٹ کلر کی کیپری پہن رکھی تھی اور وائٹ ہی کلر کا دوپٹہ دائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔

"اُفف میرے اللہ اتنی گندی بدبُو میرا تو دل خراب ہو گیا نیچے نوکر کی بات مان کر لاؤنج میں ہی آپ کا انتظار کر لیتی تو بہتر تھا۔"

وہ ہاتھ کی پشت سے ناک اور منہ ڈھانپ کر منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے بولی تھی نور تو اسے نہیں جانتی تھی اسی لیے خاموش کھڑی تھی مگر شازیہ بیگم اسے دیکھتے ہی فوراً آگے بڑھی تھی

"ارے مریم بیٹی تم، آؤ نہ آؤ وہاں کیوں کھڑی ہو اندر آؤ" اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر شازیہ بیگم نے بوکھلاتے ہوئے اسے اندر آنے کا کہا تھا

"نہیں آنٹی بہت سمیل ہے یہاں میں نہیں آ سکتی"
دروازے میں کھڑی وہ صاف انکار کر گئی تھی

"ہاں بیٹا بس کیا کروں جوان لڑکا ہے اب خود اٹھ کر اپنی صفائی تو کر نہیں سکتا اور نوکروں کے سہارے چھوڑا تو چار مہینے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا بس میں یہی کہوں گی اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو کسی دوسرے انسان کا محتاج نا بنائے"
شازیہ بیگم یوسف کے کمزور ولاغر جسم پر نظریں جمائے بولی تھی

"ارے، ارے یہ کہاں سے آگئی" یوسف کے سینے اور پیٹ پر رینگتی کیڑیوں پر نظر پڑتے ہی شازیہ بیگم فوراً آگے بڑھ کر دوپٹے کی مدد سے ان کو ہٹاتے ہوئے بولی تھی

"لگتا ہے اس کی شرٹ پہ جوس گرا ہے کسی سے جس کی وجہ سے یہ کیڑیاں آگئی ہیں" انہوں نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا تھا

"ہم تو بس اِس کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ اسے صحت دیں، امین!" مریم نے اپنے بائیں کندھے سے لٹکتے پرس کو کھولتے ہوئے کہا تھا جس سے اب وہ کچھ نکال رہی تھی

www.urdunovelsmania.com

"امین ثم امین"

شازیہ بیگم نے بھی جواباً کہا تھا جبکہ اس سارے وقت میں نوریہ اندازہ لگا رہی تھی کہ یہ لڑکی کون ہے اور اس کا یوسف سے کیا رشتہ ہو سکتا ہے "جب اس کے کانوں میں اسی لڑکی کی چہکتی ہوئی آواز گونجی تھی جس نے شازیہ بیگم سے کہا تھا۔

"خیر آنٹی میرے پاس ذرا وقت کم ہے میں تو یہاں شاپنگ کرنے آئی تھی لیکن مام نے کہا کہ آپ کو شادی کا کارڈ بھی دے دوں ویسے تو میں نے ان کو کہہ دیا تھا کہ آپ نہیں آسکے گی اگر آپ آگئی شادی پہ تو یہاں یوسف کو کون سنبھالے گا مگر پھر بھی انہوں نے کہا کہ آپ کو کارڈ دے جاؤں باقی اگر آپ کی مجبوری ہے آپ نہیں آسکتی تو کوئی بات نہیں ہمیں برا نہیں لگے گا"

پرس میں کچھ کھوجتے ہوئے وہ بول رہی تھی نور کے لیے تو مزید وہاں کھڑے رہنا محال ہو رہا تھا مگر مجبوراً اسے کھڑا رہنا پڑ رہا تھا کیونکہ وہ لڑکی چپ ہوتی تو ہی وہ شازیہ بیگم سے اجازت لیکر وہاں سے جا پاتی۔

"شکر ہے مل گیا یہ لیں کارڈ"

پرس سے وہ ایک خوبصورت گولڈن کلر کا کارڈ نکال کر شازیہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی

"شادی کا کارڈ، مگر کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ"

وہ حیرت سے ہاتھ آگے بڑھا کر کارڈ تھامتے ہوئے پوچھ رہی تھی

"یہ لیں جی آپ کو ابھی تک نہیں پتہ میری شادی ہونے والی ہے بھئی میرے ایک کلاس فیلو سے تو یہ اسی کا کارڈ ہے"

وہ انکی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولی تھی جو حیرت سے گنگ رہ گئی تھی

"تمہاری شادی یہ تم کیا کہہ رہی ہو مریم تمہاری منگنی تو یوسف کے ساتھ ہوئی تھی نہ اب تم کیسے کسی اور سے شادی کر سکتی ہو"

وہ ہنوز آنکھوں میں حیرت و الجھن لیے اب کی بار سخت لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی جبکہ منگنی کی بات اور مریم کا نام سنتے ہی نور کے ذہن میں جھماکہ ہوا تھا اسے یوسف کی بات یاد آئی تھی جب اس نے نور کو اپنی منگنی کا بتایا تھا وہ بھی اپنی کسی مریم نامی کزن کے ساتھ اب سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آچکا تھا پہلے تو وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی مگر اب مریم کی شادی کسی اور کے ساتھ ہونے کا سنتے ہی اسے وہاں کھڑے ہو کر سننے میں مزا آرہا تھا.

"کیا مطلب آنٹی اب کیا میں ساری زندگی آپ کے اس معذور اور بے ہوش بیٹے کے انتظار میں بیٹھی رہوں میرا دماغ خراب ہے کیا"

وہ بھی حساب برابر کرتے ہوئے بولی تھی

"اور ویسے بھی اگر آپ کا بیٹا کومہ سے نکل کر ہوش کی دنیا میں واپس آتا بھی ہے تب بھی میں اس جیسے معذور سے شادی نہیں کرنے والی اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اس قسم کے خیالات اپنے دل و دماغ سے نکال دیں اگر شادی میں آنا چاہتی ہیں آپ تو ویلکم اور اگر نہیں آنا چاہتی تو بھی ہم گلہ نہیں کریں گے اب میں چلتی ہوں "اللہ حافظ!"

حقارت بھرے لہجے میں کہتی وہ وہاں سے چلی گئی جبکہ اس کے جاتے ہی شازیہ بیگم بھی آگ بگولہ ہوئی تھی

"بیٹا تم یہاں بیٹھو میں ذرا فون کر کے اسکی ماں کا دماغ درست کر کہ آتی ہوں"

انہوں نے نور سے کہا تھا

"نہیں آنٹی مجھے بھی دیر ہو رہی ہے بس میں بھی اب چلتی ہوں پھر آجاؤں گی"

نور نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے جواب دیا

"ٹھیک ہے بیٹا دھیان سے جانا"

عجلت میں بولتی وہ وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئی جبکہ ایک بار پھر نور وہی کھڑی رہ گئی۔

"واہ بھئی واہ آج تو مجھے ایک کے بعد ایک خوشخبری مل رہی ہے"

وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے بولی تھی

"تو پھر سنا تم نے یوسف خان تمہاری شادی کے پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئے ہیں"

وہ دانت پر دانت جمائے غصے سے بولی تھی

"پہلے تو میرا دل کر رہا تھا کہ یہ آکسیجن ماسک ہٹا کر تمہیں ابھی کہ ابھی دوسرے جہاں پہنچا دوں لیکن نہیں تمہیں ایسے ہی تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے"

وہ اُسی طرح غصیلے لہجے میں بولی تھی

"میں یہاں تمہارا انجام دیکھنے آئی تھی وہ دیکھ لیا دل کو سکون سا مل گیا اب میں بھی چلتی ہوں ویسے بھی تم سے اور تمہارے کمرے سے انتہائی گندی بدبو آرہی ہے"

نفرت وحقارت سے مزید کہتے ہوئے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی پیچھے یوسف خان اکیلا رہ گیا تھا وہ سب کچھ سن سکتا تھا محسوس کر سکتا تھا ابھی بھی وہ سب کچھ سن چکا تھا تبھی تو اسکی چھت پہ ساکت

آنکھوں کے کونوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہوتے چلے گئے تھے اِس وقت اُسکے آنسو دیکھنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نا تھا وہ اللہ اُس وقت بھی یوسف خان کو دیکھ رہا تھا جب وہ کھلے عام بے حیائی کرتا تھا اور وہی اللہ اب بھی اس کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا جب وہ بلکل بے بس اور محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔

....

نجانے رات کا کونسا پہر تھا جب کنول ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی دل پر ہاتھ رکھ کر گہرے سانس لیتی وہ اپنے خطا ہو جانے والے اوسان پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی چار مہینوں میں وقفے وقفے سے وہ جس خوفناک خواب کو دیکھ رہی تھی آج پھر اسی خواب نے کنول کو بری طرح ڈرا کر رکھ دیا آج پھر خواب میں اسی طرح اسفند کنول کا گلہ دبوچے اسے مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے ایک نظر اسفند اور ارمان پر ڈالی تھی جو بلکل بے خبر پر سکون نیند سو رہے تھے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا تھا اور پھر وہ پانی ایک ہی سانس میں پی گئی پانی پینے کے بعد وہ بے چینی سے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اسے چار مہینوں سے مسلسل آنے والے اس خوفناک خواب سے ڈر لگ رہا تھا مگر کیا کرتی وہ کسے بتاتی کوئی بھی تو نہیں تھا اسکے پاس سوائے ارمان اور اسفند کے ارمان تو ابھی بہت چھوٹا تھا جس سے وہ یہ سب شیئر نہیں کر

سکتی تھی جبکہ اسفند سے وہ جب بھی اس خواب کا ذکر کرتی وہ ہنس کر کنول کی باتوں کو مذاق میں اڑا دیتا مگر کنول کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی جیسے کچھ برا ہونے والا ہو ابھی بھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اسی خواب کے متعلق سوچ رہی تھی اور اب صبح تک وہ اسی بارے میں سوچ بچار میں مصروف رہتی کیونکہ نیند تو اب اسکی آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی.

....

صبح کی روشنی پھیل چکی تھی رات اپنے اختتام کو پہنچ کر ایک اور دن کی شروعات ہو چکی تھی ہر کوئی روزمرہ کے کاموں پر جانے کے لیے تیاریوں میں مصروف تھا.

"کنول کیا ہوا تمہاری طبعیت تو ٹھیک ہے نا؟"

اسفند نے کنول سے پوچھا تھا جو ناشتے کی میز پر بلکل گم سم سی بیٹھی تھی باپ کے سوال پر ارمان نے بھی پریشانی سے ماں کی جانب دیکھا تھا کیونکہ وہ خود بھی صبح سے ماں کی خاموشی کو محسوس کر رہا تھا

"جی ٹھیک ہے میری طبعیت"

اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا مگر ابھی بھی اسفند کو اُس کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی تھی جو دوبارہ پوچھا تھا

"اگر طبعیت ٹھیک ہے تو پھر ضرور کچھ اور بات ہے جو بھی بات ہے تم ابھی کہ ابھی مجھے بتاؤ میں صبح سے دیکھ رہا ہوں تم پریشان ہو کیا پریشانی ہے ؟"

اس نے پوچھا جس پر کچھ دیر کی خاموشی کی بعد کنول نے بولنا شروع کیا

"اسفند میں اس خواب کی وجہ سے تنگ ہوں جو بار بار مجھے ڈرا رہا ہے ہر کچھ دن بعد ہر کچھ دن بعد میں خواب میں یہی دیکھتی ہوں کہ تم مجھے جان سے مار دیتے ہو"

بولتے بولتے آخر میں اسکی آواز بھرا گئی تھی

جبکہ اسکی بات سنتے ہی اسفند نے جاندار قہقہہ لگایا تھا

"اچھا سوری یارررپلیز معاف کر دو سوری"

وہ خفگی سے اسے دیکھتی فوراً جانے کے لیے اٹھ گئی تھی جب اسفند نے اسکا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھاتے ہوئے کہا تھا جبکہ باپ کو اس طرح سے معافی مانگتے دیکھ کر ارمان کھکھلا کر ہنس پڑا تھا وہ دونوں تو ارمان کی موجودگی کو فراموش کر چکے تھے مگر اب اس پر نظر پڑتے ہی کنول نے تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے اسفند کی گرفت سے چھڑایا تھا

"نیچے دیکھ کر ناشتہ کرو اپنا بے شرم انسان"

اسفند نے اس کا سر پکڑ کر زبردستی پلیٹ پر جھکاتے ہوئے کہا

"اسفند کیا کر رہے ہیں آپ چھوڑیں اِسے گردن توڑیں گے کیا اِسکی"

کنول اسفند پر چیخی تھی جب کے ارمان برا مناتے بغیر ماں باپ کی نوک جھونک پر مسکرا رہا تھا

"چھوڑو یار رکچھ نہیں ہوتا اسے "اسفند نے ارمان کے گال پر پیار کرتے ہوئے کہا تھا

"اور تم میری بات غور سے سنو بھول جاؤ اس خواب کو کیونکہ میں تو اتنا نرم دل انسان ہوں کہ گرمی میں مچھر لاکھ میرا خون چوس لے میں تو ان مچھروں کو نہیں مارتا تم تو پھر میری بیوی, میری جان ہو"

وہ محبت سے اسکے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں بولا تھا

"اچھا ٹھیک ہے اب جائیں آپ دیر ہو رہی ہے آپ کو آفس کے لیے"

کنول اپنے ہاتھ چھڑاتی جھینپتے ہوئے بولی تھی

"اچھا میں اب آفس چلتا ہوں آج ایک بہت بڑی ڈیل فائنل کرنے والا ہوں دعا کرنا کہ اللہ مجھے کامیابی سے نوازے"

اسفند نے فخریہ لہجے میں اس سے بتایا تھا

"اچھا واقعی اگر ایسا ہے تو پھر میں آپ کے لیے بہت دعا کروں گی اور ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور کامیاب کرے گا"

کنول نے امید بھرے لہجے میں کہا

"ویسے کیسی ڈیل ہے یہ اس کے بارے میں تو آپ نے پہلے ذکر نہیں کیا"

اس نے اسفند سے پوچھا جو نیپکن سے ہاتھ پونچھ رہا تھا

"دراصل میری یہ ڈیل شہر کے دو بڑے مشہور و معروف بزنس مین سے ہونے والی ہیں دو لیدر کی فیکٹریز تو ہماری پہلے سے ہی ہیں اب ہم تینوں مل کر ایک بہت بڑی فیکٹری کا آغاز کرنے والے ہیں ویسے ان بزنس مین کے نام تم نے بھی اکثر ٹی۔ وی وغیرہ میں سنے ہونگے ایک کا نام ہے شاہ میر ملک اور دوسرا عابد شیخ ہے دونوں بہت کامیاب انسان ہیں بزنس کی دنیا میں ان کا بہت بڑا نام ہے اب میں بھی ان کے ساتھ کام کروں گا ہماری ملاقات تقریباً ایک مہینہ پہلے ایک بزنس پارٹی میں ہوئی تھی اور پھر وہی ان لوگوں نے مجھے پارٹنر شپ کی آفر کی جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا اور آج یہ ڈیل فائنل ہونے والی ہے اس لیے میری کامیابی کے لیے دعا ضرور کرنا"

بات مکمل کرتے ہی وہ کرسی چھوڑتا اٹھ کھڑا ہوا

"جی میں بہت دعائیں کروں گی اللہ آپ کو شاندار کامیابی سے نوازے امین ثم امین" کنول نے مسکراتے ہوئے اس کے لیے دعا کی جس پر اسفند بھی امین کہتا ارمان کو لیے وہاں سے روانہ ہو گیا راستے میں ارمان کو اسکے سکول ڈراپ کرتا وہ خود اپنے آفس کی طرف چل دیا۔

....

یاسمین عبداللہ کو سلانے کے بعد اب گھر کے صحن میں موجود چھوٹے سے باورچی خانے میں کھڑی کھانا تیار کر رہی تھی جب اسی وقت استاد احمد صاحب کی بھی سکول سے واپسی ہوئی تھی کمرے میں ایک نظر سوتے ہوئے عبداللہ پر ڈالتے وہ بنا کوئی آہٹ پیدا کیے احتیاط سے باہر آئیں تھے اور سیدھا کچن کا رخ کیا تھا جہاں یاسمین اپنے کام میں مشغول تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"السلام علیکم" احمد صاحب نے سلام میں پہل کی تھی

"وعلیکم السلام" یاسمین نے سلام کا جواب دیا

"خیریت تو ہے بڑے خوش لگ رہے ہیں آپ آج"

یاسمین بغور ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی جن کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی

"ہاں بیگم صاحبہ خوش تو ہوں آج اور میری خوشی کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آج تنخواہ مل گئی ہے"
وہ جیب سے کچھ نوٹ برآمد کرتے ہوئے پر مسرت لہجے میں بولے تھے استاد احمد صاحب کی آمدنی بہت زیادہ نا تھی مگر اتنی کم بھی نا تھی کہ کبھی ان کو کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے جتنی تنخواہ ان کو ملتی تھی اس تنخواہ میں ان دونوں کی اچھی خاصی گزر بسر ہو رہی تھی.

"یاسمین یہ پیسے رکھو بجلی اور گیس کے بل کے لیے اور یہ جو پیسے ہیں انکا.........."

"ابھی بل راشن وغیرہ سب چھوڑیں وہ سب سے آخر میں لینگے میں کیا کہہ رہی تھی کہ موسم تبدیل ہو رہا ہے اب تو کافی گرمی ہو گئی ہے اور عبداللہ کے اس موسم کے لحاظ سے کوئی کپڑے نہیں ہیں تو میں کہہ رہی تھی آج بلکہ ابھی کھانا کھانے کے بعد اس کے لیے شاپنگ کرنے چلتے ہیں"
یاسمین خوشی سے پر جوش لہجے میں بولی تھی

"یاسمین کی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے احمد صاحب بھی باقی تمام اخراجات بھلائے ان کی بات مان کر انکے ساتھ چلنے کو راضی ہو گئے اور پھر کھانا کھانے کے بعد وہ تینوں تیار ہو کر خریداری کے لیے بازار کی طرف چل پڑے"

اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ عبداللہ کی آمد نے ان کی بے رنگ زندگیوں میں خوشیو کے رنگ بھر دیئے تھے جن بچوں کو کچھ ظالم اور عقل کے اندھے لوگ کچرے کی نظر کر دیتے ہیں انہیں جیسے بچوں کو پانے کے لیے یاسمین اور احمد صاحب جیسے لوگ رب کے سامنے گڑگڑاتے ہیں تڑپتے ہیں مگر نور جیسے لوگوں کو ان معصوم بچوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کو موت کے گھاٹ اتار کر انہیں قتل کر دیتی ہیں ایسے لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ مکافات عمل اٹل ہے جس نے جو عمل کیا اسے اپنے اس عمل کا انعام بھی جلد ملے گا۔

رات کا اندھیرا ہر سوں پھیل چکا تھا سبھی لوگ دن بھر کے کاموں کو سر انجام دینے کے بعد اب گھروں کو لوٹ چکے تھے ملک ہاؤس میں بھی سب اپنی اپنی مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد اب کچھ دیر کے لیے اپنے کمروں میں آرام کی غرض سے گئے تھے آدھا گھنٹہ پہلے شاہ میر ملک کے آتے ہی دعا نے ساجدہ اماں کے ساتھ مل کر آج کے ڈنر کے لیے تیار کیے گئے کھانوں کو گرم کرنا شروع کر دیا تھا اور اب وہ دونوں مل کر سارا کھانا میز پر لگا رہی تھی جب نائٹ ڈریس پہنے بالوں کو اونچی ٹیل پونی میں باندھے نور ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تھی اور کھانے پر نگاہیں دوڑاتے ہی بری سی شکل بنا کر کہا تھا.

"کبھی کچھ اچھا بھی بنا لیا کریں روز روز یہ دیسی کھانے کھا کر اب دل اکتا گیا ہے میرا"
غصے سے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ انہی دونوں سے مخاطب تھی جو کھانے کی ڈشز سے میز کو بھر چکی تھی

"اچھے کھانوں سے کیا مراد ہے آپکا ہمیں بھی تو ذرا بتائیں"
دعا جس کا پہلے ہی گرمی میں کچن میں کھڑے ہو کر کھانے بنا بنا کر میٹر گھوما ہوا تھا اس نے تڑخ کر نور سے پوچھا تھا جو کرسی پر دونوں پیر چڑھائے چوکڑی مارے بیٹھی تھی

"میرا مطلب فاسٹ فوڈز یا چائینیز فوڈ ہے لیکن وہ کہاں آپ دونوں کو بنانا آتا ہوگا"
وہ منہ بنا کر بولی تھی

"جو کھانے کو مل رہا ہے نہ اسی پر شکر کرو ورنہ زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جنہیں مکمل تین وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی تم تو پھر شکر کرو تمہارے سامنے کھانے کی میز ہر طرح کے کھانوں سے بھری پڑی ہے"
دعا نے ماتھے پہ بل لیے کہا

"ایک تو ہر وقت یہ صبر و شکر، کے بھاشن مت دیا کرے مجھے آپ کرتی ہے نہ یہ سب کچھ وہ بہت ہے"
سر کرسی کی پشت سے ٹکائے وہ بہت بد تمیزی سے بولی تھی

"جاہل کی جاہل ہی رہنا تم" دعا کو بھی غصہ آگیا تھا جو وہ اُسی کے لہجے میں بولی تھی

"دعا"

ان دونوں کی بحث کو بڑھتے دیکھ کر ساجدہ اماں نے دعا کو تنبیہی نظروں سے گھورتے ہوئے پکارا تھا جس کے باعث وہ خاموشی سے جا کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی

"کیوں خاموش کروا رہی ہیں آپ انہیں, بولنے دیں نا اِن کو آپ ہی تو سکھاتی ہے اسے یہ سب کچھ اب ہمارے سامنے یہ اچھا بننے کی ڈرامے بازیہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے"

وہ ساجدہ اماں کو ناگواری سے گھورتے ہوئے بولی تھی جو بچاری بلاوجہ ہی نظریں جھکائے خاموشی سی کھڑی تھی اس سے پہلے کہ دعا اسکی بد تمیزی کا جواب دیتی ڈائننگ روم میں انیلہ بیگم اور شاہ میر ملک داخل ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ دونوں بلکل خاموش ہوگئی تھی جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نا ہو باپ کو دیکھتے ہی نور فوراً کرسی سے پیر لٹکاتی تمیز سے بیٹھ گئی تھی جبکہ ساجدہ اماں وہاں سے نکلتی باہر لاؤنج میں جا کر بیٹھ گئی.

خاموش و پر سکون ماحول میں کھانا کھاتے ہوئے شاہ میر ملک کو یکدم ہی کچھ یاد آیا تھا جو انہوں نے کھانے سے ہاتھ روک کر میز کے گرد رکھی کرسیوں پر موجود باقی افراد سے کہا تھا.

"تم سب کو میں ایک بہت بڑی خوشخبری دینا تو بھول ہی گیا حالانکہ میں نے سوچا تھا کہ گھر جا کر سب سے پہلے تم لوگوں کو یہ گڈ نیوز سناؤں"

شاہ میر ملک نے خوشگوار لہجے میں بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا جس پر وہ تینوں بھی مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں

"اچھا کیسی خوشخبری؟"

انیلہ بیگم نے نوالہ چباتے ہوئے تجسس سے پوچھا

"خوشخبری یہ ہے کہ آج ہماری کمپنی کی بہت بڑی ڈیل فائنل ہوئی ہے عابد شیخ جو کہ ایک بہت بڑا بزنس مین ہے اور اسفندیار جس نے بہت کم وقت میں بزنس کی دنیا میں اپنی ایک الگ ہی پہچان بنائی ہے ان دونوں کے ساتھ مل کر اب ہم ایک بہت بڑی فیکٹری کا آغاز کرنے والے ہیں ابھی سے حساب کتاب لگانے پر ہی ہمیں کروڑوں کا فائدہ نظر آ رہا ہے اگر سب کچھ اچھے سے ہو گیا تو یہ ہماری لیے ایک بہت ہی بڑی کامیابی ہو گی"

انہوں نے کانٹے کی مدد سے کباب کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا

"بہت بہت مبارک ہو بابا" دعا نے اس خوشی کی خبر پر ان کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا

"تھینکیو بیٹا" شاہ میر ملک نے بھی مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا

"مبارک ہو آپ کو ڈیڈ" دعا کی دیکھا دیکھی نور نے بھی مبارکباد میں اپنا حصہ ڈالا

"تھینکس" شاہ میر ملک نے جواب دیا

"وہ سب تو ٹھیک ہے شاہ میر عابد شیخ کو بھی میں جانتی ہوں اکثر آفس آتا جاتا رہتا تھا جن دنوں میں بھی آفس آتی تھی لیکن یہ اسفندیار کون ہے"

انیلہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

"یہ ایک کم عمر لڑکا ہے جس نے چند سالوں میں ہی باپ کے اس دنیا سے جانے کے بعد ان کے بزنس کو سنبھالا اور اسکی ذہانت ہی کی بدولت اب اُسکا نام پاکستان کے بڑے بزنس مین کی لسٹ میں شامل ہو چکا ہے"

شاہ میر ملک نے ان کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا

"اور ہاں سب سے آخر میں اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ کل شام اسی ڈیل کی خوشی میں عابد شیخ نے اپنے گھر ایک بہت بڑی پارٹی کا اہتمام کیا ہے جس میں ہم تینوں پارٹنرز اور انکے گھر والے

خاص طور پر مدعو ہیں اسلیے کل شام وقت پر تیار رہنا سب میرے آفس سے آتے ہی ہم وہاں چلیں گے"

انہوں نے کھانا ختم کر کے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بتایا پارٹی کے نام پر ہی انیلہ بیگم اور نور کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا جبکہ دعا ایک دم اداس ہوئی تھی

"بابا میں نہیں جاؤں گی میں گھر پر ہی رہوں گی ساجدہ اماں کے ساتھ"

شاہ میر ملک کو اٹھتے دیکھ کر دعا منمنائی تھی

"کیوں کس خوشی میں نہیں جاؤگی سنا نہیں تمہارے بابا نے کیا کہا سب کو انوائٹ کیا ہے تو مطلب سب ہی جائیں گے اور تمہارا دل نہیں تنگ پڑتا گھر میں پڑے پڑے ایسے ہی رہی تم تو زنگ لگ جائے گا تمہیں گھر سے باہر نکلو ذرا باہر کی دنیا دیکھو"

شاہ میر ملک کے کچھ بولنے سے پہلے ہی انیلہ بیگم شروع ہو چکی تھی

"ماما میرا دل نہیں کرتا ایسی جگھوں پر جانے کے لیے اسلیے میں نہیں جاؤں گی"

وہ ایک بار پھر ضدی لہجے میں بولی تھی

"دیکھ رہے ہیں آپ اپنی انہی فضول کی ضدوں کی وجہ سے اسنے اپنی پڑھائی بھی چھوڑ دی"

انیلہ بیگم نے شاہ میر ملک کی طرف دیکھتے ہوئے ان سے کہا تھا

"اس معاملے میں کوئی بے کار کی ضد نا کرنا دعا کل تم مجھے تیار ملو ہم سب جائیں گے اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے"

وہ بات ختم کرتے کرسی پیچھے دھکیلتے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کمرے کی جانب چلے گئے جبکہ دعا بھی ان کے جاتے ہی چمچ پلیٹ میں پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی

"دیکھ رہی ہیں مام آپ انہیں یہ سب کچھ یہ اپنی نام نہاد ساجدہ اماں سے سیکھتی ہیں ہمارے سامنے سادگی کا لبادہ اوڑھ کر یہ دعا کو یہی سب کچھ سیکھاتی ہیں شاطر عورت"

نورماں کے کان بھرتے ہوئے زہر خندہ لہجے میں بولی تھی

"صحیح کہہ رہی ہو کرنا پڑے گا اس کا بھی کچھ"

انیلہ بیگم پانی کا گلاس میز پر رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی جبکہ نور پیچھے لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ لیے بیٹھی رہی۔

....

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

اگلے دن..........

اس شہر میں ایک اور بھی ایسا بنگلہ موجود تھا جس کے باہر لگے گولڈن کلر کے خوبصورت سے بورڈ پر ڈارک بلیک کلر میں اقبال ہاؤس لکھا ہوا تھا پورے بنگلے کو باہر سے ہلکے گولڈن رنگ میں ہی رنگا ہوا تھا گیٹ سے اندر داخل ہو تو پورچ میں دو شاندار گاڑیاں کھڑی دکھائی دے رہی تھی اگر گھر کا اندرونی منظر دیکھا جائے تو ٹی۔ وی لاؤنج میں ایک ستائس سالہ لڑکا صوفے پر بیٹھا تھا سر صوفے کی پشت سے ٹکائے اپنے دونوں پیر اس نے سامنے موجود شیشے کی میز پر رکھے تھے ہلکے گلابی رنگ کی ٹی شرٹ اور ساتھ میں بلیک کا ٹراؤزر پہنے ماتھے پر بکھرے بالوں اور اس رف سے حلیے میں بھی وہ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا جو ہاتھ میں موجود ٹی۔ وی ریموٹ سے مسلسل چینل بدل رہا تھا مگر ایک دم ہی ریسلنگ والے چینل پر آتے ہی اس نے مزید چینل بدلنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور اب آنکھوں میں دلچسپی لیے وہ ریسلنگ دیکھنے میں مشغول تھا جب وہاں ایک عورت کی آمد ہوئی تھی جس نے سلور کلر کا کام دار جوڑا زیب تن کر رکھا تھا ساتھ ڈائمنڈز کی جیولری پہنے بالوں کو بلکل سیدھا کر کے کندھوں پر پھیلا رکھا تھا نین نقش سے وہ عورت لاؤنج میں موجود لڑکے کی ماں معلوم ہو رہی تھی۔

"زراج تم ابھی تک ریڈی نہیں ہوئے ہمیں عابد شیخ کی پارٹی میں جانا ہے آج, بتایا تھا نہ میں نے رات کو تمہیں مجھے لگا تھا تم تیار ہو رہے ہو نگے مگر تم تو یہاں مزے سے ریسلنگ دیکھنے میں مصروف ہو" ماتھے پہ بل لیے وہ غصے سے بولی تھی

"ارے واہ مما کیا لگ رہی ہے آپ اس ڈریس میں لش پش "

ماں کے سجے سنورے حلیے پر نظر پڑتے ہی وہ باقی باتوں کو نظرانداز کرتا اُن کی تعریف کرتے ہوئے شرارت سے بولا تھا جواب اسے مزید ناراضگی سے گھور رہی تھی

"کیا ہے مما مجھے نہیں ہے دلچسپی ایسی پارٹیز اٹینڈ کرنے میں، میں بور ہو جاتا ہوں "

وہ ان کے خاموشی سے گھورنے پر بیزاری سے بولا تھا

"تمھیں تو پتہ ہے کہ مجھے خود بھی دلچسپی نہیں ہے ان سب میں لیکن اب تمہارے بابا ملک سے باہر ہیں تو ہمیں ہی جانا پڑے گا تمہارے بابا نے بھی رات کو فون پہ یہی کہا تھا کہ تم دونوں چلے جاؤ ورنہ وہ لوگ ناراض ہو جائیں گے "

انہوں نے جواب دیا

"اچھا ٹھیک ہے پڑے رہو تم یہاں میں اکیلے ہی چلی جاتی ہوں "

اسے ہنوز اسی پوزیشن میں پڑے دیکھ کر وہ تپے ہوئے لہجے میں بولتی وہاں سے جا رہی تھی جب زراج ایک ہی جست میں ان تک آتا ان کا ہاتھ پکڑ کے روک گیا تھا

www.urdunovelsmania.com

"اچھا سوری مذاق کر رہا تھا بس پندرہ منٹ رکں جائیں آپ میں بس ابھی آتا ہوں پھر چلتے ہیں"

وہ ان کے کندھوں پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے بولا تھا اور پھر وہاں سے جا رہا تھا جب اسکی ماں نے کہا تھا

"اچھے سے تیار ہو کر آنا اور میں تو کہتی ہوں تمہارا وہاں جانا اچھا ہی ہے اپنے لیے کوئی پیاری سے لڑکی بھی پسند کرلینا اب شادی کی عمر ہو رہی ہے تمہاری"

وہ اُسے چھیڑتے ہوئے بولی تھی

"خدا کا خوف کریں مما میں شادی کروں گا بھی تو لڑکی سے کروں گا نا کہ کسی شو پیس سے ان پارٹیوں میں موجود یہ لڑکیاں آدھے ادھورے اور چست لباس پہن کر محض غیر مردوں کے سامنے اپنے جسم کی نمائش کے لیے آتی ہیں اور مجھے اپنی زندگی میں ایسی لڑکی بلکل بھی نہیں چاہیے"

وہ سنجیدگی سے بولا تھا

"اچھا تو پھر کیسی لڑکی چاہیۓ تمہیں"

وہ ابرو اچکاتے ہوئے پوچھ رہی تھی

"بلکل آپ جیسی جس کا اخلاق اچھا ہو دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہو اور سب سے بڑی بات آپ ہی کی طرح گھر سے باہر نکلتے وقت اسے اپنے کپڑوں کا خیال ہو جو گھر سے باہر ایسا لباس نا پہنتی ہو جیسے آج کل کی زیادہ تر لڑکیاں پہنتی ہیں اب دیکھے کپڑے آپ نے بھی فیشن ایبل پہن رکھے ہیں مگر نا ہی یہ تنگ ہے، نا باریک، نا ہی سلیولیس ایسے ہی زندگی میں ہر کام اپنی حدود میں رہتے ہوئے کرتی ہو"

وہ ماں کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بول رہا تھا

"بہت اچھی بات ہے بیٹا مجھے فخر ہے تمہاری سوچ پر"

وہ محبت سے لبریز لہجے میں بولی تھی

"اچھا اب دیر ہو رہی ہے چلو جلدی سے تیار ہو کر آؤ"

وہ اسکے بازوں اپنے کندھوں سے ہٹاتے ہوئے بولی تھی جو اپنے کمرے میں تیار ہونے چل دیا۔

---

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

شبیر اقبال اور سمرین بیگم کا ایک ہی اکلوتا بیٹا تھا زراج اقبال جو اپنی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اب اپنے باپ شبیر اقبال کے ساتھ ہی ان کے بزنس کو سنبھالتا تھا بزنس کی دنیا میں رہتے ہوئے ان سب کی ایک دوسرے سے اچھی خاصی جان پہچان تھی ہمیشہ ایک دوسرے کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے تھے اور پھر عابد شیخ اور شبیر اقبال کی دوستی تو کافی پرانی تھی وہ دونوں کالج کے زمانے سے دوست تھے اسی لیے ڈیل فائنل ہونے کی خوشی میں اس نے شبیر اقبال کو بھی پارٹی میں شمولیت

کے لیے مدعو کیا تھا جو کسی ضروری کام کے سلسلے میں اس وقت ملک سے باہر تھا وہ خود تو نہیں جا سکتا تھا اسی لیے انہوں نے اپنی بیوی سمرین بیگم اور بیٹے زراج اقبال کو ان کی خوشیوں میں شرکت کرنے کے لیے کہا تھا اگرچہ ان دونوں کو ایسی پارٹیز میں جانا بلکل بھی پسند نہیں تھا مگر اب شبیر اقبال کا حکم بجالاتے ہوئے وہ دونوں تیار ہو کر پارٹی میں جانے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

"واؤ مام آپ تو بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آج ہماری مام کم اور بہن زیادہ لگ رہی ہیں آپ" لاؤنج میں داخل ہوتے ہی نور نے انیلہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو واقعی غضب ڈھا رہی تھی ڈارک گرین کلر کی سلیولیس ساڑھی پہنے جس میں سے انکے دودھیا بازو اور پیٹ نظر آتے ہوئے یقیناً آج کافی لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے والے تھے کانوں میں چھوٹے چھوٹے سے ٹاپس پہنے انہوں نے اپنے کلر کیے گولڈن بالوں کو کرل کر کے دائیں کندھے پر آگے کو ڈال رکھا رہی سہی کسر اس پر لائٹ سے پارٹی میک اپ اور پیروں میں موجود نازک سی ہیل نے پوری کر دی تھی۔

"تھینکیو بیٹا تم بھی کسی پرستان کی حسین پری سے کم نہیں لگ رہی"

انہوں نے بھی جواباً نور کی تعریف کی تھی جس نے بلیک کلر کی میکسی پہن رکھی تھی اپنے لمبے بالوں کا خوبصورت سا جوڑا بنا رکھا تھا جس سے نکلتی چند گھنگریالی لٹیں اس کے چہرے کو چھوتی اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی ڈائمنڈ کی جیولری اور پارٹی میک اپ کے ساتھ ساتھ ڈارک ریڈ کلر کی لپسٹک نے اسکے قیامت خیز حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے.

"تھینکیو مام" اس نے تعریف کے بدلے انکا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا

"یہ دعا کہاں رہ گئی ہے تمہارے ڈیڈ بھی بس تیار ہو کر اب نیچے آتے ہی ہونگے اور اس لڑکی کا کوئی پتا نہیں کہاں ہے"

انہوں نے پریشان سے لہجے میں نور سے اسکا پوچھا تھا

"مام وہ تیار ہو رہی ہو گی کل ویسے ہی ڈرامے کر رہی تھی اب دیکھنا آپ کیسے تیار ہو کر جائے گی"

نور نے ناک چڑھاتے ہوئے نخوت سے کہا تھا

"ہاں بلکل صحیح کہہ رہی ہو تم آ گئی تیار ہو کر وہ دیکھو ذرا اپنے پیچھے"

بیزاری سے بولتے ہوئے انہوں نے نور کی توجہ دعا کے طرف دلائی تھی جو اسکے پیچھے ہی سیڑھیوں سے اتر رہی تھی

"ہلکے پیلے رنگ کے گھٹنوں تک آتے فراک کے ساتھ اسنے بلیک کلر کی کیپری اور بلیک ہی کلر کا
دوپٹہ پہن رکھا تھا جبکہ میک اپ سے عاری چہرے
کے گرد خوبصورت سا سکارف اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا"

"یہ کیا بن کر آگئی مام"
نور نے چیختے ہوئے ماں سے کہا تھا

"یہ جان بوجھ کر ہمارا ناک کٹوانا چاہتی ہے"
دعا کے قریب آنے پر انیلہ بیگم نے غصے سے تیز لہجے میں کہا تھا

"آپ کو خود ہی شوق چڑھا تھا مجھے ساتھ لے جانے کا اب میں تو ایسی ہی ہوں اور اسی طرح جاؤں گی"
وہ ماں کو دیکھتے ہوئے لاپرواہی سے بولی تھی جو ابھی بھی غصے سے اسے گھور رہی تھی

"ہاں اسفند تم پہنچ گئے ہو بیٹا بس ہم بھی تیار ہو کر نکل رہے ہیں"

شاہ میر ملک سیڑھیوں سے اترتے ہوئے موبائل کان سے لگائے اسفندیار سے بات کرتے ہوئے بولے تھے اوران سب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے باہر پورچ کی جانب بڑھ گئے جہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی اور گاڑی میں سوار ہوتے وہ سب وہاں سے روانہ ہو گئے تھے.

پارٹی اپنے عروج پر تھی سب لوگ ہاتھوں میں اپنے پسندیدہ مشروبات کے گلاس تھامے ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف تھے تمام لڑکیوں نے آدھے ادھورے ملبوسات پہنے تھے جن میں سے ان کا جسم واضح ہو رہا تھا غرض یہ کہ ہر لڑکی نے شرمناک لباس پہن کر بے حیائی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کی تھی پارٹی کا انتظام عابد شیخ نے اپنے گھر سے ملحقہ لان میں کیا تھا سبزہ زار پر کرسیاں اور میز رکھے دھیمی آواز میں بیک گراؤنڈ میوزک لگائے بھرپور انتظامات کر رکھے تھے.

"ہیلو سمرین کیسی ہو؟ کافی عرصے بعد ہماری ملاقات ہو رہی ہے"
انیلہ بیگم نے وہاں داخل ہوتے ہی سمرین بیگم سے کہا تھا جو کچھ اور خواتین کے ساتھ کھڑی محو گفتگو تھی جبکہ شاہ میر ملک آگے بڑھتے چلے گئے جہاں عابد شیخ, اسفندیار اور زراج اقبال کھڑے کسی موضوع پر گفتگو کرنے میں مصروف تھے.

www.urdunovelsmania.com

"ہاں بس کیا بتاؤں وقت بہت کم ہوتا ہے گھر کے کام اتنے ہوتے ہیں کے باہر کہیں جانے کا وقت ہی نہیں ملتا"
ان کے گلے لگ کر دونوں گالوں کو چومتے ہوئے سمرین بیگم نے جواب دیا

"یہ بیٹی ہے نا آپکی"
نور کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا نور کو وہ اس لیے بھی پہچان گئی تھی کہ وہ اکثر ایسے موقعوں پر انیلہ بیگم کے ساتھ ہی پائی جاتی

"جی یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں نور چھوٹی ہے اور یہ ہے دعا یہ میری بڑی بیٹی ہے"
اس کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے سامنے کرتے ہوئے انیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا تھا جو بوکھلائی سی آگے بڑھی تھی پہلے تو وہ نور کے پیچھے چھپ کر کھڑی تھی مگر اب سب کے سامنے آنے اور ان کے عجیب نظروں سے دیکھنے پر وہ کچھ کنفیوز سی ہو گئی تھی.

"السلام علیکم آنٹی" دعا نے لبوں پر مسکراہٹ سجاتے شائستگی سے ان کو سلام کیا تھا
"وعلیکم السلام! بیٹا کیسی ہو آپ اور میری تو آپ سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی مجھے تو لگا تھا کہ انیلہ کی صرف ایک ہی بیٹی ہے نور" ویسے کہاں چھپا کر رکھا تھا اتنی پیاری بیٹی کو؟"

دعا کے لیے آنکھوں میں پسندیدگی لیے کہتے ہوئے انہوں نے آخر میں انیلہ بیگم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے مسکرا کر ان سے پوچھا تھا

"دراصل آپ سے کبھی ملاقات اس لیے نہیں ہوئی کہ مجھے پارٹیز وغیرہ میں جانا اچھا نہیں لگتا جبکہ مما اور نور اکثر جاتی رہتی ہیں ابھی بھی یہ لوگ مجھے زبردستی لیں کر آئیں ہے"

وہ صاف گوئی سے بولی تھی اُس کی باتوں پر انیلہ بیگم کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے مگر موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر محض مسکرانے پر اکتفا کیا تھا

کچھ دیر مزید سمرین بیگم سے باتیں کرنے اور ان کے کچھ سوالات کے جوابات دینے کے بعد وہ اور نور خواتین کی محفل چھوڑتی دوسری طرف آگئی تھیں

"انیلہ برا مت ماننا مگر لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ تمہاری بیٹی ہے کہاں تم اتنی سٹائلش کہ نور اور دعا کی ماں کم اور بہن زیادہ لگتی ہو اور کہاں تمہاری بڑی بیٹی جو اتنی سی عمر میں بھی بوڑھی اماں بنی پھر رہی ہے حالانکہ نور بھی تو ہے اسے دیکھو تو لگتا ہے جیسے انسانوں کے بیچ ایک خوبصورت و حسین پری آسمان سے اتری ہو سٹائلش اور خوبصورت تو وہ ہے ہی مگر اس کی پرسینیلیٹی اسکے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے"

انہیں عورتوں میں موجود انیلہ بیگم کی ایک دوست مسز حبیب نے بولتے ہوئے آخر میں ستائشی نگاہوں سے نور کو دیکھا تھا جو پیروں کو چھوتی تنگ میکسی پہنے کافی فاصلے پر کھڑی دعا کے کان کھانے میں مصروف تھی.

"بس کیا بتاؤں اب میں تمہیں ہمارے گھر کی نوکرانی ہے نا تم تو اسے جانتی بھی ساجدہ نام ہے جس کا اُسی کا اثر ہو گیا ہے میری بیٹی پر ہر وقت اس کے ساتھ جو چپکی رہتی ہے اُس نے میری بیٹی کو اس قدر اپنے قابو میں کر رکھا ہے کہ اب وہ ہر وقت ساجدہ اماں, ساجدہ اماں کرتی رہتی ہے اس دو ٹکے کی نوکرانی کے لیے مجھ سے اپنی ماں سے لڑتی ہے وہ خود تو اب ہے ہی بوڑھی میری کم عمر بیٹی کو بھی قدیم روح بنا دیا ہے اُس نے "

انیلہ بیگم تپے ہوئے لہجے میں ان سے فریاد کرتے ہوئے بولی تھی

"ارے اگر ایسی بات ہے تو اُسے نکال باہر کرو اپنے گھر سے کیوں رکھا ہوا ہے اُسے گھر میں"

پاس ہی کھڑی دوسری عورت نے بھی مشورہ دیا تھا

"کیسے نکال باہر کروں میری بیٹی کو تو ویسے بھی ان نوکروں اور غریبوں سے ایک خاص قسم کی ہمدردی ہے اور پھر اُس ساجدہ کو گھر سے نکالنا تو دور کی بات وہ تو اس کے خلاف ایک لفظ تک برداشت نہیں کرتی"

انیلہ بیگم نے پریشان سے لہجے میں کہا تھا جبکہ سمرین بیگم ان کے منہ سے وہ سب باتیں سنتی دور کھڑی دعا پر نظریں جمائے ہوئی تھی جب اچانک ان کے ذہن میں جھماکہ ہوا تھا انہیں چند گھنٹے پہلے زراج کی کہی گئی باتیں یاد آئی تھی ان کے کانوں میں اُسی کی باتوں کی بازگشت ہونے لگی تھی.

"وہ جو بھی لڑکی ہو دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہو اور سب سے بڑی بات آپ ہی کی طرح گھر سے باہر نکلتے وقت اسے اپنے کپڑوں کا خیال ہو جو گھر سے باہر ایسا لباس نا پہنتی ہو جیسے آج کل کی زیادہ تر لڑکیاں پہنتی ہیں اب دیکھے کپڑے آپ نے بھی فیشن ایبل پہن رکھے ہیں مگر نا ہی یہ تنگ ہے ,نا باریک ,نا ہی سلیولیس ایسے ہی زندگی میں ہر کام اپنی حدود میں رہتے ہوئے کرتی ہو"
یہ زراج اقبال کی وہی باتیں تھی جو اس نے سمرین بیگم کو بتائی تھی اُس لڑکی کے بارے میں جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا دور کھڑی دعا پر نگاہیں جمائے ان کے دل نے یہ گواہی دی تھی کہ دعا سے بہتر لڑکی زراج اقبال کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتی.

"انیلہ تم دعا کی ماں ہو وہ نہیں اسلیے ڈرنا چھوڑ دو اور اپنی اس کام والی کو گھر سے نکالو جس نے تمہاری بیٹی کو ذہنی مریض بنا کر رکھ دیا ہے"
مسز حبیب نے ایک بار پھر لقمہ دیا تھا

"بلکل بھی نہیں انیلہ ایسا کبھی مت کرنا کیونکہ تمہاری کام والی نے تمہاری بیٹی کو کچھ بھی غلط نہیں سکھایا جہاں تک کپڑوں کی بات ہے تو ہر انسان کی اپنی مرضی ہوتی ہے کچھ لوگوں کو سٹائلش کپڑے پہننے کا شوق ہوتا ہے تو کچھ لوگ سادگی میں ہی خوش رہتے ہیں اور دعا بھی اُنھی لوگوں میں سے ہے جو سادہ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں جو باتیں تم نے ہمیں دعا کے متعلق بتائی ہے اسے سننے کے بعد تو اب میں یہی کہوں گی کہ دعا جیسی بیٹیاں نصیب والوں کو ملتی ہیں اس کا دل دکھا کر اسے خود سے بدظن مت کرنا باقی وہ جیسی بھی ہے بہت پیاری اور بہت خوبصورت ہے اس سادگی میں بھی"

ملائم سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے انہوں نے انیلہ بیگم سے کہا تھا جس پہ مسز حبیب کا تو منہ بن گیا تھا وہ اُن سب سے ایکسکیوز کرتی وہاں سے چلی گئ.

"ہاں سمرین میری بیٹی پیاری ہے اور سادہ بھی اس بات میں کوئی شک نہیں مگر تم ہی دیکھو آج کل کہ اس ماڈرن دور میں ایسی سادہ لڑکیوں سے کون شادی کرتا ہے؟"

انیلہ بیگم نے فکرمندی سے کہا تھا

"ارے کیوں بھئ کون اتنی پیاری اور معصوم لڑکی کو نظرانداز کرسکتا ہے تم دیکھنا دعا کا رشتہ بہت اچھی جگہ ہوگا اور وہ بھی بہت جلد ان شاء اللہ"

سمرین بیگم نے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے ان سے کہا تھا اور جوس کے گلاس کو لبوں سے لگا لیا تھا جبکہ انیلہ بیگم نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھا تھا مگر پھر مزید اس موضوع پر بات کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے وہاں کھڑی دوسری عورتوں سے باتوں میں مشغول ہوگئیں۔

....

"ناک کٹوا دیا ہے آپ نے ہمارا دیکھیں سب کیسی عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں ہماری طرف کیا ہو جاتا جو آج آپ ذرا تیار ہو کر آجاتی مجھے تو کسی کو یہ کہتے ہوئے بھی شرم آئے گی اب کہ یہ میری بڑی بہن ہے"

نوردعا کو ایک سائیڈ پر لاتے ہوئے بولی تھی

"نوران کو چھوڑو مجھے تو خود ان پر ہنسی آرہی ہے وہ ذرا بلیو ڈریس والی لڑکی کو دیکھو ایسے لگ رہا ہے جیسے آتے وقت اسکا ڈریس کسی کیل میں پھنس کر گھٹنے تک پھٹ گیا ہو"

بے اختیار ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے دور کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا تھا جو کب سے دعا کو عجیب عجیب نظروں سے گھور رہی تھی جبکہ خود شاید کپڑا کم پڑ گیا تھا جو ایسا لباس زیب تن کر رکھا تھا جس میں جگہ جگہ فیشن کے نام پر سوراخ کیے گئے تھے

"آپ کو کیا پتہ اسے فیشن کہتے ہیں, فیشن"

نور نے مسکرا کر کہتے ہوئے ہاتھ سے اس لڑکی کو اشارہ کیا تھا جو شاید نور کو جانتی تھی تبھی دوسری طرف خود بھی ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس آنے کا کہہ رہی تھی.

"اگر یہ فیشن ہے تو میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے فیشن پر"

دعا نخوت سے بولی تھی جبکہ نور تو سامنے موجود شخصیت پر نظر پڑتے ہی کسی اور جہاں میں پہنچ چکی تھی یک ٹک سامنے کھڑے اسفندیار کو دیکھتے ہوئے جو ہنستے ہوئے زراج اقبال سے کچھ کہہ رہا تھا وہ ارد گرد کو بھلا بیٹھی تھی اُسے اُس پورے ماحول میں بس وہ ایک ہی شخص نظر آرہا تھا جو اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ کافی فاصلے پر کھڑا اب مسکرا رہا تھا.

بلیک تھری پیس سوٹ کے ساتھ گلے میں ریڈ کلر کی ٹائی باندھے سلیقے سے کٹے بالوں کو جیل کے ساتھ سیٹ کیے بائیں ہاتھ میں مہنگی گھڑی پہنے بلاشبہ وہ ایک بے حد وجیہہ مرد تھا اور اس پر اس کی قاتلانہ ہنسی نور کا دل بے قابو ہونے لگا تھا

"واؤ" نظریں اسی پہ مرکوز کیے بے اختیار اسکے منہ سے نکلا تھا جس پہ قریب کھڑی دعا جو بار بار اپنا اسکارف ٹھیک کر رہی تھی ابھی بھی سکارف کی پن کو ٹھیک کرتے ہوئے اسنے حیرت سے نور کو دیکھا تھا

"کیا ہوا تم نے پھر کیا دیکھ لیا؟" دعا نے حیرت سے پوچھا تھا

"کچھ نہیں آپ رکیں یہی میں بس ابھی آتی ہوں" جوس کا گلاس دعا کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے اس نے اپنے پرس سے ایک چھوٹا سا شیشہ نکالتے ہوئے اسے اپنے سامنے کیا تھا اور پھر شیشے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنا تنقیدی جائزہ لیا تھا واپس شیشہ پرس میں رکھتی وہ اس طرف بڑھ گئی تھی جہاں اسفندیار اور زراج اقبال کھڑے تھے۔

"ارے رکو نور مجھے یہاں اکیلے چھوڑ کر کیوں جا رہی ہو رک جاؤ پلیز"

پیچھے سے دعا نے اسے کافی آوازیں دی تھی جنہیں وہ اَن سنی کرتی وہاں سے چلی گئی پیچھے دعا اکیلی رہ گئی تھی اس کے ڈر میں مزید اضافہ ہوا تھا تبھی وہ گلاس میز پر پٹختی لان کے پچھلے حصے کی جانب چلی آئی تھی جو نسبتاً سنسان تھا اس وقت اسے غصے کے ساتھ ساتھ رونا بھی آ رہا تھا آنسو اسکی آنکھوں سے ایک تواتر کے ساتھ پھسل رہے تھے روتے روتے وہ وہاں ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا تھا لوگوں کی حقارت آمیز نگاہیں خود پر محسوس کرنے کے بعد اب اسے شاہ میر ملک کا فیصلہ مان کر وہاں آنے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

"اب تو میں پارٹی ختم ہونے تک وہاں نہیں جاؤں گی، اور جب پارٹی ختم ہو جائے گی تو یہی سے واپس چلی جاؤں گی بابا کے ساتھ "بچوں کی طرح روتے ہوئے وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی تھی اور پھر گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھ لپیٹتے ہوئے وہی سکون سے بیٹھ گئی تھی۔

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

....

زراج کو تو نور پہلے سے جانتی تھی کیونکہ اکثر جب وہ شاہ میر ملک کے آفس جاتی تو زراج بھی کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں وہاں موجود ہوتا اسی لیے اس سے نور کی اچھی خاصی سلام دعا ہو چکی تھی.

"ہیلو زراج کیسے ہو تم؟" ان کے قریب آتے ہی وہ ایک بھرپور نظر اسفند پر ڈال کر اب زراج کی جانب متوجہ ہوئی تھی اور اسکی خیریت دریافت کی تھی

"میں بلکل ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسی ہو اور کہاں مصروف رہتی ہو آجکل کافی وقت ہو گیا ہے اب تم انکل کے آفس بھی نہیں آتی"

زراج نے دوستانہ لہجے میں پوچھا تھا جبکہ اسفند تو دنگ نظروں سے اسکے خیامت خیز حسن کو دیکھ رہا تھا

"کیا کوئی انسان اتنا بھی خوبصورت ہو سکتا ہے؟" اس نے دل ہی دل میں خود سے یہ سوال پوچھا تھا

"میں بھی ٹھیک ہوا اور بس پڑھائی میں اتنا مصروف رہتی ہوں کہ وقت نہیں ملتا اب آفس آنے کا" وہ شائستگی سے بولی تھی

"اپنے دوست سے میرا تعارف نہیں کرواؤ گے" اسفند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسنے ایک ادا سے کہا تھا

"ارے ہاں سوری میں بھول گیا تھا یہ ہے اسفندیار اِس نئی فیکٹری میں تمہارے ڈیڈ اور عابد انکل کا پارٹنر اور میرا بہت اچھا دوست ہے یہ"

وہ اسفندیار کا تعارف کرتے ہوئے بولا تھا جس پہ نور کے ذہن میں رات اپنے ڈیڈ کے کہے گئے جملے گونجے تھے جو انہوں نے اسفندیار کی تعریف میں کہے تھے

"اور اسفند یہ شاہ میر انکل کی بیٹی ہے نورالہدیٰ" اب وہ نور کا تعارف کرتے ہوئے بولا تھا

"آپ سے مل کر بہت اچھا لگا مسٹر اسفندیار" نور نے اپنی ہرنی جیسی آنکھیں اس پر جمائے ایک ادا سے کہتے ہوئے اپنا سفید نازک ہاتھ اسفند کے ہاتھ میں دیا تھا جسے اسفند نے سر کو ہلکا سا خم دے کر مسکرا کر اُسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے تھام لیا تھا یہی سے کنول کے خوفناک خواب کی خوفناک تعبیر شروع ہو چکی تھی نور نامی طوفان اب اسفندیار کی زندگی میں داخل ہونے والا تھا۔

"ڈیڈ سے کافی تعریفیں سنی ہیں آپ کی کافی کم وقت میں آپ نے اپنے بزنس کو پروان چڑھایا اور اپنی ایک الگ پہچان قائم کی"

نور نے تعریفی لہجے میں کہا تھا

"اگر واقعی شاہ میر انکل ان الفاظ میں میری تعریف کرتے ہیں تو یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے"

سینے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھکتے ہوئے اسفند نے جیسے اسکا شکریہ ادا کیا تھا

"تم دونوں باتیں کرو میں مما کو دیکھ کر آتا ہوں"

زراج وہاں کھڑے کھڑے اب شدید بور ہو رہا تھا اسی لیے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے ان دونوں کو وہی چھوڑتا وہ چلتے چلتے اس وسیع و عریض لان کے پچھلے حصے کی طرف چلا آیا تھا لان کے اس حصے میں کافی سکون تھا محض میوزک کی مدھم آواز کے علاوہ یہاں تک دوسری کوئی آواز نہیں پہنچ رہی تھی اس پر سکون گوشے میں پہنچتے ہی زراج نے بھی سکون کا سانس لیا تھا اور پھر کوٹ کی جیب سے موبائل فون برآمد کرتے ہوئے اس نے ایک نمبر ڈائل کر کے موبائل کو کان سے لگایا تھا۔

دعا ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر ستون سے ٹیک لگا کر گھٹنوں کو باہم جوڑے ان پر سر رکھے بیٹھی تھی جب اچانک اسے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی اس نے نظریں اٹھا کر اس لڑکے کی طرف دیکھا تھا جس نے لان میں آتے ہی ایک گہرا سانس لیا تھا اور پھر اپنا موبائل نکالتے ہوئے اس پر تیزی سے ایک نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا تھا لان کا یہ حصہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا مگر چند فینسی لائٹس جن سے وہاں موجود درختوں کو سجایا گیا تھا (کسی کرسمس ٹری کی طرح) اُن لائٹس سے نکلتی مدھم ذرد روشنی میں وہ اسکے ہر عمل کا باریک بینی سے جائزہ لے رہی تھی جو کال ملتے ہی اب کسی سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا وہ دعا سے چند ہی قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا مگر اندھیرے کے باعث شاید وہ اُسکو نظر آنے سے قاصر تھی دوسرا وہ بیٹھی بھی نیچے گھاس پر تھی مگر اتنے قریب ہونے کے سبب اب مزے سے بیٹھی وہ اسکی موبائل پر ہونے والی گفتگو سننے میں مصروف تھی جو شاید اپنی ماں سے بات کر رہا تھا۔

"ہیلو مما! میں لان کے پچھلے حصے میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں میں بہت بور ہو رہا ہوں یہاں میں آپ کے کہنے پر آپ کے ساتھ آگیا نہ اب آپ کو میری بات ماننی پڑے گی جلدی سے پہنچے یہاں گھر چلتے ہیں بس یہاں آ کر عابد انکل کے گلے شکوے تو دور کر دئیے نہ"

موبائل پہ دوسری جانب موجود انسان نے جیسے ہی فون اٹھایا تھا اس طرف سے زراج بنا سانس لیے شروع ہو چکا تھا

"مما یہ کیا بات ہوئی کہ کھانا کھانے کے بعد جائیں گے ایک تو مجھے آپ خواتین کی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جہاں جانا فنکشن میں وہاں کھانا ضرور کھانا ہے اب یہ تو کوئی بات........." ابھی اس نے بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ دوسری جانب سے کال کاٹ دی گئی تھی

"ہیلو! "ہیلو" اس نے ایک دو بار ہیلو کہا تھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا جھنجھلا کر موبائل کان سے ہٹا کر آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے اسنے موبائل کو ایسے گھورا تھا جیسے ساری غلطی اس کی ہو موبائل واپس کوٹ کی جیب میں اڑستے ہوئے وہ جانے کے لیے مڑنے ہی لگا تھا کہ اچانک اسکی نظر وہاں گھاس پر بیٹھی لڑکی پہ گئی تھی جو آنکھیں چھوٹی کیے بڑے غور سے اسے دیکھنے میں مصروف تھی مگر اب زراج کی کی نظر پڑتے ہی اس نے تیزی سے نظروں کا رخ موڑ لیا تھا اس کے باوجود وہ اسے اچھی

طرح دیکھ چکا تھا جواب لاپروہی سے یہاں وہاں دیکھتی لاتعلق نظر آنے کی کوشش ایسے کر رہی تھی جیسے اس کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود ہی نا ہو.

"ایکسکیوز می! آپ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

زراج نے قدم قدم چلتے ہوئے اسکے پاس آکر پوچھا تھا جو نظریں جھکائے ایسے لاتعلق اور خاموش اس سنسان جگہ میں گھاس پر بیٹھی تھی جیسے سوال اس سے نہیں کسی اور سے پوچھا گیا ہو.

"ہیلو میں آپ سے بات کر رہا ہوں میڈم"

قریب آتے ہی زراج نے اسکی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تھا

"آپ جائیں یہاں سے میں آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی"

دعا نے کرخت لہجے میں جواب دیا تھا

"اوکے جیسے آپ کی مرضی مگر میں مجبوراً اندر نہیں جا سکتا اس لیے مجھے یہاں کچھ دیر برداشت کرنا ہوگا"

بولتے ہوئے وہ موبائل جیب سے نکال کر کافی فاصلے پر بیٹھ گیا تھا جبکہ دعا بغیر کوئی جواب دیے گھاس پر نظریں جمائے بیٹھی رہی.

"موبائل پر اپنے کسی دوست کو میسج سینڈ کرتے کرتے اسکی نظر ایسے ہی دعا پر گئی تھی اور نظر پڑتے ہی وہ اسے دیکھتا رہ گیا پیلے کلر کے فراک کے ساتھ بلیک کلر کی کیپری پہنے بلیک ہی کلر کا دوپٹہ سلیقے سے کندھوں پہ پھیلائے چہرے کے گرد نفیس سا اسکارف لپیٹے گندمی رنگت اور اداس آنکھوں والی وہ لڑکی اسے اندر موجود باقی تمام لڑکیوں سے مختلف اور اچھی لگی تھی جو شاید اِسی کی طرح ان پارٹیوں سے بے زار نظر آرہی تھی اور یہ بات اسکے تن پر موجود کپڑوں اور اسکے وہاں اکیلے بیٹھنے سے بھی ثابت ہوگئی تھی کہ وہ اس پارٹی کا حصہ نہیں ہے بلکہ زبردستی وہاں لائی گئی تھی زراج اقبال اتنی لڑکیوں کے ساتھ کام کرچکا تھا کہ اب تو وہ ایک نظر میں ہی لڑکی کے ظاہر و باطن کو پرکھ لیتا تھا اس پر نظریں جمائے اردگرد سے بے نیاز وہ اسے یک ٹک دیکھنے میں مصروف تھا جب اچانک دعا کی نظر اس پر پڑی تھی اور اسے خود کو اتنے غور سے گھورتے ہوئے پاکر اسے شدید غصہ آیا تھا جبکہ اس کے متوجہ ہوتے ہی زراج نے کچھ شرمندگی کے ساتھ نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے نگاہیں واپس ہاتھ میں موجود موبائل کی سکرین پر ٹکا دی۔

"چھچھورا انسان" دل ہی دل میں اسے اس خطاب سے نوازتی وہ جانے کے لیے اٹھ گئی تھی اور واپس اسی سائیڈ پر آگئی تھی جہاں پارٹی ابھی بھی جاری تھی

"یہ کیا کردیا تم نے زراج کیا ضرورت اسے اتنا گھورنے کی پتا نہیں کیا سوچے گی اب وہ تیرے بارے میں"

دایا ہاتھ ماتھے پر رکھ کر اسنے غصے سے سوچا تھا لیکن پھر یہ سب باتیں ذہن سے جھٹکتا وہ موبائل جیب میں رکھتے ہوئے خود بھی وہاں سے اٹھ کر دوسری سائیڈ پہ چلا گیا تھا

....

"واپس وہاں آتے ہی دعا انیلہ بیگم کے پاس آئی تھی جو میز کے گرد رکھی گئی کرسیوں پر باقی عورتوں کے ساتھ بیٹھی گپیں لگانے میں مصروف تھی.

"مما بس پارٹی ہو گئی اب چلتے ہیں نا پلیز"

دعا نے انیلہ بیگم کی کرسی کے قریب کھڑے ہو کہ جھک کر ان کے کان میں التجائیہ لہجے میں کہا تھا مگر جواباً انیلہ بیگم جن کا ابھی جانے کا کوئی ارادہ نا تھا انہوں نے دعا کو غصے سے گھورا تھا جس پہ وہ آنسو پیتی چپ چاپ ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی وہاں موجود کوئی اور بھی ان دونوں کو بغور دیکھ رہا تھا اور وہ تھی سمرین بیگم جو سامنے ہی کرسی پر براجمان تھی

"دعا بیٹا یہاں آؤ پلیز" سمرین بیگم کسی سوچ کے تحت کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی تھی

"جی آنٹی!" دعا نے انکے قریب آتے ہی مؤدبانہ لہجے میں کہا

"بیٹا اگر برا نا مانو تو کیا میں آپ کے ساتھ ایک فوٹو لے سکتی ہوں؟"

سمرین بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"ہاں ہاں کیوں نہیں اس میں برا ماننے والی کون سی بات ہے جتنی چاہے لے لو"

اس سے پہلے کہ دعا کچھ کہتی انیلہ بیگم بول پڑی تھی سمرین بیگم نے دعا کو اپنے قریب کیا تھا اور موبائل کا فرنٹ کیمرہ اون کرتے ہوئے اپنی اور اسکی ایک مسکراتی ہوئی تصویر اپنے پاس محفوظ کرلی تھی

"تم بہت اچھی اور بہت پیاری ہو" سمرین بیگم نے اسکے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا دعا تو حیرانی سے انہیں دیکھتی رہ گئی کیونکہ ایسا پیار تو اسے کبھی اسکی سگی ماں نے بھی نہیں کیا تھا

"آنٹی آپ بھی بہت اچھی ہے" دعا نے جھینپتے ہوئے جواب دیا

"تھنکیو بیٹا" سمرین بیگم نے کہا

"آنٹی وہ مجھے بابا سے کچھ بات کرنی تھی میں جا رہی ہوں"

اس نے اجازت لیتے ہوئے کہا

"جی جی کیوں نہیں بیٹا جاؤ"

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

انہوں نے جواب دیا تھا جسے سنتے ہی نور نے قدم شاہ میر ملک کی طرف بڑھا دیئے جو عابد شیخ کے پاس ہی کھڑے کسی بات پر قہقہے لگانے میں مصروف تھے مگراب دعا کو دیکھتے ہی مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"بابا مجھے گھر جانا ہے آپ نے چلنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے گاڑی کی چابی دے دیں میں خود چلی جاؤں گی"

ان کے قریب آتے ہی وہ خفگی سے بولی تھی

"ٹھیک ہے چلتے ہیں میری بیٹی لیکن یہ بتاؤ طبعیت ٹھیک ہے تمہاری؟"

انہوں نے فکرمندی سے دعا کے اترے ہوے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے اسکے ماتھے کو چھوا تھا

"ٹھیک ہوں میں آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں" جواباً دعا نے ناراضگی سے کہتے ہوئے ان کے ہاتھ کو جھٹکا تھا جن کے لبوں پر اسکی نراضگی کو دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ رینگی تھی۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں انہوں نے ان دونوں کو فون کر کے بلوالیا تھا جن میں نور تو اسفند سے باتیں کرنے میں مصروف تھی اور انیلہ بیگم کا ابھی فلحال محفل برخاست کرنے کا کوئی ارادہ نا تھا مگر اب مجبوراً وہاں

سب سے اجازت لیتی روانہ ہوگئ تھی نور بھی اسفند اور زراج کو الوداع کہتی گاڑی میں آ بیٹھی تھی اور پھر وہ سب گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

....

"ڈاکٹر کوئی خطرے کی بات تو نہیں ٹھیک تو ہے نا میرا بیٹا کیا اب کچھ بہتر ہوا ہے؟"

شازیہ بیگم نے بے چینی سے کئی سوال اس ادھیڑ عمر ڈاکٹر سے کر ڈالے تھے جو غصے سے ماتھے پہ بل لیے یوسف کی کلائی تھامے اسکے نبض کی چیک کرنے میں مصروف تھے۔

"یہ ٹھیک کیسے ہو سکتا ہے حالت دیکھی ہے آپ نے اسکی اور اس کمرے کی جہاں یہ زندہ لاش کی طرح پڑا ہوا ہے مجھے تعجب ہوتا ہے آپ لوگوں پر کوئی اپنی سگی اولاد کو بھی کیا ایسی حالت میں چھوڑ سکتا ہے آپ عورت ہے اور عورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماں بھی ہے۔ماں کے قدموں تلے جنت ویسے ہی تو نہیں رکھ دی گئ بلکہ اس لیے رکھی گئ ہے کہ اپنے بچے کے لیے سب سے زیادہ تکالیف اسکی ماں برداشت کرتی ہے اپنی خوشیاں اپنے بچوں کی جھولی میں ڈال کر ان کے غم سمیٹ لیتی ہے لیکن آپ جیسی ماں سے تو دشمن بہتر ہے جسے اپنی سگی اولاد سے ہی گھن آتی ہے جو اپنی محتاج اولاد کو نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنی فضول قسم کی سرگرمیوں کی تکمیل کے لیے باہر جاتی ہے۔

یوسف کے کمزور وناتواں جسم پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر شازیہ بیگم پر شدید غصیلے لہجے میں گرجے تھے جو شرمندگی سے نظریں جھکائے کھڑی تھی اوران کی آنکھوں سے گرم قطرے زمین پر گر رہے تھے آج ڈاکٹر آصف نے صحیح لفظوں میں انہیں آئینہ دکھایا تھا ڈاکٹر آصف وہی ڈاکٹر تھے جنھوں نے اسلام آباد میں یوسف کا آپریشن کیا تھا مگر بدقسمتی سے وہ قومہ میں چلا گیا تھا اب ڈاکٹر آصف کو تقریباً چار ماہ بعد اسلام آباد سے یوسف کے چیک اپ کے لیے بلایا گیا تھا کیونکہ ایسی حالت میں یوسف کو اسلام آباد لے کر جانا ممکن نہیں تھا یہاں آتے ہی جب ڈاکٹر آصف نے یوسف کو جائزہ لیا جسے دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بیڈ پر ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہو وہ بہت غصے میں آ گئے تھے ان کو پتہ چل گیا تھا کہ اصل میں یوسف کا کتنا خیال رکھا جا رہا ہے

"اگر آپ دونوں نہیں چاہتے کہ یہ زندہ رہے اگر مارنا ہی چاہتے ہیں اسے تو مجھے بتا دے میں ایک ہی دفعہ میں اسے زہریلا انجکشن لگا کر مار دیتا ہوں"

انھوں نے مزید ان دونوں میاں بیوی سے کہا تھا جو شرمندگی سے زمین میں گڑھ گئے تھے

"نہیں, نہیں ڈاکٹر صاحب ایسی بات نہیں ہے میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب سے خود اپنے بیٹے کا خیال رکھوں گی اسے کسی کے سہارے نہیں چھوڑوں گی"

شازیہ بیگم روتے ہوئے بولی تھی جس پہ ڈاکٹر آصف نے شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے یوسف کا چیک مکمل کیا تھا اور ان کو کچھ احتیاطی تدابیر بتانے کے بعد وہاں سے چلے گئے تھے ان کے جاتے ہی شازیہ بیگم یوسف کے کمرے میں آئی تھی اور بیڈ کے قریب آتے ہوئے اسکے سرہانے بیٹھ گئی تھی جس کی آنکھوں سے آنسو پھسلتے تکیے پر گرتے جا رہے تھے

"میری جان مت رو تمہاری ماں ابھی زندہ ہے اب سے تمہارا ہر ایک کام میں خود اپنے ہاتھوں سے کروں گی"

اسکے آنسوؤں پر نظر پڑتے ہی شازیہ بیگم اسکا ماتھا چومتے ہوئے بولی تھی

اس وقت یوسف کسی کو نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ رونا چاہتا ہے چیخ چیخ کر رونا چاہتا ہے اپنے رب کے آگے گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہتا ہے اس گناہ کبیرہ کے لیے جو وہ کر چکا ہے مگر اس وقت وہ یہ سب کسی کو بھی بتانے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے سے قاصر تھا.

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي ◌ فَاجْ ◌ لِدُو ◌ا كُلَّ وَاحِدٍ مِّن ◌ هُمَا مِائَةَ جَل ◌ دَةٍ ◻ وَّلَا تَا ◌ خُذ ◌ كُم ◌ بِهِمَا رَا ◌ فَةٌ فِي ◌
دِي ◌ نِ اللّٰهِ اِن ◌ كُن ◌ تُم ◌ تُؤ ◌ مِنُو ◌ نَ بِاللّٰهِ وَال ◌ يَو ◌ مِ ال ◌ اٰخِرِ ۚ وَل ◌ يَش ◌ هَد ◌ عَذَابَهُمَا
طَآئِفَةٌ مِّنَ ال ◌ مُؤ ◌ مِنِي ◌ نَ ﴿۲﴾

سورہ : نور (2)

اردو ترجمہ

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔ اور اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع خدا (کے حکم) میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو﴿۲﴾

اور پھر جب اللہ کے حکم کے مطابق سزا نہیں دی جائے گی تو :

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ۔

«یقیناً تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔» (القرآن)

اس وقت یوسف بھی اللہ کی سخت پکڑ میں آ چکا تھا۔

"تم چلو گی میرے ساتھ آفس آج؟"

اسحاق خان نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے شازیہ بیگم سے پوچھا جو ان کے بلکل ساتھ والی کرسی پر سوچوں میں گم بیٹھی ہوئی تھی ناشتے کے تمام لوازمات ان کے سامنے ویسے کے ویسے ہی پڑے ہوئے تھے انہوں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

"نہیں اسحاق میں نے رات ڈاکٹر کے سامنے محض ڈرامہ نہیں کیا تھا میں اب سچ میں یوسف کا خیال رکھوں گی اور خود رکھوں گی اُس کا خیال آج میں اس کے پورے کمرے کی تفصیلی صفائی کروں گی اور اب سے میں آفس نہیں آسکوں گی آپ وہاں کا کام سنبھال لیجیئے گا"

وہ سوچوں کے بھنور سے نکلتی دھیمے لہجے میں ہاتھ مسلتے ہوئے بولی تھی

اسحاق خان کو واقعی لگا تھا کہ شازیہ بیگم نے صرف ڈاکٹر کے سامنے ہی ایسا کہا ہے ورنہ وہ کہاں اپنی پارٹیز اور سوشل ورک چھوڑ سکتی ہیں مگر اب ان کے منہ سے سننے کے بعد ان کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کہ اب یوسف کا اچھے سے خیال رکھا جائے گا.

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی لیکن اداس مت ہو اور زیادہ ٹینشن بھی مت لو سب ٹھیک ہو جائے گا کہیں خدانخواستہ تمہاری طبعیت بھی خراب نا ہو جائے"

اسحاق خان نے ان کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر حوصلہ دینے والے انداز میں ان سے کہا تھا جو شاید ساری رات سوئی نہیں تھی تبھی ان کی آنکھوں کے گرد گھیرے سیاہ حلقے موجود تھے دو دن پہلے پہنے گئے کپڑوں میں اب شکنیں نمایاں ہو رہی تھی بالوں کا رف سا جوڑا کر رکھا تھا جس میں سے اب بال لٹوں کی صورت میں نکل کر چہرے اور گردن پر پھیلے ہوئے تھے.

اسحاق خان کی بات کے جواب میں انہوں نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا جس کے بات اسحاق خان بھی ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا حکم دیتے آفس چلے گئے جبکہ شازیہ بیگم کرستی یوسف کے کمرے کی صفائی شروع کر چکی تھی۔

....

دوپہر کا وقت تھا موسم کے بدلنے کے بعد تو اب یہ دھوپ جھلسا رہی تھی استاد احمد صاحب سکول سے چھٹی کے وقت سیدھا مسجد چلے گئے اور وہاں سے نماز پڑھنے کے بعد اب گھر واپس آرہے تھے گھر پہنچتے ہی لکڑی کا کچا دروازہ کھولنے پر ان کے کانوں میں عبداللہ کے رونے کی آواز پڑی تھی سر سے جھالی دار ٹوپی جو انہوں نے نماز کے لیے پہن رکھی تھی اتار کر جیب میں رکھتے ہوئے وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھے تھے اور چھوٹے سے صحن کو عبور کرتے ہوئے وہ یاسمین بیگم تک آئے جو کمرے کے باہر برآمدے میں روتے بلکتے عبداللہ کو لیے ٹہل رہی تھی پریشانی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

"یاسمین کیا ہوا یہ رو کیوں رہا ہے؟"

احمد صاحب نے ان کی گود سے عبداللہ کو لیتے ہوئے کہا

"اور یہ اسکا چہرہ کیوں اتنا سرخ ہے؟"

اس کے سرخ چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے فکرمندی سے مزید پوچھا تھا

"احد اس کو صبح سے بخار ہے آپ کے جانے کے بعد اس نے رونا شروع کر دیا مجھے لگا اس کو بھوک لگی ہو گی میں اس کے لیے فیڈر بنا لائی مگر ہاتھ لگایا تو پتہ چلا کہ تیز بخار میں تپ رہا ہے صبح سے ایسے ہی رو رہا ہے میں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کر کر کے تھک گئی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا بخار ویسے کا ویسا ہی ہے"

یاسمین کے ضبط کی انتہا ہوئی تھی جو اس نے رونا شروع کر دیا تھا

"ارے نیک بخت صبح سے اسے بخار ہے رو رہا ہے اور تم مجھے اب بتا رہی ہو اب اگر اسے کچھ ہو گیا تو"

وہ غصے سے تیز لہجے میں بولے تھے

"نہیں اللہ نا کرے میرے بیٹے کو کچھ ہو آپ ایسے تو مت بولے"

احد صاحب کی بات پر اسکے رونے میں اضافہ ہوا تھا جو وہ مزید روتے ہوئے بولی تھی

"میں اکیلی ہوں گھر پہ کیا کرتی کیسے بلاتی آپ کو؟"

وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی

"باہر سے پڑوسیوں کے کسی بچے کو بھجوا دیتی مجھے بلانے کے لیے سکول اتنا دور تو نہیں ہے" روتے ہوئے عبداللہ کا منہ چومتے ہوئے وہ بولے تھے

"اچھا اب رونا بند کرو جاؤ جلدی سے اپنی چادر لے کر آؤ اسے ابھی کے ابھی ہسپتال لے کر چلتے ہیں"

وہ باہر دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولے تھے جبکہ یاسمین بھی عجلت میں چادر اٹھا کر اپنے چہرے اور جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹتی ان کے پیچھے بھاگی تھی۔

ایک طرف عبداللہ کی اپنی ماں یعنی نور تھی جس نے اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے گناہ کو بچانے کے لیے خود کو دوسروں کی نظروں میں باعزت بنانے کے لیے اپنے بیٹے اپنی سگی اولاد کو کچرے کی نظر کر دیا پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں اپنے باپ سے پوچھا تک نہیں کے بچے کو کہاں گرا آئیں ہیں آپ اور نور کو کیا پتہ تھا کہ :

تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ- ال عمران (26)

ترجمہ : "(اور اللہ) جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے

وہ بھول چکی تھی کہ ایک ذات ایسی بھی موجود ہے جو ہماری ہر اچھائی اور برائی پر نظر رکھے ہوئے ہیں اوراُس ذات کی، اُس رب کی پکڑ اتنی شدید ہے کہ پکڑ ہونے پر وہ کسی کو مہلت بھی نہیں دیتا۔

☐

اور دوسری طرف احمد صاحب اور یاسمین جیسے لوگ بھی تھے جنھوں نے عبداللہ کو اپنی سگی اولاد سمجھ کر پالا اس کی ذرا سی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھتے کیونکہ ان کو اولاد کی قدر و قیمت معلوم تھی وہ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے کہ اولاد نا ہونے کا دکھ کتنا بڑا دکھ ہے اور سب سے بڑی بات ان کے سینے میں دل موجود تھا جو وہ اس بچے کو کچرے سے اٹھا لائے شاہ میر ملک کی طرح پتھر نہیں جو خود اس بچے کو رات کے اندھیرے میں وہاں پھینک کر گئے تھے۔

....

"السلام علیکم!"

اسفند نے گھر میں داخل ہوتے ہی کنول کو سلام کیا جو لاؤنج میں بیٹھی ٹی۔ وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ چپس کھانے میں مگن تھی۔

"وعلیکم السلام! اسفند خیریت آج آپ اتنی جلدی کیسے؟"

حیرت کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے ایک نظر گھڑی پر بھی ڈالی تھی جو دو بجنے کا پیغام دے رہی تھی اور پھر اٹھ کر اُسکے ہاتھ سے آفس بیگ لیا تھا جس میں اسفند کا لیپ ٹاپ اور دیگر ضروری فائلز پڑی ہوئی تھی

"اب کام ختم ہو گیا تو آگیا ہوں جلدی اگر تمہیں یہاں بیٹھا اچھا نہیں لگ رہا تو کیا واپس چلا جاؤں"
کنول کے سوال کے جواب میں وہ خشمگیں لہجے میں بولا تھا

"ناراض کیوں ہو رہے ہیں میں نے تو اس لیے پوچھا کہ کہیں خدانخواستہ آپ کی طبعیت تو خراب نہیں"
اسفند کے تیز لہجے میں جواب دینے پر وہ خفگی سے اسے دیکھتے ناراضگی سے بولی تھی.

"اچھا چھوڑو یہ سب باتیں میں بلکل ٹھیک ہوں اور یہ بتاؤ ارمان آگیا سکول سے"
ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اب کی بار اس نے نرم لہجے میں ارمان کا پوچھا تھا

"جی، جی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وین والا اسے چھوڑ کر گیا ہے اب فریش ہونے کے لیے کمرے میں گیا ہے باہر آ کر آپ کو دیکھے گا تو بہت خوش ہو جائے گا"
کچن کی جانب جاتے ہوئے کنول نے جواب دیا

"یہ لیں پانی"

پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کنول نے کہا تھا جو صوفے کی پشت سے سر ٹکائے پر سکون انداز میں آنکھیں موندے دونوں پیر سامنے میز پر رکھے بیٹھا کم اور لیٹا زیادہ تھا کنول کی آواز پر اب سیدھا ہو کر پانی پینے لگا تھا.

"کھانے میں کیا ہے آج ؟"

گلاس واپس اسے پکڑاتے ہوئے اسفند نے پوچھا

"لنچ تو آپ باہر کرتے ہیں اس وقت تو میں کچھ نہیں بناتی اگر ارمان کو بھوک لگے تو اس سے پوچھ کر جو اسکا دل کرتا ہے بنا دیتی ہوں آج بھی کچھ نہیں بنایا میں نے لیکن اگر آپ کو بھوک لگ رہی ہے تو فٹافٹ کچھ بنا دیتی ہوں"

کنول نے جواب دیا تھا

"مجھے بہت بھوک لگی ہے اور اب بنانے میں وقت لگے گا میں فریش ہو کر آتا ہوں تم اور ارمان بھی جلدی سے ریڈی ہو جاؤ باہر کھانا کھانے چلتے ہیں"

اپنا بیگ صوفے سے اٹھاتے ہوئے وہ کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ کنول بھی ارمان کو تیار کرنے کے لیے اسکے کمرے کی طرف چلی گئی جلدی جلدی سے تیار ہونے کے بعد وہ تینوں گاڑی میں بیٹھتے وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔

....

زراج لیپ ٹاپ پر کچھ کام کرنے میں مصروف تھا جب اچانک اسے وہی پارٹی والی لڑکی یاد آئی تھی تکیے سے ٹیک لگائے لیپ ٹاپ گود میں رکھے اس کے لبوں پر ملائم سی مسکراہٹ چھا گئی تھی۔

"پتا نہیں کون تھی وہ؟" اس نے سوچا تھا

"جو بھی تھی بہت پیاری تھی اور اچھی بھی لیکن وہاں سے اٹھ کر پتہ نہیں کہاں چلی گئی پھر دوبارہ نظر ہی نا آئی"

آخری سوچ دل میں آتے ہی اس کے دل و دماغ پر عجیب سی بے سکونی چھائی تھی

"مما کو شاید پتا ہو اس کے بارے میں ان سے بات کرتا ہوں وقت نکال کر"

وہ لیپ ٹاپ بند کر کے ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے سوچنے لگا

"لیکن مما سے کیا کہوں گا وہ تو مجھ پر ہی سوالات کی بوجھاڑ کر دینگی"

ابھی وہ یہی سب سوچنے میں مگن تھا جب دروازے سے سمرین بیگم اندر داخل ہوئی تھی

"زراج بیٹا پلیز میری دوا تو لے آؤ ختم ہوگئ تھی کل رات کو آج صبح سے ہی میں نے اپنی کوئی دوا نہیں لی اب تو طبعیت بھی عجیب بوجھل سی ہو رہی ہے"

وہ بیڈ پر زراج کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی تھی

دراصل جوانی میں سمرین بیگم کے سر پر ایک دن دیوار گر گئ تھی اس وقت ان کے سر سے کافی خون بہہ گیا تھا اور نوٹا نکلے آئے تھے اس کے بعد سے ہی ان کے سر میں بہت درد ہوتا تھا جس کے لیے وہ ایک بہت بڑے نیورولوجسٹ سے علاج کروا رہی تھی ہر مہینے ہزاروں روپے کی ان کی خاص قسم کی ادویات آتی تھی اب وہی ختم ہو چکی تھی جس کے لیے اب وہ زراج کو بھیج رہی تھیں۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"مما آپ مجھے پہلے بتا دیتی تو میں لے آتا سارا دن گزرنے کے بعد آپ مجھے اب بتا رہی ہیں"

زراج ناراضگی سے بولا تھا

"بیٹا تم بھی تو مصروف رہتے ہو تمہارے بابا بھی ابھی نہیں لوٹے ساری ذمہ داریاں تمہارے کندھوں پہ آگئ ہے اس لیے میں نے تمہیں مزید پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا"

دُکھتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولی تھی

"کیا کہہ رہی ہیں آپ مما میں آپ کی خدمت کرنے سے پریشان کیوں ہوں گا بلکہ مجھے تو خوشی ہوتی ہے آپ کی خدمت کر کے،
ہاں آپ کو تکلیف میں دیکھ کر میں بہت پریشان ہوتا ہوں"
انکے ہاتھ کی پشت کو عقیدت سے چومتے ہوئے زراج بولا تھا جبکہ سمرین بیگم محبت سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی

"آپ تھوڑی دیر انتظار کریں میں بس ابھی آپکی دوا لے کر آتا ہوں"
ان کو انتظار کا کہتا وہ خود گاڑی کی چابیاں اٹھاتا انکی دوا لانے کی غرض سے وہاں سے چلا گیا

....

دعا اور ساجدہ اماں اس وقت گاڑی میں پچھلی سیٹ پر موجود تھی اگلی سیٹ پر ڈرائیور مؤدب انداز میں بیٹھا گاڑی ڈرائیو کرنے میں مصروف تھا دعا کو کچھ ضروری چیزیں چاہیئے تھی جس کے لیے وہ آج ساجدہ اماں کو ساتھ لیے گھر سے نکلی تھی اب ساری خریداری کرنے کے بعد وہ دونوں واپس گھر کی راہ پر گامزن تھی جب دعا نے ساجدہ سے کہا تھا

"اماں شاپنگ تو ہو گئی ہے ساری اب آپ مجھے لسٹ دے دیں اپنی میں یہاں قریبی میڈیکل سٹور سے آپ کے گھٹنوں کی دوا لے آتی ہوں آپ صبح بتا رہی تھی نا کہ ختم ہو گئی ہے"

اس نے کہا جس پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ساجدہ اماں نے اپنے چھوٹے سے بٹوے میں سے ایک کاغذ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھامایا تھا

"ندیم بھائی یہ آگے میڈیکل سٹور کے پاس روک دیں گاڑی اماں کی دوا لینی ہیں"
دعا نے ڈرائیور سے کہا جس نے "جی بی بی جی" کہتے ہوئے گاڑی میڈیکل سٹور کے سامنے روک دی

"بیٹا تم کیوں جا رہی ہو جا رہی ہو ندیم کو دے دو یہ لے آئے گا"
دعا کو گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھ کر ساجدہ اماں نے آواز لگائی

"نہیں اماں میں اچھی طرح دیکھ کر آپکی ادویات لیتی ہوں ہمیشہ کہی ندیم بھائی کو غلط یا ایکسپائر دوا نا دے دیں اور آپ فکر نا کریں یہی انتظار کریں آپکے گھٹنوں میں پہلے ہی درد ہے باہر آنے کی ضرورت نہیں میں بس ابھی واپس آتی ہوں"

دعا نے اپنا نقاب ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور ایک ہاتھ میں موبائل اور کاغذ تھامے جبکہ دوسرے ہاتھ میں اپنا پرس تھامے وہ گاڑی سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

....

"اچھی طرح غور غور سے دیکھنے کے بعد اس نے ساری دوائیاں لی تھی اور پھر بل جمع کرانے کے لیے کاؤنٹر کی جانب آئی تھی وہی کاؤنٹر کے پاس زراج اقبال بھی پہلے سے ہی موجود تھا مگر ایک لڑکی کو دیکھتے ہی وہ اسے جگہ دیتا خود پیچھے ہو گیا۔

"جی کتنے پیسے ہوئے؟"

دعا نے کاؤنٹر پر موجود آدمی سے پوچھا تھا جبکہ اس کی آواز کانوں میں پڑتے ہی زراج نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا تھا جو اس آدمی کے پیسے بتانے پر اب اپنے ہاتھ میں موجود موبائل وہی کاؤنٹر پر رکھتی پرس سے پیسے نکال رہی تھی اس ساری کاروائی میں زراج اقبال ٹکٹکی باندھے اس کے ایک طرف کھڑا اسے دیکھنے میں مصروف تھا دعا کی آواز سنتے ہی اسکے کانوں میں دو دن پہلے اسی پارٹی والی لڑکی کی آواز گونجی تھی۔

"آپ جائیں یہاں سے میں آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی" یہ وہی الفاظ تھے جو اس لڑکی نے زراج سے کہے تھے وہ دعا کو اچھی طرح پہچان چکا تھا جو پیسے دینے کے بعد اب اپنا پرس اور دوائیوں کا تھیلا اٹھاتی وہاں سے جانے کے لیے مڑ گئی تھی اس پر سے نظریں ہٹا کر زراج خود بھی پیسے دینے کے لیے کاؤنٹر کی جانب بڑا تھا مگر وہاں دعا کا موبائل دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا جو پرس سے پیسے نکالنے کے لیے اس نے کاؤنٹر پر رکھ دیا تھا اور اب وہی بھول کر جا رہی تھی.

"اوہو اسکا موبائل تو یہی رہ گیا"

زیرلب کہتے ہی وہ موبائل اٹھاتا اس کے پیچھے بھاگا تھا جو گاڑی تک پہنچ چکی تھی اور ابھی گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھنے ہی لگی تھی جب پیچھے سے اسے کسی نے پکارا تھا

"ایکسکیوزمی مس" بھاگ کر وہاں پہنچنے کی وجہ سے زراج کا سانس پھول چکا تھا اس نے گہرے گہرے سانس بھرتے ہوئے اسے پکارا جو فوراً پیچھے مڑی تھی اور اب نقاب سے جھلکتی آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھ رہی تھی.

"جی؟" اس کی خاموشی پر دعا نے سوالیہ لہجے میں اس سے پوچھا

"یہ آپ اپنا موبائل اندر کاؤنٹر پر بھول آئی تھی"

ہاتھ میں پکڑا موبائل اس کے سامنے کرتے ہوئے زراج نے جواب دیا جس پر دعا نے اپنے دونوں ہاتھوں پر نظر ڈالی تھی جس میں موبائل کے علاوہ اس نے باقی سب کچھ موجود تھا

"جی, جی یہ میرا ہی موبائل ہے" نظریں جھکا کر کہتے ہوئے دعا نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا تھا وہ بھی زراج کو پہچان چکی تھی

"آپ کا بہت بہت شکریہ" دعا نے بدلے میں اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا

"دعا بیٹا کیا ہوا خیریت ہے ؟"کسی انجان مرد کے ساتھ اسے بات کرتے ہوئے دیکھ کر ساجدہ اماں نے بھی گاڑی سے باہر آتے ہوئے پوچھا

"جی اماں سب ٹھیک ہے وہ میں اپنا موبائل اندر بھول آئی تھی انہوں نے دیکھ لیا تو دینے آئیں ہیں آپ بیٹھے گاڑی میں, میں بس ابھی آئی"

جواباً دعا نے ہانک لگائی تھی

"اچھا بیٹا شکریہ بہت بہت شکریہ"

ساجدہ اماں نے بھی مشکور نظروں سے دیکھتے ہوئے اسکا شکریہ ادا کیا تھا اور واپس گاڑی میں بیٹھ گئی تھی

"آپ وہ اس دن پارٹی والی لڑکی ہے نا؟"

دعا بھی جانے کے لیے مڑی ہی تھی جب زراج نے اچانک جھجھکتے ہوئے اس سے پوچھا تھا

"جی" اب کی بار مزید سوالوں سے بچنے کے لیے دعا نے سخت لہجے میں یک لفظی جواب دیا تھا اور اسکی طرف دیکھے بنا جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی.

"عجیب لڑکی ہے" زراج اقبال نے ایک لمحے کو سوچا تھا

"نہیں بلکہ اچھی لڑکی ہے لڑکیوں کو ایسا ہی تو ہونا چاہئے" اگلے ہی لمحے اب اس کی سوچ دعا کے بارے میں بدل چکی تھی

"دعا" اسکا نام زیرلب دھراتا وہ مسکرایا تھا اور پھر بالوں پر ہاتھ پھیرتا واپس اپنی دوایاں لینے کے لیے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا.

تپتی دوپہر میں دھوپ کی تیز شعاعیں گویا برس رہی تھی اس گرمی میں بھی سب جھلساتی دھوپ کی پرواہ کیے بغیر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کچھ لوگ سڑکوں کے کنارے بڑی بڑی چھتریوں کے نیچے سٹالزلگائے فروٹس اور سبزیاں بیچنے میں مصروف تھے توکچھ رومالوں سے اپنے پسینے صاف کرتے ہوئے رکشوں اور ٹیکسیوں میں بیٹھے مسافروں کا انتظار کررہے تھے اسی مین روڈ پر ایک بہت بڑا ریسٹورنٹ تھا جس کے اوپر ایک سنہرے بورڈ پر جلی حروف میں "فائیو سٹار ہوٹل "لکھا ہوا تھا اسی ریسٹورنٹ کی سڑک کے سامنے کی دیوار شیشے کی تھی اسی شیشے کی دیوار کے پاس ایک گول میز کے گرد رکھی کرسیوں پر نور اور ماہم بیٹھی باہر سے گزرنے والے زیادہ تر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھیں مگر وہ دونوں یقیناً ایسی نظروں کی عادی ہو چکی تھی اس لیے پرواہ کیے بغیر پر سکون انداز میں کھانا کھاتے ہوئے ایک دوسرے سے باتوں میں مشغول تھیں.

"کیا اتنا ہینڈسم تھا وہ لڑکا؟"

ماہم نے حیرت انگیز انداز میں نور سے پوچھا تھا جو دو دن پہلے پارٹی میں اسفند سے ہوئی ملاقات کے بارے میں بتانے کے ساتھ ساتھ اسفند کے حسن کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا چکی تھی.

"ہاں بہت ہینڈسم تھا اگر میری طرح تم بھی دیکھتی اسے تو بس دیکھتی رہ جاتی"

نور نے مسکراتے ہوئے کہا تھا

"اچھا اگر ایسا ہے تو پھر کب ملوا رہی ہو مجھے ان سے"

ماہم بے چینی سے بولی تھی نور کی زبان سے اسفند کی اتنی تعریفیں سننے کے بات اب وہ خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی

"ایک دفعہ بس اسے میرے جال میں پھنس جانے دو پھر تمہیں ضرور ملواؤں گی"

وہ سلاد کی پلیٹ میں سے کھیرے کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے شاطرانہ لہجے میں بولی تھی.

"ویسے نور ایک بات ماننی ہی پڑے گی کہ مردوں کو اپنے حسن کا اسیر کرنا تمہیں خوب آتا ہے"

ماہم قہقہہ لگاتے ہوئے بولی تھی

"ہاں اس بات میں کوئی شک نہیں"

نور نے بھی مغرور لہجے میں گردن اکڑا کر اس کے بات کی تائید کی تھی

اس سے پہلے وہ دونوں مزید کوئی بات کرتی وہاں ایک ویٹر کی آمد ہوئی تھی

"میم کچھ اور چاہیئے؟"

اس ویٹر نے مؤدب لہجے میں پوچھا

"ہاں میرے لیے ایک سٹرابیری آئسکریم اور ان سے پوچھ لو ان کو جو چاہیئے ہو ان کے لیے بھی لے آؤ"

نور نے اپنی پسندیدہ آئسکریم کا آرڈر دیتے ہوئے آخر میں ویٹر کو ماہم سے پوچھنے کا کہا جس نے اپنے لیے فریش ایپل جوس کا آرڈر دیا تھا ماہم ایک بار پھر نور کا پسندیدہ موضوع یعنی اسفند نامہ سننے میں مشغول ہو چکی تھی نور اب اسے اسفند کے اسٹیٹس اسکے بزنس اور اسکی فیکٹریوں کی ساری معلومات سے آگاہ کر رہی تھی جو خود نور نے بڑی مشکل سے شاہ میر ملک اور زراج اقبال سے باتوں ہی باتوں میں پوچھ پوچھ کر اسفند کے بارے میں حاصل کی تھی۔

نور اور ماہم کے پیچھے ہی داخلی دروازے سے اسفند, کنول اور ارمان بھی اسی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے مگر نور کی اُس جانب پشت ہونے کے باعث وہ ان کو دیکھ نا سکی ان کی میز سے کافی دور ایک میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھتے وہ اپنا آرڈر دے چکے تھے اور اب اسی کے آنے کا انتظار کرتے ہوئے وہ تینوں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

....

"ماما باتھ روم جانا ہے" کھانا ختم کرنے کے بعد اب وہ لوگ جانے کے لیے کھڑے ہوئے ہی تھے جب ارمان نے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کنول سے کہا

"جاؤ اس کو باتھ روم لے کر جاؤ اور پھر اسے لیے سیدھا پارکنگ میں آجانا میں بل پے کرنے جا رہا ہوں اس کے بعد وہی پارکنگ میں تم دونوں کا انتظار کروں گا"

اسفند ارمان کو کرسی سے اٹھا کر اسے زمین پر کھڑا کرتے ہوئے بولا جس پر کنول اثبات میں سر ہلا کر ارمان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے باتھ روم کی جانب بڑھ گئی جبکہ اس سے پہلے کہ اسفند بل پے کرنے کے لیے کاؤنٹر کی جانب جاتا اس کے موبائل پر کسی کی کال آئی تھی جس کے باعث وہ واپس وہی بیٹھتے ہوئے موبائل دوسری جانب موجود شخص سے باتوں میں مشغول ہو گیا تھا۔

"کہاں رہ گیا یہ ویٹر کب سے آرڈر دیا ہے مگر پتا نہیں کہاں جا کر مر گیا ہے"

نور پورے ہوٹل میں یہاں وہاں ویٹر کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے بولی تھی مگر اسفند پر نظر پڑتے ہی اس کی نظریں واپس پلٹنے سے انکاری ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے مسکرا کیوں رہی ہو؟ اور اتنے غور غور سے کسے دیکھ رہی ہو؟"

اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے ماہم نے پوچھا تھا

"ماہم تم پوچھ رہی تھی نا اسفندیار کے بارے میں اور دیکھنا چاہتی تھی نا اسے تمہاری خواہش پوری ہوگئی ہے وہ پیچھے کونے میں دیکھو وہ لڑکا بلیو شرٹ میں جو موبائل پہ بات کر رہا ہے وہی اسفندیار ہے " ہاتھ سے اسکی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ بولی تھی

"یہ تو سچ میں بہت ہینڈسم ہے جتنا تم نے بتایا تھا اس سے بھی کہیں زیادہ ہینڈسم ہے یاررر" رشک بھری نظروں سے اسفند کی طرف دیکھتے ہوئے ماہم نے کہا تھا

"اب چلو مجھے ملواؤ ان سے آخر میں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوں "
کھڑے ہو کر میز سے پرس اٹھاتے ہوئے ماہم نور سے بولی تھی جس کے ماتھے پہ اس کی بات سنتے ہی بل پڑ چکے تھے

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی پھر کبھی ملواؤں گی تمہیں ابھی صرف میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں تم جا کر گاڑی میں بیٹھو میں اس سے مل کر آتی ہوں"
کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے نور نے اس سے کہا اور قدم قدم چلتی اسفند کے پاس آئی تھی جو اب موبائل کان سے لگائے الوداعی کلمات ادا کر رہا تھا جبکہ ماہم غصے سے سر جھٹکتی وہاں سے چلی گئی.

"ہیلو مسٹر اسفندیار"

اسفند جو کہ اپنے موبائل میں مصروف تھا اچانک اتنی قریب سے آتی آواز پہ اس نے چونکتے ہوئے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو لائٹ پنک کلر کی ٹی شرٹ اور بلیک پینٹ کے ساتھ بلیک ہی کلر کا پرس کندھے سے لٹکائے اس کے سامنے کھڑی مسکراتی نظروں سے اسی کی جانب دیکھ رہی تھی بزنس کے چکروں میں مصروف اسفند دو دن پہلے نور سے ہوئی ملاقات بھی اب تک بھول چکا تھا مگر اچانک اسے سامنے پا کر وہ اسے پہچان گیا تھا تبھی فوراً اسکے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے اسفند نے کہا۔

"ہائے کیسی ہیں آپ اور یہاں کیسے؟"

اسفند نے اس سے پوچھا تھا

"میں بلکل ٹھیک ہوں اور یہاں اپنی ایک فرینڈ کے ساتھ آئی تھی یونیورسٹی سے لنچ کے لیے وہ چلی گئی تھوڑی دیر پہلے میں بھی بس جانے والی تھی تو آپ پہ نظر پڑ گئی پھر میں نے سوچا آپ سے مل لیتی ہوں"

ایک ادا سے چہرے پر جھولتی لٹ کو وہ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے بولی تھی

"بہت اچھا کیا یہ کافی اچھا ریسٹورنٹ ہے میں بھی اکثر یہاں آتا رہتا ہوں کبھی لنچ تو کبھی ڈنر کے لیے"

پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسفند نے رسمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے جواب دیا

"جی بلکل, ویسے آپ کیا اکیلے آئیں ہیں یہاں ؟"

اُس کی بات کی تائید کرتے ہوئے نور نے آخر میں یہاں وہاں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"نہیں, نہیں میں اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کے ساتھ آیا ہوں اکثر میں انہی کے ساتھ یہاں آتا رہتا ہوں دراصل یہ میرے بیٹے کا فیورٹ ریسٹورنٹ ہے یہاں کا کھانا وہ بہت شوق سے کھاتا ہے"

اسفند نے اسی لہجے میں نور سے کہا جس کے سر پر اسفند کی بیوی اور بیٹے کا سنتے ہی گویا آسمان گرا تھا اس کے چہرے کا رنگ واضح پیلا پڑ چکا جسے اسفند نے بھی بخوبی محسوس کیا تھا.

"کیا ہوا آپ کی طبعیت ٹھیک ہے ؟"

اسکے ذرد چہرے پر نظریں جمائے کچھ پریشانی سے اسفند نے پوچھا تھا

"جی بس وہ کچھ ویکنس ہوگئی ہے شاید جس کی وجہ سے چکر آرہے ہیں"

نور نے بمشکل مسکراتے ہوئے کہا

"میں آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کر دوں یا شاہ میر انکل کو فون کر دیتا ہوں"

اسفند نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا

"نہیں, نہیں بہت شکریہ اس کی کوئی ضرورت نہیں میں ڈرائیو کرلوں گی بس اب چلتی ہوں

"بائے"

جلدی سے بولتے ہوئے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی بل پے کرنے کے بعد ہوٹل سے نکل کر پارکنگ ایریا کی طرف آئی تھی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی گاڑی کا دروازہ پوری قوت سے بند کیا تھا جس پر ماہم بھی ڈر کر اچھل پڑی تھی۔

"کیا ہوا نور خیریت ہے؟"

ماہم نے ڈرتے ہوئے پوچھا

"وہ شادی شدہ ہے ماہم, ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ شادی شدہ ہے"

گاڑی میں بیٹھی وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی

"اوہ کیا اس نے تمہیں خود بتایا؟"

ماہم نے پوچھا

"ہاں اس نے خود بتایا صرف اتنا ہی نہیں ایک بچے کا باپ بھی ہے وہ"

سٹئیرنگ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے اس نے مزید کہا اور پھر ان تینوں کی طرف دیکھا تھا جو ہوٹل سے نکلنے کے بعد اب گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اسفند نے ارمان کو گود میں اٹھا رکھا تھا جبکہ کالے رنگ کی بڑی سے چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹے کنول ان دونوں کے پیچھے پیچھے آرہی تھی ان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طرف نور کے ہاتھوں کی گرفت سٹئیرنگ پر مضبوط ہوئی تھی تو دوسری طرف آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"تو یہ ہے اسکی بیوی"

ہنوزان پر نظریں جمائے اس نے خود کلامی کی تھی جسے ماہم بھی سن چکی تھی جبکہ وہ تینوں ہنستے مسکراتے گاڑی میں سوار ہوتے وہاں سے چلے گئے مگر نور ابھی تک ایک نقطے پر نظریں جمائے سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔

"اب کیا کرنے والی ہو تم نور؟"

ماہم نے دھیمی آواز میں پوچھا تھا

"پتہ نہیں میں نے کچھ نہیں سوچا میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو چکی ہے"

غصے سے بولتے ہوئے اس نے گاڑی سٹارٹ کی تھی اور رفتار خطرناک حد تک تیز کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو چکی تھی اب وہ اپنا سارا غصہ اس گاڑی پر اتارنے والی تھی

"نور کیا کر رہی ہو رفتار کم کرو مرنے کا ارادہ ہے کیا؟"

دھڑکتے دل کے ساتھ ماہم نے اس سے کہا جو مزید رفتار بڑھا رہی تھی

"تو کیا تمہیں موت سے ڈر لگتا ہے؟ مجھے تو نہیں لگتا"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی تھی اس وقت ماہم کو اس سے خوف آیا تھا

"نور پلیز آہستہ کرو مجھے میرے گھر کے قریب اتار دو اس کے بعد تم نے جو کرنا ہے جتنی سپیڈ بڑھانی ہے بڑھا لینا پلیز"

وہ نم لہجے میں پتے کی مانند لرزتے دل کے ساتھ التجا کرتے ہوئے بولی تھی

"اگر تم نہیں چاہتی کہ ایکسیڈنٹ ہو تو اپنا منہ بند کر کے بیٹھو"

وہ سڑک پر نظریں جمائے بولی تھی جبکہ ماہم بھی ڈر کے مارے خاموشی اختیار کر لی تھی کچھ دیر بعد اُسے اس کے گھر کے قریب اتارنے کے بعد نورا اپنے گھر آئی تھی اور گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر غصے سے کانپتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی

....

دوائیوں کا تھیلا ہاتھ میں پکڑے زراج گھر میں داخل ہوا تھا اور لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سمرین بیگم تک گئی تھی جو وہی صوفے پر بیٹھی ریموٹ ہاتھ میں پکڑے کوئی نیوز چینل لگائے نیوز سننے میں مصروف تھی مگر اب زراج کو آتے دیکھ کر انہوں نے ٹی۔وی کی آواز بلکل ہلکی کر دی تھی۔

"یہ لیں مما آپکی دوائیاں"
وہ دھپ سے صوفے پر ان کے بلکل قریب بیٹھتے ہوئے بولا تھا اور پھر جھک کر اپنے شوز کے تسمے کھولنے کے بعد وہی ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا

"تھک گئے ہو میری جان" سمرین بیگم نے اسکے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے لبریز لہجے میں پوچھا تھا

"زیادہ نہیں بس تھوڑا سا" آنکھیں موندے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا جبکہ سمرین بیگم خاموشی سے اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اسکے چہرے کو دیکھ رہی تھی جب اچانک ان کو دعا یاد آئی تھی
"ابھی زراج سے دعا کے بارے میں بات کر لیتی ہوں یہی صحیح موقع ہے" انہوں نے سوچا اور دل کی بات پر لبیک کہتے ہوئے زراج سے کہا

"زراج اب تمہاری بھی شادی کی عمر ہو گئی ہے اسفند کو دیکھو ایک بچے کا باپ بن چکا ہے اور ایک تم ہو کہ تمہیں کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی جو لڑکی میں تمہارے لیے پسند کرتی ہوں اس میں کیڑے نکال کر رد کر دیتے ہو آخر کیوں نہیں کرنا چاہتے ابھی تم شادی؟"
سمرین بیگم نے خفگی سے کہتے ہوئے اسکے سر پر چپت لگائی تھی جس کے لبوں پہ ماں کی بات سنتے ہی مسکراہٹ چھا گئی تھی.

"مما اسفند صاحب کی بات تو آپ نا ہی کریں اسکی شادی تو بہت کم عمر میں ہوئی تھی یاد نہیں ہے آپ کو اور دوسری بات یہ کہ کس بیوقوف نے منع کیا ہے آپ کو شادی کے لیے"
شرارتی انداز میں جواب دیتے ہوئے شادی کی بات پر اسکے ذہن میں ایک لڑکی کا عکس لہرایا تھا تو لبوں پر مسکراہٹ کے پھول کھل گئے تھے شادی کے موضوع پر اسکے بدلتے تاثرات کو دیکھتے ہوئے سمرین بیگم بھی ٹھٹکی تھی کیونکہ اس سے پہلے وہ جب بھی زراج سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کرتی وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے سمرین بیگم کی بات کو بیزاری سے ٹال دیتا.

"میں نے تو تمہارے لیے لڑکی بھی پسند کر لی ہے جیسی لڑکی تم چاہتے تھے بلکل ویسی بلکہ اُس سے بھی اچھی لڑکی ہے تم اس سے ملو گے نا تو تمہیں بھی بہت پسند آئے گی میں تو جب سے ملی ہوں اُس سے مجھ سے انتظار ہی نہیں ہو رہا دل کر رہا ہے ابھی نکاح پڑھوا کر اسے اپنی بہو بنا کر اس گھر میں لے آؤ"

سمرین بیگم انتہائی پرجوش لہجے میں بنا اسکی جانب دیکھتے ہوئے بول رہی تھی جس کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی وہ تو سمرین بیگم کو دعا کے بارے میں بتانا چاہتا تھا مگر یہاں تو وہ پہلے سے ہی اس کے لیے لڑکی پسند کیے بیٹھی تھی۔

"میں اُس لڑکی سے دو دن پہلے عابد شیخ کے گھر ہونے والی پارٹی میں ملی تھی اسکی تصویر بھی ہے میرے پاس رکو ابھی تمہیں دکھاتی ہوں"

بے طرح خوش ہوتے ہوئے وہ اب موبائل کی سکرین پر انگلی پھیر کر اوپر نیچے کرتے ہوئے دعا کی وہی تصویر ڈھونڈ رہی تھی جو سمرین بیگم نے اسکے ساتھ پارٹی میں لی تھی۔

"ہاں یہ مل گئی ہے تصویر یہ ہے وہ لڑکی دیکھو"

تصویر ملتے ہی ان کی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی تھی سکرین کا رخ وہ زراج کی جانب کرتے ہوئے بولی تھی۔

"مما وہ میں......."

موبائل کی سکرین پہ موجود لڑکی کی مسکراتی تصویر پر ایک بھی نظر ڈالے بغیر وہ تذبذب کے ساتھ سمرین بیگم سے کچھ بولتے ہوئے اچانک خاموش ہو گیا تھا

www.urdunovelsmania.com

"کیا تم کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو؟"

سمرین بیگم نے اس کے جھکے سر پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اندازہ لگایا تھا جس کے جواب میں زراج نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا

"اچھا یہ اتنی اچانک کیسے ہو گیا ابھی تین دن پہلے تک تو تم شادی کے نام سے بھی بھاگتے تھے اور اچانک لڑکی بھی پسند کر لی ہاں"

موبائل میز پر رکھ کر انہوں نے اسکا کان کھینچتے ہوئے پوچھا تھا اور آخر میں قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی جبکہ زراج جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کان کی لو کو مسل رہا تھا جو کھینچنے کے باعث سرخ ہو چکا تھا

"مما آپ ناراض تو نہیں ہوئی نا"

سنجیدہ لہجے میں ہوچھتے ہوئے اس نے سمرین بیگم کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا

"نہیں میری جان میں ناراض کیوں ہونگی اچھا ہوا تم نے اپنی پسند بتا دی کیونکہ لڑکی جو بھی اس کے ساتھ زندگی تو تم نے ہی گزارنی ہے میں تو بس یہی چاہتی ہوں تم ہمیشہ خوش رہو تمہاری خوشی میں ہی تو میری خوشی ہے" سمرین بیگم نے محبت سے کہا

"اچھا اب زیادہ باتیں مت بناؤ جلدی بتاؤ مجھے وہ کون ہے؟ ,کہاں رہتی ہے؟ ,تاکہ ہم وہاں جا کر بات کر سکیں"

انہوں نے ہر جوش لہجے میں اس سے مزید پوچھا تھا جسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اب ان سوالوں کے کیا جواب دے

"مما وہ مجھے نہیں پتا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے" زراج نے کچھ الجھے ہوئے لہجے میں انہیں جواب دیا جو حیران رہ گئی تھی

"کیا مطلب تمہیں نہیں پتا یہ کیسی بات ہوئی پھر تم اس سے ملے کہاں اور پسند کیسے آئی وہ؟" انہوں نے مزید پوچھا

"مما دراصل میں اس سے صرف اور صرف دو بار ہی ملا ہوں ایک دفعہ عابد انکل کے گھر پارٹی میں اور دوسری دفعہ آج جب آپ کی میڈیسن لینے گیا تھا میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے اسے کوئی جنونی ٹائپ محبت ہوگئی ہے لیکن بس پتا نہیں کیوں وہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگی ان تین دنوں میں ,میں کئی دفعہ اسکے بارے میں سوچ چکا ہوں وہ مجھے بلکل ویسے ہی لڑکی لگی جیسی لڑکی سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں آج شام تک تو مجھے اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا وہ بھی مجھے ابھی پتا چلا ہے میں نے سوچا تھا کہ آپ سے بات کروں

گا اس بارے میں کہ آپ اس لڑکی کے بارے میں پتا لگائے کہ وہ کون تھی اور کس کے ساتھ وہاں آئی تھی"

وہ دھیمے لہجے میں بولتے ہوئے صاف گوئی سے ساری بات سے اُن کو آگاہ کرچکا تھا جو ایک نقطے پر نظریں جمائے سوچنے میں مصروف تھی کہ وہ لڑکی کون ہو سکتی ہے۔

"اچھا نام تو تمہیں پتا چل گیا نا اب مجھے اس لڑکی کا نام بتاؤ شاید مجھے اس کے بارے میں پتا ہو اور اگر مجھے پتا نا بھی ہوا تو میں زرینہ (عابد شیخ کی بیوی) سے پوچھ کر پتا لگا لوں گی آخر میرے بیٹے کی خوشی کا سوال ہے"

انہوں نے مسکراتے ہوئے زراج سے لڑکی کا نام پوچھتے ہوئے کہا

"اس کا نام........" اس سے پہلے کہ وہ نام بتا تا پیچھے سے ان کی کام والی (شمائلہ آپا) کی آواز آئی تھی جو سمرین بیگم سے کہہ رہی تھی" باجی کسی نے فون کیا ہے شاید آپ کی کوئی دوست ہے کہہ رہی ہیں کہ ابھی آپ سے بات کرنی ہے ایمرجنسی ہے" سیڑھیوں کے قریب رکھے چھوٹے سے میز پہ پڑے لینڈلائن کے پاس کھڑی وہ بولی تھی جس پہ سمرین بیگم زراج کو انتظار کرنے کا کہتی لینڈلائن کی جانب بڑھ گئی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

پیچھے وہ گہری سانس بھر کر واپس صوفے پر لیٹ گیا تھا جب اس کی نظر ٹی۔ وی پر گئی تھی جہاں نیوز چینل پہ کوئی نیوز چل رہی تھی اکتا کر اس نے ٹی۔ وی بند کرنے کے لیے یہاں وہاں ریموٹ کی تلاش میں نظریں دوڑائی جو جلد ہی اسے میز پہ پڑا نظر آیا واپس اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے میز سے ریموٹ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا جب اسکی نظر ریموٹ کے قریب پڑے موبائل پر گئی تھی جس کو سمرین بیگم شاید اٹھانا بھول گئی تھی وہاں ابھی تک روشن سکرین پر اُسی لڑکی کی مسکراتی تصویر موجود تھی جس پر نظر پڑتے ہی زراج حیرت سے گنگ رہ گیا دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس نے موبائل ہاتھ میں اٹھایا تھا اور بغور سکرین کو دیکھا تھا جس پر نظر آتی تصویر میں وہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ دعا ہی تھی۔

"دعا" اس کے لبوں نے حرکت کی تھی

"دعا کی تصویر مما کے پاس کیسے؟" اس نے حیرت سے سوچا تھا

"اوہ تو اس کا مطلب دعا ہی وہ لڑکی ہے جسے مما نے میرے لیے پسند کیا ہے" موبائل ہاتھ میں پکڑے اس کی تصویر کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر مسکراہٹ کے پھول کھل گئے تھے۔

"نبیلہ کا فون تھا مجھ سے ڈاکٹر کے بارے میں پوچھ رہی تھی جس سے میں علاج کروا رہی ہوں آج کل اس کے سر میں بھی بہت درد ہوتا ہے تو وہ بھی وہاں سے چیک اپ کرانا چاہ رہی تھی،

اچھا تم لڑکی کا نام بتا رہے تھے اب بتاؤ کیا نام ہے اس کا؟"
سمرین بیگم نے ایک بار پھر بات وہی سے شروع کرتے ہوئے پوچھا تھا

"اس کا نام ہے "دعا" اور اب تو مجھے اس کی تصویر بھی مل گئ ہے" نام بتانے کے بعد اس نے موبائل کا رخ سمرین بیگم کی جانب کرتے ہوئے کہا تھا جو نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی
"مطلب میں کچھ سمجھی نہیں" انہوں نے پوچھا

"مما مطلب یہی ہے کہ دعا ہی وہ لڑکی ہے. جس کے بارے میں، میں ابھی آپ کو بتا رہا تھا جس سے میں عابد انکل کے گھر پارٹی میں ملا تھا"
زراج نے ہنستے ہوئے کہا

"کیا سچ میں دعا ہے وہ لڑکی؟"
سمرین بیگم نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

"جی بلکل مما مجھے بلکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ. جس لڑکی کی بات کر رہی تھی وہ دعا ہے یہ تو اچانک میری نظر آپ کے موبائل پہ پڑی تو مجھے سکرین پر اسکی تصویر نظر آئی"
زراج نے اسکی تصویر پر نظریں جمائے کہا

"اللہ کا شکر ہے اب یہ کام بلکل بھی مشکل نہیں ہے کیونکہ اتنے اچھے رشتے کے لیے شاہ میر بھائی اور انیلہ انکار کر ہی نہیں سکتے"
سمرین بیگم نے شکر کا ادا کرتے ہوئے کہا

"کیا مطلب شاہ میر انکل کا دعا سے کیا رشتہ ہے؟"
ان کی بات پر زراج نے کچھ حیرت سے پوچھا کیونکہ سمرین بیگم کی طرح زراج کو بھی یہی لگتا تھا کہ نور شاہ میر ملک اور انیلہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے

"دعا شاہ میر بھائی اور انیلہ کی بڑی بیٹی ہے"
سمرین بیگم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے جواب دیا

"کیا سچ میں ایسا ہے مجھے یقین نہیں آرہا"
وہ واقعی بے یقینی سے بولا تھا

"ہے نا جب مجھے انیلہ نے اس دن پارٹی میں بتایا تو مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا کیونکہ دعا اور نور دونوں بہنوں میں زمین آسمان کا فرق ہے"

سمرین بیگم نے کہا

"صرف دونوں بہنوں میں ہی نہیں مما انیلہ آنٹی اور شاہ میر انکل بھی تو بلکل الگ دنیا میں رہنے والے ہیں جبکہ دعا سے جب میں ملا تو وہ مجھے بہت سادہ سی لڑکی لگی تھی سب سے الگ"

زراج نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے مزید کہا

"ہاں یہ تو ہے بہت پیاری بچی ہے مجھے تو وہ پہلی ملاقات میں ہی تمہارے لیے اچھی لگی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ تم سے دعا کے بارے میں جلد بات کروں گی"

انہوں نے کہا

"مما پھر آپ کب جائیں گی ان کے گھر دعا کا ہاتھ مانگنے کے لیے"

ایک بار پھر ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹتے ہوئے زراج نے ان سے پوچھا تھا

"کل شام تک ان شاء اللہ تمہارے بابا آجائینگے اور پرسوں شام کے وقت ہی میں اور تمہارے بابا ان کے گھر چلیں جائیں گے"

سمرین بیگم نے اس کا سر چومتے ہوئے کہا

"اچھا اب اٹھو کیا سستی پھیلا رکھی ہے جلدی سے فریش ہو کر باہر گارڈن میں آؤ میں چائے لیکر آتی ہوں دونوں چائے پیتے ہیں"

اسکا سر اپنی گود سے ہٹاتے ہوئے سمرین بیگم نے مصنوعی غصے سے کہا جس پر وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے یک دم رک کر پیچھے سمرین بیگم کی طرف دیکھا تھا

"مما" زراج نے انہیں پکارا

"جی" سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سمرین بیگم نے جواب دیا

"وہ میں کہہ رہا تھا کہ مجھے وہ تصویر تو سینڈ کر دیں آپ پلیز"

پہلی سیڑھی پر قدم رکھے اس نے آنکھوں میں شرارت لیے ان سے کہا جواب مصنوعی غصے سے اسی کو گھور رہی تھیں

"رکو ابھی بتاتی ہوں تمہیں ابھی رشتہ تک ہوا نہیں اور تمہیں تصویر چاہیے"

جوتی اٹھا کر وہ اس پر وار کرتے ہوئے بولی تھی جو زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بنا پیچھے دیکھے وہاں سے بھاگ چکا تھا اسکے جاتے ہی سمرین بیگم بھی سر نفی میں ہلا کر مسکراتے ہوئے کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

....

شام کا وقت تھا شازیہ بیگم باقی نوکروں کے ساتھ مل کر یوسف کے کمرے کی صفائی کرنے کے بعد کچھ دیر پہلے ہی فارغ ہوئی تھی دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ لاؤنج میں آکر صوفے پر بیٹھ گئی تھی آج سارا دن کام کرنے کے باعث وہ بہت تھک گئی تھی تھکی ہاری وہ صوفے پہ آنکھیں موندے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھی ہوئی تھی جب کسی نے ان کے سامنے موجود میز پر گرم چائے اور دیگر لوازمات رکھیے تھے آنکھیں کھول کر انہوں نے سامنے دیکھا تھا جہاں شبانہ خالہ جو ایک ادھیڑ عمر خاتون تھی اور کافی سالوں سے ان کے گھر کام کررہی تھی وہ کھڑی اب ٹرے میں موجود کپوں میں سے ایک کپ اٹھا کر چائے سے بھر رہی تھی اور پھر وہی چائے سے بھرا کپ انہوں نے شازیہ بیگم کو پکڑایا تھا.

"یہ لیں بی بی جی آج آپ بہت تھک گئیں ہیں"

کپ ان کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے شبانہ خالہ نے کہا تھا اور پھر باقی لوازمات سے بھری ٹرے کو بھی کھسکا کر ان کے قریب کرلیا تھا

"بہت شکریہ خالہ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے اس وقت چائے کی بہت طلب تھی اچھا ہوا آپ لے آئیں ہیں"

شازیہ بیگم نے کپ میں موجود گرم چائے سے ایک گھونٹ بھر کر واپس میز پر رکھتے ہوئے کہا جبکہ شبانہ خالہ تو ان کے اتنے نرم لہجے میں بات کرنے اور خالہ کہہ کر پکارنے پر بلکل حیران رہ گئی تھی کیونکہ نا تو وہ اتنے نرم لہجے میں بات کرتی تھی اور نا ہی ان کو خالہ کہہ کر پکارتی تھی بلکہ ہمیشہ ان کا نام لیتی تھی

"آپ آرام سے چائے پی لیں پھر میں آپ کے بالوں میں بادام کے تیل کی مالش کر دیتی ہوں اس سے آپ کو بہت آرام ملے گا"

شبانہ خالہ کو بھی اپنی مالکن پر ترس آ رہا تھا جن کو معذور بیٹے کے غم نے بلکل نڈھال کر دیا تھا وہ اب بہت بدل چکی تھی پہلے وہ ہر وقت غصے میں رہتی اور اپنا زیادہ تر وقت آفس اور پارٹیز میں گزارتی تھیں جبکہ اب اپنا زیادہ تر وقت یوسف کے کمرے میں اسکی دیکھ بھال میں گزارتی ہر دو دن بعد خود نوکروں کے ساتھ مل کر اسکے کمرے کی اچھی طرح صفائی کرتی وہ لوگ مہنگے سے مہنگے ہسپتالوں میں ڈاکٹروں سے یوسف کے علاج کے لیے بات کر چکے تھے مگر کسی نے بھی کوئی اچھی امید نہیں دلائی تھی اب تو انکا دل بلکل ٹوٹ چکا تھا آخر کب تک اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کو بستر مرگ پر پڑے دیکھتی ہر وقت یوسف کے بارے میں سوچ سوچ کر انکا ذہن ماؤف ہو رہا تھا آج کل سر میں بھی بہت درد رہنے لگا تھا

آج بھی انہوں نے نوکروں کے ساتھ یوسف کے کمرے کی صفائی کروائی تھی اور اب تھکن کے باعث ان کا سر درد سے پھٹ رہا تھا.

"آپ بیٹھے یہی میں ابھی تیل لے کر آتی ہوں"
شبانہ خالہ نے کہا اور میز سے ٹرے اور باقی برتن سمیٹ کر کچن کی جانب چل دی.

"ارے بی بی جی آپ نیچے کیوں بیٹھی ہوئی ہیں اوپر صوفے پر بیٹھ جائیں میں یہاں صوفے کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کے سر میں تیل لگا دوں گی"
واپس آکر جب شبانہ خالہ نے ان کو بال کھولے نیچے کارپٹ پہ بیٹھے دیکھا تو فوراً ان کو وہاں سے اٹھاتے ہوئے بولی تھی

"کچھ نہیں ہوتا میں بلکل ٹھیک ہوں نا اوپر بیٹھنے سے میری عزت بڑھ جائے گی اور نا ہی نیچے بیٹھنے سے کم ہو جائے گی تم یہاں میرے پیچھے صوفے پر بیٹھ جاؤ اور اپنا کام شروع کرو"
عجیب کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولتے ہوئے وہ آخر میں زبردستی مسکرائی تھی جبکہ شبانہ خالہ تیل کی بوتل ہاتھ میں لیے ان کے پیچھے صوفے پر بیٹھ کر بالوں میں لگانا شروع کر چکی تھی۔

"انسان ایسا ہی تو ہے جب تک اللہ نے اسے ہر نعمت سے ہر خوشی سے نوازا ہوتا ہے تب تک وہ دنیا کی رنگینیوں میں گم اس پاک ذات کو بھلا کر جس نے اسی انسان کو مال اور اولاد سے نوازا ہوتا ہے اسی کے بندوں پر ظلم کرتا ہے اور جب اس پہ آزمائش آتی ہے تو پھر ساری اکڑ نکل جاتی ہے خود پر مشکل آتے ہی وہ نرم ہو کر دوسروں کی مشکلات کو بھی محسوس کرنے لگتا ہے یہی شازیہ بیگم کے ساتھ بھی ہوا تھا کچھ عرصہ پہلے جب شبانہ خالہ کے بیٹے کا خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور انہوں نے چند دن کی چھٹی مانگ لی تھی تو شازیہ بیگم نے ان کو بری طرح بے عزت کر دیا تھا یہ کہہ کر کہ :

"تمہارا بیٹا ابھی زندہ ہے اگر مر گیا تو ایک دن کی چھٹی دے دوں گی تنخواہ تم نے ایڈوانس میں لے لی ہے اپنے بیٹے کے علاج کے لیے اور اب تمہیں چھٹی بھی چاہئے اگر چھٹی کا نام بھی لیا تو میں تمہیں مکمل نوکری سے فارغ کر دوں گی اور جو تمہیں بیٹے کے علاج کے لیے اسحاق نے پیسے دیے تھے وہ بھی تمہیں واپس کرنے ہونگے"

یہ وہی الفاظ تھے جن الفاظ نے شبانہ خالہ کا سینہ چھلنی کر دیا تھا بلاشبہ اپنی جان سے پیاری اولاد کے بارے میں شازیہ بیگم کے منہ سے نکلے الفاظ نے ان کا دل بہت دکھایا تھا مگر پھر بھی انہوں نے شازیہ بیگم سے کچھ نہیں کہا تھا نا ہی اس کے بعد چھٹی مانگی تھی مگر کہتے ہیں نا کہ بے بس اور لاچار انسان کے صبر میں دنیا کو ہلا کر رکھ دینے کی طاقت ہوتی ہے صبر کسی بھی انسان کا خالی نہیں جاتا اللہ انسان کو مکافات عمل سے یہ بتاتا ہے انہوں نے بھی اس وقت صبر سے کام لیا تھا اور اپنا ہر معاملہ اللہ سبحان و تعالٰی پر چھوڑ دیا تھا اب شازیہ بیگم پر جب ویسے ہی آزمائش آئی تھی تو وہ بہت مایوسی کا شکار ہوئی تھی

اور بے صبری کے ساتھ سب کچھ ایک ساتھ صحیح کرنا چاہتی تھی وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چاہتی تھی مگر بے شک ہوتا تو وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے.

"بی بی جی" شبانہ خالہ نے ان کو پکارا تھا

"بی بی جی مت کہیں مجھے خالہ آپ مجھ سے بڑی ہیں اگر آپ مجھے میرے نام سے یا بیٹی کہہ کر پکارے گی تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا"

ان کی بات کو درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے شازیہ بیگم نے کہا تھا

"ٹھیک ہے بیٹا جیسے آپ کو اچھا لگے" شبانہ خالہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"بہت آرام مل رہا ہے آپ کے ہاتھوں کی مالش سے درد بھی کافی حد تک کم ہو گیا ہے ورنہ کچھ دنوں سے مستقل سر میں درد کی وجہ سے مجھے تو ایسے لگ رہا تھا جیسے میں پاگل ہو جاؤں گی"

بند آنکھوں سے ان کی انگلیوں کی حرکت کو اپنے سر اور ماتھے پر محسوس کرتے ہوئے شازیہ بیگم نے ان سے کہا تھا جو تیل لگانے کے بعد اب نرم ہاتھوں سے انکے سر اور ماتھے کو دبا رہی تھی

"آپ کیوں اتنی پریشان ہوتی ہیں مت سوچیں زیادہ کیونکہ زیادہ سوچنے اور پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا صرف اتنا ہوگا کہ آپ کی اپنی صحت بھی خراب ہوتی جائے گی اور اگر خدا نخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو کون رکھے گا یوسف کا خیال کون پرواہ کرے گا اسکی آپ کو اس مشکل وقت میں مضبوط رہنا ہوگا خود کو سنبھالنا ہوگا اور صبر سے کام لینا ہوگا"

شبانہ خالہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا

"میں کیا کروں خالہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کیسے صبر سے کام لوں میں, میں کس کیفیت سے گزر رہی ہوں یہ کوئی نہیں سمجھ سکتا کوئی نہیں جان سکتا کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے میرا چاند جیسا بیٹا اب ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا ہے معذور ہو چکا ہے وہ کیسے ٹھیک ہوگا کون ٹھیک کرے گا اسے میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا, کیا کروں میں"

اپنے قریب کسی مہربان کو پاتے ہی وہ کئی دن سے اپنے دل و دماغ پہ موجود بوجھ کو ہلکا کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی ان کو سسکیوں کے ساتھ روتے دیکھ کر شبانہ خالہ ان کے ماتھے سے ہاتھ ہٹاتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ان کے قریب زمین پر بیٹھتے ہوئے انکا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا جن کی سسکیوں میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"اللہ کی طرف سے آزمائشیں تو ہر انسان پر آتی ہیں کامیاب وہی انسان ہوتا ہے جو ان آزمائشوں میں صبر کا دامن تھام لیتا ہے آپ کو یاد ہے میرے بیٹے کا کتنا خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا تھا........."

"ہاں،ہاں یاد ہے مجھے وہ اب ٹھیک ہوگیا ہے نا تم بتا رہی تھی کیسے ہوا ہے وہ ٹھیک ؟ کس ڈاکٹر سے اسکا علاج کروایا تھا آپ نے مجھے بھی بتائیں میں بھی اپنے یوسف کو اسی ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ گی وہ جتنے پیسے کہے گا میں دوں گی بس اس سے کہوں گی میرے بیٹے کو ٹھیک کر دے"

ان کی بات کو درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے وہ ان کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر عجلت میں روتے ہوئے ہذیانی کیفیت میں بولی تھی.

"میرے بیٹے کا علاج ایک بہت بڑے ڈاکٹر نے کیا تھا اور وہ بھی بغیر پیسوں کے اور وہ ڈاکٹر کسی بھی مریض سے علاج کے پیسے نہیں لیتا"

محبت سے ان کے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے شبانہ خالہ نے نرم مسکراہٹ لبوں پر سجائے جواب دیا

"بہت بڑے ڈاکٹر نے اور وہ بھی بغیر ہیسوں کے مجھے یقین نہیں آرہا لیکن پھر بھی آپ مجھے اس کا نام بتائیں"

شازیہ بیگم نے حیرت سے پوچھا تھا

"وہ ڈاکٹر اللہ ہے۔جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے جو سب سے بڑھ کا شفاء دینے والا ہے اسی اللہ نے میرے بیٹے کو بھی شفاء دی ہے۔جس کو ڈاکٹروں نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ اب یہ نہیں بچ سکتا محض چند دن کے علاوہ مگر وہ ٹھیک ہو گیا ہے خود کماتا ہے اپنا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے مجھے پتہ ہے اولاد کی آزمائش ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے مگر میں نے بستر مرگ پر پڑے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بھی صبر سے کام لیا تھا اورا پنے اللہ پر مکمل بھروسہ کیا تھا میں کئی کئی راتیں سجدوں میں رو رو کر گزار دیتی تھی اور اللہ سے اپنے بیٹے کی زندگی مانگتی تھی اور پھر اللہ نے میری سن لی اور میرے اس بیٹے کو۔جس کو ڈاکٹروں نے محض چند دنوں کا مہمان قرار دے دیا تھا اس کو شفاء کاملہ عطا کر دی میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے آپ کو بھی صبر سے اور اللہ کی مدد سے کام لینا ہو گا وہ رب ہر چیز پر قادر ہے وہ آپ کی دعا ضرور سنے گا ان شاء اللہ"

ان کے بالوں کو سمیٹ کر ڈھیلی سی چٹیوں میں باندھتے ہوئے شبانہ خالہ نے اپنی بات مکمل کی تھی اور پھر زمین پہ موجود کارپٹ پر ان کے بلکل سامنے بیٹھ گئی تھی جو نجانے کن سوچوں میں گم ایک نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی

"دعا "آپ نے کہا کہ میں دعا کروں مگر کیا مجھ جیسے گناہگار عں کی بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں؟

وہ دھیمے لہجے میں برستی آنکھوں سمیت بولی تھی

"کیوں میری بیٹی کی دعائیں کیوں قبول نہیں ہوگی ضرور ہوگی وہ رب تو ہر چیز پر قادر ہے وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی مایوس نہیں کرتا وہ تو دلوں کے حالوں سے واقف ہے اور اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے

بے شک وہ تو رحمان ورحیم ہے کس نے کہا ہے کہ اللہ صرف نیکوکاروں کی ہی سنتا ہے وہ رب تو گناہگاروں کی بھی سنتا ہے وہ اللہ تو چاہتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے بات کریں مجھے اپنا دوست بنا لیں اس پروردگار کے عرش کا فاصلہ تو محض ایک آواز ہے جو سچے دل سے نکلی ہو وہ فرماتا ہے تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا""
وہ اسی لہجے میں بول رہی تھی

"اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی

"اس کے لیے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں جانا ہوگا ان کو راضی کرنا ہوگا اللہ تعالیٰ کو اپنی ہر تکلیف کے بارے میں اور اپنا ہر درد بتانا ہوگا پھر دیکھنا وہ کیسے آپ کے ہر درد ہر تکلیف کا علاج کرتا ہے "

"اللہ سے ملاقات کا بہترین ذریعہ کیا ہے؟"
کسی گہری سوچ میں گم انہوں نے دھیرے سے ایک اور سوال پوچھا تھا

"اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا بہترین ذریعہ بہت ہی آسان ہے اور وہ ہے "نماز"

"نماز ہی شیطان کی شکست اور مومن کی جیت ہے"

شبانہ خالہ نے جواب دیا تھا اور اس کے بات لاؤنج میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی اگر آواز آ رہی تھی تو وہ صرف مؤذن کی جو لوگوں کو مغرب کی نماز کے لیے, کامیابی حاصل کرنے کے لیے پکار رہا تھا

سر پر دوپٹہ لیتے ہوئے شازیہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئی

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

شبانہ خالہ نے ان کو اٹھتے دیکھ کر پوچھا

"نماز پڑھنے کے لیے اور اللہ سے ملاقات کے لیے"

لبوں پر جاندار مسکراہٹ اور آنکھوں میں بیک وقت آنسوں لیے انہوں نے شبانہ خالہ سے کہا تھا

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں آج آپ سے بات کر کے میرے دل سے بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے"

انہوں نے خوشگوار لہجے میں کہا تھا

"اللہ آپ کی ہر پریشانی دور فرمائے امین ثم امین اور آپ کو مجھ سے بات کر کے اگر سکون ملا ہے تو یہ سکون کچھ بھی نہیں ہے اسکے سامنے جو سکون آپ کو اللہ سے بات کر کے اسے اپنی ہر تکلیف بتا کہ ملے گا"

شبانہ خالہ نے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا

"اب چلیں آپ بھی نماز پڑھ لیں اور میں بھی چلتی ہوں اپنے گھر ورنہ نماز کا وقت نکل جائے گا اللہ حافظ!"

شبانہ خالہ نے کہا تھا اور لاؤنج سے نکلتے ہوئے وہاں سے چلی گئی

جبکہ شازیہ بیگم نے گہرا سانس لے کر جیسے اپنے دل کے غبار کو ہلکا کرنا چاہا تھا اور پھر وضو کرنے کے غرض سے باتھ روم کی جانب بڑھ گئی.

....

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب احمد صاحب کی آنکھ کھلی تھی کروٹ بدلتے ہوئے نائٹ بلب کی ہلکی سی روشنی میں ان کی نظر یاسمین پہ گئی تھی جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے ہی سو رہی تھی

آج سارا دن عبداللہ کو بخار رہا تھا احمد صاحب اور یاسمین اسے ہسپتال لے کر گئے تھے جہاں ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اگر عبداللہ کو ہسپتال لانے میں مزید دیر ہو جاتی تو ان کے لیے اسے بچانا مشکل ہو جاتا کیونکہ بخار کی شدت بہت زیادہ تھی بہت مشکل سے اس کا بخار کم ہوا تھا اس ساری صورت حال میں احمد صاحب زیادہ پریشان ہو گئے تھے کیونکہ ایک طرف عبداللہ کو ہوش نہیں آ رہا تھا تو دوسری طرف عبداللہ کے لیے رو رو کر نڈھال یاسمین دو دفعہ ہسپتال میں بی۔پی لو ہو جانے کے باعث بے ہوش ہو گئی تھی وہ کبھی عبداللہ کو دیکھنے کے لیے بھاگتے تو کبھی یاسمین کو دیکھنے کے لیے ابھی رات نو بجے ہی ڈاکٹرز نے عبداللہ کا بخار کم ہوتے ہی انہیں عبداللہ کو گھر لے جانے کی اجازت دے دی تھی مگر پھر بھی ڈاکٹرز نے سختی سے کہا تھا کہ ساری رات عبداللہ کا اچھی طرح خیال رکھنا ہے اگر بخار پھر سے شدت پکڑتا ہے تو ایسی صورتحال میں اسے فوراً ہسپتال لے کر آنا ہو گا اور اب اسی وجہ سے یاسمین اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی جب بیٹھے بیٹھے اس کی کمر میں درد ہونے لگا تو آرام کی غرض سے اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لیا اور پھر کب وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی اسے خود بھی پتا نہیں چلا۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"یاسمین، یاسمین"

احمد صاحب نے اسے پکارا تھا

"جی، جی کیا ہوا خدا نخواستہ عبداللہ کو پھر سے بخار تو نہیں ہوا"

ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے اس نے عبداللہ کے ماتھے کو ہاتھ کی پشت سے چھوا تھا مگر اسے اب بخار نہیں تھا
چھت پر لگے پنکھے کی ہوا میں وہ پر سکون نیند سویا ہوا تھا

"اللہ کا شکر ہے عبداللہ اب ٹھیک ہے اسکو اب بخار بھی نہیں ہے تم بھی سارا دن بہت تھک گئی تھی اب آرام سے تکیے پر سر رکھ کر سو جاؤ"
احمد صاحب اس کا تکیہ درست کرتے ہوئے بولے تھے

"نہیں مجھے نہیں سونا اللہ نا کرے اگر اسے رات میں پھر سے بخار ہو گیا اور ہم دونوں ہی سوتے رہے تو پھر کیا ہو گا مجھے تو کل کا دن بھی نہیں بھول رہا میرا بچہ کل کس حال میں تھا سوچ کر ہی میرا دل دہل جاتا ہے"
بولتے ہوئے اسکی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اللہ خیر کرے گا اور کچھ نہیں ہو گا میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھ کر اسکا بخار چیک کرتا رہوں گا اب تم سو جاؤ تمہاری اپنی طبعیت بھی تو خراب ہے"
وہ اُسکا سر تکیے پر رکھتے ہوئے بولے تھے جو عبداللہ پر جھکی اسکے سر کو چوم رہی تھی اسکے سر رکھتے ہی احمد صاحب خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئے تھے اس کے بعد واقعی وہ ساری رات میں ہر کچھ دیر بعد اٹھ کر اسکا بخار چیک کرتے مگر صبح تک اسکا بخار مکمل اتر چکا تھا.

....

صبح کے سات بجتے ہی دعا کمرے سے نکلتی کچن میں آئی تھی.

"السلام علیکم اماں!"
اس نے پیچھے سے ساجدہ اماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے سلام کیا تھا جو شیلف کے پاس کھڑی نور کے لیے آملیٹ بنا رہی تھی

"وعلیکم السلام میری گڑیا"
پیچھے مڑکر اس کے ماتھے کو چومتے ہوئے انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا

"یہ کس کے لیے بنا رہی ہیں آپ؟"
وہ آملیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی

"نور نے فرمائش کی ہے آج کے آملیٹ کھانا ہے.بس اسی کے لیے بنا رہی ہوں"
ساجدہ اماں نے پیاز کاٹتے ہوئے جواب دیا

"چلیں آپ یہ تیار کریں میں باباکیلئے ناشتہ کرتی ہوں وہ بھی بس ابھی آتے ہی ہونگے آج انہوں نے پورے آٹھ بجے آفس کے لیے نکلنا ہے کہیں دیر نا ہو جائے ان کو"

وہ آگے بڑھ کر ان کے لیے ناشتہ تیار کرتے ہوئے بولی تھی.

"مجھے تو لگتا ہے آپ آملیٹ چولہے پر نہیں بلکہ دھوپ میں رکھ کر پکا رہی ہیں"

نور کچن میں داخل ہوتے ہوئے تیز لہجے میں ساجدہ اماں سے بولی تھی جو اسکا ناشتہ تیار کرنے کے بعد اب ٹرے میں رکھ رہی تھی.

"ناشتہ تو تیار ہو گیا ہے تمہارا مگر ایک بات تو بتاؤ کل سارا دن تم کمرے میں کیوں بند رہی رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور تمہاری آنکھوں کو دیکھ کر تو ایسا بھی لگ رہا ہے جیسے تم ساری رات سوئی نہیں ہو"

دعا نے جانچتی نظروں سے اسکو دیکھتے ہوئے کہا تھا

"مجھے بھوک نہیں تھی اس لیے میں نے کچھ نہیں کھایا اور رات کو میں دیر سے سوئی تھی مووی دیکھ رہی تھی نیند پوری نہیں ہوئی بس اسی لیے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں"

اس نے دعا سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا تھا جو اس کے جواب سے مطمئن بلکل بھی نہیں ہوئی تھی

"اب آپ ناشتہ لے بھی آئیں مجھے دیر ہو رہی ہے"

مزید کسی بھی سوال سے بچنے کے لیے اس نے غصے سے ساجدہ اماں سے کہا تھا اور واپس جا کر ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی تھی جبکہ ساجدہ اماں بھی ناشتے کی ٹرے اٹھائے اس کے پیچھے گئی تھی

"پتا نہیں کیوں مگر مجھے کچھ غلط لگ رہا ہے یہ لڑکی پھر سے کچھ الٹا سیدھا کرنے والی ہے"

دعا نے زیر لب کہا تھا اور ایک بار پھر ناشتہ تیار کرنے میں مشغول ہو گئی تھی"

گھر سے نکل کر کار پورچ میں آتے ہی نور نے ماہم کو فون کیا تھا

"تم ابھی یونیورسٹی تو نہیں گئی؟"

اس کے ہیلو کہتے ہی نور نے اس سے پوچھا تھا

"نہیں ناشتہ کر رہی ہوں ابھی"

دوسری جانب سے اسنے جواب دیا تھا

"اوکے میرا انتظار کرو میں تمہیں لینے آ رہی ہوں"

نور نے کہا تھا

"میری توبہ جواب میں تمہارے ساتھ کہیں بھی گئی کل کا دن میں بھولی نہیں ہوں اپنے ساتھ ساتھ تم میری بھی جان لینے والی تھی"

دوسری طرف سے ماہم نے غصے سے کہا تھا

"اچھا پلیز سوری, وہ میں غصے میں تھی تبھی میں نے گاڑی کی سپیڈ بہت زیادہ بڑھا دی تھی اب ایسا نہیں کروں گی وعدہ"

نور نے ہنستے ہوئے کہا تھا

"اچھا اب ایسا بھی کیا ہوا جو تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہے اور کیا سوچا تم نے اس لڑکے اسفند کے بارے میں"

ماہم نے تجسس سے پوچھا تھا

"وہی تو بتانا چاہتی ہوں تمہیں اسی لیے تمہیں پک کرنے آرہی ہوں تیار رہنا میں بس نکلنے والی ہوں" "بائے"

اس نے عجلت میں کہا تھا اور موبائل پرس میں رکھ کر گاڑی میں بیٹھتی وہاں سے چلی گئی تھی.

www.urdunovelsmania.com

پورے گھر میں ہر طرف ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی ڈائنگ روم میں میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سربراہی کرسی پر شبیر اقبال بیٹھے ہوئے تھے جو کل ہی پاکستان واپس آئے تھے ان کے دائیں جانب رکھی کرسی پر سمرین بیگم جبکہ بائیں جانب رکھی کرسی پر زراج بیٹھا آنکھوں ہی آنکھوں میں سمرین بیگم کو کچھ اشارے کر رہا تھا جس پہ سمرین بیگم نے بھی گھور کر اسے اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا.

"یہ اشاروں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں وہ بھی مجھ سے چھپ چھپ کر مجھے بھی تو بتاؤ"

شبیر اقبال جو کب سے اُن ماں بیٹے کو نوٹ کر رہے تھے بلآخر ٹوکتے ہوئے بولے تھے

"نہیں بابا, کچھ خاص نہیں"

زراج نے جلدی سے جواب دیا تھا

"پاگل ہوگیا ہے آپ کا بیٹا ایک لڑکی پسند آئی ہے صاحبزادے کو پہلے تو شادی کے موضوع سے بھی میلوں دور بھاگتا تھا اور اب

"آپ ان کے گھر کب جائیں گے بات کرنے "کب جائیں گے بات کرنے" یہی سوال پوچھ پوچھ کر اسنے میرا سر کھا لیا ہے"

سمرین بیگم نے تنک کر کہا تھا

"بھئی یہ تو اچھی بات ہے اور تم دونوں ماں بیٹا سارے فیصلے خود ہی کر لیتے ہوئے مجھے بھنک بھی نہیں پڑنے دیتے"

ہاتھ بڑھا کر وہ زراج کا کان کھینچتے ہوئے بولے تھے

"بابا اب بتا تو دیا ہے نا آپ کو، مما آپ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ کے آنے کے بعد ہی وہ ان لوگوں کے گھر جا کر بات کریں گی اب پلیز آپ مزید دیر مت کریں آج ہی چلیں جائیں نا"

وہ منہ بسورتے ہوئے بولا تھا

"دیکھ رہیں ہیں نا آپ کتنی بے شرمی کے مظاہرے کر رہا ہے دو دن صبر نہیں ہو رہا اس سے"

سمرین بیگم نے اسے گھورتے ہوئے شبیر اقبال سے کہا تھا

"صحیح تو کہہ رہا ہے تمہیں تو شکر ادا کرنا چاہیئے کہ شادی کے لیے مان گیا ہے ورنہ تم ہی کہتی تھی مجھ سے کہ زراج کو شادی کے لیے میں مناؤں اور یہ کہ اس کا دوست اسفند ایک بچے کا باپ بھی بن چکا ہے جبکہ زراج ابھی تک ایسے ہی گھوم رہا ہے اب جب یہ مان گیا ہے اور لڑکی بھی پسند کر چکا ہے تو پھر انتظار کس بات کا آج ہی چلتے ہیں"

اکلوتے بیٹے کی شادی کے لیے وہ خود بھی بہت بے تاب تھے اور اب یہ خبر سنتے ہی وہ جانے کا اعلان کرتے ہوئے بولے تھے جسے سنتے ہی زراج کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا تھا چہرہ نیچے کیے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی وہ ناکام کوشش کر رہا تھا جبکہ اس کی اس حرکت پہ سمرین بیگم بھی سر نفی میں ہلاتی مسکرائی تھی.

"ٹھیک ہے پھر آج شام آپ آفس سے جلدی آجائیں آج ہی چلتے ہیں ان کے گھر"
سمرین بیگم نے کہا

"اچھا مجھے یہ تو بتاؤ لڑکی ہے کون؟"
انہوں نے تجسس سے پوچھا

"لڑکی شاہ میر ملک کی بڑی بیٹی دعا ہے زراج نے اسے عابد شیخ کی پارٹی میں دیکھا تھا وہی اسے پسند آگئی تھی وہ بہت پیاری بچی ہے میں بھی اس سے مل چکی ہوں"
سمرین بیگم نے جواب دیا تھا

"میں تو شاہ میر کی ایک ہے بیٹی سے مل چکا ہوں جسکا نام نور ہے اکثر آفس میں آتی تھی وہ لیکن خیر آج دعا سے بھی مل لیں گے"

جوس کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے وہ مسکرائے تھے اور پھر سمرین بیگم کو شام میں تیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے وہ اور زراج دونوں آفس کے لیے روانہ ہو گئے تھے

- -

دوپہر کا وقت تھا نور ابھی یونیورسٹی سے نہیں آئی تھی جب سمرین بیگم نے انیلہ بیگم کو اپنے آنے کی اطلاع دی تھی جسے سنتے ہی انیلہ بیگم نے نوکروں کو گھر کی اچھی طرح صفائی ستھرائی کا حکم دیا تھا جبکہ دعا اور ساجدہ اماں نے سارا کھانا تیار کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی.

"مما یہ وہی آنٹی ہے نا جن سے میں اس دن پارٹی میں ملی تھی"
دعا نے مسکراتے ہوئے انیلہ بیگم سے پوچھا تھا

"ہاں وہی ہے بہت عرصے بعد وہ لوگ ہمارے گھر آرہے ہیں اس لیے سب کچھ اچھا ہونا چاہیئے تم خود اپنی نگرانی میں ان سب کام چوروں سے کام کرواؤ"
انیلہ بیگم نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں نوکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نخوت سے کہا تھا

"آپ فکر مت کریں میں ان کے ساتھ مل کر سب کچھ کرلوں گی"

دعا نے کہا

"نہیں خدا کا واسطہ تم اب پھر ماسی بن کے مت گھومنا وہ بہت بڑے لوگ ہے ان کے سامنے آؤ گی تو ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آنا اور کام وام ان سے کرواؤ یہ اتنی تنخواہیں انہیں کس بات کی ملتی ہیں"

انیلہ بیگم نے اس کے رف سے حلیے پر چوٹ کرتے ہوئے کہا تھا جسے سنتے ہی دعا منہ بنا کر بیٹھ گئی تھی

"ہاں مگر ساجدہ کے ساتھ مل کر کھانا سارا تم ہی تیار کرنا ورنہ اس بوڑھی اماں کا کوئی بھروسہ نہیں نمک کی جگہ چینی ہی نا ملا دے کھانے میں"

موبائل پر نظریں جمائے وہ ساجدہ اماں کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی تھی جبکہ دعا بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے مٹھیاں بھینچ کر اٹھتی وہاں سے چلی گئی۔

....

تھوڑی دیر پہلے ہی آسمان پہ بادل چھائے تھے ٹھنڈی ہوا کے چلتے ہی گرمی کا زور ٹوٹ رہا تھا ایسے میں اس خوبصورت موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے وہ دونوں یونیورسٹی میں ایک درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھی تھی جب ماہم نے نور سے پوچھا تھا.

"پھر کیا سوچا تم نے؟"

"میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے اب تو صرف اس پر عمل کرنے کی دیر ہے اسفندیار اب میرا ٹارگٹ بن چکا ہے جسے میں کسی حال میں نہیں چھوڑنے والی دیکھنا تم اب میں اُسے کیسے حاصل کرتی ہوں"

نور نے شاطرانہ لہجے میں کہا

"کیا مطلب نور اب کیا تم ایک شادی شدہ مرد کے پیچھے بھاگو گی جو ایک بچے کا باپ بھی ہے"

ماہم نے بے یقین لہجے میں پوچھا تھا جس پر نور کے ماتھے پر بل پڑے تھے.

www.urdunovelsmania.com

"ہاں تو اس میں کونسی نئی بات ہے کچھ مرد تو چار چار شادیاں کر لیتے ہیں وہ تو پھر مجھ سے دوسری شادی کرے گا"

نور نے جواب دیا

"میں اسکا نہیں کہہ رہی میں تو تمہارا کہہ رہی ہوں تم اپنی کوئی چیز تک تو کسی کے ساتھ شئیر نہیں کرتی اپنے شوہر کو کیسے شئیر کرو گی سوچا ہے اس بارے میں"

ماہم نے بلکل صحیح کہا تھا کیونکہ نور جیسی حاسد لڑکی سے اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ کسی کی دوسری بیوی بنیں گی

"ہاہاہاکس نے کہا ہے کہ میں اسے شئیر کروں گی تم نے بلکل ٹھیک کہا میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں جو دل پر پتھر رکھ کر ہی صحیح اپنی سوتھن کو برداشت کر لیتی ہیں"

وہ پراسرار انداز میں بولی تھی جس پر ماہم نے نا سمجھی سے اسکی طرف دیکھا تھا

"تو پھر تم کیا کرنے والی ہو"

اس نے تعجب سے پوچھا

"میں اسے چھننے والی ہوں اس کو اسکی بیوی سے الگ کر دوں گی بہت جلد ایک بار بس صرف ایک بار اسے میرے جال میں پھنس جانے دو پھر وہ وہی کرے گا جو میں اسے کہوں گی اور پھر اسے اپنی بیوی کو طلاق دینی ہی ہو گی کیونکہ میں اسے کسی کے ساتھ نہیں بانٹنے والی"

اس نے بالوں کی لٹ کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے خباثت سے مسکراتے ہوئے ماہم سے کہا تھا جس نے تاسف سے اسکی جانب دیکھا تھا

اللہ کے فیصلے جانے بغیر وہ خود ہی اپنی زندگی کے فیصلے کرنا چاہ رہی تھی یہ جانے بغیر کہ ہوتا تو وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے اور وہ رب گناہگاروں کو کبھی ان کی چالوں میں کامیاب نہیں کرتا بے شک میرا رب بہترین چال چلنے والا ہے

"نور یہ غلط ہے تم کیوں ان کی زندگی تباہ کرنا چاہ رہی ہو کتنی ہیپی فیملی ہے انکی تم درمیان میں جا کر ان کا گھر برباد مت کرو یہ ٹھیک نہیں ہے اور پھر اس چھوٹے سے بچے کو ہی دیکھ لو اس سے اسکے باپ کو چھیننے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا"

ماہم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی

"ظاہر ہے مجھے اسفندیار ملے گا اور تمہیں کیوں ان سے اتنی ہمدردی ہو رہی ہے تم میری دوست ہو یا ان کی رشتہ دار جو ان کے لیے مجھے غلط کہہ رہی ہو"

وہ ماہم پہ بھڑکی تھی

"ٹھیک ہے جو کرنا ہے کرو میں اب تمہیں منع نہیں کروں گی مگر اس سے پہلے بھی یوسف کی باری تم منہ کی کھا چکی ہو یہ نا ہو اس بار ایک اور غلطی کرنے پر ایک بار پھر تمہیں منہ کی کھانی پڑے"

ماہم نے اس سے کہا تھا جواب غصے سے اسے گھور رہی تھی

"بندے کی شکل اچھی نا ہو تو بات ہی اچھی کر لیتا ہے
میں جا رہی ہوں مما نے فون پہ بتایا تھا کہ آج شبیر انکل بابا کے دوست اپنی وائف سمیت ہمارے گھر آرہے ہیں ڈنر پہ اس لیے مجھے ابھی چلنا ہوگا"
گھاس سے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے نور نے ماہم سے کہا تھا

"ٹھیک ہے جاؤ" بائے"
ماہم نے زمین سے اسکا بیگ اٹھا کر دیتے ہوئے جواب دیا

"کل ملتے ہیں پھر بائے"

نور نے کہا اور بیگ پکڑتے ہوئے پارکنگ ایریا کی جانب چل پڑی

....

گرمی میں سارا کھانا تیار کرنے کے بعد دعا پسینے میں شرابور کچن سے نکل کر کمرے میں آئی تھی اور الماری سے کپڑے نکال کر نہانے چلی گئی.

"اس نے اورنج کلر کا گھٹنوں تک آتا فراک زیب تن کیا تھا جس پر پرپل کلر کی کڑائی ہوئی تھی ساتھ میں گلابی رنگ کی کیپری اور گلابی ہی رنگ کا دوپٹہ کندھوں اور سینے پر اچھی طرح پھیلا رکھا تھا اور اب وہ شیشے کے سامنے کھڑی نیلے رنگ کا ریشمی سکارف چہرے کے گرد لپیٹ رہی تھی جب ساجدہ اماں نے آکر اسے اطلاع دی تھی.

"دعا گڑیا جلدی آجاؤ مہمان آ گئے ہیں"

ساجدہ اماں نے اس سے کہا تھا جو سکارف اچھی طرح سیٹ کیے اب شیشے کے سامنے کھڑی اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی.

"جی اماں آپ جائیں میں بس ابھی آتی ہوں"

دعا نے ان سے کہا جو عجلت میں ایک بار پھر کمرے سے نکلتی وہاں سے چلی گئی تھی

- -

"زراج بیٹا تم کہاں جا رہے ہو؟"

انیلہ بیگم نے اس سے پوچھا تھا جو سمرین بیگم اور شبیر اقبال کو وہاں چھوڑنے کے بعد خود اب جانے کی اجازت مانگ رہا تھا

"آنٹی وہ مجھے ضروری کام سے جانا ہے ان شاء اللہ پھر کبھی آجاؤں گا ابھی میں پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں دراصل بابا کے دائیں ہاتھ میں چند دنوں سے ذرا درد ہے. جس کی وجہ سے وہ گاڑی نہیں چلا سکتے اور ڈرائیور بھی آج چھٹی پہ تھا تو میں ان کے ساتھ آگیا لیکن مجھے ابھی آفس کے کسی کام سے جانا ہے اجازت چاہتا ہوں"

مہذب لہجے میں بولتے ہوئے اس نے نہایت احترام کے ساتھ اجازت طلب کی تھی

"ٹھیک ہے بیٹا جاؤ لیکن وقت ملے تو چکر ضرور لگانا"

جواب شاہ میر ملک کی طرف سے آیا تھا

"جی ان شاء اللہ ضرور, مگر ابھی کے لیے اللہ حافظ!"

مسکرا کر بولتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور باہر کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے انیلہ بیگم کے ذہن میں ایک نئی سوچ نے جنم لیا تھا جس پر وہ مسکرا دی تھی.

"اماں جو نئے برتن لے کر آئی تھی آپ, مما نے کہا تھا کہ آج وہ سٹور سے نکلوا لے ڈنر میں وہی برتن استعمال کرنے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھول گئی ہیں اور آپ نے نہیں نکلوائے "

دعا نے مسکراتے ہوئے ابرو اچکا کر ان سے پوچھا تھا جن کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا کیونکہ واقعی وہ بھول چکی تھی اور اب تھوڑی دیر میں انیلہ بیگم خود آکر ہر چیز کا جائزہ لینے والی تھی

"میرے اللہ! میں تو سچ میں بھول گئی تھی یہ تو اچھا ہوا تم نے یاد دلایا ورنہ تمہاری مما نے مجھے مہمانوں کے سامنے بے عزت کر کے رکھ دینا تھا"
ساجدہ اماں ماتھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولی جبکہ ان کی بات سنتے ہی دعا کی مسکراہٹ سمٹی تھی

"آپ جائیں کسی نوکر کو ساتھ لے کر اور وہ نکلوائیں میں یہاں سب انتظامات دیکھتی ہوں اور مما آپ کو کسی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتی میں ہوں نا آپ کے ساتھ"
دعا نے ان کے ہاتھ کی پشت کو عقیدت سے چومتے ہوئے کہا تھا

"پتا ہے میری گڑیا اسی وجہ سے ہی تو اس گھر میں ٹھری ہوں ورنہ میں کب کا یہاں سے جا چکی ہوتی یہاں میرا اور ہے ہی کون"
وہ بھرائے لہجے بولی تھی

"اچھا اب آپ مجھے بھی ایموشنل کر رہی ہیں اداس مت ہو میں ہوں نا آپ کے ساتھ. بس یہ بہت ہے"

دعا نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا

"اچھا ٹھیک ہے میں لے کر آتی ہوں یہی رکو تم"
عجلت میں کہتے ہوئے وہ کچن کے پچھلے دروازے سے باہر کی جانب چلی گئی جہاں کچن کے بائیں جانب کافی فاصلے پر ایک سٹور تھا وہی پر وہ برتن پڑے ہوئے تھے

چوکیدار کے ساتھ مل کر ساجدہ اماں نے وہ برتنوں کی ٹوکری نکالی تھی اسے کچن تک لے جانے کیلیئے چوکیدار نے اٹھایا ہی تھا جب دوسرے نوکر نے اسے گیٹ کھولنے کی اطلاع دی تھی وہ ٹوکری وہی چھوڑتا باہر چلا گیا تھا.

"اب اس کا انتظار کروں گی تو مزید دیر ہو جائے گی مجھے اور پھر انیلہ بی بی لحاظ بلکل بھی نہیں کرے گی میرا سب کے سامنے بے عزت کر ڈالے گی میں خود ہی کوشش کر کے لے جاتی ہوں"
یہ سوچتے ہی ساجدہ اماں نے وہ ٹوکری بمشکل اٹھائی تھی اور سٹور روم کے دروازے سے نکلتی پورچ سے ہو کر گارڈن میں آگئی تھی جہاں گارڈن کے کونے پہ کچن کا دوسرا دروازہ تھا مگر کچھ فاصلہ طے کرتے ہی ان کے گھٹنوں نے جواب دے دیا تھا برتنوں کی ٹوکری گارڈن میں گھاس پر رکھتی وہ وہی بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی دوسری جانب زراج جو گاڑی میں بیٹھا چوکیدار کے گیٹ

کھولنے کا انتظار کر رہا تھا اس کی نظر جیسے ہی ساجدہ اماں پر پڑی وہ گاڑی سے نکل کر بھاگتے ہوئے ان تک آیا تھا۔

"اماں جی آپ ٹھیک تو ہیں اور یہ آپ کیوں اٹھا رہی ہیں گھر میں اتنے نوکر ہیں آپ کسی اور کو کہہ دیتی خود نا اٹھاتی"

زراج گھٹنوں کے بل ان کے سامنے گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا جو ہنوز گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"بیٹا باقی سب مصروف تھے تو میں نے سوچا یہ خود لے جاتی ہوں ان کو کیا پریشان کرنا اتنے سے کام کے لیے"

ساجدہ اماں دوپٹے کی مدد سے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا تھا

"اتنی وزنی چیزیں اٹھانا آپ کے لیے بلکل بھی ٹھیک نہیں ہیں دیکھیں کیا حال ہو گیا ہے آپکا خیر آئندہ آپ دھیان رکھئیے گا ابھی یہ مجھے دیں اور بتائیں کہاں لے کر جانا ہے میں آپ کی مدد کر دیتا ہوں اسے مطلوبہ جگہ تک پہنچانے میں"

زراج نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا اور برتنوں سے بھری ٹوکری کو اٹھا لیا تھا

"آپ ابھی تک مہمانوں سے ملی نہیں مام بہت غصہ ہو رہی ہیں آپ جلدی سے آکر ان سے مل لیں اس سے پہلے کہ مام خود یہاں پہنچ جائیں"

نور نے کچن میں داخل ہوتے ہی دعا کو ڈرایا تھا جو ساجدہ اماں کا انتظار کر رہی تھی

"وہ میں اماں کا انتظار کر رہی ہوں وہ سٹور روم سے برتن لانے گئی ہیں ابھی تک واپس نہیں آئی ایک کام کرو تم جا کر اماں کو بلا کر لاؤ اور میں جا کر مہمانوں سے مل لیتی ہوں"

دعا نے نور سے کہا تھا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا دعا ٹرالی گھسیٹتے ہوئے سمرین بیگم اور زوہیب اقبال سے ملنے چلی گئی جبکہ نور کچن کے پچھلے دروازے کی طرف آئی تھی اور دور سے ہی ان کو آواز لگائی تھی جو زراج کے سامنے گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی

"ساجدہ خالہ جلدی کریں دعا آپ کو کچن میں بلا رہی ہے"

نور نے زراج کو دیکھے بنا کچن کے دروازے سے ہانک لگائی تھی وہ زراج کو اس لیے نہیں دیکھ سکی تھی کہ زراج ساجدہ اماں کے بلکل سامنے بیٹھا تھا جس وجہ سے نور کو صرف ساجدہ اماں ہی نظر آرہی تھی زراج نہیں جبکہ زراج نے نور کا پیغام بخوبی سن لیا تھا

"بہت شکریہ بیٹا اس کو وہاں کچن میں لے کر جانا ہے میرے پیچھے آؤ میں بتاتی ہوں"

انہوں نے کہا اور پھر آگے آگے چلنے لگی جبکہ ٹوکری اٹھائے زراج ان کے تقلید میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا

"یہ یہاں رکھ دو بیٹا"

ساجدہ اماں نے شیلف پر موجود چیزوں کو وہاں سے ہٹا کر برتنوں کے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا تھا جس پر زراج نے ٹوکری وہاں رکھ دی اسے رکھنے کے بعد اس نے دعا کی تلاش میں یہاں وہاں نظریں دوڑائی تھی مگر وہ اسے کہیں نظر نا آئی نور بھی ساجدہ اماں کو بلانے کے بعد اب کچن سے جا چکی تھی.

"نور نے تو یہی سے آواز لگائی تھی"

زراج نے مایوسی سے سوچا تھا جب اس کے کانوں ساجدہ اماں کی آواز پڑی تھی

"بہت شکریہ بیٹا اللہ آپ کو بے تحاشہ خوشیاں اور لمبی عمر عطا کریں آمین ثم آمین"

ساجدہ اماں نے مشکور لہجے میں کہا تھا

"کوئی بات نہیں اماں جی آپ کی مدد کرنا میرا فرض تھا"

زراج نے بھی مسکراتے ہوئے کہا

"بیٹا ویسے مجھے لگ رہا ہے کہ میں آپکو پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں"

انہوں نے پرسوچ نظروں سے زراج کو دیکھتے ہوئے کہا

"جی وہ.........."

اس سے پہلے کہ زراج ان کو بتا تا کہ چند دن پہلے ان کی ملاقات میڈیکل سٹور کے باہر ہوئی تھی جہاں وہ دعا کو اس کا موبائل واپس کرنے آیا تھا کہ زراج کا موبائل بجا تھا جسے اس نے فوراً جیب سے نکال کر کان سے لگایا تھا اور چند سیکنڈز کی گفتگو کے بعد موبائل بند کرتے ہوئے ساجدہ اماں سے کہا تھا

"اماں جی میں ابھی بہت جلدی میں ہوں کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں اگر پھر کبھی یہاں آیا تو آپ سے ضرور بیٹھ کر باتیں کروں گا"

ان کے سامنے سر جھکاتے ہوئے زراج نے کہا تھا جس پر ساجدہ اماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈھیر ساری دعائیں دی تھی

"ویسے بیٹا آپ کا نام کیا ہے؟"

وہ کچن کے دروازے سے نکلنے والا تھا جب ساجدہ اماں نے اچانک پوچھا تھا

"زراج، زراج نام ہے میرا"

زراج نے دہراتے ہوئے کہا

"ماشااللہ آپ کی طرح آپکا نام بھی بہت پیارا ہے"

ساجدہ اماں نے کہا

"اللہ حافظ"

زراج نے مسکرا کر الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے ساجدہ اماں سے کہا تھا جس کے جواب میں انہوں نے بھی اللہ حافظ کہا اور اس کے بعد زراج گاڑی پورچ سے نکالتا وہاں سے چلا گیا۔

....

"ابھی ڈنر میں کافی وقت تھا اسی لیے دعا چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرے کو گھسیٹتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور وہاں آتے ہی صوفے پہ براجمان شبیر اقبال اور سمرین بیگم کو سلام کیا تھا

"السلام علیکم"

سلام کرتے ہی وہ سمرین بیگم کے قریب آئی تھی جنھوں نے کھڑے ہو کر اسکے دونوں گالوں کو چوما تھا جبکہ زوہیب اقبال نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی۔

"کیسی ہیں آپ آنٹی؟"

دعا نے خوشگوار لہجے میں ان سے دریافت کیا تھا

"اللہ کا شکر ہے بیٹا میں بلکل ٹھیک ہوں اور تم کیسی ہو؟"

سمرین بیگم نے جواب میں کہتے ہوئے اس سے پوچھا تھا

"الحمداللہ میں بھی ٹھیک ہوں"

دعا نے جواب دیا جس پر وہ دونوں مسکرا دیئے تھے

"شبیر یہ ہیں دعا میری طرح آپ بھی آج پہلی دفعہ اس سے مل کر حیران ہوئے ہونگے یہ جان کر کہ شاہ میر بھائی کی دو بیٹیاں ہیں انہوں نے دعا کو چھپا کر رکھا ہوا تھا"

سمرین بیگم نے ہنستے ہوئے کہا تھا جس پر شبیر اقبال اور شاہ میر ملک بھی دھیرے سے ہنس دیئے تھے تھے جبکہ انیلہ بیگم اور نور نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی

"یہ لیں چائے"

دعا نے کپوں میں چائے بھر کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا

"کوئی بات نہیں بیٹا ہم خود لے لیں گے"

شبیر اقبال نے کہا تھا جبکہ سمرین بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں اشارہ کیا تھا جیسے کہنا چاہ رہی ہو "یہ ہے آپ کے بیٹے کی پسند یعنی دعا" ان کے اشارہ کو سمجھتے ہوئے وہ مطمئن انداز میں مسکرائے دیئے تھے چائے کے دوران باتوں کا سلسلہ جاری رہا جن میں سمرین بیگم اور شبیر اقبال زیادہ دعا کو ہی مخاطب کر رہے تھے کبھی اس کی پڑھائی کے بارے میں پوچھتے تو کبھی اس کی پسند ناپسند کے بارے میں چھوٹے چھوٹے سے سوالات کر رہے تھے دعا ایک پڑھی لکھی اور سمجھ دار لڑکی تھی وہ ان کے اتنے سوالات اور اچانک سے انکے گھر آنے۔ کا مطلب بخوبی سمجھ چکی تھی پہلے تو وہ ڈر ڈر کر جواب دے رہی تھی مگر پھر آہستہ آہستہ ان کے اچھے اخلاق کو دیکھتے ہوئے اسکا ڈر ختم ہوتا گیا۔

کافی دیر بعد جب ڈنر کا وقت ہو چلا تھا تو وہ سب ڈائننگ روم میں میز کے گرد بیٹھ گئے تھے جن میں نور بھی شامل تھی جبکہ دعا ساجدہ اماں کے ساتھ ہر کام میں مدد کر رہی تھی اور اس بات کو سمرین بیگم اور زوہیب صاحب نے بھی اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

"نور ذرا یہاں آنا بیٹا"

انیلہ بیگم نور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی کچن میں چلی گئی تھی

"جی مام"

ہمیشہ کی طرح ٹائٹ جینز کے اوپر وائٹ کلر کی ٹی شرٹ پہنے وہ کچن میں اُن کے پیچھے داخل ہوتے ہوئے بولی تھی

"یہاں آؤ اور غور سے میری بات سنو"

اس کا ہاتھ جھپٹ کر پکڑتے ہوئے وہ ایک کونے میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاتی سرگوشی نما آواز میں بولی تھی

"جی کیا ہوا ہے خیریت"

نور نے حیرانگی سے پوچھا

"دیکھو نور میری بات غور سے سنو تمہاری دوسری بہن سے تو مجھے بلکل بھی امید نہیں ہے اس لیے میں تمہیں سمجھا رہی ہوں سمرین اور شبیر بھائی کے سامنے ذرا تمیز سے رہنا غلطی سے بھی اپنے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات مت نکالنا مجھے لگتا ہے وہ ایسے ہی نہیں آئیں بلکہ زراج کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے آئیں ہیں پہلے تو زراج کو دیکھ کر یہ سوچ صرف میرے دل میں ہی آئی تھی کہ اگر اس جیسا اچھا اور اعلٰی اخلاق کا حامل انسان تمہاری زندگی میں آجائے تو تمہاری تو زندگی بدل جائے گی مگر اب مجھے شک ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بھی اسی مقصد کے تحت یہاں آئیں ہیں"

انیلہ بیگم نے کچھ سخت لہجے میں اسے سمجھایا تھا جسکے تیور انکی بات سنتے ہی بگڑ گئے تھے

"پہلی بات تو یہ کہ زراج صرف میرا دوست تھا ہے اور رہے گا اگر یہ لوگ رشتے کے لیے آئیں بھی ہیں تو میری طرف سے صاف انکار ہے اگر آپ لوگ انکار نہیں کریں گے تو میں خود جا کر کر دوں گی سب کے سامنے اور آپ اتنے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ میرے ہی رشتے کے لیے آئیں ہیں ہو سکتا ہے دعا کے لیے آئیں ہو"

نور نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا تھا

"دعا کے لیے اس کا حلیہ دیکھو اسکے لیے اتنے بڑے گھر سے رشتہ آ سکتا آج کل لڑکوں کو ماڈرن اور بولڈ لڑکیاں پسند آتی ہیں دعا جیسی نہیں کیا کروں اس بیوقوف کا مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی"

وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے غصے سے بولی تھی

"جو بھی کریں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کرتے رہیں مگر میری ایک بات اچھی طرح سن لیں میں اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ خود کروں گی مجھے فلحال شادی نہیں کرنی مگر جب بھی کروں گی اپنی مرضی سے اپنی پسند سے کروں گی"

قطعاً لہجے میں بولتے ہوئے وہ تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی جبکہ غصے سے کھولتی انیلہ بیگم صرف اسے آوازیں دیتی رہ گئی"

کھانا پر سکون ماحول میں ہلکی پھلکی گپ شپ کے دوران کھایا گیا تھا کھانے کے بعد رات نو بجے کا وقت تھا جب لاؤنج میں ایک بار پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا دعا تو نماز پڑھنے چلی گئی تھی جبکہ نور سمیت باقی سب وہی لاؤنج میں موجود تھے۔

"دعا کہاں چلی گئی ہے؟"

سمرین بیگم نے متلاشی نظروں سے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"جی وہ نماز پڑھنے گئی ہے"

ساجدہ اماں جو لاؤنج سے گزر کر کچن کی جانب جا رہی تھی جواب انہوں دیا تھا مگر انیلہ بیگم کے گھور کر دیکھنے پر وہ نظریں جھکاتی وہاں سے چلی گئی تھی

"شاہ میر دراصل ہم یہاں آپ سے آپ کی ایک بہت قیمتی چیز مانگنے آئیں ہیں اور ہمیں بہت امید ہیں کہ آپ ہمیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے"

شبیر اقبال نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا لاؤنج میں اس وقت مکمل خاموشی چھا چکی تھی

"تم مانگ کیوں رہے ہو شبیر ہمارا یہ مانگنے والا رشتہ کب سے بن گیا تم تو میرے بھائیوں جیسے دوست ہو صرف حکم کرو اور پھر دیکھو کہ میں تمہیں دیتا ہوں کہ نہیں"

شاہ میر ملک نے خفگی سے انکو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو مسکرا دئیے تھے

"اچھا اگر ایسی بات ہے تو میں تمہاری بیٹی دعا کو اپنی بیٹی بنانا چاہتا ہوں اپنے زراج کے لیے اسکا ہاتھ مانگنے آج میں یہاں حاضر ہوا ہوں"

پر امید نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے شبیر اقبال نے کہا تھا جسے سنتے ہی انیلہ بیگم اور شاہ میر ملک کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے تھے

"بھلا اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ زراج جیسا کامیاب اور اعلیٰ اخلاق کا مالک انسان میرا داماد بنے بلکہ یہ تو میرے لیے فخر کی بات ہے"

شاہ میر ملک نے پرجوش لہجے میں کہا تھا

"جی بلکل شبیر بھائی ہماری طرف سے آپ ہاں سمجھیں ہمیں یہ رشتہ دل و جان سے منظور ہے"

انیلہ بیگم نے بھی اپنا حصہ ڈالتے ہوئے کہا دعا کے لیے اتنے اچھے رشتے کا تو انھوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا مگر اب جب اتنا اعلیٰ رشتہ آیا تھا تو وہ انکار کر کے بیوقوفی ہر گز نہیں کرنا چاہتی تھی

"بلکل شبیر ہماری طرف سے تو ہاں ہے مگر زندگی تو دعا اور زراج نے ساتھ گزارنی ہے اور اسکی رضامندی میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے اس لیے میں اس سے ایک دفعہ پوچھ کر پھر آپ کو بتاؤں گا"

شاہ میر ملک نے فوراً رشتہ طے کرنے کے بجائے دعا کی پسند ناپسند جاننے کو ترجیح دی تھی

"ضرور بھائی صاحب آپ پوچھیں کیوں نہیں زراج کو تو منظور ہے بس آپ دعا سے بھی پوچھ لیں تاکہ ہم بات کو آگے بڑھا سکے"

سمرین بیگم نے بخوشی انکی بات مانتے ہوئے کہا تھا اور پھر وہ لوگ مزید کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد وہاں سے چلے گئے تھے

سمرین بیگم اور شبیر اقبال کے جانے کے بعد نور تو اپنے کمرے میں چلی گئی تھی جبکہ شاہ میر ملک اور انیلہ بیگم دونوں وہی لاؤنج میں بیٹھے تھے جب انیلہ بیگم نے شاہ میر ملک سے پوچھا تھا۔

"آپ کو خوشی ہوئی اس رشتے کے حوالے سے جو دعا کے لیے آیا ہے؟ میں تو بہت خوش ہوں ہماری دونوں بیٹیوں کی شادی کی عمریں ہیں اب دعا کے بعد نور کے لیے بھی کوئی زراج جیسا اچھا انسان مل جائے تو ان دونوں کے حوالے سے ہماری پریشانی مکمل ختم ہو جائے گی"

انیلہ بیگم کی خوشی ان کے لہجے اور آنکھوں سے جھلک رہی تھی کہ وہ زراج کا رشتہ دعا کے لیے آنے سے کتنی خوش ہے

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بہت خوش ہوں میں نے دعا کے لیے ہمیشہ سے ہی زراج جیسے اچھے اورقابل انسان کوسوچا تھا اوراگر یہ رشتہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ خوشی شاید کسی کو نا ہو"

شاہ میر ملک نے جواباً کہا تھا جس پر انیلہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا تھا

"ساجدہ خالہ! پلیز یہاں تشریف لائیں صرف پانچ منٹ کے لیے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"

شاہ میر ملک نے سنجیدگی سے ساجدہ اماں کو مخاطب کیا تھا جو لاؤنج سے گزر کر شاید باہر کی جانب جا رہی تھی مگراب واپس مڑکر قدم اٹھاتی ان تک آئی تھی جو صوفے پر براجمان منتظر نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے جبکہ انیلہ بیگم کے ماتھے پر بل پڑے تھے

www.urdunovelsmania.com

"جی صاحب جی"

قریب آتے ہی ساجدہ اماں نے کہا

"خالہ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ دعا سب سے زیادہ آپ کے قریب رہی ہے وہ آپ کو اپنی ہر بات بتاتی ہے سب سے زیادہ پیار وہ آپ ہی سے کرتی ہے اوراس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ

آپ نے بھی اس کے لیے بہت کچھ کیا ہے اپنی سگی اولاد کی طرح چاہا اسے اس کی بہترین پرورش کی اُس کا آپ کو اتنی اہمیت دینا بنتا بھی ہے اب ان سب کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس کی زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں آپ کو بھی اپنی رائے دینے کا مکمل حق ملنا چاہیئے"

شاہ میر ملک نہایت مہذب انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے جبکہ ان کی بات سنتے ہی انیلہ بیگم کے ماتھے پر انگنت بل پڑ چکے تھے

"صاحب جی کیسا فیصلہ؟"

ساجدہ اماں نے کچھ حیرت سے پوچھا

"دراصل آج جو مہمان آئیں تھے وہ دعا کا ہاتھ مانگنے آئیں تھے اپنے بیٹے کے لیے بلاشبہ ان کے بیٹے کو ہم بہت اچھے سے جانتے ہیں وہ ایک بہت ہی اچھا, تعلیم یافتہ اور کامیاب انسان ہے ہماری دعا کو ہمیشہ خوش رکھے گا مجھے اس بات کا سو فیصد یقین ہے اب میں آپ کی رائے لینا چاہوں گا کہ کیا ہم اس رشتے کے لیے ہاں کر دیں یا نہیں اور ایک بات اور بھی ہے دعا کو ہم سے زیادہ آپ جانتی ہیں وہ اب کو بلا جھجھک ہر بات بتا دیتی ہے اس لیے آپ اس سے پوچھ کر ہمیں بتائیں کہ کیا اس رشتے کے لیے وہ راضی ہے؟

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

شاہ میر نے بات مکمل کرتے ہی جیب سے موبائل نکالا تھا اور پھر اسکی سکرین کو اوپر نیچے کرتے ہوئے ایک تصویر نکال کر موبائل ساجدہ اماں کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا اور ساتھ میں کہا تھا "یہ ہے لڑکے کی تصویر"

"وہ صاحب جی میری نظر ذرا کمزور ہے قریب سے دیکھ لوں"
ساجدہ اماں نے دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا تھا

"جی,جی ضرور"
انہوں نے موبائل میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا جسے ساجدہ اماں نے اٹھایا تھا اور آنکھوں کے بلکل قریب کر کے دیکھا تھا اب انہیں موبائل کی سکرین پر زراج کی تصویر صاف دکھائی دے رہی تھی جسے دیکھتی ہی ان کے لبوں پر مسکراہٹ رینگی تھی.

"صاحب جی یہ تو زراج ہیں نا جو آج آئے تھے کچھ دیر کے لیے بہت بہت اچھا بچہ تھا میں ان سے ملی تھی آج ملاقات تو ان سے میری پہلی تھی مگر اچھے انسان کو پہچاننے کے لیے ایک ملاقات بھی کافی ہوتی ہے ایک ملاقات میں ہی وہ مجھے بہت با اخلاق اور اچھے انسان معلوم ہوئے اور اگر آپ مجھ ناچیز کی رائے چاہتے ہیں تو میں یہی کہوں گی کہ آپ ہاں کر دیں ایسے اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے"
ساجدہ اماں نے موبائل واپس ان کو تھماتے ہوئے بے تحاشا خوشی سے جواب دیا تھا

"جی آپ نے جو کہا بلکل درست کہا مگر دعا کی رائے بھی ضروری ہے, آپ آج اُس سے بات کر کے مجھے بتائیں تاکہ میں کل ان کو اس حوالے سے کیے گئے فائنل فیصلے سے آگاہ کردوں"

شاہ میر ملک نے مسکراتے ہوئے کہا جبکہ اس سارے وقت میں انیلہ بیگم غصے سے جبڑے بھینچے ساجدہ اماں کے وہاں سے جانے کا انتظار کر رہی تھی.

"جی, جی ٹھیک کہا آپ نے آپ فکرمت کریں میں آج ہی اس سے بات کروں گی اور کل صبح آپ کے آفس جانے سے پہلے آپ کو آگاہ کردوں گی"

ساجدہ اماں نے جواب دیا

"اب کیا یہ نوکرانی میری بیٹی کی زندگی کے فیصلے کرے گی؟"

انیلہ بیگم سے مزید برداشت نہیں ہوا تھا جو وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی ساجدہ اماں شرم سے پانی پانی ہو گئی تھی جبکہ شاہ میر ملک نے خونخوار نظروں سے ان کو گھورا تھا

"ٹھیک ہے ساجدہ خالہ آپ جائیں پھر آپ سے کل بات ہوگی"

شاہ میر ملک نے انیلہ بیگم سے نظریں ہٹا کر ان سے کہا تھا جو نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی

"جی بہتر"

ساجدہ اماں نے کہا اور دعا کے کمرے کی جانب بڑھ گئی

"اس بارے میں اپنی بیٹی سے میں بھی بات کر سکتی تھی آخر ماں ہوں میں اسکی"

انیلہ بیگم نے غصے سے چبا چبا کر ان سے کہا تھا جو سرد تاثرات لیے انہیں دیکھ رہے تھے

"چلو یہ تو اچھا ہوا کہ تمہیں یاد آگیا کہ دعا تمہاری بیٹی ہے"

انہوں نے جواباً اسی سرد لہجے میں کہا

"کیا مطلب مجھے یاد آگیا مجھے ہمیشہ سے ہی یاد رہا ہے کہ وہ میری بیٹی ہے بس اس کے اور میرے بیچ یہ تمام دوریاں اس ساجدہ نے ہی پیدا کی ہے اسی کی وجہ سے وہ مجھ سے زیادہ اس سے پیار کرتی ہے اس کے خلاف ایک لفظ نہیں برداشت کرتی"

وہ غصے سے دھاڑی تھی

"میں تمہیں کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں کان کھول کر غور سے سنو اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو" پہلی بات تو یہ کہ مجھ سے دوبارہ اس لہجے میں بات کرنے کی کوشش بھی مت کرنا مجھ سے بات کرتے وقت اپنی آواز نیچے رکھا کرو ورنہ اچھا نہیں ہوگا دوسری بات یہ کہ تم نے آخر کیا ہی کیا ہے اپنی

بیٹیوں کے لیے ان کی تو پرورش بھی ساجدہ خالہ نے کی ہے تم تو مصروف رہتی اپنی تھرڈ کلاس پارٹیوں میں اور یہاں غلطی میری ہی ہے اگر میں تمہیں ان سب فضولیات کی اجازت نا دیتا تو تم گھر بیٹھ کر اپنے بچوں پر توجہ دیتی تیسری اور آخر بات یہ کہ اگر دعا سے تم اس بارے میں بات کرتی تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی سوچے بغیر انکار کر دیتی کیونکہ اسے تمہاری ماڈرن سوچ کا پتا ہے وہ زراج کو بھی کوئی بولڈ انسان تصور کر کے انکار کر دیتی جبکہ زراج ایسا ہے نہیں اور مجھے یقین ہے کہ ساجدہ خالہ کی پسند کو ہی وہ اپنی پسند مان کر اس رشتے کے لیے ہاں کر دے گی اس لیے آج کے بات جس معاملے میں تم سے جتنا پوچھا جائے اتنا ہی جواب دینا"

اپنی بات ختم کر کے وہ انیلہ بیگم کو غصے سے دیکھتے صوفے سے اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے وہاں سے چلے گئے جبکہ پیچھے انیلہ بیگم کا غصے سے خون کھول رہا تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساجدہ اماں کو دھکے مار کر گھر سے باہر نکال دے

"اس دو ٹکے کی نوکرانی کی وجہ سے میری اتنی بے عزتی اب تو میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گی بہت جلد کرتی ہوں اس بوڑھیا کا انتظام"

سرخ انگارہ ہوتی آنکھیں میز پر جمائے وہی بیٹھے انہوں نے سوچا تھا.

....

لاؤنج میں بے صبری سے چکر کاٹتے ہوئے وہ سمرین بیگم اور شبیر اقبال کا انتظار کر رہا تھا ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ہوئے اسکی ٹانگوں میں اب درد ہونے لگا تھا تبھی وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا بیٹھے بیٹھے ابھی اسے بمشکل پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے جب سمرین بیگم اور شبیر اقبال لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے نا آپ دونوں اتنے سنجیدہ کیوں لگ رہیں ہیں؟"
ان دونوں کے سنجیدہ چہروں پر نظر پڑتے ہی زراج نے صوفے سے اٹھ کر دھڑکتے دل کے ساتھ ان سے پوچھا تھا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"زراج بیٹا دیکھو اگر کسی کا ساتھ ہماری قسمت میں نہیں لکھا ہوتا تو ہم چاہے کچھ بھی کر لیں کتنی ہی کوششیں کر لیں اس انسان کو حاصل نہیں کر سکتے"
سمرین بیگم نے صوفے پر بیٹھ کر بمشکل چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے اس سے کہا تھا جس کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوا تھا

"مما بات کیا ہے پلیز جلدی بتائیں انہوں نے کیا کہا بس وہ بتائیں باقی نصیحتیں بعد کے لیے سنبھال کر رکھیں"

اس نے خفگی سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو ہنسی ضبط کیے سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے.

"بیٹا انہوں نے انکار کر دیا"
سمرین بیگم نے آہستگی سے کہا

"کیا مگر کیوں ؟ کیا وجہ ہے انکار کرنے کی اور کیا کمی ہے مجھ میں ؟"
وہ غصے واداسی کی ملی جلی کیفیت میں بولا تھا

"وجہ یہ ہے کہ دعا انگیجڈ ہے اس کی منگنی دو سال پہلے اس کے کسی کزن کے ساتھ ہو چکی ہے"
جواب شبیر اقبال نے دیا تھا جسے سنتے ہی زراج مکمل خاموش ہو گیا تھا یہ سب سنتے ہی اسکا دل بری طرح ٹوٹا تھا

لیکن کوئی بات نہیں میرے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہے دعا سے بھی اچھی لڑکی مل جائے گی میرے بیٹے کو بلکہ میری ایک دوست ہے اسکی بیٹی ہے "حفظہ" نام ہے اسکا..........."

"مجھے کوئی شادی وادی نہیں کرنی فلحال میں سونے جا رہا ہوں"

غم و غصے سے سرخ چہرہ لیے وہ آندھی طوفان کی طرح اٹھا تھا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا جب سمرین بیگم نے گڑبڑا کر اسے پکارا تھا

"زراج, زراج رکو بیٹا ہم مذاق کر رہے تھے یہاں آؤ واپس"
سمرین بیگم نے کہا تھا اور پھر وہ اور شبیر اقبال قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے جبکہ زراج واپس ان کے قریب آیا تھا

"مما آپ کیوں مجھے تنگ کر رہی ہیں پلیز اب بتا بھی دیں کیا ہوا کیا کہا انہوں نے ؟"
زراج نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تھا

"بیٹا جی حوصلہ رکھو بتاتی ہوں"
سمرین بیگم نے کہا

"انیلہ اور شاہ میر بھائی تو سنتے ہی بے حد خوش ہوئے ان کا کہنا تھا کہ اُن کے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ تم ان کے داماد بنو نور بھی بہت خوش تھی لیکن شاہ میر بھائی نے کہا کہ آخری فیصلہ دعا کا ہی ہوگا اور وہ دعا سے بات کر کے اس سے پوچھ کر کل ہمیں بتائیں گے"

سمرین بیگم نے اسے ساری بات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا مگر اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی

"کیا ہوا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"
سمرین بیگم نے حیرانگی سے پوچھا

"کس بات کی خوشی، خوشی تو مجھے تب ہوتی اگر آپ رشتہ فائنل کر کے گھر آتنت مگر آپ تو آدھی ادھوری بات کر کے آ گئے ہیں اگر انہوں نے دعا سے پوچھنا تھا تو آپ کہہ دیتی کہ ابھی پوچھ لیں اور ہمیں بتا دیں اب کل تک انتظار کون کرے گا"
منہ بنا کر کہتے ہوئے وہ اداسی سے فلور کشن پر بیٹھ گیا تھا

"نہیں میری جان اداس مت ہو ان کی خوشی سے پتا چل رہا تھا کہ فیصلہ تمہارے حق میں ہونے والا ہے اور بھلا وہ لوگ انکار کریں گے بھی کیوں کیا کمی ہے میرے بیٹے میں" سمرین بیگم نے کہتے ہوئے صوفے سے جھک کر اس کے سر کو چوما تھا جو فلور کشن پہ آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا

"ہاں بلکل مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ وہ لوگ انکار نہیں کریں گے"
شبیر اقبال نے انکی بات کی تائید کی

"اچھا بھئی میں تو آج بہت تھک گیا ہوں اب سونے جا رہا ہوں تم ماں بیٹا کرتے رہو باتیں"

شبیر اقبال نے کہا اور لاؤنج سے چلیں گئے ان کے جانے کے بعد زراج نے اپنا سر سمرین بیگم کی گود میں رکھتے ہوئے کہا تھا

"مما آج اس نے کونسے کلر کے کپڑے پہنے تھے اور کیسی لگ رہی تھی ؟"

آنکھوں میں شرارت لیے اس نے سمرین بیگم سے پوچھا تھا اور پھر ان کے تھپڑ سے بچنے کے لیے وہاں سے بھاگ گیا تھا

"یہاں آؤ ذرا بتاتی ہوں تمہیں کہ کیسی لگ رہی تھی، آؤ یہاں"

کڑے تیور لیے انہوں نے اس سے کہا تھا

"نہیں، نہیں مت بتائیں بہت شکریہ اب کل صبح ملاقات ہو گی شب بخیر"

ہنس کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے کہا تھا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا جبکہ صوفے پر بیٹھی سمرین بیگم بھی اس کے جاتے ہنس دی تھی

"میرے اللہ میرا بیٹا بڑے عرصے بعد اتنا خوش ہے میرے مالک. بس وہ لوگ اس رشتے کے لیے ہاں کر دے آمین"

انہوں نے دل سے زراج کے لیے دعا کی تھی اور خود بھی اٹھتی وہاں سے چلی گئ.

- -

ساجدہ اماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھا تھا جو کھڑکی میں کھڑی کسی گہرے سوچ میں گم تھی کہ اسے ساجدہ اماں کی موجودگی کا بھی احساس نہیں ہوا.

"دعا میری گڑیا کیا ہوا ہے خیریت ہے اور یہ دنیا جہاں سے غافل ہو کر کیا سوچا جا رہا ہے؟"

ساجدہ اماں نے اسے کہا تھا جو ان کی آواز پر کچھ چونک کر پیچھے مڑی تھی

"اماں آپ کب آئی مجھے پتا ہی نہیں چلا"

مسکرا کر کہتے ہوئے وہ بھی بیڈ کی جانب آئی تھی اور ساجدہ اماں کے قریب بیٹھ کر انکے کندھے پر سر رکھ لیا تھا

"بیٹا میں بس ابھی آئی ہوں مجھے پتا تھا تم جاگ رہی ہو گی اس لیے تم سے ایک ضروری بات کرنے آئی تھی"

انہوں نے کہا جس پر دعا نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا

"جی میں بس کچھ دیر پہلے ہی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی ہوں, آپ بتائیں کیا کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے"

دعا نے سکارف کی پن اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا اور پھر اپنا سکارف بھی اتار کر بیڈ پر ایک جانب ریکھ دیا

"دعا آج جو لوگ آئیں تھے ہمارے گھر وہ تمہارا ہاتھ مانگنے آئیں تھے اپنے بیٹے کے لیے اسی سلسلے میں تمہارے بابا نے مجھے تم سے بات کرنے اور تمہاری رائے جاننے کے بارے میں کہا ہے"

ساجدہ اماں کی بات سن کر اسکے لمبے بالوں کو پونی سے آذاد کرتے ہاتھ ایک پل کو تھمے تھے مگر اگلے ہی پل وہ واپس نارمل ہو گئی تھی

"وہ جس طرح سے اچانک آئیں تھے اور اتنے سوالات کر رہے تھے مجھ سے مجھے تو اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایسے ہی کسی مقصد کے تحت آئیں ہیں"

دعا نے پھر سے اپنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے جواب دیا تھا

"آپ کیا چاہتی ہیں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ مجھے تو لگتا ہے مجھے انکار کر دینا چاہیئے مجھے کسی ایسے انسان سے شادی نہیں کرنی جو مما کی پسند ہو کیونکہ ان کی پسند سے میں بخوبی واقف ہوں وہ بھی مما کی طرح ہی کوئی انسان ہوگا جو ہمیشہ مجھ پر طنز کرے گا کبھی میرے کپڑوں پر اور کبھی میرے سکارف پر اور میں ایسے انسان سے شادی ہرگز نہیں کرنا چاہتی جو میرے سر پر دوپٹہ رکھنے کے بجائے مجھے سر سے دوپٹہ اتارنے کو کہے اس لیے میں اس رشتے سے انکار کرنا چاہتی ہوں"

نظریں جھکائے وہ سنجیدگی سے بول رہی تھی مگر پھر ایک دم نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا جو اسکی باتوں کو غور سے سن رہی تھی

"لیکن میرا آخری فیصلہ وہی ہوگا اماں جو آپ میرے لیے کریں گی کیونکہ آج تک آپ نے میرے لیے جو بھی فیصلہ کیا ہے وہ میرے حق میں بہترین ثابت ہوا ہے"

دعا نے ان کے کمزور جھریوں زدہ ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھ میں تھام کر کہا تھا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"ہمم، اگر ایسا ہے تو پھر اس رشتے کے لیے ہاں کر دو"

ساجدہ اماں نے اس سے کہا تھا جس کے چہرے پر حیرت واضح تھی اسے ساجدہ اماں سے اس جواب کی توقع ہرگز نہیں تھی اسے لگا تھا کہ ساجدہ اماں بھی انکار کرنے کو کہے گی

"زیادہ حیران مت ہو میری گڑیا میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے اتنی عمر ہو چکی ہے کہ اب اپنے تجربے کے تحت ہر انسان کو ایک نظر میں ہی پہچان لیتی ہوں کہ کون کیسا ہے اور زراج سے میں مل چکی ہوں آج ہی جب وہ اپنے ماں باپ کو ہمارے گھر چھوڑنے آیا تھا وہ ایک بہت اچھا اور مہذب لڑکا ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کامیاب بھی اور شکل و صورت سے بھی بہت خوبصورت تو اتنے اچھے رشتے کے لیے انکار کرنا محض بیوقوفی ہو گی اگر تم واقعی میری بات ماننا چاہتی ہو تو اس رشتے کے لیے ہاں کر دو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ زراج کے ساتھ تم بہت خوش رہو گی"

ساجدہ اماں نے اسکے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے کہا تھا جس کے لبوں پر ملائم سے مسکراہٹ رینگی تھی

"اللہ کے بعد آپ ہی تو ہے جو ہمیشہ میرے لیے اچھا سوچتی ہیں اور میرے لیے بہترین فیصلے کرتی ہیں مجھے اپنے اللہ کے بعد سب سے زیادہ بھروسہ آپ پر ہے اس لیے اگر آپ کو وہ اچھا لگا تو آپ بابا سے کہہ دیں کہ مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں"

دعا نے کہا تھا جسے سنتے ہی ساجدہ اماں نے اسکے ماتھے کو چوم کر اسکے آگے کی زندگی کے لیے ڈھیر ساری دعائیں مانگی تھی

"زراج، زراج نام ہے اسکا"

ساجدہ اماں نے مسکرا کر اس سے کہا تھا جو جھینپ گئی تھی

"اچھا اب بہت رات ہوگئی ہے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے جلدی سے سو جاؤ میں بھی چلتی ہوں صبح تمہارے بابا سے بات کروں گی پھر"

ساجدہ اماں نے کہا اور کمرے سے باہر آگئی تھی ان کے وہاں سے جاتے ہی گہرا سانس لیتے ہوئے دعا بھی لائٹیں بند کرتی اپنے بیڈ پر لیٹ گئی

"میرے اللہ میرے اس فیصلے کو میرے حق میں بہترین ثابت کر دے امین"

اپنے لیے دعا کرتی وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی دن بھر کے کاموں نے اسے اتنا تھکا دیا تھا کہ وہ چند منٹوں میں ہی گہری نیند سو چکی تھی

....

صبح ناشتے کی میز پر سب بیٹھے خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے جب انیلہ بیگم کی آواز آئی تھی

"آج آپ دیر سے جائیں گے آفس؟"

انہوں نے جوس کے گلاس سے گھونٹ بھرتے ہوئے شاہ میر ملک سے پوچھا تھا

"ہاں آج دیر سے جاؤنگا دراصل اسفند میں اور عابد شیخ جس فیکٹری کا آغاز کر رہے ہیں اسی کے حوالے سے آج ایک میٹنگ رکھی ہے میں نے وہ دونوں اپنے آفس میں بزی ہیں دس بجے تک فری ہونگے تو میں نے سوچا پھر میں بھی آج ذرا دیر سے چلا جاتا ہوں"

شاہ میر ملک نے جواب دیا جبکہ اسفند کے نام پہ نور کے کان کھڑے ہوئے تھے

"عابد شیخ آج کل اپنی دوسری فیکٹریوں کے کاموں میں بہت مصروف رہتا ہے پتا نہیں کیا کرنے والا ہے اس لیے نئی فیکٹری جس کا آغاز ہم تینوں مل کر کرنے والے ہیں اسکا سارا کام مجھے اور اسفند کو ہی کرنا پڑ رہا ہے آج کل دس بجے کے بعد اسفند بھی شام تک میرے آفس میں ہی ہوتا ہے"

بریڈ پر جام لگاتے ہوئے شاہ میر ملک نے انیلہ بیگم کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیا تھا جس پر نور کے شیطانی دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا تھا

"ڈیڈ وہ میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی تھی"

نور نے شاہ میر ملک سے کہا

"ہاں کرو کیا بات ہے؟"

انہوں نے پوچھا تھا انیلہ بیگم اور دعا بھی اب ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں

"بات یہ کہ میرے سمیسٹر کے پیپرز ہو چکے ہیں اور آجکل یونیورسٹی میں کلاسس بھی صحیح سے نہیں ہو رہی تو میں چاہتی تھی کہ میں بھی آپ کے ساتھ آفس جایا کروں"

نور نے پلیٹ میں موجود آملیٹ کو کانٹے سے الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہا

"یہ تو بہت اچھی بات ہے تم ابھی سے سب سیکھ لوگی میرے بعد میرا سب کچھ تم دونوں کا ہی تو ہے میرے کونسے بیٹے ہے جو میرے بزنس کو سنبھالے گے تمہیں اپنی ذمہ داری کا جلد احساس ہو گیا یہ اچھی بات ہے"

شاہ میر ملک نے خوشگوار لہجے میں اس سے کہا تھا جس کا چہرہ ان کا جواب سنتے ہی اب خوشی سے چمک رہا تھا جبکہ دعا بغور اسکے تاثرات کو جانچ رہی تھی اُسے کچھ گڑبڑ ہونے کا احساس ہوا تھا

"یہ کام چور کب سے کاموں میں اتنی دلچسپی لینے لگی ہے"

دعا نے حیرانگی سے سوچا

"تھینکیو ڈیڈ، پھر میں کب سے آفس آنا سٹارٹ کروں؟"

اس نے بے تابی سے پوچھا

"مرضی ہے تمہاری آؤ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آج سے ہی آجاؤ"

شاہ میر ملک نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی جس پر وہ مزید خوش ہوئی تھی

"اب تو میرا اسفندیار کو پانے کا راستہ مزید آسان ہو گیا ہے"
اس نے سوچا تھا اور سکون کا سانس لیتے ہوئے ناشتہ کرنے لگی تھی

ناشتے کے بعد دعا کے وہاں سے جاتے ہی شاہ میر ملک نے ساجدہ اماں کو بلوا کر ان سے دعا کے رشتے کے حوالے سے اسکی رائے کے بارے میں پوچھا تھا جس پر ساجدہ اماں نے ان کو دعا کی رضامندی کے بارے میں بتا دیا تھا یہ بات سنتے ہی شاہ میر ملک سمیت وہاں موجود سب بے حد خوش ہوئے تھے۔

"ٹھیک ہے میں آج ہی شبیر کو یہ خبر دیتا ہوں وہ لوگ انتظار کر رہے ہونگے ہمارے جواب کا"
شاہ میر ملک نے کہا جس پر انیلہ بیگم نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

- -

دوسری جانب یوسف ابھی بھی قومہ میں تھا شازیہ بیگم اسکا اب بہت خیال رکھتی تھی سجدوں میں گڑگڑا کر اللہ سے اس کے لیے دعائیں مانگتی تھی جو ہنوز ایک زندہ لاش کی مانند تھا

جبکہ یاسمین بیگم اور استاد احمد صاحب بھی عبداللہ کے ساتھ بے حد خوش تھے عبداللہ اب انکی زندگی کا محور بن چکا تھا اللہ نے عبداللہ کو نئی زندگی اور ان دونوں کو عبداللہ کی شکل میں بے حد خوشیوں سے نوازا تھا جس کے لیے وہ اللہ کا جتنا شکر ادا کرتے کم تھا۔

صبح کے وقت زراج اور شبیر اقبال آفس کے لیے گھر سے نکلنے ہی والے تھے جب لاؤنج میں کھڑے شبیر اقبال کا موبائل بجا تھا جیب سے موبائل نکال کر انھوں نے ایک نظر سکرین پر ڈالی تھی اور پھر زراج کی جانب مسکراتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"شاہ میر کی کال ہے لگتا ہے انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے اور اب ہمیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے فون کیا ہے"

شبیر اقبال نے کہا تھا اور پھر موبائل کو کان سے لگایا تھا تقریباً پانچ منٹ تک وہ مسکراتے ہوئے موبائل پر ان سے گفتگو کرتے رہے تھے اور پھر موبائل جیب میں رکھ کر ان دونوں کو دیکھا تھا جو پہلے سے ہی اضطرابی کیفیت میں اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"مبارک ہو دونوں کو انھوں نے ہاں کر دی ہے"

شبیر اقبال نے سمرین بیگم اور زراج کو خوشخبری سنائی تھی جس پر وہ بے حد خوش ہوئے تھے

"سچ کہہ رہیں ہیں آپ ؟ اگر ایسا ہے تو پھر آج ہی ان کے گھر جا کر منگنی کی تاریخ طے کر لیتے ہیں کیونکہ چند مہینوں بعد زراج نے لندن بھی تو جانا ہے میں چاہتی ہوں کہ اس کے جانے سے پہلے دونوں کی منگنی کر دی جائے"

سمرین بیگم نے پرجوش لہجے میں کہا

"مما اگر کرنا ہے تو پھر سیدھا سیدھا نکاح کریں منگنی کو میں کوئی رشتہ تصور نہیں کرتا نکاح کا رشتہ تو بہت پاکیزہ رشتہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے جانے سے پہلے ہم ایک چھوٹا سا نکاح کا فنکشن رکھ لیتے ہیں اور پھر جب میں واپس لندن سے آؤں گا تو شادی کر لینگے"

زراج نے سنجیدگی کے ساتھ انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا جس پر شبیر اقبال بہت خوش ہوئے

"سمرین زراج بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے ہم نکاح کر دیتے ہیں ان دونوں کا وہ بھی جلد از جلد کیونکہ نیک کام میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیئے"

انہوں نے مسکراتے ہوئے زراج کے حق میں فیصلہ کیا تھا

"ٹھیک ہے مجھے بھی نکاح والا آئیڈیا زیادہ اچھا لگا پھر آج آپ کام زراج کے حوالے کر کہ جلدی آجائیے گا آفس سے تاکہ ہم پھر جائیں ان کے گھر کیا خیال ہے اس بارے میں ؟"

سمرین بیگم نے کہا

"ہاں ٹھیک ہے شام میں تیار رہنا پانچ بجے تک میں آجاؤں گا"
شبیر اقبال نے کہتے ہوئے زراج کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا اور پھر وہ دونوں آفس کے لیے روانہ ہو گئے تھے

....

گرمی کی شدت میں مزید اضافہ ہوا تھا پسینے میں شرابور آج وہ آفس پہنچی تھی اور سیدھا شاہ میر ملک کے پاس گئی تھی جن کے آفس میں ان کے ساتھ اسفند بھی بیٹھا ہوا تھا اور وہ دونوں کوئی ضروری بات ڈسکس کر رہے تھے.

"ہیلو ڈیڈ"
اسفند پر گہری نظر ڈالتے ہوئے اسنے شاہ میر ملک سے کہا تھا جو نور کے آتے ہی اب خاموش ہو گئے تھے

"اچھا ہوا تم آ گئی نور آج یہاں میری جگہ آفس میں تم بیٹھنا مجھے آج جلدی گھر جانا ہو گا شبیر اور سمرین بھابھی آج پھر آنے والے ہیں تمہاری مام نے دو گھنٹے پہلے ہی فون کر کے بتایا تھا تو میری جگہ تم سب سنبھالنا اور اچھا ہے اسفند بھی یہاں تمہارے ساتھ ہی ہے یہ بھی تمہیں گائیڈ کرتا رہے گا"

شاہ میر ملک نے آخر میں اسفند کی جانب دیکھ کر کہا تھا اسے نور کی آمد اور آفس میں کام کرنے کے بارے میں وہ کچھ دیر پہلے ہی بتا چکے تھے

"جی ضرور کیوں نہیں"

اسفند نے بھی ان کی بات کی تائید کی

"گرمی بہت ہے تم ابھی باہر سے آئی ہو تمہارے لیے کچھ ٹھنڈا آرڈر کرتا ہوں"

یہ کہتے ہی شاہ میر ملک نے آفس میں ٹیبل پر پڑی ایک چھوٹی سے گھنٹی بجائی تھی جس پر باہر بیٹھا چوکیدار بھاگتا ہوا آیا تھا

"جی صاحب جی"

اس چوکیدار نے کہا

"عرفان بھائی ایک کولڈرنک پہنچا دیں یہاں جلدی سے" شاہ میر ملک نے اُن سے کہتے ہوئے اسفند کی طرف دیکھ کر اس سے بھی پوچھا تھا "اسفند بیٹا تم بھی کچھ لو گے ؟"

"نہیں سر تھینکیو مجھے کچھ نہیں چاہیۓ"

اسفند نے جواب دیا جس کے بات وہ چوکیدار کو ایک کولڈرنک لانے کا حکم دیتے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے

"اب مجھے گھر چلنا چاہیۓ تم دونوں کام کرتے رہو اور اسفند پلیز ذرا نور کو سمجھاتے رہنا ساتھ ساتھ"

آفس سے نکلتے ہوئے انہوں نے اسفند سے کہا تھا جس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور پھر وہاں سے چلے گئے تھے۔

"کیسی ہیں آپ ؟"

آفس میں چھائی گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے اسفند نے اس سے پوچھا تھا جو باپ کی جگہ سربراہی کرسی پر بیٹھ چکی تھی

"میں بلکل ٹھیک ہوں"

نور نے جواب دیا تھا جس کے بعد ایک بار پھر وہاں خاموشی چھا گئی تھی

"چلیں میں یہ کچھ کام کر رہا تھا شاہ میر صاحب کے ساتھ مل کر اب آپ کے ساتھ مل کے کر لیتا ہوں آپ بھی یہاں آ جائیں"

اسفند نے ایک فائل کھولتے ہوئے نور کو اُس بڑے صوفے پر آنے کا اشارہ کیا تھا جس کی ایک سائیڈ پر وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور اب دوسری طرف نور آ کر بیٹھی تھی اسفند فائل پر نظریں ٹکائے اسے کچھ سمجھا رہا تھا مگر نور اسی کے چہرے پر نظریں ٹکائے بے خودی کے عالم میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے امید ہے آپ سمجھ گئی ہونگی پھر بھی اگر کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو تو مجھ سے دوبارہ پوچھ لیجئیے گا میں تب تک اپنے آفس کا کچھ کام کر لیتا ہوں"

یہ کہتے ہوئے اسفند لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا جبکہ نور فائل اٹھاتی واپس اپنی جگہ پہ آ بیٹھی تھی لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے اسفند گرچہ کام کر رہا تھا مگر وہ نور کی نظریں مسلسل خود پہ محسوس کر رہا تھا جسے وہ اس وقت نظر انداز کیے لاپرواہ نظر آنے کی مکمل کوشش کر رہا تھا۔

....

شام کے وقت سمرین بیگم اور شبیر اقبال ایک بار پھر ملک ہاؤس آئے تھے اور اُسی ہفتے کے اندر اندر جمعے کے دن نکاح کی ایک چھوٹی سی تقریب رکھنے کا فیصلہ کیا تھا پہلے تو نائلہ بیگم اتنی جلدی نکاح کے

لیے نہیں مان رہی تھی کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ ابھی انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی مگر پھر شبیر اقبال اور سمرین بیگم کے بے حد اصرار پر انہیں ماننا ہی پڑا تھا.

دعا منگنی کے بجائے نکاح ہونے کے فیصلے سے زیادہ مطمئن تھی جب نکاح کی تاریخ طے کرتے ہوئے شاہ میر ملک نے اس سے پوچھا تھا تو وہ اس شرط پہ مانی تھی کہ نکاح بلکل سادگی سے ہوگا جس پر انیلہ بیگم تو غصے سے آگ بگولہ ہوگئی تھی کیونکہ وہ سب کو نکاح میں انوائٹ کرنا چاہتی تھی مگر دعا نے یہی شرط رکھی تھی کہ صرف اس کی چند سہیلیاں ہوگی نکاح کے وقت اور اس کے علاوہ زراج اور دعا کے گھر کے ہی افراد ہونگے دعا کے اس فیصلے سے انیلہ بیگم کے علاوہ کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ سب بہت خوش ہوئے تھے اس وقت بھی انیلہ بیگم کو یہی لگ رہا تھا کہ ساجدہ اماں نے ہی دعا کے کان بھرے ہیں اور اس کے ذہن میں سادگی سے نکاح کرنے کی بات ڈالی ہوگی جس پر انیلہ بیگم بہت غصہ تھی وہ اپنی دوستوں سمیت پورے خاندان کو انوئٹ کر کے بہت دھوم دھام سے دعا کی شادی کرنا چاہتی تھی مگر اب دعا کا فیصلہ سنتے ہی ان کا سارا جوش و خروش ماند پڑ چکا تھا وہ بس کسی طرح اب ساجدہ اماں کو اس گھر سے, اس دنیا سے یا کم از کم اپنی زندگیوں سے نکالنے کی کوششوں میں لگ چکی تھی.

"دعا میری جان تم نے کیا ابھی تک زراج کو نہیں دیکھا؟ شاہ میر صاحب کے موبائل میں اس کی تصویر ہے ایک دفعہ دیکھ تو لیتی تم"

ساجدہ اماں نے دعا سے کہا تھا جو وارڈروب کے پاس کھڑی اپنے لیے کپڑے نکال رہی تھی۔

"نہیں اماں اب تو ویسے بھی جمعے کو نکاح ہے تو نکاح والے دن دیکھ ہی لوں گی اور ویسے بھی آپ نے کہا تو تھا کہ اچھے ہیں مجھے آپ کی بات پر مکمل بھروسہ ہے"

دعا نے سرخ چہرے کے ساتھ جھینپتے ہوئے کہا تھا اور کپڑے نکالتی باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

....

نور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو لیپ ٹاپ پر کچھ کام کرنے میں مصروف تھا ہاتھ میں پکڑے پین کو انگلیوں میں گھماتی کچھ دیر تک تو وہ کچھ سوچتی رہی تھی اور پھر اچانک ہی اس نے اسفند سے کہا تھا۔

"میں بہت تھک گئی ہوں اور بھوک بھی بہت لگ رہی ہے کیوں نا باہر کچھ کھانے چلیں کام تو ویسے بھی ہوتا رہے گا"

اس نے اسفند سے کہا تھا جس نے لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھی اس خوبصورت لڑکی کو دیکھا تھا جس کا چہرہ شاید بھوک کی ہی وجہ سے بجھ سا گیا تھا اسفند کو اس پر ترس آیا تھا اس لیے فوراً حامی بھرتے ہوئے بولا تھا۔

"جی بلکل صحیح کہا اب تو مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے چلیں دونوں چلتے ہیں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے "

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور صوفے سے اٹھتے ہوئے اس کے ساتھ چل دیا تھا جس کا چہرہ اسفند کی بات سنتے ہی خوشی سے دمکنے لگا تھا اور پھر وہ دونوں آفس سے دور ایک فائیو سٹار ہوٹل میں کھانا کھانے پہنچ گئے تھے۔

یہی سے نورالہدی اور اسفندیار کی ملاقاتوں کا اور نور کی شیطانی چالوں کا آغاز ہوچکا تھا جو اسفند کو حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔

....

صحن کے بیچ و بیچ چارپائی پر بیٹھے احمد صاحب چائے پینے میں مصروف تھے اور گاہے بگاہے ایک نظر یاسمین پر بھی ڈال لیتے جو عبداللہ کے ساتھ کھیل رہی تھی آج کئی دنوں بعد ان کا آنگن ایک بار پھر عبداللہ کی قلقاریوں سے گونج اٹھا تھا تیز بخار نے دو دن پہلے ہی اسکی جان چھوڑی تھی مگر اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اب بہت کمزور ہوگیا تھا سرخ و سفید چہرہ پیلا پڑ گیا تھا تو آنکھوں کے نیچے گہرے ہلکے پڑ چکے تھے احمد صاحب اور یاسمین خود سے بڑھ کر اسکا خیال رکھنے لگے تھے ابھی وہ دونوں ایسے ہی بیٹھے ہوئے تھے جب یاسمین کا موبائل بجا تھا اس نے سکرین پہ نظر ڈال کر دیکھا تھا جہاں مہناز باجی کا نام جگمگا رہا تھا۔

"مہناز باجی ہے"

مسکرا کر احمد صاحب سے کہتے ہوئے انہوں نے عبداللہ کو بھی انکے حوالے کر دیا تھا اور پھر موبائل اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

سلام دعا کرنے کے بعد جیسے جیسے وہ دوسری جانب سے مہناز باجی کی بات سنتی جا رہی تھی انکے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا یاسمین سب خیریت ہے نا؟"

ان کے موبائل بند کر کے رکھتے ہی احمد صاحب نے پوچھا تھا

"خیریت ہی تو نہیں ہے"

وہ بوکھلاتے ہوئے بولی تھی

"ہوا کیا ہے اب بتاؤ بھی"

احمد صاحب نے اب کی بار ذرا غصے سے پوچھا تھا

"مہناز باجی نے ابھی ابھی مجھے بتایا ہے کہ وہ کل تک یہاں ہمارے گھر آ رہے ہیں"

وہ ڈرتے ہوئے بول رہی تھی

"احمد اگر وہ آ گئے اور سب نے اُن کی گود میں اُنکا بچہ دیکھ لیا تو ہمارا راز کھل جائے گا سب کو اس بات کا پتا چل جائے گا کہ عبداللہ مہناز باجی کا بیٹا نہیں ہے اُس کے بعد ہم سب کو کیا جواب دیں گے"

یاسمین صدماتی کیفیت میں بولی تھی جس پر احمد صاحب بھی کافی پریشان ہو گئے تھے

"یاسمین تم کوئی بہانہ نہیں بنا سکتی تھی کہہ دیتی کہ ہم گھر پر نہیں ہے یا کچھ بھی کہہ دیتی مگر ان کا یہاں آنا سچ میں بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے"

احمد صاحب نے پریشانی سے جواب دیا تھا

"ابھی گھر سے نکلے تو نہیں ہیں نا وہ لوگ"

احمد صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے یاسمین سے کہا

"نہیں ابھی نہیں نکلے کہہ رہی تھیں کہ کل صبح تک گھر سے نکلیں گے"

اس نے جواب دیا

"بس پھر ٹھیک ہے شام میں تم ان کو فون کرنا اوران سے کہہ دینا کہ "احمد کی طبعیت خراب ہے اور میں اسے شہر سے باہر ڈاکٹر کے پاس لیکر آئی ہوں کچھ دن تک یہی کہنا کہ اُن کی طبعیت ناساز ہے پھر وہ خودہی یہاں آنے کا ارادہ ترک کرتی اپنے گھر کے معملات میں مصروف ہوجائیں گی"

احمد صاحب نے پرسوچ لہجے میں کہتے ہوئے انکو مشورہ دیا تھا جنھوں نے ہامی تو بھرلی تھی مگرابھی بھی دل مطمئن نہیں ہورہاتھا بار بار یہ سوچ کر دل لرز رہا تھا کہ "اللہ نا کرے وہ لوگ اگراچانک سے آجائیں توپھر کیا ہوگا عبداللہ کو فیڈر پلاتے ہوئے یہی سوچیں ان کے دماغ میں چل رہی تھی شام میں انہوں نے مہنازباجی کو فون کرکے یہی بہانہ بنایا تھا جوکہ کامیاب ہوگیا تھا انہوں نے فون پر ہی یاسمین سے کہا کہ "ابھی تمہارے گھر میں اتنی پریشانی ہے احمد بھائی بیمار ہے میں آکرمزید پریشان نہیں کرنا چاہتی میں پھر کبھی آجاؤں گی"

یہ سنتے ہی یاسمین اوراحمد صاحب نے شکر کا کلمہ ادا کیا تھا.

....

دن پر لگا کر گزر رہے تھے جمعے کا دن کیسے آیا کسی کو پتا ہی نا چلا گارڈن میں ہی دعا اور زراج کے نکاح کا سارا انتظام کیا گیا تھا پورے گھر میں افراتفری کا ماحول تھا انیلہ بیگم کئی دیر سے تیار نوکروں سے سر ہر کھڑی اپنی نگرانی میں ان سے سارا کام کروارہی تھی شاہ میر ملک کھانے کا سارا انتظام دیکھ رہے تھے جبکہ نور بھی مکمل تیار کھڑی اب ایک آخری دفعہ اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی پرپل کلر کی ٹخنوں کو

چھوٹی گھیرے گلے اور سلیولیس میکسی کے ساتھ پارٹی میک اپ کیا وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور اب اچھی طرح آئینے میں خود کو دیکھنے کے بعد وہ دعا کو دیکھنے کے لیے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے اسکے کمرے کی جانب بڑھ گئی.

"گولڈن کلر کی کام دار لانگ میکسی کے ساتھ چوڑی دار پاجامے پہنے دعا یک ٹک خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی.

"دیکھا نا دعا میں نے کہا تھا ہلکا سا میک اپ کر دیتی ہوں اب دیکھو خود کو کتنی پیاری لگ رہی ہو" اس کے کالج کی سہیلی اقصیٰ جو کہ ایک بیوٹیشن بھی تھی اور اب اس نے دعا کے نا، نا کرنے کے باوجود ہلکا سا میک اپ کر دیا تھا سرخ رنگ کا بھاری کام دار دوپٹہ اس کے سر پر سیٹ کرتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں سچ میں، میں کافی چینج لگ رہی ہوں اور کافی اچھی بھی"
آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر نظریں جمائے دعا نے کہا تھا جب کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر نور اور ساجدہ اماں داخل ہوئی تھیں وہ دونوں بھی دعا کو دیکھتے ہی حیران رہ گئی تھی ہمیشہ سادہ رہنے والی دعا پر آج بہت روپ آیا تھا اماں کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی وہ کرسی سے اٹھتی ان تک آئی تھی.

"اماں بتائیں آج آپ کی گڑیا کیسی لگ رہی ہے؟"
اس نے مسکراتے ہوئے ایک ادا سے پوچھا تھا

"بہت پیاری لگ رہی ہو اماں کی جان، بہت بہت پیاری لگ رہی ہو"
وہ روتے ہوئے بولی تھی آنسو زاروقطار ان کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے ان کو دیکھتے ہوئے دعا بھی اپنے آنسوؤں پر بند نہیں باندھ سکی تھی اور وہ بھی رونے لگ گئی۔

"اماں آپ رونا بند کریں پلیز آپ کی طبعیت خراب ہو جائے گی کیوں رو رہی ہیں آپ؟"
دعا نے ان کو بیڈ پر بٹھا کر پانی پلاتے ہوئے کہا تھا جبکہ ایک ہاتھ سے خود بھی وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی

"جی بلکل صحیح کہہ رہی ہیں اب خوشی کا موقع ہے بھلا اس میں رونے والی کیا بات ہے کونسا یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے جا رہی ہیں جو آپ نے ندیاں بہانی شروع کر دی اور اُن کو بھی رلا دیا اپنے ساتھ دیکھیں اب میک اپ خراب ہو گیا ہے اُن کا"
نور نے تیز لہجے میں بولتے ہوئے دعا کی آنکھوں کی جانب اشارہ کیا تھا جہاں سے کاجل پھیل گیا تھا

"نور پلیز آج کے دن تو چپ ہو جاؤ تم"

دعا نے سوں سوں کرتے ہوئے اس سے کہا تھا

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا بے شک خوشی کا موقع ہے اور میں بہت خوش ہوں مگر یہ سوچ کر دل اداس ہو رہا ہے کہ میری گڑیا اب یہاں سے چلی جائے گی دکھ تو ہو گا نا اپنے ہاتھوں میں ,میں نے اسے کھلایا ہے میری انگلی پکڑ کر اس نے چلنا سیکھا ہے صرف میں نے اسے جنم نہیں دیا باقی ساری زندگی میں نے ہی اسے پالا ہے اسکی پرورش کی ہے اور اب یہ میرے دل کو اور اس گھر کو ویران کر کے چلی جائے گی تو مجھے اتنا رونا تو آئے گا نا"

ساجدہ اماں دعا کے مہندی سے سجے ہاتھ چومتے ہوئے بولی تھی

"اماں کہیں نہیں جاتی دعا دیکھئیے گا روز آپ سے ملنے آئے گی یہاں جیسے آپ کا اس کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا ٹھیک ویسے ہی اسکا بھی آپ کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا کالج میں بھی ہر وقت میری اماں ایسی ہے ,میری اماں ویسی ہے ,میری اماں بہت مزے کے کھانے بناتی ہے میرے لیے "بس ہر وقت آپ ہی کی باتیں کرتی رہتی تھی یہ"

دعا کی دوسری سہیلی نجمہ نے ماحول میں چھائی سنجیدگی کو ختم کرنے کے لیے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا

جس پر سب مسکرا دیئے تھے

"جی اماں نجمہ بلکل ٹھیک کہہ رہی ہے میں روز آپ سے ملنے آؤں گی کبھی آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی میرا یقین کریں"

دعا نے ان سے کہا تھا

"اچھا اب چلیں آپ کا دوپٹہ بھی سیٹ کرنا ہے اور ابھی جب میں اوپر آرہی تھی تو مام نے بتایا کہ لڑکے والے آچکے ہیں"

نورا سے بیڈ سے کھڑا کرتے ہوئے بولی تھی اور ایک بار پھر اسے وہی سٹول پر بٹھا کر اسکا دوپٹہ سیٹ کرنے لگی تھی زراج کی فیملی آچکی تھی کچھ دیر تک آرام سے بیٹھنے اور چائے ,پانی پینے کے بعد انہوں نے نکاح کا آغاز کرنے کو کہا تھا گھر کے بڑوں اور گواہوں کے بیچ اُن دونوں کا نکاح ہوا تھا نکاح ہوتے ہی ہر طرف مبارک باد کا شور برپا ہو گیا تھا.

"برخوردار بہت بہت مبارک ہو"

زوہیب اقبال نے زراج کو گلے لگاتے ہوئے کہا تھا

"خیر مبارک بابا"

اس نے بھی گرم جوشی سے جواب دیا تھا

کچھ دیر گزرنے کے بعد نور, اقصیٰ اور دعا کی چند اور سہیلیاں دعا کو لینے کے لیے آئی تھیں کیونکہ نکاح کے بعد اب ان دونوں کو فوٹو شوٹ کے لیے ایک ساتھ.بٹھانا تھا

وہ سب دعا کو لیے نیچے آئی تھی اس کے آتے ہی ساعتیں جیسے رک سی گئی تھی اُس خوبصورت لباس میں تمام حشر سامانیوں کے ساتھ وہ کسی اور ہی دنیا کی لگ رہی تھی مووی اور کیمروں کے فلیش لائٹس میں اس کے جھلملاتے سراپے سے نظر ہٹانا مشکل تھا وہاں موجود سب کی نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے پر ٹکی تھی جو لڑکیوں کے جھرمٹ میں نظریں جھکائے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے سٹیج کی جانب بڑھ رہی تھی سٹیج کے قریب آتے ہی زراج جو کہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا ایک دم جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا اور اپنا ہاتھ اسکے آگے کیا تھا جسے بے تحاشہ دھڑکتے دل کے ساتھ تھام کر دعا سٹیج پر گئی تھی اور اسکے ساتھ بیٹھ گئی تھی ان کے بیٹھتے ہی ایک ایک کر کے باقی سب تحائف دینے وہاں آتے جا رہے تھے.

"اب تو ایک نظر اُن کو دیکھ لیں"

نور جو صوفے پر دعا کے قریب بیٹھی کب سے اسکے کان کھا رہی تھی ایک بار پھر اسکے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولی تھی جس کا دعا نے تو کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر نور کی آواز اتنی تیز ضرور تھی کہ وہ زراج کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی

"ہم تو ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے ہیں جب دل چاہے دیکھ لیں کوئی پابندی نہیں"
زراج نے اس کے خوبصورت چہرے کو آنکھوں کے ذریعے دل میں اتارتے ہوئے جواب دیا تھا جسکا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا تھا مزید کچھ دیر اسی پوزیشن میں رہنے کے بعد دعا نے دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے دھیرے سے نظریں اٹھا کر زراج کی جانب دیکھا تھا اور اس کی نظریں واپس پلٹنے سے انکاری ہو گئی تھی اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ زراج اقبال وہی پارٹی والا لڑکا ہے وہ بنا پلکیں جھپکائے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی اسکی آنکھوں میں پہلے تو بے تحاشہ حیرت اور پھر غصہ در آیا تھا اب اسے نکاح سے پہلے تصویر نا دیکھنے پر افسوس ہوا تھا.

"مانا کہ میں بہت ہینڈسم ہوں مگر اب نظریں جھکا بھی لو سب تمہیں دیکھ کر ہنس رہے ہیں"
زراج نے سٹیج سے نیچے کھڑے لوگوں پر ایک نظر ڈال کر براہ راست دعا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ بنا یہاں وہاں دیکھے فوراً نظریں جھکا گئی تھی.

"مجھے تو آپ بڑے شرم و حیا کے لیکچر دیتی رہتی ہیں اور اب خود کیسے ارد گرد کی پرواہ کیے بغیر گھور رہی تھی زراج کو"
انیلہ بیگم اور شاہ میر ملک کے ساتھ ہی سٹیج پر آتے ہوئے نور نے شرارت سے کہا تھا

"نور میری طبعیت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے, پلیز تم مجھے کمرے میں لے جاؤ"

دعا نے دھیرے سے کہا تھا جس پر شاہ میر ملک اور زراج نے بھی فکرمندی سے اسکی جانب دیکھا تھا

"صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا بھوکے پیٹ رہو گی تو طبعیت تو خراب ہو گی نا"

شاہ میر ملک نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا

"ساجدہ خالہ پلیز یہاں آئیں ذرا آپ"

اس کے بعد انہوں نے ساجدہ اماں کو آواز دی تھی جو سٹیج کے پاس ہی کھڑی اقصیٰ سے باتیں کرنے میں مصروف تھی

"جی صاحب جی"

انہوں نے اوپر آتے ہوئے کہا

"فوٹو شوٹ تو ویسے بھی ہو چکا ہے اب دعا کو کمرے میں لیں جائیں اور اسے کچھ کھلائیں پلائیں صبح سے یہ بھوکے پیٹ گھوم رہی ہے"

انیلہ بیگم نے ان سے کہا تھا جنہوں نے فکرمندی سے دعا کو دیکھا تھا جو نظریں جھکائے اضطرابی کیفیت میں انگلیاں مروڑ رہی تھی اقصیٰ، ساجدہ اماں اور نور مل کر دعا کو واپس اس کے کمرے میں لیں آئیں تھیں نور نے تو اوپر آتے وقت اسفند کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لیے دعا کو اسکے

کمرے میں چھوڑنے کے بعد وہ بھاگتی ہوئی واپس نیچے گئی تھی جبکہ ساجدہ اماں دعا اور اقصیٰ کمرے میں ہی تھے مزید کچھ دیر گزرنے کے بعد اقصیٰ کا بھی موبائل بجا تھا اُسکا چھوٹا بھائی اسے لینے آیا تھا دعا سے ملنے اور کچھ دن بعد آنے کا وعدہ کرتی وہ بھی وہاں سے چلی گئی تھی.

زراج کو دعا کے دیکھنے کے انداز اور اسکے لہجے سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا اپنے شک کو دور کرنے کی غرض سے وہ سمرین بیگم اور انیلہ بیگم کے پاس آیا تھا جو میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھی باتیں کرنے میں مصروف تھی

"آنٹی وہ مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے"
زراج نے گلا کھنکھارتے ہوئے بات کا آغاز کیا

"جی بیٹا ضرور کیوں نہیں کہو جو کہنا ہے"
انیلہ بیگم نے نرمی سے کہتے ہوئے اسکا حوصلہ بڑھایا

"وہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اب نکاح تو ویسے بھی ہو چکا ہے میں ایک دفعہ دعا سے ملنا چاہتا ہوں"
زراج نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی اسے یقین تھا کہ انیلہ بیگم جیسی بولڈ اور ماڈرن خاتون اسے دعا سے ملنے سے کبھی انکار نہیں کرے گی اور وہی ہوا تھا انیلہ بیگم تو سنتے ہی خوشی سے نہال ہو گئی تھی۔

"ارے بیٹا کیوں نہیں تم جب چاہو اس سے مل سکتے ہو اب بیوی ہے تمہاری نکاح ہو چکا ہے تمہارا"
انیلہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا

"جی بہتر میں ابھی ملنا چاہتا ہوں دعا سے"
اُس نے کہا تھا جسے سنتے ہوئے انیلہ بیگم نے نور کو آواز دی تھی جو تیزی سے اس جانب بڑھ رہی تھی جہاں اسفندیار کھڑا تھا مگر اب انیلہ بیگم کے بلانے پر ماتھے پہ بل لیے ان کی جانب آئی تھی

"جی مام کیا بات ہے؟"
نور نے دور کھڑے اسفندیار پر نظریں جمائے انیلہ بیگم سے پوچھا تھا

"زراج کو دعا کے روم میں لے جاؤ یہ ملنا چاہتا ہے دعا سے"
انیلہ بیگم نے اس سے کہا

"اچھا چلو میں لے جاتی ہوں تمہیں"
دعا نے زراج سے کہا تھا جس پر انیلہ بیگم نے اسے غصے سے گھورا تھا

"یہ "تمہیں "کیا ہوتا ہے بہنوئی ہے تمہارا اب بھائی بولا کرو آئی سمجھ "

انہوں نے غصے سے نور کو گھورتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ بدمزہ ہوئی تھی

"کوئی بات نہیں آنٹی "

زراج نے مسکراتے ہوئے کہا

"جی سمجھ گئی چلیں زراج بھائی "

نور زبردستی مسکراتے ہوئے بولی تھی زراج کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیا تھا

گھر میں داخل ہوتے ہی زراج نے اسے دیکھا تھا جو عجلت میں اسکے آگے آگے چل رہی تھی.

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"نور"

زراج نے اسے پکارا

"جی"

اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے زراج کو دیکھتے ہوئے اس سے کہا تھا

"تم ذرا جلدی میں لگ رہی ہو مجھے صرف بتا دو میں یہاں سے خود چلا جاؤں گا"

زراج پورے گھر میں ایک نظر دوڑاتے ہوئے بولا تھا

"اچھا ایسا ہے تو یہاں سیڑھیوں سے اوپر جائیں لیفٹ سائیڈ پر دوسرے نمبر والا کمرہ دعا کا ہے"

نور نے اس سے کہا

"اوکے تھینکیو اب تم جا سکتی ہو میں خود چلا جاؤں گا"

زراج نے اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا اور خود سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ نور نے ایک بار پھر باہر کی جانب دوڑ لگا دی تھی.

دعا کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر زراج نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا جب اندر سے آتی دعا کی آواز نے اسے ہاتھ واپس پیچھے کھینچنے پر مجبور کر دیا جو کہ شاید رو کر ساجدہ اماں سے شکایت کر رہی تھی.

"اماں آپ ایسا کیسے کر سکتی ہے آپ نے مجھے یہ بتانا تک ضروری نہیں سمجھا کہ زراج اقبال وہی انسان ہے جو میڈیکل سٹور کے باہر مجھے میرا موبائل دینے آیا تھا جو کہ میں اندر بھول آئی تھی اگر مجھے پہلے بتا دیتی آپ تو میں اس شادی کے لیے کبھی "ہاں" نہیں کرتی"

اندر سے اسکی بھرائی ہوئی آواز آئی تھی جو باہر کھڑے زراج کو حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی تھی

"میں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا ہے جو محترمہ مجھ سے نکاح ہونے پر اتنا رونا دھونا مچا رہی ہے بلکہ میں نے تو اسکی مدد کی تھی موبائل صحیح سلامت اس تک پہنچا کر"

اس نے حیرانگی سے سوچا تھا اندر سے آتی ساجدہ اماں کی آواز نے اسکی سوچوں کے تسلسل کو توڑا تھا

"دعا گڑیا پہلی بات تو یہ کہ میں اب بوڑھی ہو چکی ہوں میری یاداشت اب اتنی تیز نہیں کہ زراج دیکھتے ہی پہچان لیتی اور دوسری بات یہ کہ اس میں کیا برائی ہے کہ وہ تمہیں تمہارا موبائل واپس کرنے آیا تھا بلکہ یہ تو اچھی بات ہے تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے کہ زراج ایک نیک اور ایماندار بچہ ہے"

ساجدہ اماں نے اسے ڈپٹا تھا

"اماں نیک اور شریف نہیں ایک نمبر کا چھچھورا بولیں یہ پارٹی والے دن سے ہی میرے پیچھے پڑا تھا اُس دن جب عابد انکل کے گھر پارٹی تھی اور مما مجھے زبردستی لیکر گئی تھی تو میں اس حصے کو جہاں سب موجود تھے چھوڑ کر دوسری سائیڈ پہ چلی گئی تھی وہاں کوئی بھی نہیں تھا بلکل سنسان جگہ تھی یہ وہاں بھی

میرا پیچھا کرتے ہوئے چھپ چھپ کر آیا تھا اور مجھے تو لگتا ہے کہ اس دن میڈیکل سٹور میں بھی یہ میرا پیچھا ہی کر رہا تھا مگر پھر میرا موبائل وہاں پڑا دیکھ کر واپس کرنے کے بہانے پہنچ گیا ہیرو بننے کی کوششوں میں"

وہ غصے سے بیڈ پر ڈھے جانے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی تھی مزید ضبط کرنا زراج کے لیے مشکل ہوا تھا جو وہ مٹھیاں بھینچے کمرے میں داخل ہوا تھا.

"السلام علیکم اماں!"

زراج نے انکو دیکھتے ہی سلام کیا تھا

"وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہو؟"

ساجدہ اماں نے ایک نظر دعا پر ڈال کر جواب دیا تھا جو زراج کے آتے ہی بوکھلا گئی تھی

"میں اللہ کا شکر بلکل ٹھیک ہوں آپ اپنی صحت کا بتائیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے آپکو؟"

زراج نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا تھا

"نہیں بیٹا اللہ پاک کا کرم ہے میں بلکل ٹھیک ہوں بس گھٹنوں میں درد رہتا ہے لیکن وہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اتنی عمر ہو گئی ہے میری اتنا درد تو ہو گا ہی نا"

ساجدہ اماں نے شفقت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجائے جواب دیا تھا

"اچھا مجھے کچھ ضروری کام کرنا تھا چلتی ہوں اب ورنہ بی بی جی پریشان ہو جائے گی"

ساجدہ اماں عجلت میں کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی دعا نے بہت کوشش کی تھی انہیں اشاروں کے ذریعے روکنے کی جسے اماں نے نظرانداز کر دیا تھا ان کے جانے کے بعد زراج قدم قدم چلتے ہوئے اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا تھا جو بیڈ کے پاس نظریں جھکائے کھڑی تھی اس کا دل اب پتے کی مانند لرز رہا تھا ایک ہی نظر زراج کو دیکھنے کے بعد اب اس میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ دوبارہ نظر اٹھا کر اسے دیکھ لیتی جو آنکھوں میں سرد تاثر لیے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے مقابل کھڑا تھا۔

"جی تو دعا بی بی کیا فرما رہی تھی آپ کچھ دیر پہلے اماں سے ذرا مجھے بھی بتانا پسند کریں گی آپ"

اسکے سجے سنورے حلیے کو دیکھتے ہوئے زراج کا دل بس ایک لمحے کو موم ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے پھر سے اپنے لہجے کو سخت کر لیا تھا

"چھچھورا ہوں میں ہاں یہی کہہ رہی تھی نا تم تو پھر بتانا پسند کرو گی مجھے کہ میں نے کتنی دفعہ اور کہاں کہاں چھچھورپن کے مظاہرے کیے ہیں میں کب کب تمہارے پیچھے پیچھے آیا ہوں اگر اس پارٹی والے دن میرے وہاں گارڈن میں آنے کی وجہ سے تم نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ میں تمہارا پیچھا کر رہا تھا تو یہ

بات بلکل غلط ہے بلکہ اُس دن تو اندھیرا ہونے کی وجہ سے مجھے یہ تک نہیں پتا تھا کہ وہاں پر کوئی لڑکی موجود ہے اور دوسری بات یہ کہ میں اپنی مما سے فون پر بات کرنے کے لیے اس سائیڈ پر آیا تھا کیونکہ دوسری جانب بہت شور تھا میرے لیے وہاں پر بات کرنا ممکن نہیں تھا اس بات کی گواہ تو تم خود بھی ہو کہ میں موبائل پر بات کر رہا تھا مما سے وہ تو جب میری تم پر نظر پڑی تو مجھے لگا تم کسی مصیبت میں ہو اور وہاں بیٹھی رو رہی ہو اس لیے میں نے تم سے وجہ پوچھ لی یہ سوچ کر کہ ہو سکے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں"

وہ سانس لینے کو رکا تھا جب دعا نے نظریں اٹھا کر اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا تھا

"اور دوسری دفعہ بھی میری تم سے ہونے والی ملاقات اتفاقیہ ہی تھی مجھے تو یہ تک نہیں پتا تھا کہ برقعے اور نقاب میں موجود لڑکی تم ہو وہ تو تمہاری آواز سے میں نے تمہیں پہچان لیا تھا بلکہ اتنا ہی نہیں مجھے تو تمہارا نام تک نہیں پتا تھا وہ تو جب اماں نے تمہیں تمہارے نام سے بلایا تھا تو اس وقت مجھے معلوم ہوا تھا کہ تمہارا نام "دعا" ہے

وہ اسکے مزید قریب ہوتے ہوئے بولا تھا جو ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ کر بلکل بیڈ کے ساتھ جڑ کر کھڑی ہو گئی تھی

لیکن

یہ بات بھی درست ہے کہ ہم دونوں کا رشتہ اتفاقیہ نہیں بلکہ میری پسند سے ہوا ہے

دعا نے ایک بار پھر جھکی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہا تھا

اسی دن پارٹی میں تم مجھے پسند آئی تھی اور میں نے مما سے تمہارے بارے میں بات کی حلانکہ مما نے مجھے کہا تھا کہ وہ میرے لیے لڑکی پسند کر چکی ہے مگر میں نے پھر بھی ان سے اپنے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے کو کہا یہ ایک حسین اتفاق ہی تھا کہ جس لڑکی کو عابد انکل کی پارٹی میں مما نے میرے لیے پسند کیا تھا اور جو لڑکی اُسی دن پارٹی میں مجھے پسند آئی تھی وہ دونوں ایک ہی تھی یعنی تم "دعا" یہ تو مجھے ان کے موبائل میں تمہاری تصویر دیکھ کر پتا چلا تھا۔

اپنی بات کے اختتام پر اب وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا جواب کی بار شرمندگی سے نظریں جھکا گئی تھی

"آخری بات تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں کوئی چھچھورا یا بدکردار انسان ہوتا تو تمہارے گھر رشتہ بھجوا کر تم سے نکاح جیسا پاکیزہ رشتہ قائم نا کرتا بلکہ تم سے منگنی کر کے دو چار مہینے تک اپنے ساتھ شاپنگ پہ لے جاتا ہوٹلنگ کرتا اور پھر دل بھر جانے کے بعد تمہیں چھوڑ دیتا مگر میں نے دل سے

تمہیں چاہا, تمہیں پسند کیا اس لیے تم سے جلد از جلد نکاح کر کے تمہارے ساتھ جائز رشتہ قائم کیا اب اس کے بعد بھی اگر تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو تو تمہیں سب کے سامنے کچھ بھی کہہ کر برا بننے کی ضرورت نہیں ہے کسی کے ذریعے مجھ تک پیغام پہنچا دینا میں خود اس رشتے کو یہی ختم کر دوں گا"
وہ بات ختم کرتے ہوئے بولا تھا جس کے آخری الفاظ پر دعا کو نئے سرے سے رونا آیا تھا

"نہیں, نہیں ایسی بات نہیں مجھے اپنی غلطی........."
ابھی وہ اپنی صفائی میں کچھ بولتی اس سے پہلے ہی زراج نے اسکی بات کاٹ کر کہا تھا

"اتنی جلدی نہیں ہے اچھی طرح سوچ لو اور سوچ سمجھ کر ہی مجھے جواب دینا میں نہیں چاہتا کہ تم جلد بازی میں اپنے لیے کوئی غلط فیصلہ کرو"
اسنے اب کی بار نرم لہجے میں کہا تھا اور پھر "اللہ حافظ" کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا اب تک مہمان بھی جا چکے تھے گھر تقریبا خالی ہو چکا تھا زراج کے آنے کے بعد سمرین بیگم اور شبیر اقبال بھی سب سے اجازت طلب کرتے وہاں سے چلے گئے تھے.

- -

رات کا وقت تھا سب کھانا کھانے کے بعد ہی آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے دوسری منزل پر موجود اس گولڈن اور وائٹ کلر کے کمبینیشن سے سجے کمرے کی کھڑکی

میں اس وقت دعا کھڑی آنکھوں میں دنیا جہاں کی اداسی لیے چاند کو گھور رہی تھی ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے وقتاً فوقتاً اس کے جسم سے ٹکرا رہے تھے پیچھے بیڈ پہ بیٹھی ساجدہ اماں تسبیح کے دانوں پہ کچھ پڑھتے ہوئے اس سے باتوں میں بھی مشغول تھی جس کا دماغ کسی اور ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا۔

"کل ہی دونوں چلتے ہیں پھر شاپنگ کرنے کے لیے تمہاری شادی کے لیے سب کچھ میں اپنی مرضی سے لوں گی بہت ارمان ہیں میری دل میں تمہاری شادی کے حوالے سے میں تو اُس دن کے انتظار میں ہوں جب تمہیں دلہن بنے دیکھوں گی....."

بیڈ سے اٹھ کر اسکے قریب آتے ہوئے ساجدہ اماں مسلسل بولے جا رہی تھی مگر دعا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹھک کر رکی تھی۔

"کیا ہوا دعا سب ٹھیک ہے نا؟"

اسکے کندھے پہ دھیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے ساجدہ اماں نے اس سے پوچھا تھا جو یک دم ہی سوچوں کے بھنور سے باہر نکلی تھی

"دعا مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ تمہارے اور زراج کے بیچ کی غلط فہمی دور ہو گئی نہ وہ بہت اچھا بچہ ہے اس نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ تم غلط فہمی کا شکار تھی کیا بات ہوئی تم دونوں کے بیچ بتاؤ مجھے کیونکہ میں شام

سے دیکھ رہی ہوں اُن لوگوں کے یہاں سے جانے کے بعد سے تم بہت اداس ہو کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا تم نے "

ساجدہ اماں نے اُسکا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے پوچھا جس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنے اور زراج کے درمیان ہوئی ساری گفتگو سے ساجدہ اماں کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔

"تم بلاوجہ ہی اتنی بدگمان ہو رہی تھی دعا میں اس وقت بھی تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر تم پہلے تو ضد کرتی نہیں ہو اور پھر جب ضد پہ آتی ہو تو اُس وقت تم سے اللہ ہی بچائے زراج ایک بہت اچھا اور نیک لڑکا ہے جسے اللہ نے تمہارے لیے چنا ہے اب اس سے معافی مانگ لینا اور اِس کے بعد مزید کوئی ایسی ویسی حرکت کر کے اسے خود سے بدگمان مت کر دینا "

ساجدہ اماں نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا جو منہ لٹکائے اداس سی کھڑی تھی

"اماں اب مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کیسے اُن سے بات کروں مجھے پتا ہے غلطی میری ہے اور میں معافی بھی مانگنا چاہتی ہوں ان سے مگر کیسے مانگوں "

اُس نے الجھتے ہوئے ساجدہ اماں سے پوچھا تھا جن کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھی

"اچھا اب رونا مت شروع کر دینا اس نے تمہیں ڈرانے کے لیے ہی رشتے کو ختم کرنے والی بات کہہ دی ہوگی وہ ایسا بلکل بھی نہیں ہے اب کل صبح ہوتے ہی ایک کام کرنا نور کے موبائل میں اُسکا نمبر ہوگا اس سے زراج کا نمبر لے کر اسے فون کرنا اور اپنی غلطی کی معافی مانگ لینا بات ختم اتنی چھوٹی سے بات ہے اور تم پتا نہیں کیا کیا سوچے جا رہی ہو"

ساجدہ اماں نے اسکی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا جس کا دل واقعی کافی حد مطمئن ہو چکا تھا

"اماں آپ نا ہوتی تو میرا کیا ہوتا"

ساجدہ اماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے وہ لاڈ سے بولی تھی

"کچھ نہیں ہوتا میری جان میری زندگی اور موت کا تو اب بھی کچھ نہیں پتا اتنی عمر ہو چکی ہے کسی بھی وقت میرا تم سے اور اس دنیا سے تعلق ٹوٹ سکتا ہے مگر اب میں بے حد مطمئن ہوں کیونکہ اب میں تمہیں اللہ کے بعد زراج جیسے نیک سیرت انسان کے حوالے کر چکی ہوں اب میں بے تمہاری طرف سے بے فکر ہو کر اپنے اللہ کے پاس جاؤں گی.

"نرم مسکراہٹ لبوں پر سجائے ساجدہ اماں نے کہا تھا جس ہر دعا کا دل ڈوب کر ابھرا تھا

"ایسی باتیں مت کریں اماں میری زندگی میں آپ کی کیا اہمیت ہے آپ سوچ بھی نہیں سکتی میں کبھی آپ سے الگ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی آپ کی یہی باتیں میرا دل دکھاتی ہے میں تو ہر نماز میں بھی آپ کی لمبی عمر کی دعائیں مانگتی ہوں کیونکہ آپ کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں"

دعا نے نم لہجے میں کہا تھا

"اچھا بابا نہیں کرتی اب اسطرح کی باتیں مگراب چلو مزید سوچنا چھوڑ دو اور جا کر سو جاؤ مجھے بھی نیند آرہی ہے میں بھی چلتی ہوں سونے دیکھو بارہ بج چکے ہیں"

ساجدہ اماں نے ایک نظر گھڑی پر ڈالتے ہوئے دعا سے کہا تھا

"اماں آپ آج یہی سو جائیں میرے کمرے میں پلیز"

دعا نے ان سے کہا تھا جو باہر کی جانب بڑھ رہی تھی مگراب رک کر واپس پیچھے مڑی تھی

"اچھا ٹھیک ہے آجاؤ بیڈ پہ اور سو جاؤ"

ساجدہ اماں بیڈ کے بائیں جانب لیٹتے ہوئے اس سے بولی تھی جو لائٹ آف کرتی خود بھی دوسری جانب آکر لیٹ گئی تھی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی.

....

www.urdunovelsmania.com

لوز شرٹ اور ٹراؤزر پہنے ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ بیڈ پہ کہنیوں کے بل اوندھی لیٹی تھی موبائل کی سکرین سے پھوٹتی روشنی اسکے خوبصورت چہرے کو چمکا رہی تھی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی ٹھوڑی تلے رکھے وہ سکرین کو ٹچ کرتے ہوئے واٹس ایپ پہ ماہم سے چیٹ کرنے میں مصروف تھی نیند تو آ نہیں رہی تھی اس لیے اس نے ماہم سے بات کرنے کا سوچا تھا جس نے اسے خوشخبری سنائی تھی کہ اُسکا رشتہ اُسکے چچازاد کے ساتھ طے ہوچکا ہے اور چند مہینے بعد دھوم دھام سے شادی ہے اسے مبارک باد دینے اور کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد ماہم نے الوداعی کلمات ادا کیے تھے اور اس کے بعد ماہم آفلائن ہوگئی تھی واٹس ایپ پر شو ہوتے کانٹیکس کو سکرول کرتے ہوئے وہ اسفندیار کی آئی ڈی پر آئی تھی اور انگلی سے سکرین کو ٹچ کرکے اسکی آئی ڈی کو آن کیا تھا جہاں آنلائن لکھا آرہا تھا آنکھوں کی بڑھتی چمک کے ساتھ شاطرانہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس نے میسج ٹائپ کرنا شروع کیا تھا۔

"ہیلو! ابھی تک جاگ رہے ہو خیریت؟"

نور نے میسج لکھتے ہی سینڈ کا بٹن دبایا تھا جو سیدھا اسفندیار کے موبائل پہ پہنچا تھا رات کے بارے بجے وہ بس سونے کی تیاری کر ہی رہا تھا جب اچانک سے موبائل کی سکرین چمکی تھی نوٹیفیکیشن آف کرتے ہوئے اس نے موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا تھا اور سکرین کو غور سے دیکھا تھا جہاں نور کا نام جگمگا رہا تھا ایک نظر گہری نیند سوئے کنول اور ارمان کو دیکھتے ہوئے اسفند نے جواب لکھنا شروع کیا تھا

"ہاں کوئی خاص وجہ نہیں بس نیند نہیں آرہی تھی"

اس نے جواباً میسج سینڈ کیا

"مجھے بھی نہیں آرہی کیونکہ میں رات کے اِس وقت دو دن پہلے تمہارے ساتھ کیے گئے لنچ کو مس کر رہی ہوں کیوں نا ہم کل پھر لنچ پر چلیں اسی جگہ, اسی ہوٹل میں"

نور نے دوسرا میسج سینڈ کیا تھا جسے پڑھتے ہی اسفند نے کنول کو ایسے دیکھا تھا جیسے وہ بھی نور کا میسج پڑھ چکی ہو مگر اسے سوتا پا کر اسفند نے گہری سانس خارج کی تھی

("نہیں یہ گہری نیند سو رہی ہے اور ویسے بھی ہم ایک ہی آفس میں کام کرتے ہیں تو بات کرنے میں کیا حرج ہے")

اسفند جس کا دل غداری پر اتر آیا تھا اس نے اپنے بھٹکتے ہوئے دل کو بہلایا تھا جو نور کے ظاہری حسن کا دیوانہ ہو چکا تھا

"یہ کوئی بڑی بات نہیں میں تمہیں کمپنی دینے کے لیے ہمیشہ حاضر ہوں کل ہی چلیں گے اُسی ہوٹل میں لنچ کے لیے"

اسفند نے دوسرے پیغام کا جواب بھیجا تھا جس پہ نور کو اپنے قدم کامیابی کی جانب بڑھتے دکھائی دے رہے تھے کیونکہ اس کے لیے اسفندیار کو اپنی جانب راغب کرنا زیادہ مشکل کام ثابت نہیں ہوا تھا

محض چند ہی دنوں میں وہ نور کے ساتھ بہت زیادہ فرینک ہوچکا تھا کبھی وہ دونوں آفس سے اکٹھے لنچ کے لیے جاتے تو کبھی کافی پینے یا آئسکریم کھانے ابھی بھی نور نے دو دن پہلے اس کے ساتھ کیے گئے لنچ کا تذکرہ کیا تھا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے تک ان کی گفتگو جاری تھی۔

"چلو پھر اگر ایسا ہے تو کل آفس میں ملاقات ہوگی اپنی بات پہ قائم رہنا" نور نے جواب دیا تھا وہ دونوں "آپ" سے "تم" پہ آچکے تھے

اوکے بائے اینڈ گڈ نائٹ"

دوسری جانب سے اسفند کا جواب آیا تھا موبائل بیڈ پر اچھالتے ہوئے وہ تکیے پر سر رکھتی چت لیٹ گئی تھی اور آنکھیں بند کرتے ہوئے اسفند کے خیالوں میں کھو گئی تھی.

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

....

شدید اضطرابی کیفیت میں دعا نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر ایک بار پھر گھڑی کی جانب دیکھا تھا جو ساڑھے بار بجنے کا پیغام دے رہی تھی آدھے گھنٹے سے وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھی مگر نیند تھی کہ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور بے چینی ایسی کے ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی مزید برداشت کرنا مشکل ہوا تھا جو وہ بیڈ سے اٹھ کر چپل پہنتی کھڑی ہوگئی تھی اور سوتی ہوئی ساجدہ اماں پر

ایک نظر ڈالتے ہوئے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہاں سے نکلتی نور کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی اُس کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر دعا نے دروازے پر دستک دی تھی پہلی ہی دستک پر وہ جو ابھی ابھی اسفند سے باتیں کرنے کے بعد آنکھیں بند کیے نیم غنودگی میں تھی مگر اب دروازہ بجنے کی آواز پر کسلمندی سے اٹھ بیٹھی تھی.

"کون ہے بھئی اتنی رات کو؟"

غصے سے تکیہ اٹھا کر دور اچھالتے ہوئے نور نے پوچھا

"نور میں ہوں پلیز دروازہ کھولو"

دوسری جانب سے دعا نے بھینچی ہوئی آواز میں کہا تھا جس پر نور دونوں ہاتھوں سے بکھرے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بناتی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی جانب بڑھ گئی.

"اب اتنی رات کو ایسی بھی کیا آفت آپڑی ہے جو ساڑھے بارہ بجے آپ میرے کمرے میں تشریف لے آئی ہیں"

نور نے دعا سے کہا تھا جو بات کرنے کے لیے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دے رہی تھی

www.urdunovelsmania.com

"نور وہ بات یہ ہے کہ میں تم سے زراج کا نمبر مانگنے آئی تھی وہ تمہارے دوست ہیں نا تو اُنکا نمبر بھی تمہارے پاس ہو گا پلیز تم مجھے دے دو اُنکا نمبر"

دعا نے جلدی سے اپنی بات مکمل کر کے اسے دیکھا تھا جو آنکھوں میں شرارت اور لبوں پہ مسکراہٹ لیے دعا کو ہی دیکھ رہی تھی

"کیا ہے اب ایسے کیوں دیکھ رہی ہو وقت ضائع مت کرو میرا دینا ہے تو دے دو نہیں تو میں جا رہی ہوں"

اسے خود کو شرارتی نظروں سے دیکھتا پا کر دعا نے غصے و ناراضگی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ بولتے ہوئے وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی

"اچھا اچھا رکیں دیتی ہوں، مت جائیں"

نور نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر روکا تھا جو ماتھے پہ بل لیے وہاں سے جا رہی تھی مگر اب اسکے روکنے پہ رک گئی تھی

"اپنا موبائل اٹھا کر نور نے اسے زراج کا نمبر بولا تھا جسے دعا نے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا تھا

"ویسے ایک بات تو بتاتی جائیں کہ ایسی بھی کون سی بات ہے جو آپ کو رات کہ ساڑھے بارہ بجے کرنی ہے زراج بھائی سے"

دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے وہ آنکھیں گھماتی شرارتی لہجے میں پوچھ رہی تھی

"تمہیں بتانا میں ضروری نہیں سمجھتی اس لیے پوچھنے کی زحمت مت کرو"

دعا نے تڑخ کر جواب دیا تھا اور ایک بار پھر دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی

"مجھے تو بڑے لیکچر دیتی رہتی ہیں خود بھی کبھی عمل کر لیا کریں"

دروازے سے نکلتے ہی اس کے کانوں میں نور کی طنزیہ آواز آئی تھی جو دروازہ بند کرتے ہوئے اسے ہی سنا رہی تھی

"ادھر میری بات سنو ذرا باہر آؤ، میرا نکاح ہو چکا ہے زراج سے اب وہ میرے محرم ہیں تبھی بات کر رہی ہوں تمہاری طرح نہیں ہوں بدتمیز نہیں ہوں"

واپس دروازے کی طرف مڑتے ہوئے اس نے غصے سے کہا تھا مگر دوسری جانب وہ دعا کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتے ہوئے دروازہ بند کرتی واپس سونے کے لیے لیٹ چکی تھی اور اب دعا بھی ہاتھ میں موبائل پکڑے غصے سے پیر پٹختی اپنے کمرے میں آئی تھی اندر داخل

ہوتے ہی اس نے ساجدہ اماں پر ایک نظر ڈال کر دھیرے سے دروازہ بند کیا تھا اور پھر کمرے سے ملحقہ ٹیرس پر آگئی تھی۔

....

رات کا ایک بج چکا تھا لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر زراج نے دیوار پہ موجود گھڑی کو دیکھا تھا اور پھر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے لیپ ٹاپ کو بند کر کے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا کچھ دیر تک تو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ سوچوں میں گھرا ایک ہی پوزیشن میں لیٹا رہا مگر پھر تنگ آ کر وہ وارڈروب سے اپنے لیے نائٹ شرٹ اور ٹراؤزر نکالتے ہوئے شاور لینے کی نیت سے باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

آج صبح وہ جتنے اچھے موڈ میں تھا اب اس کا موڈ اتنا ہی خراب ہو چکا تھا اُسے دعا سے اپنے بارے میں اس قسم کے خیالات اور ایسی باتوں کی امید ہرگز نہیں تھی اس نے تو دعا کو سچے دل سے چاہا تھا تبھی عزت و احترام کے ساتھ بڑوں کی باہمی مشاورت سے رشتہ طے ہوا تھا اور آج نکاح بھی، مگر دعا کی باتوں نے کہیں نا کہیں زراج کے دل کو بہت تکلیف پہنچائی تھی اس سب کے باوجود زراج کو خدشہ اس بات کا تھا کہ کہیں واقعی وہ اس رشتے کے لیے انکار کر کے طلاق کا مطالبہ نا کر دے زراج اُس وقت تو بڑے دھڑلے سے دعا سے کہہ کر آ گیا تھا کہ اگر وہ یہ رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتی تو زراج اس پہ کوئی بھی الزام لگائے بغیر اس رشتے کو خود ہی ختم کر کے سارا الزام اپنے سر لے لے گا مگر اب اُس کے جواب کا انتظار کرتے ہوئے زراج کے اپنے دل میں یہی ڈر کنڈلی مارے بیٹھا تھا کہ کہیں دعا سچ

میں انکار نا کر دے اتنی مشکلوں اور اتنی دعاؤں کے بعد تو وہ اسے ملی تھی مگر اب اس کی ایک غلط فہمی کی وجہ سے زراج یہ رشتہ ہر گز نہیں ختم کرنا چاہتا تھا۔

تولیہ سے گیلے بالوں کو رگڑتے ہوئے وہ باتھ روم سے نکلا تھا اور ایک نظر شیشے میں اپنے عکس پر ڈال وہ ٹیرس پر آیا تھا اور گرل پر تولیہ پھیلا دیا تھا کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں آیا تھا آفس کا کام تو ابھی کافی رہتا تھا مگر اس وقت اُسکا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ لیٹ گیا تھا اور اپنے دماغ کو پر سکون کرنے کے لیے آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

....

موبائل ہاتھ میں پکڑے ٹیرس پر چکر کاٹتے ہوئے وہ پہلے تو کافی دیر تک اسی شش و پنج میں مبتلا تھی کہ اتنی رات میں اسے زراج کو فون کرنا چاہیئے یا نہیں مگر بلآخر ساری ہمت مجتمع کرتے ہوئے اس نے موبائل میں موجود زراج کا نمبر ملایا تھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے واٹس ایپ پہ ایک میسج ٹائپ کیا تھا مگر جھنجلا کر اسے واپس ڈیلیٹ کر دیا تھا کچھ دیر مزید سوچنے کے بعد اس نے واٹس پر ہی اسے کال کی تھی جیسے جیسے کال جا رہی تھی ویسے ویسے دعا کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو رہی تھی مگر اسے پتا تھا کہ جب تک وہ اپنی غلطی مان کر اس سے معافی نہیں مانگے گی تب تک اُسے نیند بھی نہیں آئے گی۔

دوسری جانب وہ جو آنکھوں پہ بازو رکھے بیڈ پر نیم دراز تھا اب موبائل بجنے پہ اٹھ بیٹھا تھا اور حیرت سے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے موبائل کو ہاتھ میں اٹھایا تھا جس کی سکرین پر کوئی انجان نمبر جگمگا رہا تھا.

"یہ اتنی رات میں کون فون کر رہا ہے"

زیرلب بولتے ہوئے زراج نے موبائل کو کون کے ساتھ لگا کر "ہیلو" کہا تھا مگر دوسری جانب سے جواب ندارد.

"زراج کے ہیلو کہنے کی آواز دعا کے کان میں پڑ چکی تھی مگر اسکی اپنی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی"

"ہیلو کون ہیں بھئی اگر بات نہیں کرنی تو میں بند کر رہا ہوں"

کب سے "ہیلو ہیلو" کرنے کے بعد اب کی بار زراج نے تپے ہوئے لہجے میں کہا تھا جب دوسری جانب سے فوراً آواز سنائی دی تھی

"نہیں پلیز بند مت کیجئیے گا"

وہ جو کال کاٹنے ہی والا تھا سپیکر سے ابھرتی نسوانی آواز پر ایک دم رک گیا تھا اس آواز کو تو وہ اب ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا مگر پھر بھی انجان بنتے ہوئے پوچھا

"آپ کون ؟"

بولتے ہوئے وہ بھی بیڈ سے اٹھتا ٹیرس پر آچکا تھا

"میں دعا بات کررہی ہوں آپ سے کچھ بات کرنی ہے"

دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے اس نے جواب دیا

"ویسے کیا اتنی ضروری بات تھی جو آپ کو رات کے ایک بجے فون کرنا پڑا"

مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے زراج نے پیچھے مڑ کر گھڑی پر ایک نظر ڈال کر کہا تھا جہاں پورے ایک بجے کا وقت تھا

"اگر آپ کو برا لگا تو میں بند کر دیتی ہوں کل کرلوں گی فون اللہ حافظ!"

دعا اسکے لہجے میں چھپی شوخی کو محسوس کر چکی تھی تبھی غصے سے کہا تھا مگر دوسری جانب موجود ہستی نے اسے موبائل بند نہیں کرنے دیا تھا

"سوری میں مذاق کر رہا تھا تم کر سکتی ہو بات میں سن رہا ہوں"

زراج نے فوراً سنجیدگی سے کہا تھا

"وہ اصل میں ,میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی اسی لیے میں نے فون کیا ہے اتنی رات کو,مجھے پتا ہے میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے اوراس بات پر میں شرمندہ ہوں مجھے آپ کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی اب جب تک میں آپ سے معافی نہیں مانگ لیتی مجھے نیند نہیں آتی ساری رات ایسے ہی جاگتے گزر جاتی لہذا میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں "آئی ایم سوری "مجھے معاف کر دیں"

ایک ہی سانس میں بولتے ہوئے اس نے اپنی بات مکمل کی تھی دوسری جانب زراج کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اسکی سچائی نے زراج کو مزید متاثر کیا تھا اور سب سے زیادہ اس بات نے کہ دعا نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اتنی جلدی معافی بھی مانگ لی مگر ان سب کے باوجود وہ اسے تنگ کرنے کی غرض سے بولا تھا

"اور اگر میں معاف نا کروں تو"

زراج نے موبائل کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے پوچھا

"ایسا کیوں بھلا, غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں یقیناً آپ سے بھی ہوتی ہوگی مگر اگلے بندے کو چاہیئے کہ اگر کوئی شخص اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ رہا ہے تو اسے معاف کر دے مجھ سے بھی غلطی ہوئی ظاہر ہے میں بھی ایک انسان ہوں کوئی فرشتہ تو نہیں آپ کو چاہیئے کہ میری معافی کو قبول کر کے مجھے معاف کر دے"

دعا نے تیز لہجے میں اسے جواب دیا تھا جو لبوں پہ ملائم مسکراہٹ سجائے سن رہا تھا

"ہممم صحیح کہہ رہی ہو تم ,میں تمہاری معذرت کو قبول کر کے تمہیں معاف کر رہا ہوں مگر ہمارے رشتے کے بارے میں کیا سوچا تم نے اگر تم ابھی بھی طلاق چاہتی ہو تو میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا میں آپ سے معافی مانگ رہی ہوں اور آپ پھر وہی طلاق کی بات کر رہے ہیں اگر مجھے طلاق لینی ہوتی تو پھر میں آپ سے اپنی غلطی کی معافی کیوں مانگتی کیا آپ کے لیے نکاح کرنا اور پھر طلاق دے دینا اتنا آسان ہے کل بھی میرے معافی مانگنے سے پہلے ہی آپ نے اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کی جسے قائم ہوئے ابھی ایک دن بھی مکمل نہیں ہوا اور اب پھر آپ وہی بات کر رہے ہیں اب آپ کو جو کرنا ہے کریں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا"

زاروقطار روتے ہوئے اُسنے اپنے دل کی بڑھاس نکالی تھی جبکہ دوسری جانب اسکی باتیں اور رونے کی آواز سن کر زراج کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے اسے تو خواب میں بھی دعا کی جانب سے اس قدر خطرناک ردعمل کی امید امید نہیں تھی بلکہ زراج نے تو محض اسے تنگ کرنے کی لیے ایک چھوٹے سے مذاق کے طور پر یہ بات کہی تھی مگر اُس وقت زراج کو یہ نہیں پتا تھا کہ دعا کس قدر حساس لڑکی ہے۔

"دعا, دعا پلیز میری بات سنو تم رونا تو بند کرو میں صرف مذاق کر رہا تھا معاف کر دو بھئی"

اپنے کیے گئے مذاق پر لعنت بھیجتے ہوئے زراج نے معافی مانگتے ہوئے اس سے کہا تھا جو بنا کچھ ہنوز سوں سوں کر رہی تھی.

"ایک تو تم بات بات پہ رونا شروع کر دیتی ہو اگر ایسے ہی چلتا رہا تو پھر ہمارا گزارا مشکل ہو جائے گا کیونکہ مجھے زیادہ رونے والی لڑکیاں بلکل بھی نہیں پسند"

اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے زراج نے ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہا تھا

"ہاں تو, میں نے آپ سے نہیں کہا تھا مجھ سے شادی کرنے کے لیے جیسی لڑکیاں پسند ہیں آپ کو انہی میں سے ایک سے کر لیتے اور بس میں نے معافی مانگنے کے لیے فون کیا تھا اب میں بند کر رہی ہوں اللہ حافظ!"

دعا نے خفگی سے کہا تھا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اچھا ایک منٹ ایک بات تو بتاؤ"

زراج نے ایک بار پھر اسے ٹوکا تھا

"جی پوچھیں"

دعا نے سوالیہ لہجے میں کہا

"اب ہمارا نکاح تو ویسے بھی ہو چکا ہے اور پھر ہماری صلاح بھی ہو گئی ہے جھگڑا و گڑا ختم ہو گیا ہے, تو جب تک میں لندن نہیں چلا جاتا تم سے ملنے تو آ سکتا ہوں نا تمہارے گھر"

زراج نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا تھا

"نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں آنے کی بلکہ آپ گھر آنے کی بات کر رہے ہیں میں تو ابھی آپ کا نمبر بھی بلاک کرنے والی ہوں"

دعا نے بھی اب کی بار اُسی کی طرح شوخ لہجے میں جواب دیا تھا جس کو زراج اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا, کہ مذاق کر رہی ہے تبھی زراج نے کہا

"اچھا ٹھیک ہے پھر اس کا حل بھی میرے پاس موجود ہے ایک کام کرتا ہوں کل ہی ما سے رخصتی کی بات کرتا ہوں "کہ میرے لندن جانے سے پہلے ہی تمہیں میرے ساتھ رخصت کر دیں" اچھا ہے تم بھی میرے ساتھ چلی جاؤ گی لندن دونوں مل کر انجوائے کریں گے"

زراج نے کہا

"نہیں, نہیں دیکھیں آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے, بلکہ میں تو مذاق کر رہی تھی آپ آ سکتے ہیں مگر کبھی کبھی"

اس کے فوراً مان جانے پر زراج قہقہہ لگا ہنسا تھا

"ٹھیک ہے کبھی کبھی ہی آؤں گا تمہارے حکم کے مطابق"

اور ہاں مجھے تو اب یاد آیا ہے اماں کیسی ہیں کیا سوچ چکی ہیں ؟"

یاد آنے پر زراج نے ساجدہ اماں کا پوچھا تھا

"جی وہ بلکل ٹھیک ہیں اللہ کا شکر ہے اور کب کی سو چکی ہیں"

دعا نے جواباً کہا

"ویسے میں نے نوٹ کیا ہے کہ اپنے گھر میں سب سے زیادہ محبت تمہیں اماں سے ہے"

ٹیرس پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگاتے ہوئے زراج نے کہا تھا جس پر دعا مسکرائی تھی

"جی بلکل صحیح کہا آپ نے مجھے ساجدہ اماں سے واقعی بہت بہت محبت ہے کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں مجھے سنبھالا ہے جب میری سگی ماں کو بھی میری پرواہ نہیں تھی اُس وقت ساجدہ اماں ہی تھیں جنھوں نے مجھے ماں کا پیار دیا صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنا سکھایا مجھے اپنی سگی اولاد جیسے ہی محبت دی..........

زراج کے ایک سوال پوچھنے پر اب دوسری جانب سے وہ شروع ہو چکی تھی, وہ بولتی جارہی تھی جبکہ دوسری جانب اسکی آواز کے سحر میں گم زراج لبوں پہ مسکراہٹ لیے اسے سننے میں مصروف تھا دعا جیسے ہی ایک بات ختم کرتی جان بوجھ کر زراج اس سے دوسرا سوال پوچھ بیٹھتا.جس پر وہ ایک بار پھر نان سٹاپ شروع ہو جاتی اب تک تو وہ زراج کو اپنے بچپن کے کئی قصے بھی سنا چکی تھی جسے اُس نے بڑے غور سے سنا تھا باتوں میں گم ہوش میں, تو وہ تب آئی تھی جب اچانک اسکی نظر سامنے کمرے میں دیوار پہ موجود گھڑی پر گئی تھی جو چیخ چیخ کر صبح کے چار بجنے کا پیغام دے رہی تھی اس پر نظر پڑتے ہی دعا کی فل سپیڈ سے چلتی زبان کو بریک لگا تھا

"پھر آگے کیا ہوا؟ اور تم خاموش کیوں ہو گئی ہو؟"

زراج کو اسکی خاموشی سے اندازہ ہو چکا تھا کہ دعا کو اب جا کر وقت کا اندازہ ہوا ہے تبھی دھیرے سے ہنستے ہوئے پوچھا تھا

"میں اتنی دیر سے بولتی رہی تھی بولتے بولتے ایک سے چار بج چکے ہے آپ نے بھی مجھے نہیں روکا"

دعا نے پشیمان لہجے میں اس سے کہا تھا

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"میں کیوں روکتا بلکہ میں تو خود ہی تم سے ہر بار ایک نیا سوال پوچھتا تاکہ تم موبائل بند نا کردو اور تمہیں پتا ہے ہمارے بیچ ہونے والی یہ دوسری لمبی گفتگو تھی"

زراج نے مسکراتے ہوئے کہا

"اچھا پہلی کون سی تھی ؟"

دعا نے پوچھا

"پہلی تفصیلی گفتگو ہمارے درمیان کل شام کو ہوئی تھی بس فرق صرف اتنا ہے کہ کل میں بول رہا تھا اور تم سن رہی تھی اور آج تم بول رہی تھی اور میں سن رہا تھا"

زراج نے اسکی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا

"جی یاد آیا"

ابھی اسنے کہا ہی تھا کہ دور کہیں مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی تھی

"اذان ہو رہی ہے اب سونے کا وقت تو نہیں اسلیے میں جا رہی ہوں اماں کو جگانے اور خود بھی نماز پڑھنے پھر بات ہوگی اللہ حافظ!"

یہ کہتے ہوئے اسنے الوداعی کلمات ادا کیے تھے. جس پر زراج نے بھی دوسری جانب سے اللہ حافظ کہا تھا اور اسکے بعد لائن کٹ گئی تھی.

"موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ خوشی سے نہال ٹیرس پر کھڑی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسکے جسم کو چھو کر گزر رہے تھے

"کیا چاہے جانے کا احساس اس قدر حسین ہوتا ہے"
یہ سوچ ذہن میں آتے ہی اسکے گلابی لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے ٹیرس پر کھڑی اب وہ نا چاہتے ہوئے بھی زراج کے خیالوں میں کھو چکی تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

گرمی کی اس تپتی دوپہر میں سورج کی تیز شعاعوں نے پورے شہر کے ساتھ ساتھ اس بلند و بالا بلڈنگ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جس کے اوپر جلی حروف میں "لیدر ایکسپرٹس" (leather experts) لکھا ہوا تھا اِسی چار منزلہ بلڈنگ کی تیسری منزل پر واقع آفس کی کھڑکیوں سے جھانک کر دیکھے تو اے سی کی خنکی اور مردانہ پرفیوم کی خوشبو نے کمرے کی فضا کو معطر کر رکھا تھا میز کے ایک طرف موجود ریوالونگ چیئر پر اس وقت لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جمائے اسفندیار بیٹھا ہوا تھا. جس کے ایک طرف رنگ برنگی فائلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا تو دوسری جانب میز پر اسکا موبائل پڑا تھا وہ گاہے

بگاہے ایک نظرا پنے موبائل پر بھی ڈال لیتا لیپ ٹاپ کی سکرین کو گھورتے ہوئے وہ کچھ پڑھنے میں مصروف تھا جب کسی نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔

"کم اِن"

لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں جمائے اسفندیار نے دستک دینے والے انسان کو اندر آنے کی اجازت دی تھی آفس کا وہ "ایمپلائے سراج الدین" دونوں ہاتھوں میں مزید کچھ فائلز تھامے ابھی کمرے میں داخل ہی ہوا تھا جب اسفندیار کا موبائل بجا تھا موبائل پر نظر پڑتے ہی جہاں اسکی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا تھا تو وہی پر لبوں پہ خوبصورت مسکراہٹ نے بسیرا کیا تھا ہاتھ کے اشارے سے سراج الدین کو انتظار کا کہتے ہوئے اسفند نے اسے واپس باہر جانے کا اشارہ کیا تھا اور پھر اسنے موبائل اٹھاتے ہوئے سکرین کو انگلی سے چھو کر اسے کان کے ساتھ لگایا تھا۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"ہیلو"

اسفند نے کہا

"تو پھر کیا خیال ہے مسٹر اسفند ارادہ بدل تو نہیں گیا آپ کا"

سپیکر سے ابھرتی اس نسوانی کھنکھناتی آواز پر اسفند دھیرے سے ہنسا تھا

"بلکل بھی نہیں بلکہ میں تو آپ کے انتظار میں بیٹھا یہاں خوار ہو رہا ہوں"

اسفند نے جواب دیا تھا

"اچھا واقعی پھر تو تمہیں مزید کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا کیونکہ میں ابھی تیار نہیں ہوں بس صرف یہ جاننے کے لیے فون کیا ہے کہ کہیں موصوف نے اپنا ارادہ نا بدل لیا ہو"
کمرے میں کھڑکی کے پاس کھڑی نور نے بالوں کی لٹ کو شہادت کی انگلی پہ لپیٹتے ہوئے کہا تھا

"تمہیں کیا میں بیوقوف نظر آتا ہوں جو تمہیں انکار کروں گا بلکہ میں تو تمہارا انتظار کر رہا ہوں کہ کب آؤ گی, ویسے آپس کی بات ہے تمہیں تیار ہونے کی بلکل بھی ضرورت نہیں ہے کسی بھی بناوٹ کے بغیر ہی تم بے حد حسین ہو"
اسفند کا یہ لہجہ نور کے لیے نیا ضرور تھا مگر حیران کن ہر گز نہیں کیونکہ اسے پتا تھا کہ اسفند جیسے انسان کو قابو کیسے کرنا ہے اور وہ اس کوشش میں اپنی سوچ سے بھی جلد کامیاب ہو چکی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے اسفند میں آج ڈیڈ کے آفس نہیں گئی گھر پر ہی ہوں تم اسی فائیو سٹار ہوٹل پہنچو میں بھی وہی پہنچتی ہوں"
اس نے کہا تھا

"جو حکم آپ کا"

دوسری جانب سے ملنے والے جواب پر وہ قہقہہ لگا کر ہنستی موبائل بند کر گئی تھی اور پھر اپنے لیے کپڑے نکلانے کی غرض سے وارڈروب کی جانب بڑھ گئی تھی۔

....

اسفند کی گاڑی پوری رفتار کے ساتھ سڑک پر پھسل رہی تھی ہر تھوڑی دیر بعد وہ ایک نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر بھی ڈال لیتا عجلت میں گاڑی چلاتے ہوئے وہ گھر پہنچا تھا پورچ میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد وہ جونہی فرنٹ سیٹھ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اسکی نظر سیدھی ارمان پہ گئی تھی جو اپنی چھوٹی چھوٹی سی گاڑیاں ایک ٹوکری میں رکھے گھر کے داخلی دروازے سے باہر کھیلنے کے لیے شاید پورچ میں ہی آرہا تھا مگر اب اسفند پر نظر پڑتے ہی وہ بھاگتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔

"بابا آج آپ جلدی آ گئے"

کھلونے نیچے پھینکتے ہوئے وہ اسکی گود میں چڑھ گیا تھا

"ارمان باہر گرمی ہے اندر آجاؤ......"

کنول ارمان کو اندر لے جانے کے لیے اسکے پیچھے ہی آئی تھی مگر اب اسفند کو بھی وہی کھڑے دیکھ کر ان دونوں کے پاس آگئی تھی

"اسفند آپ آج جلدی آ گئے ہیں خیریت"
سوالیہ لہجے میں بولتے ہوئے کنول نے کہا

"کیا جلدی گھر آنے کے لیے خیریت ناہونا ضروری ہے , میرا کام آج جلدی ختم ہو گیا تو میں جلدی آگیا ہوں اور میں جب تھکا ہوا آؤں باہر سے تو برائے مہربانی اس قسم کے فضول سوالات پوچھ کر میرا دماغ خراب مت کیا کروں"
غصے سے کنول کو گھورتے ہوئے اس نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا تھا اسکے بلاوجہ کے غصے اور اس قسم کے لہجے میں بات کرنے پر کنول دنگ رہ گئی تھی وہ اسفند کو جواب دینا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی اسکی نظر ارمان پر گئی تھی جو سہما سہما کبھی ماں کو دیکھتا تو کبھی باپ کو.

"سوری میرا وہ مطلب نہیں تھا مجھے نہیں پتا تھا آپ کو اتنا برا لگ جائے گا خیر آئی ایم سوری اب اندر چل کر فریش ہو جائیں تب تک میں کھانا تیار کر لیتی ہوں"
اپنے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے کنول نے اسکی گود سے ارمان کو لیتے ہوئے کہا

"نو مما آپ کھانا نا بنائیں ہم آج پھر باہر کھانے چلیں گے ویسے بھی بابا کا کام تو ہو چکا ہے وہ اب فری ہے ہیں نا بابا"
ان کے اندر جانے سے پہلے ہی اب ارمان نئی ضد پکڑ کر بیٹھ گیا تھا

"نہیں ارمان بیٹا مجھے آج اپنے ایک دوست کے ساتھ لنچ کے لیے جانا ہے ہم سب ڈنر کے لیے پھر کبھی چلیں گے اوکے میری جان"
اسفند نے اسے بہلاتے ہوئے کہا جس کی آنکھیں لبالب نمکین پانیوں سے بھر چکی تھی اور وہ یک دم ہی سسکیوں سمیت رونا شروع کر چکا تھا

"ارمان رو رہے ہو بتایا تو ہے کل چلیں گے آج مجھے اپنے ایک فرینڈ کے ساتھ جانا ہے"
اسفند نے اپنے بے اختیار آنے والے غصے پر بڑی مشکل سے قابو پاتے ہوئے اس سے کہا جو چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا

"آپ اپنے فرینڈ کے ساتھ کل چلیں جائیں آج, آج آپ ان سے کہیں کہ آپ ارمان کے ساتھ لنچ کریں گے وہ مان جائیں گے"
سسکیوں کے درمیان ہی وہ معصومیت سے بولا تھا

"اسفند پلیز مان جائیں اسکی بات ایک ہی دن کی تو بات ہے اور صبح سے اسے بخار ہے پہلے بہت تیز تھا مگر اب میں نے اسے دوا پلائی ہے تو کم ہوا ہے بخار کی وجہ سے ہی اسکی طبعیت میں چڑاچڑا پن آیا ہے ایسے ہی ضدیں کر رہا ہے یہ صبح سے اب اگر مزید روئے گا تو اسکی طبعیت اور خراب ہو جائے گی آپ پلیز اپنے فرینڈ سے آج کے لیے ایکسکیوز کر لیں"

ارمان کی کمر سہلاتے ہوئے کنول نے اسفند سے کہا تھا جبکہ وہ اب باپ سے ناراض ماں کے کندھے پر سر رکھے ہوئے تھا

"تم نے اسے کچھ زیادہ ہی سر پہ چڑھا لیا ہے اب جاؤ دونوں جا کر تیار ہو جاؤ پندرہ منٹ کا وقت ہے تم دونوں کے پاس اس سے زیادہ نہیں"

غصے سے بولتے ہوئے اسفند نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے جبکہ ارمان نے ان کی پشت کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پھر ماں کی جانب دیکھا تھا

مما بابا کو کیا ہو گیا ہے اتنا غصہ کیوں کر رہے ہیں پہلے تو ایسے نہیں تھے"

سوالیہ نظروں سے کنول کو دیکھتے ہوئے ارمان نے سوال پوچھا تھا جس کا جواب خود کنول کے پاس بھی نہیں تھا

"پتا نہیں میری جان"

اس نے افسردگی سے جواب دیا

وہ کئی دن سے اسفند کے تلخ رویے کو ملاحظہ کر رہی تھی مگر اس نے یہی سوچ کر اسفند سے کچھ نہیں کہا کیونکہ اسے لگ رہا تھا کہ شاید ایک اور فیکٹری کے آغاز کی وجہ سے اسفند پہ کام کا بوجھ بہت زیادہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ گھر آتے آتے تھک جاتا ہے اور پھر چڑچڑے پن کا شکار ہو جاتا ہے لیکن اب ارمان کے سامنے اسکے کرخت لہجے کو محسوس کرتے ہوئے کنول نے اس سے بعد میں بات کرنے کا سوچا تھا مگر اس وقت وہ ذہن سے سب خیالات جھٹکتی تیار ہونے کے لیے گھر کے اندر چلی گئی۔

....

نور گرے کلر کا نفیس سا فراک پہنے لمبے سلکی بالوں کو کھلا چھوڑے اور ہلکا سا میک اپ مکمل تیار تھی اپنے ہاتھ میں پکڑا موبائل پرس میں رکھتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھی اور خود ہی گاڑی چلاتے ہوئے اس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گئی جہاں آج اس نے اور اسفند نے لنچ کرنا تھا

....

"اوہ میرے اللہ میں نور کو تو میسج کرنا ہی بھول گیا کہ میں آج نہیں آسکوں گا اب اگر وہ بھی اسی ہوٹل میں پہنچ گئی اور مجھے کنول اور ارمان کے ساتھ دیکھ لیا تو پھر"

آنکھوں پہ سن گلاسز لگائے اسفند بھی گاڑی چلانے میں مصروف تھا جب اسے اچانک نور کا خیال آیا تھا وہ تو واقعی ہی نور کو آج ہوٹل آنے کے لیے منع کرنا ہی بھول گیا تھا اب یہ سوچ ذہن میں آتے ہی اس نے پینٹ کی جیب سے موبائل نکالا تھا اور نور کا نمبر ملایا تھا کافی دیر تک بیل جاتی رہی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا کیونکہ ایک تو اس وقت نور کا موبائل پرس میں تھا اور دوسرا تھا بھی سائلنٹ پہ اور اوپر سے ہوٹل پہنچنے کی جلدی میں اسے موبائل کا کوئی ہوش نہیں تھا وہ تو بس جلد از جلد اسفند سے ملاقات کے لیے ہوٹل پہنچنا چاہتی تھی۔

....

"ارمان بیٹا آج ہم کسی اور ہوٹل جائیں گے لنچ کے لیے ہر بار ہم اُسی ہوٹل جاتے ہیں اب ذرا چینجنگ بھی تو آنی چاہیئے نا"

اسفند نے فرنٹ پر کنول کی گود میں بیٹھے ارمان سے کہا جو گاڑی کے شیشے سے باہر کے مناظر دیکھنے میں مصروف تھا

"نہیں, نہیں, نہیں ہم اسی ہوٹل میں جائیں گے بابا وہ میرا فیورٹ ہوٹل ہے میں اور کہیں نہیں جاؤں گا"

ارمان نے ضدی انداز میں کہا تھا جس پر اسفند کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے وہ اس میں اس لیے نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ نور بھی وہی آنے والی تھی اسفند نے ارمان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اپنی ضد پہ قائم ارمان نے باپ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا بلآخر اسفند اُس کی ضد کے آگے مجبوراُ سے اُسی ہوٹل میں لے آیا تھا جہاں وہ, کنول اور ارمان ہمیشہ سے جاتے تھے۔

....

کھانا سرو ہو چکا تھا ارمان پلیٹ میں تھوڑی سی بریانی ڈالے اسے کھانے میں مصروف تھا کنول بھی اس سے باتیں کرتی ساتھ ساتھ کھا رہی تھی مگر اسفند بار بار بے چینی سے ہوٹل کے داخلی دروازے کی جانب دیکھتا۔

"سر پلیز سر مجھے ایک موقع دے دیں اب کی بار آپ کو شکایت کا موقع ہرگز نہیں دوں گا سر میری والدہ کی طبعیت بہت خراب تھی ان کو بلڈ کینسر ہے میں اپنی والدہ کو شوکت خانم لے کر گیا تھا اسی وجہ سے مجھے یہاں سے نوکری چھوڑنی پڑی تھی اب میری والدہ کی طبعیت کچھ بہتر ہوئی ہے تو ہم وہاں سے

واپس آ گئے ہیں آپ پلیز مجھے ایک موقع دیں دے اب کی بار میں آپ کو بتائے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا یہ وعدہ ہے آپ سے"

اسفند اور کنول نے اس انسان کی آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا جہاں ایک ستائیس سالہ لڑکا ویٹر کے کپڑے پہنے ہوٹل کے مینیجر کی منتیں کر رہا تھا کہ اسے نوکری پر واپس رکھ لیا جائے

"اچھا ٹھیک ہے شروع کرو اپنا کام آج سے اور اس کے بعد اگر تم بنا بتائے غائب ہوئے تو اچھا نہیں ہوگا"

اس کی ماں کی بیماری کا سنتے ہی اس مینیجر کا دل موم ہوا تھا اس نے اُس لڑکے کی معذرت قبول کر کے اسے واپس نوکری پہ رکھتے ہوئے کہا

"بہت شکریہ سر آپکا, بہت بہت شکریہ"

اس نے مشکور لہجے میں مینیجر کا شکریہ ادا کیا

"ٹھیک اب جاؤ اور کام سے لگو"

اس نے جواباً کہا

"جی بہتر یہ کہتے ہی وہ لڑکا ایک ایک میز پر جا کر ان سے کھانے کا پوچھنے لگا"

"مما مینگو جوس چاہیئے"

اسفند اور کنول کھانا چھوڑے ہنوز اسی ویٹر پر نظریں جمائے بیٹھے تھے جب کانوں میں ارمان کی آواز پڑی تھی جس پر اسفند نے اسی ویٹر کو آواز دی تھی

"ویٹر"

وہ جو کسی میز کے پاس کھڑا ان سے یہ پوچھ رہا تھا کہ "آپ کو کچھ اور چاہیئے" اب بھاگتے ہوئے اس میز کی جانب آیا تھا جس پر اسفند، کنول اور ارمان بیٹھے تھے

"جی سر آپ کو کچھ چاہیئے"

اس نے وہی جملہ یہاں بھی دہرایا

"ایک مینگو جوس"

اسفند نے جواب دیا

"اوکے سر بس ابھی لے کہ آیا"

یہ کہتے ہی وہ وہاں سے ہوٹل کے کچن کی جانب بڑھ گیا تھا۔

نور گاڑی پارکنگ ایریا میں کھڑی کر کر کے ہوٹل کی جانب بڑھ گئی تھی داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنے پرس سے موبائل نکالا تھا جو کہ ہنوز سائلنٹ پہ تھا اس پر نظر پڑتے ہی نور کو اسفند کی اتنی زیادہ مسڈ کالز پر حیرت ہوئی تھی اسفند کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اسنے موبائل کان سے لگایا تھا اور قدم آگے بڑھا دئیے تھے موبائل کو کان کے ساتھ پکڑے اس نے جیسے ہی نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تھا اس کی نظریں ساکت رہ گئی تھی بلکل سامنے میز پر اسفند کنول اور ارمان کے ساتھ بیٹھا کھانا کھانے میں مصروف تھا نور نے کال نہیں کاٹی تھی بیل ابھی تک جا رہی تھی پھر اس نے اسفند کو جیب سے موبائل نکالتے دیکھا تھا اس نے موبائل جیب سے نکالتے ہوئے اسے کان کے ساتھ لگایا تھا

"ہیلو"

نور کے کان میں آواز پڑی تھی مگر وہ ایک ہی پوزیشن میں چپ چاپ کھڑی خون آشام نگاہوں سے ان سب کو گھور رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کنول کی جان لے لے جو ارمان کے کان میں کچھ بولنے کے بعد اب ہنس رہی تھی

"ہیلو، ہیل........"

ہیلو بولتے ہی اسفند کی نظر ہوٹل کے دروازے پہ گئی تھی جہاں سے کچھ فاصلے پر نور کھڑی خونخوار نگاہوں سے اسی کو دیکھ رہی تھی فوراًکال کاٹتے ہوئے اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیا کرے کچھ تذبذب کے ساتھ اسنے نور سے نظریں ہٹالی تھی مگر وہ ابھی تک وہی کھڑی تھی.

اتنی دیر میں وہ ویٹر بھی جوس لے کر آگیا ٹرے میں موجود جوس کے گلاس کو میز پر رکھتے ہی اس کو ویٹر کو داخلی دروازے میں کھڑے گیٹ کیپر نے آواز دی تھی جس پر اس نے اس گیٹ کیپر کی جانب دیکھا تھا مگر نور پر نظر وہ حیران رہ گیا تھا وہ آج تک نور کو پہچانتا تھا مگر اسے یہ سوچ کر ڈر لگ رہا تھا کہ نور اسے اتنے غصے سے گھور رہی تھی

اس ویٹر نے سوچا انہی سوچوں میں اسکے ہاتھ سے گلاس پھسلا تھا اور سارا کا سارا جوس کنول کے کپڑوں پر گر گیا تھا۔

"یہ کیا کر دیا آپ نے انکل میری ماما کے سارے کپڑے خراب کر کر دئیے آپ نے"
ارمان چیختے ہوئے بولا تھا جس پر اسفند نے بھی چونک کر کنول کی جانب دیکھا تھا جو اپنے کپڑوں کی جانب افسوس سے دیکھتے ہوئے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی

"س سوری وہ میں, مجھ سے غلطی ہو گئی ہے پلیز میم معاف کر دیں سوری"
اس لڑکے کا رنگ بلکل پیلا پڑ چکا تھا

"یہ کر دیا تم نے آج ہی واپس آئے ہو اور پھر آج ہی تم نے کارنامہ سر انجام دے دیا ہے دفع ہو جاؤ یہاں سے نالائق انسان میں نے غلطی کر دی تمہیں ایک اور موقع دے کر"

وہی مینجر پتا نہیں کہاں سے نمودار ہوتے ہوئے وہاں نازل ہوا تھا اور اب اس ویٹر پہ دھاڑا تھا جو شرمندگی کے باعث نظریں جھکائے کھڑا تھا

"لیکن ہم نے تو آپ سے ان کی شکایت نہیں کی پھر کیوں آپ ان انکل کو ڈانٹ رہے ہیں ان سے غلطی ہو گئی گلاس ہاتھ سے پھسل گیا اور آپ ان سے اتنی بد تمیزی سے بات کر رہے ہیں ویری بیڈ"

ارمان کو یقیناً مینجر کا رویہ اور اسکا لہجہ پسند نہیں آیا تھا اسی لیے اس نے سب کے سامنے آنکھوں میں ناپسندیدگی لیے اس مینجر سے کہا تھا اسفند اور کنول کے ساتھ ساتھ وہاں باقی میزوں پر موجود لوگوں کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"سر مجھے نوکری سے مت نکالیں مجھے معاف کر دیں یہ بچہ صحیح کہہ رہا ہے میرے ہاتھ سے گلاس پھسل گیا تھا میں ابھی ان سے معافی مانگ لیتا ہوں آپ کے سامنے پلیز"

وہ مینجر کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا تھا جبکہ ارمان اب غصے سے اس مینجر کو گھور رہا تھا

"جب ان کو کوئی شکایت نہیں تو پھر مجھے بھی نہیں ہے "کیری آن" اپنا کام جاری رکھو"

اس نے ویٹر سے کہا جس کے ڈر سے تاثرات اب واپس نارمل ہو رہے تھے

"آپ لوگ سے معذرت اس سب کے لیے اور پلیز بیٹھ کر اپنا کھانا شروع کریں"
اسی مینجر نے اب کی بار پیشہ وارانہ انداز میں اسفند کنول اور ارمان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو ابھی تک کھڑے تھے اس کے بعد مینجر وہاں سے چلا گیا تھا

"میم میں ایک بار پھر آپ سے معذرت کرتا ہوں پلیز مجھے معاف کر کردیں یہ سب غلطی........"

"کوئی بات نہیں یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے غلطیاں سب سے ہوتی ہے آپ کو اتنا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اب پلیز مینگو جوس پھر سے لیں آئیں"
کنول نے اسکی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے اسکی شرمندگی کو کم کرنے کی خاطر ہلکے پھلکے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تھا

"بہت بہت شکریہ آپکا"
اسنے کنول سے کہا تھا

"بہت شکریہ بیٹا آپ نے میری نوکری میرے روزگار کے ذریعے کو بچا لیا ہے"

کنول سے کہنے کے بعد اس نے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے ارمان سے کہا تھا اور پھر اسکے سر کا بوسہ لیا تھا جس پر ارمان مسکرا دیا تھا

"میں ابھی آپ کے لیے فریش مینگو جوس لے کر آتا ہوں"

یہ کہتے ہی ویٹر وہاں سے اٹھتا چلا گیا

"میں واشروم سے ہو کہ آتی ہوں یہ جوس ابھی صاف کرنا پڑے گا ورنہ پھر داغ نہیں جائے گا"

ارمان اور اسفند سے کہتے ہوئے کنول واشروم کی جانب بڑھ گئی ان سب سے فارغ ہونے کے بعد اب اسفند کو نور یاد آئی تھی اس نے دروازے کی جانب دیکھا تھا اور شدید حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا کیونکہ نور ہنوز ویسی کی ویسی کھڑی تھی غصے اسکی آنکھوں سے جھلک رہا تھا مگر اب اسفند کے دیکھنے پر غصے سے پیر پٹختی وہاں سے واپس پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ گئی تھی.

"ارمان بیٹا یہاں سے ہلنا مت کھانا کھاؤ آرام سے بیٹھ کر میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں"

اسفند نے ارمان سے کہا اور نور کے پیچھے ہوٹل سے نکل گیا

....

www.urdunovelsmania.com

"نور, نور پلیز میری بات سنو, نور رک جاؤ پلیز میری بات تو سنو"

اسفند تیزی سے پارکنگ میں نور کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا جو اسکی کوئی بھی بات سنے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس سے کافی فاصلے پر جا رہی تھی

"بات تو سنو"

بلآخر اسفند نے اسکا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا

"ہاتھ چھوڑو میرا جھوٹے انسان جب یہاں اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کے ساتھ آنا تھا تو پھر مجھ سے جھوٹ بول کر تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا"

غصے سے اسکا ہاتھ جھٹکتی وہ دھاڑی تھی

"نور میں نے تمھیں کئی دفعہ کالز کی تمھیں مگر تم نے اٹینڈ نہیں کی اور میرا ارادہ یہاں تمہارا ساتھ آنے کا ہی تھا کنول کے ساتھ نہیں مگر ارمان کو صبح سے بخار ہے وہ رو رہا تھا ضد کر رہا تھا یہاں آنے کی تو مجھے اس کی بات ماننی پڑی ورنہ اسکی طبعیت مزید خراب ہو جاتی"

اسفند نے اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اسکی ناراضگی دور کرنے کے لیے کہا

ستون کے پیچھے کھڑی کنول کو اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل لگ رہا تھا دل پر ہاتھ رکھے وہ اِس

وقت اُس انسان کی گفتگو سن رہی تھی جس سے وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتی تھی جس کی وفاداری اور محبت پہ اسے ناز تھا فخر تھا مگر آج اسکا فخر چکنا چور ہوا تھا

"تو یہ ہے اسفند کا بیسٹ فرینڈ جس کے ساتھ اسی ہوٹل میں آج وہ لنچ کرنے والے تھے جسکی وجہ سے وہ مجھ سے بے زار ہو چکے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ آج کل ہر بات پہ مجھے بے عزت کر دیتے ہیں"

اسی ستون کے پیچھے کھڑے اس نے برستی آنکھوں سے سوچا تھا

"ارمان تمہارا بیٹا ہے تم باپ ہو اسکے دو تھپڑ لگاتے تے خاموش ہو جاتا وہ"

نور نے کہا تھا جس پر کنول نے غصے سے مٹھیاں بھینچی تھی

"نہیں نور میں اپنے بیٹے سے بہت محبت کرتا ہوں میں نے کبھی بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور نا ہی کبھی اٹھاؤں گا"

اسفند نے اسکے ہاتھوں کو دھیرے سے چھوڑتے ہوئے کہا

"تو پھر مجھ سے ہر بار ایسے ہی آنے کا کہہ کر تم پھر سے اپنے بیٹے اور بیوی کی خواہشات پوری کرنے نکل جایا کرو گے"

نور نے ایک بار پھر غصے سے کہا تھا

"ایسا نہیں ہو گا وعدہ کرتا ہوں میں تم سے کل ہم اسی ہوٹل میں آئیں گے لنچ کے لیے"
اسفند نے کہا

"پرومس"
نور نے وعدہ لینے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے اسفند نے "پکا پرومس" کہتے ہوئے تھام لیا تھا مزید برداشت کرنا اب کنول کے لیے مشکل ہوا تھا جو وہ بے دردی سے آنکھیں رگڑتی واپس اندر کی جانب بڑھ گئی تھی جبکہ وہ دونوں ویسی ہی کھڑے ابھی باتوں میں مصروف تھے۔

....

"بابا آپ کہاں گئے تھے؟"
اسفند کے واپس آکر کرسی پر بیٹھتے ہی ارمان نے پوچھا

"ارمان بیٹا آپ کے بابا اپنے اسی فرینڈ سے ملنے گئے تھے پارکنگ ایریا میں جنھوں نے آج یہاں آنا تھا آپ کے بابا کے ساتھ لنچ کرنے"

سرخ متورم نگاہیں اسفند کے چہرے پر جمائے کنول نے کہا تھا جبکہ اسکے لہجے اور آنکھوں کی سرخی کو دیکھتے ہوئے اسفند کو بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ کنول سب دیکھ اور سن چکی ہے

"کنول وہ ایسا کچھ نہ........"

کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے میں تو اچھی طرح پیٹ بھر کر کھا چکی ہوں آپ بھی کھا لیں "
کنول نے اسکی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے درشت لہجے میں کہا مگر اسفند مزید ایک نوالہ بھی نہیں نگل سکا تھا ان سب سے بے نیاز ارمان پیٹ بھر کر کھانے کے بعد اب جوس پی رہا تھا۔

دھوپ ڈھل چکی تھی ملک ہاؤس کے گارڈن میں اب تپتی دوپہر کے بعد ٹھنڈی ہواؤں نے بسیرا کر رکھا تھا گارڈن میں کیاریوں میں لگے گلاب کے پھول بھی دن بھر دھوپ میں کے بعد اب تیخ ہواؤں میں خوشی سے جھوم رہے تھے انہی پھولوں کی طرح ایک اور ہستی بھی اس وقت ایسے ہی خوش دکھائی دے رہی تھی جو گارڈن میں موجود میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھی اپنے موبائل کی سکرین کو دیکھ مسکرا رہی تھی۔

رف سے ٹروزر شرٹ میں نور نے بھی اس حسین موسم میں گارڈن کا رخ کیا تھا اور میز تک آتے آتے دعا پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رکی تھی جو ہنوز موبائل آنکھوں کے سامنے کیے سرخ چہرے کے ساتھ مسکرا رہی تھی نور نور نے اپنا راستہ بدلا تھا اور چھپ چھپ کر دعا کے پیچھے گئی تھی اسکی کرسی کے پیچھے کھڑے ہوتے ہوئے جھک کر اسنے موبائل کی سکرین کو گھورا تھا جس پہ دعا اور زراج کے نکاح کے دن کی تصویر جگمگا رہی تھی

"واہ زراج بھائی کو دیکھ کر مسکرایا جا رہا ہے جبکہ مجھے تو لگا تھا کہ آپ شادی سے پہلے پاگل ہو گئی ہے جو اکیلے اکیلے بیٹھ کر مسکرا رہی ہیں"

نور نے اسکے کان کے قریب جھکتے ہوئے کہا جس پر دعا ڈر کے مارے اچھل پڑی تھی

"شرم کرو ایسے کسی کے پرسنلز میں نہیں جھانکتے"

دعا نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا

"اب میرا تو کوئی منگیتر یا بوائے فرینڈ ہے نہیں تو آپ کو ہی دیکھ کر انجوائے کروں گی نا"

نور نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

"بوائے فرینڈ یا منگیتر کی ضرورت بھی نہیں ہے اگر تم شادی کے لیے راضی ہو تو میں مما بابا سے بات کروں گی وہ تمہارے لیے کوئی اچھا سا رشتہ دیکھیں گے"

دعا نے کہا

"نہیں بڑی مہربانی آپ کی لڑکا میں دیکھ چکی ہوں بس آپ دعا کریں جلدی سے وہ شادی کے لیے بھی مان جائے"

نور نے پرسوچ لہجے میں جواب دیا

"کیا کہہ رہی ہو تم بابا کو پتہ چلا تو بہت برا ہو گا اور کون ہے وہ لڑکا کس کی بات کر رہی ہو"

دعا نے دہل کر پوچھا تھا

"ابھی نہیں ڈئیر جب صحیح وقت آئے گا تو آپ کو بھی بتا دوں گی اور مام ڈیڈ کو بھی"

نور نے اپنے کھلے بالوں کو ربڑ بینڈ میں جکڑتے ہوئے جواب دیا

"یہ ساجدہ کہاں ہے نظر نہیں آ رہی"

نور نے دعا سے پوچھا

"موسم اچھا تھا تو میں نے ان سے چائے اور پکوڑوں کی فرمائش کر دی بس اب وہی پوری کرنے گئی ہیں اور ذرا تمیز سے پکارا کرو انہیں بڑی ہیں تم سے"

آخر میں دعا نے ناگواری سے اسے ڈانٹا تھا

"یہ بڑی چھوٹی چھوڑیں میری بات سنیں اور اب ذرا روغنی غذائیں کم کھایا کریں موٹی ہو رہی ہیں آپ کہیں ذراج بھائی شادی سے انکار ہی نا کر دیں"

نور نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا جیسے سچ مچ اب یہ نئی فکر لاحق ہو چکی تھی

"نور سچ بتاؤ کیا واقعی میں ،میں موٹی ہو گئی ہوں ؟"

اس نے حیرت سے اپنا جائزہ لیتے ہوئے کہا

"ہاں سچ میں آپ موٹی ہو رہی ہیں وہ بھی بہت تیزی سے"

نور نے اسکا شک مزید پکا کرتے ہوئے کہا

"تم مجھے بتاؤ نا میں کیا کروں واپس سمارٹ ہونے کے لیے"

دعا نے فکرمندی سے پوچھا جس پر اب نور مسکراہٹ دبائے اسے کھانے پینے میں احتیاط، ورزش، یوگا اور پتا نہیں کیا کیا بتا رہی تھی جسے سنتے دعا کو یقین ہو چلا تھا کہ یہ سب کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

ساجدہ اماں کچن میں چائے اور پکوڑے تیار کر چکی تھی جب اچانک انہیں چکر آئے تھے شیلف کو تھام کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے خود کو گرنے سے بچایا تھا

"آج تو میں بلڈ پریشر کی دوائی لینا بھول ہی گئی شاید اسی وجہ سے چکر آرہے ہیں دعا کو پتا چلا تو بہت ناراض ہو جائے گی پہلے چل کر دوا لیتی ہوں پھر یہ لے جاؤں گی باہر"

یہ سب سوچتے ہی ساجدہ اماں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر "اللہ اکبر" کہتی کھڑی ہو گئی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دعا کے کمرے میں آگئی جہاں ان کی تمام ادویات پڑی تھی اپنے بلڈ پریشر کی دوا نکال کر پانی کے ساتھ نگلنے کے بعد وہ اللہ کا شکر ادا کرتی اب واپس سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی ابھی وہ تیسری سیڑھی میں کھڑی تھی جب پیچھے سے انیلہ بیگم نے ان کو آواز دے کر روکا تھا۔

"رکو ساجدہ کہاں جا رہی ہو اور دعا کے کمرے میں اسکی غیر موجودگی میں کیا کرنے گئی تھی تم"

انیلہ بیگم نے ان سے ایک سیڑھی اوپر کھڑے ہو کر غصیلے لہجے میں پوچھا

"بی بی جی وہ آج دوپہر میں، میں اپنی بلڈ پریشر کی دوا لینا بھول گئ تھی اب چکر آرہے تھے تو وہی لینے آئی تھی میں اوپر اور دعا بیٹی کے کمرے میں اس لیے گئ تھی میں کہ میری ساری دوائیاں وہ اپنے کمرے میں رکھتی ہے اور جب میری دوا کا وقت ہوتا ہے تو مجھے یاد دلاتی ہے"

اپنے بارے میں صفائی دیتے ہوئے آخر میں وہ دعا کے بارے میں محبت بھرے لہجے میں بولی تھی جس پر انیلہ بیگم کو مزید تپ چڑھی

"دعا کے کمرے میں اسکی غیر موجودگی میں مت جایا کرو تمہارا کیا بھروسہ اس کے کمرے سے کچھ چرا لو"

وہ حقارت امیز لہجے میں بولی تھی جس پر ساجدہ اماں کا چہرہ بجھ سا گیا تھا

"نہیں بی بی جی اللہ نہ کرے میں ایسا کروں میں نے تو دعا اور نور کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے میں ساری زندگی سگی اولاد سے محروم رہی مگر جب سے میری گود میں دعا اور پھر نور آئی تب سے میں نے نور اور دعا کو ہی اپنی سگی اولاد سمجھ کر پالا ہے اور اگر میں نے ان کے کمرے سے کچھ چرانا ہوتا تو بہت سال پہلے چرا کر جا چکی تھی جب ہڈیوں میں جان بھی تھی اب میں بوڑھی اپنی بیٹیوں کے کمرے سے چوری کر کے ان بوسیدہ ہڈیوں کے ساتھ بھاگ کر کہاں جاؤں گی"

وہ انکی گھٹیا سوچ پر افسوس کرتے ہوئے بولی تھی جو آج دعا کو وہاں نا پا کر خواہ مخواہ بات کو طول دے رہی تھی

"میرے ساتھ زیادہ بحث مت کیا کرو سمجھ آئی اور میری بیٹی دعا سے دور رہا کرو میرے خلاف اسکے کان بھرنے سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا وہ حشر کروں گی کہ باقی سب تم سے عبرت حاصل کریں گے بلکہ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اپنا سامان باندھو اور یہاں سے چلتی بنو"

اسکی دھاڑ پر کچن میں کام کرتی پلواشہ (نوکرانی جس کو چند دن پہلے ہی کام پر رکھا تھا) بھی کام کاج چھوڑ کر کچن کے دروازے میں کھڑی ہو گئی تھی اور اب ناپسندیدگی سے انیلہ بیگم کے حقارت امیز رویے کو دیکھ رہی تھی

"بی بی جی میں نے کبھی بھی آپ کے خلاف دعا کے کان نہیں بھرے میں نے اسے اپنی جان سے بڑھ کر چاہا ہے اور اگر آپ یہ چاہتی ہے کہ میں اس سے دور چلی جاو تو یہ نا ممکن ہے میں مر کر بھی اپنی دعا سے دور نہیں جا سکتی لیکن ہاں جب اسکی شادی ہو جائے گی پھر میں یہاں نہیں رکوں گی چلی جاؤں گی یہاں سے مگر جب تک دعا ہے یہاں تب تک آپ یہ بھول جائیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں گی"

ساجدہ اماں نے نظریں جھکائے ان کی زہریلی باتوں کے جواب میں کہا تھا جس پر انیلہ بیگم کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا

"بہت اچھا کیا اماں نے اس عورت کی بدتمیزی کا جواب دے کر پتا نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے"

پلواشہ نے بھی تلخی سے سوچا تھا

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو بڑھیا"

غصے سے سرخ چہرہ لیے انیلہ بیگم نے ساجدہ اماں کو بازو سے پکڑ کر اس قدر زور سے دھکا دیا تھا کہ ایک چیخ کے ساتھ وہ سیڑھیوں سے سیدھا آٹھویں سیڑھی پر گری تھی اتنی اونچائی سے گرنے پر انکا سر پوری قوت سے سفید ماربل کی سیڑھی سے ٹکرایا تھا جہاں سے اب خون ایک دھار کی صورت میں بہہ رہا تھا سر لگنے کے بعد وہ ایک بار پھر گڑگڑاتے ہوئے سیڑھیوں سے پھسلتی جا رہی تھی اور آخر کار فرش پر پہنچتے ہی ان کا جسم ساکت ہو گیا تھا سفید ماربل کا فرش سرخ خون سے رنگ چکا تھا ساجدہ اماں اوندھے منہ وہی کی وہی پڑی تھی اور کھڑی انیلہ بیگم نے ڈر کر دائیں بائیں دیکھا تھا مگر اس سے پہلے کے انکی نظر پلواشہ پہ پڑتی وہ دل پر ہاتھ رکھے کچن کے دروازے کے پیچھے چھپ گئی تھی ڈر و خوف سے اسکے رونگھٹے کھڑے ہو گئے تھے

"یا میرے اللہ یہ دیہ کیا ہو گیا یہ دیہ عورت اتنی ظالم ہے میں چل کر دعا بی بی کو بتاتی ہوں"

کانپتے لہجے میں خود کلامی کرتے ہوئے وہ کچن کے پچھلے دروازے سے نکلتی گارڈن میں آئی تھی اور سیدھا ان دونوں کے پاس پہنچی تھی جو مزے سے ابھی تک خوش گپیوں میں مصروف تھی زندگی میں تقریباً یہ پہلا موقع تھا جب دعا اور نورا اتنے اچھے طریقے سے ایک دوسرے سے باتھ کر رہی تھی

"دعا، دعا بی جی وہ"

کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے پیلی زرد رنگت لیے پلواشہ نے ان دونوں کو بتانے کی کوشش کی تھی

"کیا ہوا پلواشہ سب خیریت ہے؟"

دعا نے اس کی بگڑی حالت کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے پوچھا

"نہیں، نہیں کچھ خیریت نہیں ہے، کچھ خیریت نہیں ہے"

وہ باقاعدہ روتے ہوئے بولی تھی

"ہوا کیا اب کچھ بولو بھی"

نور نے بیزاری سے کہا

"وہ ساجدہ اماں، اندر ساجدہ اماں سیڑھیوں سے گر گئی ہے"

اس نے کانپتے ہوئے بتایا جس کے بعد دعا کو کہیں کا ہوش نہیں رہا تھا موبائل وہی گھاس پر پھینکتی وہ چیخ چیخ کر ساجدہ اماں کو پکارتی اندر کی جانب بھاگی تھی نور اور پلواشہ بھی اس کے پیچھے ہی بھاگی تھی اندر

داخل ہوتے ہی دعا کے قدم جم گئے تھے ساجدہ اماں کا سفید دوپٹہ اور سفید لباس اس وقت خون میں لتھڑے سرخ ہو چکے تھے دعا مردہ قدموں کے ساتھ بڑھتے ہوئے انکے قریب آئی تھی اور انکے سر کے پاس پہنچتے ہی زمین پر چوکڑی مار کر بیٹھ گئی تھی

دھیرے سے اماں کے کندھے کے گرد بازو رکھے دعا نے ان کو سیدھا کیا تھا اور پھر انکے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے سینے میں سانس اٹکنے لگا تھا

ماتھے پر چوٹ لگنے کی وجہ سے ساجدہ اماں کا چہرہ مکمل طور پر خون میں رنگ چکا تھا ماتھے سے ابھی بھی بھل بھل خون نکل رہا تھا جبکہ انکی آنکھیں کھلی اور ساکت تھی نور نے سیڑھیوں میں اوپر کھڑی اپنی ماں کو دیکھا تھا جو پیلی ذرد رنگت لیے اب تیزی سے سیڑھیوں سے ایسے اتر رہی تھی جیسے وہ ابھی آئی ہو اور انکو کچھ پتا ہی نا ہو پلواشہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر ساجدہ اماں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر ان کو بند کیا تھا جبکہ دعا ساجدہ اماں کا سر اپنی گود میں رکھے دعا نے انکو صرف ایک بار پکارا تھا اور پھر وہ بھی ہوش و حواص کھوتی وہی بے ہوش ہو چکی تھی۔

ساجدہ اماں کو اس فانی دنیا اور دعا کو چھوڑ کر گئے آج چوتھا دن تھا ان کے جانے کا دعا کو ایسا صدمہ لگا تھا کہ وہ نا کچھ کھا رہی تھی نا پی رہی تھی تین دن سے اپنے کمرے میں گھپ اندھیرا کیے وہ خود کو وہاں بند کر چکی تھی پہلے روز کے بعد کام کی مصروفیت کے بعث اب تک زراج بھی نہیں آسکا تھا مگر آج

جب بے تحاشا کالز کے بعد بھی دعا نے فون نہیں اٹھایا تو وہ سارے کام چھوڑ تا دوپہر تین بجے کے وقت ملک ہاؤس کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔

"دعا نے کچھ کھایا؟"

انیلہ بیگم نے پلواشہ سے پوچھا تھا جو تعزیت کے لیے آنے والے لوگوں کے جانے کے بعد اب گھر کے کام نمبٹانے میں مصروف تھی اس سوال پر پلواشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انیلہ بیگم کا منہ نوچ لے جو کسی کو قتل کرنے کے بعد بھی اس قدر پر سکون اور مطمئن بیٹھی تھی جیسے انہوں نے کچھ کیا ہی نا ہو

"جی نہیں، کچھ نہیں کھایا دعا باجی نے "

پلواشہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا

"میں تو اب تک یہ سوچ کر حیران ہوں کہ دعا اور نور کو کس نے بتایا ساجدہ کے گرنے کا کیونکہ اس وقت تو وہاں کوئی نہیں تھا پھر دعا اور نور اتنی جلدی بھاگتی ہوئی کیسے آئی؟"

انیلہ بیگم نے اس کے تاثرات جانچتے ہوئے سوال پوچھا

"پتہ نہیں میں دعا باجی کو کھانا دینے جا رہی ہوں ہو سکتا ہے کہ وہ کھا لیں آج چوتھا دن ہے وہ کچھ نہیں کھا رہی اس طرح تو بیمار پڑ جائے گی"

پلواشہ نے اپنے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے اپنے تاثرات کو بمشکل حد درجہ نارمل رکھتے ہوئے جواب دیا اور وہاں سے جانے کے لیے کچن کی جانب روانہ ہو گئی

"رکو، تم صرف کھانا لے کر آؤ دعا کے کمرے میں، میں اسے سمجھاتی ہوں وہ میری بات نہیں ٹالے گی "

یہ کہتے ہوئے انیلہ بیگم اٹھی اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی

....

ایک چرچراہٹ کے ساتھ دعا کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اندھیرا اس قدر تھا کہ اس کا نظر آنا بھی اس اندھیرے میں محال تھا یہاں وہاں دیکھتے ہوئے انیلہ بیگم نے اندھیرے ہی میں دیوار پہ ہاتھ مار کر ٹیوب لائٹ کا بٹن ٹٹولا تھا اور اسے دبایا تھا جسے دباتے ہی پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی دعا نے اچانک سے آنکھوں میں پڑنے والی تیز روشنی کے باعث آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا کچھ دیر اسی طرح بیٹھتے ہوئے اس نے واپس ہاتھ ہٹا کر دھیرے سے آنکھیں کھولتے ہوئے انیلہ بیگم کو دیکھا تھا جو دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے اب دعا کو گھور رہی تھی

"لائٹ بند کر دیں پلیز"

دعا نے گھٹنوں پر سر رکھتے ہوئے بیزاری سے کہا تھا

"کب تک ایسے ہی اندھیروں میں پڑی رہو گی دعا تم بچی نہیں ہو اس بات کو سمجھو کہ یہاں سے ایک دن سب نے چلے جانا ہے مگر جانے والوں کے جانے کے بعد ان کے لیے دعا کی جاتی ہے ان کے ساتھ زندہ لاش نہیں بنا جاتا یہ درست نہیں ہے"
انیلہ بیگم اسکے سامنے بیٹھ کر اسکی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسکا چہرہ اوپر کرتے ہوئے بولی

"میں نہیں رہ سکتی اپنی اماں کے بغیر مما دم میں مر جاؤں گی مجھے اس گھر کی ہر چیز میں انکا عکس نظر آتا ہے میرے کانوں میں انکی آوازیں گونجتی ہیں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھے آوازیں دیں رہی ہو مجھے پکار رہی ہو میں کیسے رہوں گی ان کے بغیر کیسے؟"
وہ ہذیانی کیفیت میں ان کے دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"بیٹا اب ساجدہ کی اتنی عمر ہو چکی تھی آج نہیں تو کل اسے اس دنیا سے جانا ہی تھا مگر اب کب تک تم ایسا رویہ اپنائے رکھو گی اور تم اکیلی نہیں ہو میں ہوں نا تمہارے ساتھ"
انیلہ بیگم کی بات پہ دعا نے سرخ آنکھوں سے انہیں گھورا تھا مگر کہا کچھ نہیں تھا

"اچھا دعا ایک بات تو بتاؤ تم اور نور تو باہر گارڈن میں تھیں نا, تو جب ساجدہ گری سیڑھیوں سے اس وقت تم دونوں کو اطلاع کس نے دی تھی کیونکہ وہاں سیڑھیوں کے پاس تو اُس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا"

انیلہ بیگم نے اپنے دماغ کا استعمال کرتے ہوئے سوال پوچھا کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ جس کسی نے بھی ان دونوں کو اطلاع دی تھی وہ اُس موقع پہ وہی کہیں موجود تھا جب انیلہ بیگم نے ساجدہ اماں کو سیڑھیوں سے دھکہ دیا تھا اور اب ان کے لیے خطرے کی بات یہ تھی کہ وہ انسان کسی بھی وقت دعا کو سب کچھ بتا سکتا ہے اس لیے انیلہ بیگم نے سوچا کہ اُس انسان کو دعا تک پہنچنے سے پہلے ہی خود اسکا کچھ کر لیتی ہوں مگر انکو نہیں پتا تھا کہ اپنے کیے گئے سوال میں وہ خود ہی پھنس چکی ہیں

دعا نے انکی بات پر چونک کر انکو دیکھا تھا جواب دعا کے جواب کا انتظار کر رہی تھی چونک تو پلواشہ بھی گئی تھی جو دروازہ کے باہر کھڑی انیلہ بیگم کا سوال سن چکی تھی اور اب خوف سے لرزتے ہوئے دعا کے جواب کا انتظار کر رہی تھی

"مجھے کسی نے بھی اطلاع نہیں تھی میں اور نور تو ساجدہ اماں کی چیخ سن کر بھاگتے ہوئے آئے تھے مگر کیا آپ اس وقت وہاں موجود تھی اور اگر آپ ہمارے آنے سے پہلے وہاں موجود تھی تو پھر آپ نے ایسا ڈرامہ کیوں کیا جیسے آپ کو کچھ پتا ہی نا ہو, اور جیسے آپ بھی اسی وقت آئی ہو. جس وقت میں وہاں پہنچی تھی, اس سب ڈرامے کا میں کیا نتیجہ اخذ کروں"

دعا کو ان پہ کسی حد تک پہلے بھی شک تھا مگر اب انیلہ بیگم نے یہ سوال پوچھ کر اسکے شک کو مزید گہرا کیا تھا جواب مکمل تفتیشی لہجے میں ان سے بات کر رہی تھی

"کیا مطلب دعا تم کہنا کیا چاہتی ہو صاف صاف کہو"

انیلہ بیگم اسے کندھوں سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیتے ہوئے بولی تھی

"مجھ میں اس وقت اتنی ہمت نہیں ہے کہ آپ سے بحث کروں مگر میری ایک بات یاد رکھیں آپ مجھ سے جھوٹ بول سکتی ہیں، اس پوری کائنات سے جھوٹ بول سکتی ہیں مگر جب اس کائنات کو تخلیق کرنے والے کی عدالت میں پیش ہونگی تو کیا اس وقت آپ جھوٹ بول سکیں گی ہاں؟ ابھی بھی وقت ہے سچ سچ بتا دیں آپ نے اماں کے ساتھ کیا کیا تھا اس وقت؟"

"بکواس بند کرو اپنی" انیلہ بیگم غصے سے چیخی تھیں

"اس بوڑھیا کی موت کے بعد تم پاگل ہو چکی ہو میں بھی بیوقوف ہوں جو یہاں تمہاری منتیں کرنے آ گئی ہوں جا رہی ہوں میں اب جب تم نارمل ہو گی تب ہی مجھ سے بات کرنا"

اپنا دامن بچانے کی غرض سے مصنوعی غصے سے بولتی وہ کمرے سے نکل آئی تھی ان کے آنے سے پہلے ہی پلواشہ دروازے کی اوٹ میں چھپ گئی تھی جس کے باعث انیلہ بیگم اس کو دیکھ نا سکی تھی اور

تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں چلی گئی ان کے وہاں جانے کے کچھ دیر بعد پلواشہ کھانے کی ٹرے ہاتھوں میں تھامے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور ہمدردی سے دعا کو دیکھا تھا جو پتھرائی نظروں سے دروازے کو دیکھ رہی تھی ان چار دنوں میں وہ ایک دفعہ بھی نہیں روئی تھی وہ ہنوز گہرے صدمے کے زیر اثر تھی جسے توڑنا بے حد ضروری تھا اگر شاہ میر ملک ہوتے تو وہ ضرور دعا کا غم بانٹتے مگر وہ دو دن پہلے یعنی ساجدہ اماں کی موت کے دوسرے دن ہی آفس کے کسی ضروری کام کے تحت شہر سے باہر جا چکے تھے۔

"دعا باجی کھانا کھالیں آپ نے ان چار دنوں میں کچھ نہیں کھایا ایسے تو آپ بیمار پڑ جائیں گی" پلواشہ نے کھانے کی ٹرے اس کے قریب رکھتے ہوئے کہا تھا مگر دعا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بس ایک نقطے پہ نظریں جمائے بیٹھی رہی

"دعا باجی میں آج آخری دفعہ آپ سے ملنے آئی ہوں، وہ کیا ہے نا باجی میں اور میرا شوہر بچوں سمیت واپس گاؤں جا رہے ہیں یہاں شہر کے خرچے بہت ہیں یہاں رہنا ہم جیسے غریبوں کے بس کی بات نہیں ہے تو میں آپ کو یہ کھانا دینے آئی تھی اگر میرے جانے سے پہلے آپ ایک بار میرے کہنے پہ تھوڑا سا کھالیں گی تو مجھے بہت خوشی ہوگی مجھے یقین ہے آپ میری خوشی کے لیے تھوڑا سا تو ضرور کھائیں گی"

دعا کے سامنے چوکڑی مار کر بیٹھتے ہوئے اس نے بریانی سے چمچ بھر کر اسکے منہ کے قریب لے جاتے ہوئے اس سے کہا

"تمہیں جانا چاہیۓ، تمہیں واقعی واپس جانا چاہیۓ ورنہ اگر اُنکو پتہ چل گیا کہ تم اُن کے کیے گئے گناہ کی چشم دید گواہ ہو تو وہ تمہیں بھی مار دیں گی ان کے دل میں اللہ کا خوف نہیں اور جن کے دل میں اللہ کا خوف نا ہو وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں کچھ بھی"

وہ ویسے ہی کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی جب کہ اس کی بات پہ پلواشہ نے ڈر کر آگے پیچھے دیکھا تھا کہ کہیں کسی نے سن تو نہیں لیا اور پھر ہڑبڑا کر دعا کو دیکھ کر کہا تھا

"باجی آپ ک دکیا کہہ رہی ہ،ہیں میں کچھ سمجھی نہیں"

گھبراہٹ کے باعث پلواشہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اُسکے لیے زبان سے الفاظ ادا کرنا مشکل ہو رہا تھا بڑی مشکل سے اٹک اٹک کر بولتے ہوئے اس نے چمچ واپس پلیٹ میں پھینکتے ہوئے اپنی بات مکمل کی

"مجھے پتا ہے ساجدہ اماں گری نہیں تھی سیڑھیوں سے بلکہ ان کو دھکہ دیا گیا تھا تم اس وقت وہاں پر موجود تھی تمہارے زرد چہرے اور ڈرے سہمے تاثرات سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا میرا یقین کرو میں تمہیں باحفاظت یہاں سے تمہارے شوہر اور بچوں کے ساتھ تمہارے گاؤں بھیجوا دوں گی کسی کو کان و

کان خبر نہیں ہوگی کہ مجھے سب کس بتایا بس تم مجھے سب سچ سچ بتا دو ایسا کیا ہوا تھا وہاں پہ جو مما نے اماں کو دھکہ دے دیا تھا اور ان کو موت کے منہ میں پہنچا دیا سب سچ سچ بتاؤ مجھے ایک ایک بات"

پلواشہ کے دونوں ہاتھ تھاتے ہوئے دعا نے آس بھرے لہجے میں آنکھوں میں امید کے جگنوں لیے دریافت کیا تھا جس پہ پلواشہ جو کھڑے ہو کر وہاں سے جانے کا سوچ ہی رہی تھی واپس پہلے کی طرح چوکڑی مار کر دعا کے بلکل سامنے بیٹھ گئی تھی

"باجی آپ کو پتا ہے ایک مہینے پہلے جب میں یہاں آئی اور میری ساجدہ اماں سے بات ہوئی تو ان کی ہر بات میں آپ کا تذکرہ ملتا تھا میری دعا کو یہ پسند ہے, میری دعا کو وہ پسند ہے "میں اپنی گڑیا سے بہت پیار کرتی ہوں غرض یہ کہ میری جب بھی ان سے بات ہوتی تھی ان میں نوے فیصد آپ کی پسند نا پسند آپ کے مزاج کے بارے میں مجھے سننے کو ملتا تھا مجھے تو یہ لگا تھا کہ آپ ساجدہ اماں کی سگی اولاد ہیں پھر جب میں نے ان سے پوچھا کہ دعا آپ کی بیٹی ہے انہوں نے مجھ سے کہا کہ "شاید میری سگی اولاد ہوتی تو میں اس سے بھی اتنی محبت نا کرتی جتنی محبت میں دعا سے کرتی ہوں میری گڑیا میں میری جان بستی ہے میں نے اسے ہمیشہ اپنی سگی اولاد کی طرح ہی چاہا ہے اسکی پرورش کی ہے اسے اس گھر میں بسنے والے تمام افراد سے منفرد بنایا ہے سیدھی راہ پر چلنے والا بنایا ہے وہ میرے لیے سب سے بڑھ کر ہے اگر وہ اس گھر میں نا ہو تو میں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نا رکوں مگر میری یہاں موجودگی کی واحد وجہ میری گڑیا ہے مجھے پتا ہے وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہے میرے بغیر نہیں رہ سکتی اپنی ہر بات مجھے بتاتی ہے اس لیے میں اسے یہاں اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتی"

جب ساجدہ اماں نے مجھ سے یہ سب کہا تو تب مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ کوئی کسی اور کی اولاد سے اتنی محبت کیسے کر سکتا ہے مگر جب وہ سچ میں اس دن آپکی والدہ کے سامنے آپکے لیے ڈٹ کر کھڑی ہو گئ یہاں تک کہ واقعی آپ کا ساتھ نا چھوڑنے پر ان کو اپنی جان دینی پڑی تب جا کر مجھے آپ کے لیے ان کی محبت کی گہرائی کا احساس ہوا اور آپ کی امی کے ظلم کا بھی کہ وہ کس قدر بے حس عورت ہے. جس نے ایک ضعیف عورت کو سیڑھیوں سے دھکہ دے دیا۔

پلواشہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا تھا اس سے مزید نہیں بولا جا رہا تھا تبھی اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹا

"اس دن ان دونوں کے بیچ کیا گفتگو ہوئی تھی مجھے بتاؤ"

دعا نے اسکے چہرے پر نظریں جمائے بے تاثر لہجے میں پوچھا تھا جس پر پلواشہ نے بتانا شروع کیا

"میں کچن میں کام کر رہی تھی جب مجھے انیلہ بیگم کے چیخنے کی آواز سنائی دی جب میں نے دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر چھپکے سے دیکھا تو وہ ساجدہ اماں ہر چیخ رہی تھی کہ انہوں نے آپ کو آپ کی امی سے دور کر دیا ہے اور یہ کہ ساجدہ اماں انیلہ بیگم کے خلاف آپکے کان بھرتی تھی پھر انہوں نے ساجدہ اماں کو اس گھر اور آپکی زندگی سے جانے کو بولا انہوں نے یہ کہہ کر سختی سے انکار کر دیا کہ "جب تک میری دعا اس گھر میں ہے تب تک میں اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والی مگر ہاں جس دن میری گڑیا

کی شادی ہو جائے گی تو پھر اسکے بات میں یہاں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکوں گی اور اس گھر سے چلی جاؤں گی "اس بات پر آپکی والدہ کو غصہ آگیا بلکہ غصہ بھی نہیں ان کو صرف ایک موقعہ چاہیئے تھا جو ساجدہ اماں کے سخت لہجے میں بات کرنے پر ان کو مل چکا تھا انہوں نے ساجدہ اماں سے کہا کہ " تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے سامنے زبان چلانے کی "اور یہ کہتے ہی ان کو سیڑھیوں سے دھکہ دے دیا تھا جس کی وجہ سے وہ سیدھا نیچے گری تھی ان کے سر سے بے تحاشہ خون بہہ رہا تھا اس کے بعد میں نے یہاں وہاں دیکھے بغیر باہر گارڈن کی طرف دوڑ لگائی اور آپ کو بلانے آگئی بس یہی ہوا تھا

پلواشہ نے اپنی آنکھوں کو دوپٹے سے رگڑتے ہوئے پوری بات سے آگاہ کیا ساری بات بتانے کے بات اب وہ خاموشی سے دعا کی جانب دیکھ رہی تھی جب دعا نے دھیرے سے کہا تھا

"وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے جاؤ اس شہر سے دور چلی جاؤ ماما کسی بھی وقت نور سے پوچھ سکتی ہے اور یقیناً وہ بتا دے گی کہ تم نے ہمیں ساجدہ اماں کے گرنے سے آگاہ کیا تھا مجھے اب اپنی ماں پر بلکل بھی بھروسہ نہیں ہے وہ تمہیں بھی جان سے مروا سکتی ہے اس لیے ابھی کہ ابھی جاؤ یہاں سے "

دعا نے بھیگے لہجے میں کہا تھا

"ج جی باجی میں بس ابھی نکلتی ہوں لیکن خدارا آپ یہ کھانا کھا لیجئے گا آپ کی صحت خراب ہو جائے گی"

عجلت عجلت میں کھڑے ہو کر دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے پلواشہ نے کہا

"رکو پلواشہ یہاں تکیے کہ پاس میرا پرس پڑا ہوا ہے وہ اٹھا کہ مجھے دو"
دعا نے اسکے کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اسے واپس روک کر کہا تھا جس پر اس نے پرس اٹھا کر دعا کے ہاتھ میں تھامایا تھا

"یہ لو یہ کچھ پیسے رکھ لو تمہارے کام آئیں گے اور مما کو بتائے بغیر جانا ورنہ ان کو شک ہو سکتا ہے تم یہ جاؤ اور دروازے بند کرتی جانا"
اس کی ہتھیلی پر ڈھیر سارے نوٹ رکھتے ہوئے دعا نے کہا اور اسے دروازہ بند کرنے کہا کہتی واپس سر گھٹنوں پر رکھتی بیٹھ گئی تھی۔

دعا سے ملنے جانے کے لیے ذراج کو انیلہ بیگم کی بات یاد آئی تھی جب مسلسل دعا ذراج کے فون کالز کو اگنور کر رہی تھی تو ذراج نے انیلہ بیگم کو فون کر کے اسکی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا جس پر انیلہ بیگم نے ذراج کو بتایا کہ "دعا نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا تم آکر اسے کھلاؤ ہماری بات تو نہیں مان رہی ہو سکتا ہے تمہاری بات ہی مان لے" اب ہوٹل کے پاس سے گزرتے ہوئے ذراج نے دعا کے لیے کھانا پیک کروانے کا سوچا گاڑی سے اتر کر وہ شہر کے اسی مشہور ہوٹل کی جانب روانہ ہو گیا جہاں وہ اسفند کے ساتھ اکثر آتا رہتا تھا اسفند نے اسے ایک دن یہ بھی بتایا تھا کہ یہ

ارمان کا پسندیدہ ہوٹل ہے ریسیپشن پر کھانا پیک کرنے کا آرڈر دیتا اب وہ وہاں کھڑا ویٹر کا انتظار کر رہا تھا جو کھانا پیک کرنے کے لیے گیا تھا جب اسکی نظریں دور میز پر پڑی تھی حیرت کی شدد سے اسفند کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا اس نے اپنی سن گلاسز اتارتے ہوئے غور سے سامنے نظر آنے والے منظر کو دیکھا تھا کہ آیا جو مجھے نظر آرہا ہے وہ حقیقت ہے کہ نہیں جہاں میز کے گرد رکھی کرسیوں پر نور اور اسفند بیٹھے تھے اسفند نور کا ہاتھ تھامے پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا جو وہ سرخ چہرہ لیے بار بار شرما کر نظریں جھکا لیتی

"یہ لیں سر آپ کا آرڈر ریڈی ہے"

ویٹر کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس لے کر آئی تھی

"میری بات سنیں"

ذراج نے ویٹر کو مخاطب کیا یہ وہی ویٹر تھا جو نور کو پہچانتا تھا اور جس کے ہاتھ سے جوس چند دنوں پہلے کنول پہ گرا تھا

"جی سر"

اس نے مؤدب لہجے میں جواب دیا

"یہ جو سامنے نظر آرہے ہیں بلیو شرٹ میں لڑکا اور پرپل ڈریس میں لڑکی کیا یہ لوگ یہاں پہلی دفعہ آئیں ہیں"

ذراج نے محتاط لہجے میں پوچھا جس پر اس ویٹر نے افسوس بھری نظروں سے اس میز کی جانب دیکھا تھا جہاں ابھی تک وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے محبت بھرے کلمات ادا کر رہے تھے

"نہیں سر پہلی دفعہ کہاں آئیں ہیں یہ دونوں تو اب تقریبا روز آتے ہیں پہلے یہ صاحب اپنی بیوی اور ایک بہت پیارے بچے کے ساتھ آتے تھے مگراب کافی دن ہو گئے ہیں اس لڑکی کے ساتھ یہاں آتے ہیں"

نور کا ذکر آتے ہی اس ویٹر کا لہجہ سخت ہو گیا تھا

"یہ صاحب جو بھی ہیں بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں اپنی بیوی اور معصوم بچے پر ظلم کر کہ ان سے بیوافائی کرکے ایک انتہائی بدکردار لڑکی کے ساتھ عشق لڑا رہے ہیں پچھتائیں گے یہ بہت ایک دن"

یہ وہی ویٹر تھا جو نور کی ساری سچائی سے اچھی طرح واقف تھا۔

نور کے لیے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے پر اس سے پہلے کہ ذراج اسکا گریبان پکڑتا وہ اپنے مینجر کی پکار پر "جی سر ابھی آیا" کہتے ہی ریسیپشن کی جانب دوڑ پڑا دور بیٹھے اسفند اور نور کو دیکھتے ہوئے

ذراج کے دل میں بار بار کنول اور ارمان کا خیال آ رہا تھا ایک کاٹ دار نظر اسفند اور نور پر ڈالتا وہ رگوں میں کھولتے خون کے ساتھ ہوٹل سے باہر آگیا تھا گاڑی میں بیٹھ کر اسنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے تاثرات کو نارمل کیا تھا اور پھر گاڑی وہاں سے روانہ کرتا ملک ہاؤس کی جانب چل دیا۔

ملک ہاؤس میں قدم رکھتے ہی ذراج کا سامنا انیلہ بیگم سے ہوا تھا جو پریشان حال یہاں سے وہاں چکر کاٹتے ہوئے مسلسل کسی کو فون ملاتی مگر پھر نمبر نا ملنے پر جھنجھلا کر موبائل کو کان سے ہٹاتے ہوئے دوبارہ نمبر ملاتی۔

"السلام علیکم! آنٹی" ذراج نے کچھ دیر انکے پریشان چہرے کا جائزہ لینے کے بعد بلند آواز میں سلام کیا تھا جس پر انیلہ بیگم نے جھٹ سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا

"وعلیکم السلام! بیٹا کیسے ہو؟"

انیلہ بیگم نے خوش اسلوبی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسکی خیریت دریافت کی اور ساتھ ہی اسے سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا

"اللہ کا شکر ہے میں تو بلکل ٹھیک ہوں مگر آپ مجھے کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں"

ان کے سامنے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے ذراج نے کہا

"بلکل صحیح کہا بیٹا میں بہت پریشان ہوں ایک تو شاہ میر میرا فون نہیں اٹھا رہے کل سے میں انکو فون کر کر کے تھک گئی ہوں دوسری طرف نور آفس کے بعد ماہم کے گھر جانے کا کہہ کہ گئی تھی آفس کے کاموں سے تو وہ دو گھنٹے قبل ہی فارغ ہو چکی تھی مگر ابھی تک گھر نہیں آئی فون اسکا بند جا رہا ہے اور دعا نے الگ سے مجھے پریشان کر رکھا ہے آج چوتھا دن وہ بنا کچھ کھائے کمرے میں بند ہے میں نے اسے بہت سمجھایا کہ کچھ کھا لیں مگر وہ میری بات مانیں تو نا"

انیلہ بیگم نے فکرمندی سے بولتے ہوئے ذراج کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا تھا مگر باقی باتوں پہ دھیان دئیے بنا اس کا دماغ تو بس نور کی بات پہ اٹک کر رہ گیا تھا اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ اسفند اور نور کے درمیان کچھ تو چل رہا ہے گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اسفند سے جلد از جلد اس بارے میں بات کرنے کا سوچا تھا اور پھر انیلہ بیگم کو تسلی دیتا ہوا وہاں سے اٹھا تھا وہاں کسی بھی نوکر کو موجود نا پا کر وہ خود کچن کی جانب بڑھ گیا تھا انیلہ بیگم کے روکنے کے باوجود اس نے سارا کھانا اپنے ہاتھوں سے ٹرے میں سجایا اور پھر اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے دعا کے کمرے کی جانب چل دیا۔

پلواشہ کو وہاں سے گئے چند منٹ ہی ہوئے تھے مسلسل بے خوابی اور نقاہت کی وجہ سے اس وقت دعا کو شدید نیند آ رہی تھی گھٹنوں پر سر رکھے وہ نیم غنودگی میں تھی جب کمرے کا دروازہ کھل کر بند ہوا تھا ساتھ ہی ساتھ کسی کے قدموں کی چاپ بھی سنائی دی تھی آواز پر دعا نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو کھول

کر غصے سے دروازے کی جانب دیکھا تھا اسے لگا تھا پلواشہ ابھی تک گئی نہیں ہے اور ایک بار پھر اس کے کمرے میں آگئی ہے

"پھر آگئی ہو تم کہا تھا نا میں نے کہ جلد از جلد جاؤ یہاں سے لیکن تمہیں میری بات........"
طیش بھرے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی زبان کو بریک اس وقت لگا تھا جب ذراج نے بٹن دباتے ہوئے لائٹ آن کی تھی دعا نے غصے سے ذراج کو دیکھا تھا اور واپس اسی طرح گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گئی تھی جبکہ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی شدید حیرت میں بتلا ذراج کھانے کی ٹرے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بھاگ کر دعا کے پاس آیا تھا۔

"دعا اٹھو یہاں سے زمین پہ کیوں بیٹھی ہوئی ہو اور یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا اٹھو یہاں اور بیڈ پہ بیٹھو"
ذراج نے اُسکے چہرے کے گرد دونوں ہاتھ رکھ کر اوپر کرتے ہوئے کہا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھوں کے گرد گھیرے سیاہ حلقے موجود تھے تو چہرہ بلکل مرجھا گیا تھا

"آپ کو میری نہیں بلکہ اپنے آفس کی فکر ہونی چاہیئے مجھے اب آپ کی ضرورت نہیں ہے جائیں وہی جہاں اتنے دن مصروف تھے"
سختی سے اسکے دونوں ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے وہ سرد لہجے میں بولی تھی

"واقعی غلطی میری ہے دعا مجھے یہ پتا ہونے کے باوجود کے ساجدہ اماں تمہارے لیے کتنی اہمیت کی حامل تھی میں پھر بھی اول دن کے بعد آج آیا ہوں مگر مجھے بلکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہوگا مجھے تو یہی لگا تھا کہ آنٹی اور نور ہے تمہارے پاس وہ تمہیں سنبھال لیں گی مگر مجھے نہیں پتا تھا کہ.........."

وہ بے طرح شرمندہ ہوتے ہوئے بول رہا تھا پھر درمیان میں ہی لب بھینچ کر خاموش ہوگیا

"غلطی میری ہے آئم سوسوری دعا پلیز مجھے معاف کردو مجھے تمہارا خیال رکھنا چاہیئے تھا اس مشکل ترین وقت میں تمہارے ساتھ رہنا چاہیئے تھا مگر بابا کی طبعیت کئی دنوں سے بہت خراب ہے جسکی وجہ سے آفس کے سارے معملات مجھے سنبھالنے پڑ رہے ہیں میرا سارا دن آفس میں گزر جاتا ہے اور وہاں سے واپسی بھی آدھی رات کو ہوتی ہے بس انہی مصروفیات کے باعث میں تم سے فون پر تو بات کر لیتا مگر یہاں نا آسکا اتنے دن میں بہت معذرت خواہ ہوں"

وہ دعا کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامے واقعی ہی وہ شرمندہ نظر آرہا تھا

معذرت خواہ لہجے میں بولتے ہوئے اس نے دھیرے سے دعا کو اپنے قریب کر کے اسکا سر اپنے کندھے پہ رکھا تھا اور یہاں آکر دعا کا ضبط ٹوٹ چکا تھا ذراج کے کندھے پر سر رکھے اسکے کوٹ کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں سختی سے بھینچے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی ذراج اس بات

سے بخوبی واقف تھا کہ اسے ساجدہ اماں کے اچانک جانے کا کس قدر گہرا صدمہ لگا ہے اس لیے اس نے دعا کو رونے دیا تھا اسے خاموش نہیں کیا تھا پورا کمرہ اسکی کرب ناک سسکیوں سے گونج رہا تھا اتنے دنوں بعد کسی ہمدرد اور مہربان شخصیت کو اپنے قریب محسوس کرتے ہوئے وہ اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی جبکہ ذراج تسلی دینے والے انداز میں دھیرے دھیرے اسکی کمر کو تھپک رہا تھا آہستہ آہستہ اسکی سسکیوں میں کمی آ رہی تھی

"ذراج اماں کو ابھی نہیں جانا چاہئیے تھا آپ کو پتا ہے وہ میری شادی کے لیے کس قدر خوش تھی اس حادثے سے ایک دن پہلے وہ مجھے ابھی سے شادی کی شاپنگ کے لیے لے کر جانا چاہ رہی تھی انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ میری ہر چیز خود اپنے ہاتھوں سے میرے لیے لیں گی مگر, مگر وہ تو مجھے چھوڑ کر چلی گئی میرا دل نہیں لگ رہا ان کے بغیر مجھے صبر نہیں آ رہا میں کیا کروں کیوں میرے ساتھ ایسا ہوا ہے آخر کیوں اللہ تعالیٰ نے میری اماں کو کو مجھ سے دور کر دیا ہے اتنا دور کہ اب میں ان سے کبھی بھی نہیں مل سکتی, کبھی نہیں"

دل کا بوجھ اچھی طرح ہلکا کرنے کے بعد وہ اسکے کندھے سے سر اٹھاتی اسے بھیگی پلکوں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی جس کی اپنی حالت دعا کو اس حال میں دیکھتے ہوئے خراب ہو رہی تھی

"اٹھو, سب سے پہلے تو تم اٹھو یہاں سے بیڈ پر آؤ پھر اس بارے میں بات کرتے ہیں"

دونوں ہاتھوں سے اسکے بھیگے چہرے سے آنسو سمیٹتے ہوئے ذراج نے اسے کندھوں سے تھام کر کھڑا کیا تھا اور پھر سہارا دیتے ہوئے اسے آرام سے بیڈ پر بٹھایا تھا جو ابھی بھی ہلکی آواز میں رو رہی تھی

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم اپنا حال دیکھو،

کیا حالت کرلی ہے تم نے اپنی اُن ساجدہ اماں کے لیے جو تمہاری آنکھوں میں آنسو تک برداشت نہیں کر سکتی تھی وہ تو تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی دعا مگر یقین کرو یہ سب کر کے تم ان کی روح کو بے حد تکلیف پہنچا رہی ہو۔

ذراج نے نرمی کے ساتھ اسے سمجھایا تھا جس پر وہ نظریں جھکا گئی تھی

"دوسری بات یہ ہے دعا مجھے کم ازکم تم سے ایسی باتوں کی امید ہر گز نہیں تھی مجھے تو ساجدہ اماں نے بتایا تھا کہ تم قرآن پاک کو تفسیر کے ساتھ سمجھ کر پڑھتی ہو پھر بھی ایسے کفریہ کلمات ادا کیے تم نے کہ "ساجدہ اماں کو اس دنیا سے ابھی نہیں جانا چاہیئے تھا" کیا اب ہم انسان اپنی زندگی اور موت کا فیصلہ کریں گے؟ کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں بتاؤ مجھے؟"

"اگر ہم انسانوں کو یہ اختیار دے دیا گیا تو پھر تو کوئی انسان تاقیامت مرنا نہیں چاہے گا یہ اختیار صرف اور صرف اللہ پاک کے پاس ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے اسی کے پاس تو ہم سب کی زندگی اور موت کا اختیار ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ‌ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۔ 28

''تم کیسے اللہ کا کفر کرتے ہو تم مرے ہوئے تھے اللہ نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے ، پھر تمہیں زندہ کرے گا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔'' (سورہ البقرہ ۲۸:)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہی تو ہمیں بتا رہا ہے کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے

میرے خیال میں سب سے بڑی آزمائش ہی کسی اپنے عزیز از جان انسان کو کفن میں لپٹے دیکھنا ہے ,

"سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ آپ اس انسان کو آوازیں دے رہے ہو اور وہ آپ کو جواب نہیں دے رہا ہو"

"سب سے بڑی آزمائش یہی ہے جب آپ کو خبر ملے کہ آپ کی محبوب ہستی چاہیں ماں ,باپ ہو یا پھر کوئی اور اب وہ آپ سے بہت دور جا چکی ہے اتنی دور ,اتنی دور کہ اب وہاں سے واپسی نا ممکن ہو"

اسی آزمائش سے اس وقت تم گزر رہی ہو تو کیا اب جب تم پر اللہ کی طرف سے آزمائش کا وقت آیا ہے تو تم ناشکری کرو گی اور اللہ سبحان و تعالیٰ کے فیصلوں کا انکار کرو گی کیا بھول گئی ہو وہ وقت جب تم نوکروں کے رحم و کرم پر تھی مجھے ساجدہ اماں نے بتایا تھا کہ آنٹی تمہیں گھر میں گورنس کے حوالے کر

کے آفس چلی جاتی تھی جب تم روتی تو وہ گورنس تمہیں مار مار کر چپ کرواتی تھی اُس وقت کس نے ساجدہ اماں کو بھیجا تمہاری اچھی پرورش کے لیے, تمہاری درست تربیت کے لیے, اور تمہارا خیال رکھنے کے لیے بے شک اللہ تعالیٰ نے بھیجا کیونکہ اس پاک ذات کو تم سے محبت ہے بلکہ اپنی تمام مخلوقات سے محبت ہے اب جب تم بڑی ہو گئی ہو خود اپنے آپ کو سنبھال سکتی ہو اپنا اچھا برا پہچانتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو واپس لے لیا ہے تو تم بھوکی پیاسی رہ کر اللہ کے عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کروگی ہاں بتاؤ مجھے"

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کا جس کی، میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھا لوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے، تو اس کا بدلہ میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔"

SahihBukhari#6424

اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامے ذراج نے اسے اچھی طرح سمجھانے کے بعد آخر میں اسکے ہاتھوں کو ہلکا سا دباتے ہوئے پوچھا تھا جواب بلکل خاموش ہو گئی تھی مگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ ایک بار پھر خاموش آنسو بہانا شروع کر چکی تھی

"میں نے تمہیں اتنا سمجھایا اس کے باوجود تم رو رہی ہو"

زراج نے اسے دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا تھا

"میں اب اس لیے رو رہی ہوں کہ واقعی میں نے بہت غلط کیا صبر کی دعا مانگنے کے بجائے میں اللہ پاک سے شکوے شکایتیں کرنے لگ پڑی یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر کام میں اس پاک ذات کی کوئی نا کوئی مصلحت ہوتی ہے"

اس نے دوپٹے کے کونے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا

"شکر ہے اللہ پاک کا تمہیں سمجھ آگئی ورنہ میں نے تو سنا تھا لڑکیوں کے پاس عقل کی کمی ہوتی ہے مجھے تو لگ رہا تھا کہ سارا دن ہی یہاں تمہیں سمجھاتے سمجھاتے گزر جائے گا"

ذراج نے ماتھے سے مصنوعی پسینہ صاف کرتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں کہا تھا اور پھر دھیرے سے ہنس پڑا تھا

"یہ لو اب بھوک ہڑتال ختم کرو اور جلدی سے کھانا کھاؤ میں اتنے پیار سے تمہارے لیے لے کر آیا ہوں"

ذراج نے سائیڈ ٹیبل سے کھانے کی ٹرے اٹھا کر اس کے سامنے بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر خود اپنے ہاتھوں سے نوالہ بنا کر اسکے منہ کے قریب لے کر گیا تھا

"میں خود کھا لوں گی"

دعا نے کچھ تذبذب کے ساتھ کہا

"چپ کر کے کھاؤ"

ذراج نے گھور کے کہا تھا جس پر اس نے کھانے کے لیے اپنا منہ کھول لیا تھا اور خاموشی سے کھانے لگ گئی تھی پہلا نوالہ نگلتے ہی کھانے کا ذائقہ اتنا اچھا تھا کہ اسکی بھوک مزید چمک اٹھی تھی کافی دیر تک ذراج اسے نوالے بنا بنا کر کھلاتے رہا تھا دعا آج قریب سے اسکا چہرہ بغور دیکھنے میں مشغول تھی جب ذراج جو کب سے اسکی نظریں خود پہ محسوس کر رہا تھا شرارتی انداز میں بولا تھا

"نظر لگاؤ گی کیا مجھے"

اس نے شرارتی لہجے میں کہا تھا

"آج آپ مجھے بلکل ساجدہ اماں کی طرح لگ رہے ہیں"

دعا نے کھوئے ہوئے لہجے میں اسے دیکھتے کہا تھا جس پر ذراج اچھل پڑا تھا

"استغفراللہ کیا کہہ رہی ہو تم دعا مجھے تو لگتا ہے تمہارے دماغ پر بہت گہرا اثر پڑا ہے جو تمہیں اب میری شکل میں اماں نظر آنے لگی ہے"

خفگی سے اسے دیکھ کر بولتے ہوئے وہ پیچھے کھسکا تھا جبکہ دعا اسکی بات پر آج کئی روز بعد دھیرے سے ہنسی تھی

"میرا وہ مطلب نہیں تھا، میرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے مجھے آج سمجھایا ہے ایسے ہی مجھے اماں بھی ہر بات سمجھاتی تھی پیار سے"

دعا نے ٹرے سے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا تھا جس پر ذراج سکون کا سانس لیتا واپس اسکے قریب ہوا تھا کھانا ختم ہونے کے بعد اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر پر رکھی تھی اور واپس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا مگر حیرت تو اسے اس وقت ہوئی تھی جب دعا نے دھیرے سے اسکے قریب ہوتے ہوئے ایک بار پھر اسکے کندھے پر سر رکھا تھا اسکی کمر تھپکتے ہوئے ذراج مسکرایا تھا

"میں تو آپ سے پوچھنا ہی بھول گئی انکل کو کیا ہوا ہے انکی طبعیت کیسے خراب ہوئی"

اسکے کندھے پر سر رکھے ہی اسنے ذراج سے پوچھا تھا

"کچھ عرصے سے بابا کے الٹے ہاتھ میں درد رہتا ہے کافی ڈاکٹرز کو چیک کروایا مگر ابھی تک کسی کی جانب سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا"

ذراج نے بتایا تھا

"اچھا اللہ انہیں شفاء کاملہ عطا کریں"

اس نے دعا کی تھی جس پر ذراج نے بھی آمین کہا تھا کچھ ہی دیر میں اسکی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگی تھی بمشکل دس منٹ بعد ذراج کے کانوں میں ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز گونجی تھی اس دعا کو سیدھے کرتے ہوئے اسکے چہرے کو دیکھا تھا جس کی آنکھیں بند تھی اور لب نیم واں تھے مسکرا کر دھیرے سے اسے بیڈ پر لیٹانے کے بعد وہ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے باہر آگیا تھا اسنے دعا سے اسفند اور نور کے متعلق بات کرنے کا سوچا تھا مگر دعا کی حالت کو دیکھتے ہوئے اپنا ارادہ بدل لیا تھا کیونکہ وہ اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"چلیں آنٹی اب میں چلتا ہوں"

لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اسنے انیلہ بیگم سے کہا تھا جو ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھنے میں مصروف تھی

"ارے بیٹا بیٹھو نہ اتنی جلدی جا رہے ہو اور دعا نے کھانا کھا لیا؟"

اسے کچھ دیر رکنے کا کہنے کے بعد انیلہ بیگم نے دعا کے بارے میں پوچھا تھا

"جی آنٹی کھا لیا ہے اور میں اپنے آفس کا کام ادھورا چھوڑ کر یہاں آیا ہوں اب مجھے واپس جانا ہے کافی وقت ہو گیا ہے یہاں آئے"

ذراج نے کلائی پہ بندھی گھڑی پر پر ایک نظر ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا تھا اور پھر یک دم ہی یہاں وہاں دیکھ کر نور کو موجود نا پا کر اس نے نور کے بارے میں ان سے دریافت کیا۔

"آنٹی کیا نور نہیں آئی ابھی تک ؟ "اس نے پوچھا

"نہیں بیٹا کہاں آئی ہے اسی کا تو انتظار کر رہی ہوں دوپہر سے شام ہوگئی ہے مگر اسکا کوئی پتا نہیں موبائل بھی بند جا رہا ہے"

انہوں نے جواب دیا

"اوکے آپ ٹینشن نالیں آجائے گی جلد ہی میں چلتا ہوں پلیز دعا کا خاص خیال رکھئیے گا کل پھر چکر لگاؤں گا ان شاء اللہ "اللہ حافظ"!

کہتے ہی وہ دروازے کی جانب چل دیا انیلہ بیگم اسے دروازے تک چھوڑنے کے بعد واپس آتی ٹی وی کے آگے براجمان ہوگئی تھی۔

کافی دن ہو چکے تھے اس واقعے کو جب کنول نے اسفند کو نور کے ساتھ دیکھا تھا وہ اب بلکل بھی اسفند سے کلام نہیں کر رہی تھی مگر دکھ کی بات یہ تھی کہ اس بار اسفند نے بھی کنول سے بات کرنے یا اس کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بوجھل ہوتے دل کے ساتھ وہ شام کے چار بجے گھر سے نکلتی باہر گارڈن میں آئی تھی اور ستون سے ٹیک لگائے خاموشی کے ساتھ ارمان کو دیکھ رہی تھی جو فٹ بال کے ساتھ کھیلتے ہوئے اپنے کپڑے مکمل طور پر گندے کر چکا تھا مگر اب کنول کو دیکھتے ہی فٹ بال کو کک مار کر دور اچھالتے ہوئے وہ بھاگتا ہوا کنول کے پاس آیا تھا۔

"مما چلیں ناشاپنگ کے لیے چلتے ہیں آپ نے کہا تھا کہ کل چلیں گے پلیز اب چلتے ہیں نا"
وہ کنول کے دوپٹے کا کونا پکڑ کر کھینچتے ہوئے ضدی لہجے میں بولا تھا

"ارمان بیٹا میرے سر میں بہت درد ہے ابھی نہیں جا سکتی میں آپ کے ساتھ آج جا کر کھیلو کل چلیں گے اوکے"
وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی تھی اس کے دل و دماغ پر اس وقت اسفند مکمل طور پر سوار تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے کس سے بات کرے

"نہیں, نہیں بلکل بھی نہیں آپ نے کل بھی یہی کہا تھا اب میں اب کی بات نہیں مانوں گا مجھے ابھی جانا ہے مجھے آج "سپائڈرمین" والی شرٹ لینی ہے"
وہ ضدی انداز میں اچھلتے ہوئے بولا تھا

"کیا کہا ہے میں نے کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے نہیں جا سکتی میں تمہارے ساتھ مگر تمہیں اپنی ماں کا بلکل بھی احساس نہیں ہے جب دیکھو بے کار کی ضدیں کرتے رہتے ہو اب جا کر کھیلو نہیں جائیں گے ہم اس وقت کہیں بھی سمجھ میں آئی میری بات"
وہ اسے غصے سے اسے جھڑکتے ہوئے بولی تھی جو دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر اب رو رہا تھا

"بابا بھی نہیں لے کر جاتے اب, کہیں میں نے ان کو بھی کہا تھا وہ کہتے ہیں کہ وہ آج کل بہت بزی ہے آپ بھی نہیں لے کر جارہی جب بھی آپ سے کچھ کہوں آپ منع کر دیتی ہیں اب تو آپ اور بابا مجھ سے بات بھی نہیں کرتے اور, اور ایک دوسرے سے بھی بات نہیں کرتے"

وہ روتے ہوئے سسکیوں سمیت معصومیت سے شکایت کرتے ہوئے بولا تھا نا چاہتے ہوئے بھی کنول کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھی گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتے ہوئے اسنے ارمان کو کھینچ کر سینے سے لگایا تھا اسکی اپنی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے

"سوری میری جان میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی معاف کر دو اپنی مما کو اور بابا کی ضرورت نہیں ہے وہ جہاں مصروف ہیں اب وہی رہیں مما آپ کو لیں کر جائیں گی ٹھیک ہے اور ہم ابھی اسی وقت چلیں گے آپ جو جو چاہو گے میں آپ کو وہ سب لے کر دوں گی"

کنول نے اسی طرح سینے سے بھینچے اسے کہا تھا

"وعدہ؟"

ارمان نے اس سے الگ ہوتے ہوئے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا

"ہاں پکا وعدہ اب جلدی جلدی چلو چینج کر لو ایسے گندے کپڑوں میں جاؤ گے کیا چلو آجاؤ شاباش"

وہ ارمان کی خوشی کی خاطر اپنے ذہن سے باقی سارے خیالات جھٹکتی اسکا ہاتھ تھام کر اندر کی جانب بڑھتے ہوئے بولی تھی ارمان کے کپڑے بدلنے کے بعد وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوتے بازار جانے کے لیے گھر سے نکل آئے تھے۔

....

اسفند گاڑی چلانے میں مصروف تھا جب اچانک نور چیخی تھی

"اسفند، اسفند گاڑی روکو پلیز، پلیز، جلدی گاڑی روکو"

نور نے سڑک کے دائیں طرف دیکھتے ہوئے عجلت میں اسفند سے کہا تھا جس نے ہڑبڑا کر جلدی سے گاڑی روکی تھی

"کیا ہوا کیا دیکھ لیا ہے تم نے سب خیریت ہے؟"

اس نے فکرمندی سے پوچھا

"ہاں سب خیریت ہے بس تم چلو میرے ساتھ اترو گاڑی سے"

وہ اسفند کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی تھی

"کیوں کہاں لے کر جا رہی ہو مجھے ؟"

اس نے حیرت سے پوچھا

"ایک تو تم سوال بہت پوچھتے ہوئے کہا نا چلو میرے ساتھ تو بس چلو آگے سے زیادہ سوال مت کیا کرو"

وہ نروٹھے پن سے بولی تھی جس پر اسفند اس کے ساتھ گاڑی سے نکل آیا تھا جو اب سڑک کے ساتھ سائیڈ پہ لگے گول گپوں کے ٹھیلے کی جانب بڑھ رہی تھی

"مجھے گول گپے کھانے ہیں بہت مزے کے ہوتے ہیں اور تمہیں پتا ہے کتنے دنوں سے میرا دل کر رہا تھا کھانے کا"

وہ اسفند کا تھامے ٹھیلے کے قریب آکر کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی

"بلکل بھی نہیں کیا گندی چیزیں کھاتی ہو تم ,اور یہ اتنے کھٹے ہوتے ہیں تمہارا گلا خراب ہو جائے گا بیمار ہو جاؤ گی"

اسفند اسکا ہاتھ پکڑ کر واپس پیچھے مڑتے ہوئے بولا تھا

"ہر گز نہیں میں تو آج یہ کھا کے ہی جاؤں گی چاہے جو بھی ہو جائے تمہیں پتا ہے مجھے اتنے سالوں بعد گول گپے کھانے کا موقع ملا ہے جب میں چھوٹی تھی تو مما مجھے منع کرتی تھی باہر کی چیزیں کھانے سے اور میں جان بوجھ کر کھاتی تھی جس کی وجہ سے میرا گلا خراب ہو جاتا تھا اور پھر میں کئی کئی دن تک سکول نہیں جاتی تھی"

ٹھیلے والے کو دو پلیٹ گول گپے تیار کرنے کا حکم دیتی وہ اب اسے اپنے بچپن کے قصہ سنا رہی تھی

"یہ لیں باجی"

اسی ٹھیلے والے نے ایک پلیٹ گول گپے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا

گاڑی میں پچھلی سیٹھ پر موجود کنول ارمان کو گود میں بٹھائے آنکھوں پہ سن گلاسز لگائے اس سے باتوں میں مصروف تھی باتیں کرتے کرتے اس کی نظر اچانک سڑک کے دائیں جانب گئی تھی جہاں سامنے نظر آتے منظر کو دیکھتے ہوئے وہ ہلنا بھول گئی تھی

"رکو, رکو ڈرائیور گاڑی پیچھے لو واپس, جلدی پیچھے لو"

اپنی سائیڈ کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کنول نے آنکھوں سے سن گلاسز اتارتے ہوئے ڈرائیور سے کہا تھا جس نے حیرت سے گاڑی ریورس کی تھی پہلے تو اس منظر کو دیکھتے ہوئے اسے یقین نہیں آیا تھا وہ سب اسے اپنی نظروں کا دھوکہ لگا تھا مگر اب قریب آنے پر سب کچھ بلکل واضح نظر آرہا تھا جہاں ہلکے

سبز رنگ کی شلوار قمیض پہنے نور اور اس کے ساتھ تھری پیس سوٹ میں ملبوس اسفند کھڑا تھا پلیٹ میں سے ایک گول گپا اٹھا کر پہلے نور نے خود کھایا تھا اسفند خفگی سے اسے دیکھتا قریب کھڑا تھا مگر دوسری بار اب نور ایک گول گپا اٹھائے پنجوں کے بل اوپر ہو کر زبردستی اسفند کو کھلا رہی تھی قہقہے لگاتے ہوئے اسفند نفی میں سر ہلاتا پیچھے پیچھے جا رہا تھا اور نور اسے دیکھتے ہوئے آگے آگے بڑھ رہی تھی آخر کار نور نے وہ ایک گول گپا زبردستی اسکے منہ میں ٹھونسا تھا گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر نیچے جھکے اب وہ دونوں قہقہے لگا کر ہنس رہے تھے گاڑی میں بیٹھے ارمان نے بھی گاڑی کے رکنے پر ماں کی نظروں کے تعاقب میں سڑک کے دائیں جانب دیکھا تھا اور حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کنول سے کہا تھا

"مما بابا ہمیں تو یہ سب نہیں کھانے دیتے کہتے ہیں یہ سب گندی چیزیں ہوتی ہیں اور اب خود کھا رہے ہیں اور مما یہ آنٹی کون ہے جو بابا کو زبردستی کھلا رہی ہے..........."

ارمان مسلسل سوال پہ سوال پوچھے جا رہا تھا مگر دوسری جانب سے جواب ندارد ماں کی خاموشی پر اس نے نظریں اٹھا کر کنول کو دیکھا جس کے گالوں پہ مسلسل آنسو پھسل رہے تھے اُس وقت وہ ارمان کو اور آگے پیچھے کے تمام مناظر کو بھول چکی تھی اسے اس وقت کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا اگر کچھ نظر آ رہا تھا تو وہ صرف اور صرف سامنے کا منظر تھا جو اس کے دل کو لہولہان کر چکا تھا کچھ سوچتے ہوئے اسنے موبائل اٹھا کر سامنے نظر آتے منظر کی تین چار تصویریں اپنے موبائل میں محفوظ کی تھی بوڑھے ڈرائیور نے بھی ہمدردی سے کنول کی جانب دیکھا تھا جس کے خاموش آنسو اب سسکیوں میں تبدیل

ہو چکے تھے ارمان چھ سال کا ہونے والا تھا آج کل اپنے باپ کا سخت رویہ اپنی ماں کے ساتھ دیکھ کر اور ایک غیر عورت کے ساتھ اسے اس حالت میں دیکھتے ہوئے وہ بہت کچھ سمجھ چکا تھا

"مما گھر جانا ہے"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کنول سے کہا تھا جو ابھی تک ان دونوں پر نظریں جمائے رو رہی تھی

"مما پلیز آپ مت روئے مجھے گھر جانا ہے اور کہیں نہیں جانا کچھ بھی نہیں لینا"

کنول کا چہرہ اپنی طرف موڑتے ہوئے وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے خود بھی روتے ہوئے بولا تھا

جس پر ہوش کی دنیا میں واپس آتے ہی کنول نے اسے سینے سے لگا لیا تھا دل میں ایک پکا عزم کرتی ایک خونخوار نظر ان دونوں پر ڈالتے ہوئے اسنے ڈرائیور کو واپس گھر چلنے کا حکم دیا تھا جس پر عمل کرتے ہوئے ڈرائیور نے گاڑی گھر کی راہ پر گامزن کر دی تھی۔

....

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا گاؤں کے لوگ اپنے اپنے کاموں کو سر انجام دینے کے بعد اب تھکے ہارے گھروں کو رواں دواں تھے ٹھنڈی ہوا اور کالے بادلوں نے شام ہی سے آسمان پر قبضہ کر رکھا تھا جس کے باعث موسم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا آج اس سہانے موسم میں استاد احمد صاحب نے بھی یاسمین سے بریانی کی فرمائش کر دی تھی جسے پکانے اور دم پر رکھنے کے بعد اب یاسمین منہ ہاتھ دھونے باتھروم چلی گئی تھی جبکہ احمد صاحب کمرے میں موجود بیڈ پہ نیم دراز عبداللہ کو پیٹ پہ بٹھائے اس سے کھیل رہے تھے جو ہاتھ میں موجود بسکٹ کو سامنے کے دو دانتوں سے کترتے ہوئے کھلکھلا رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے داخلی دروازے پہ زور و شور سے دستک دی تھی۔

"کون آ گیا ہے اس وقت میں دیکھتا ہوں"

احمد صاحب سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولے تھے

"نہیں آپ اِس کو سنبھالے میں دیکھتی ہوں ضرور عشرت ہو گی وہی روز اس وقت آتی ہے "میرو کو لے کر تاکہ وہ کچھ دیر کے لیے عبداللہ کے ساتھ کھیل سکے اور خود مجھے پورے گاؤں کے قصے سناتی ہے کہ "کس کی بیٹی کا کس کے ساتھ چکر چل رہا ہے اور کس ساس کی بہو سے لڑائی ہوئی ہے"

کرسی سے دوپٹہ اٹھا کر سر پر اوڑھتے ہوئے یاسمین نے بیزاری سے جواب دیا تھا اور کمرے سے نکل گئی جبکہ احمد صاحب اسی طرح عبداللہ کو گود میں لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سچ میں عشرت ہی ہے یا کوئی اور"

"آ رہی ہوں، آ رہی بھئی صبر تو کر جاؤ"

صحن عبور کرتے ہوئے یاسمین نے ہانک لگائی تھی کیونکہ آنے والا انسان جو بھی تھا نہایت بے صبرا تھا جو مسلسل دروازے کو پیٹے جا رہا تھا دروازہ کھولنے پر جو ہستی یاسمین کو سامنے نظر آئی تھی اسے دیکھتے ہی یاسمین کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔

"مہناز باجی آپ"

"آپ اس وقت کیسے؟"

"یوں اچانک آ گئی کم از کم ایک بار فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع تو دیتی آپ"

وہ خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ بولی تھی

"کیوں بہن تمہیں میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی کیا جو دروازے میں کھڑے ہی اتنے سوال پوچھ ڈالے اندر آ کر مجھے اور میرے بچوں کو سکون کا سانس تو لینے دو"

مہناز باجی نے غصے سے طنزیہ لہجے میں جواب دیا اور اپنے آٹھ بچوں سمیت ان کے گھر میں داخل ہو گئی تھی یاسمین بیگم بھی دروازہ کھلا چھوڑتی عجلت میں ان کے پیچھے پیچھے آئی تھی

"یاسمین یہ شور کیسا ہے؟ اور کون آیا........"

عبداللہ کو گود میں اٹھائے احمد صاحب نے کمرے سے باہر آتے ہوئے پوچھا تھا مگر اس جنجال پورے کو دیکھتے ہی وہ خود بھی دنگ رہ گئے تھے ان کی حالت بھی اب یاسمین سے کچھ کم نہیں تھی جو انگلیاں مروڑتی کبھی ان سب کو دیکھتی تو کبھی احمد صاحب کو۔

"مہناز باجی آپ"

احمد صاحب نے بھی انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا

"ہاں بھئی میں ہی ہوں اور ہو کیا گیا ہے تم دونوں کو مجھے دیکھتے ہی دونوں کے رنگ کیوں پیلے پڑ گئے ہیں ایسے جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو"

صحن کے بیچ و بیچ کھڑی وہ غصے سے بولی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"السلام علیکم!"

ان کے شوہر صدیق بھائی جو ٹیکسی والے کو کرایہ دینے گئے تھے اب اندر داخل ہوتے بلند آواز میں سلام کرتے ہوئے بولے تھے جس کا جواب ان دونوں نے مدھم آواز میں دیا تھا

"نہیں باجی وہ ایسی کوئی بات نہیں ہے ہمیں کیوں خوشی نہیں ہوگئی بھلا وہ بس......."

اس سے پہلے کہ یاسمین اپنی طرف سے صفائی پیش کرتی مہناز باجی کی نظر احمد صاحب کے گود میں موجود عبداللہ پہ گئی تھی جو گول مٹول آنکھیں گھماتا گھر آئے نئے چہروں کو اجنبی نظروں سے گھور رہا تھا

"ہائے اتنا پیارا بچہ یہ کس کا بچہ ہے یاسمین ؟"

مہناز باجی نے جھٹ سے عبداللہ کو احمد صاحب کی گود سے لیتے ہوئے پوچھا تھا

یاسمین کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دے مگر بلآخر کچھ تذبذب کے ساتھ اسنے کہا تھا

"یہ وہ، یہ م میرا بیٹا ہے"

اس کے جواب پر اب چونکنے کی باری ان سب کی تھی جو آنکھیں پھاڑے حیرت سے کبھی یاسمین کو دیکھتے تو کبھی عبداللہ کو

"یہ کیا کہہ رہی ہو دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا یہ تمہارا بچہ کب ہوا؟"

انہوں نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا تھا

"باجی میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں مگر یہ جگہ مناسب نہیں ہے چلیے آپ سب اندر میں آپ کو آرام اور سکون سے ساری بات بتاتی ہوں کہ یہ بچہ کون ہے"

یاسمین نے ان کو اندر کمرے میں چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ سب ہاتھوں میں تھامے بیگ جو وہ لوگ اپنے ساتھ کپڑوں سے بھر کر کچھ دن رہنے کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اب ان کو وہی صحن میں چھوڑتے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

"یہ لیں بھائی صاحب"

یاسمین نے جلدی سے شربت تیار کر کے سب کو گلاسوں میں بھر کر دینے کے بعد آخر میں صدیق بھائی ((مہناز باجی کے شوہر) کو دیا تھا

"یاسمین اب بتا بھی دو کون ہے یہ بچہ اور یہ باہر تم کیا کہہ رہی تھی کہ یہ تمہارا بچہ ہے تو ذرا ہمیں بھی تو بتاؤ کب اس دنیا میں آیا تمہارا یہ بچہ اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوئی"

مہناز باجی نے اب جا کر اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا سب بچوں کو انہوں نے دوسرے کمرے میں بٹھا دیا تھا سوائے سب سے چھوٹی بیٹی کے جو عبداللہ کی ہم عمر تھی اور اس وقت مہناز باجی کی گود میں ہی بیٹھی تھی یہ وہی بچی تھی جس کی پیدائش کے دنوں میں یاسمین نے اپنے آس پڑوس میں یہ بتایا تھا کہ مہناز باجی کا بیٹا ہوا ہے یعنی عبداللہ اور انہوں نے مجھے دے دیا ہے حالانکہ انکے ہاں بیٹی (ایمان) کی پیدائش ہوئی تھی۔

"ارے یہ یاسمین دکھائی نہیں دے رہی گھر میں یہ شور کیسا ہے اور پتا نہیں دروازہ کھلا چھوڑ کر کیا کر رہی ہے پتا بھی ہے کہ کیسا زمانہ آگیا ہے کیا کیا واقعات ہو رہے ہیں مگر پھر بھی اتنی لاپرواہ ہے اکثر دروازہ کھلا چھوڑ کر بیٹھی ہوتی ہے"

انکی پڑوسن عشرت نے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے افسوس بھرے لہجے میں سر نفی میں ہلاتے ہوئے خود کلامی کی اور چینی مانگنے کے لیے ہاتھ میں پکڑا کٹورا لیے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی کچن کی جانب جاتے ہوئے اس کے کانوں میں کسی عورت کی آواز پڑی تھی اپنا رخ بدلتے ہوئے وہ کچن کے بجائے اس کمرے کی جانب چلی گئی تھی جہاں یاسمین بیگم, احمد صاحب وغیرہ سب موجود تھے اور اب مہناز باجی کو جواب دینے کے لیے مناسب الفاظ کو ذہن میں ترتیب دے رہے تھے۔

"باجی میں بتاتا ہوں آپ کو سب کچھ دراصل بات یہ ہے کہ تقریبا نو, دس ماہ پہلے میں صب........"

احمد صاحب نے ابھی بات کا آغاز ہی کیا تھا جب یاسمین ان کی بات کاٹتے ہوئے بول پڑی تھی

"نہیں, نہیں مہناز باجی میں آپ کو عبداللہ سے متعلق ساری سچائی بتاتی ہوں"

یاسمین کی آواز پر کمرے کے دروازے کو کھولنے کے لیے عشرت کے بڑھتے ہوئے ہاتھ یک دم رک گئے تھے

"یہ کیا اس نے تو کہا تھا کہ عبداللہ اس کی بہن مہناز کا بیٹا ہے مگر یہ اب کیا ماجرا چل رہا ہے"

تجسس سے سوچتی وہ ہاتھ واپس پیچھے کھینچتی دروازے کی اوٹ میں ہو کر انکی گفتگو سننے لگی تھی

"ہاں اب جلدی بتاؤ پوری بات"

مہناز باجی نے غصے سے تیز لہجے میں کہا

"باجی میری تو اولاد نہیں ہے آپ سب کو پتا ہے بہت سال انتظار کیا میں نے اپنی اولاد کے لیے آخر میں بھی ایک عورت ہوں اولاد کی خواہش تو ہر شادی شدہ جوڑے کے دل میں ہوتی ہے مگر اب مجھ سے مزید انتظار نہیں ہو رہا تھا میں نے سوچا جیسے میری اولاد نہیں ہے میں اولاد کو ترستی ہوں ویسے ہی کتنے ایسے بچے ہیں یتیم خانوں میں جو ماں باپ کو ترستے ہیں پھر میں نے سوچا کہ کب تک میں ایسی ہی اولاد کے لیے تڑپتی سسکتی رہوں گی اور کب تک وہ معصوم بچے ماں باپ کی محبت کے لیے ترستے رہیں گے اس لیے میں نے اور احمد صاحب نے فیصلہ کیا کہ ہم ایک بچہ گود لے لیتے ہیں شاید اللہ پاک نے اس نیک کام کے واسطے ہمیں ہی چنا تھا اس لیے ہم فیصلہ کرتے ہی یتیم خانے گئے اور وہاں سے ہم نے عبداللہ کو گود لے لیا جو ابھی صرف دو دن کا تھا مگر اب یہ ماشاءاللہ سے ایک سال کا ہونے والا ہے"

یاسمین نے خود سے جھوٹی کہانی گھڑتے ہوئے ان کو بتایا

"مگر بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے لوگ انسان کو کسی بھی حال میں نہیں چھوڑتے اگر میں کسی کو یہ بتاتی کہ میں نے عبداللہ کو یتیم خانے سے گود لیا ہے تو سب باتیں بناتے کہ "ہائے یاسمین کل کو یہ بڑا ہو کر تجھے چھوڑ کر چلا گیا تو پھر تو کیا کریں گی, یا کیوں کسی اور کی اولاد کے لیے خود کو تھکا رہی ہو وغیرہ وغیرہ. بس اسی لیے میں نے سب کو کہا کہ عبداللہ مہناز باجی کا بیٹا ہے کیونکہ سب کو پتا تھا کہ ان دنوں آپ کہ ہاں بھی ایمان کی پیدائش ہونے والی تھی میں نے سب کو یہی بتایا کہ صدیق بھائی نے ہماری بے اولادی اور اولاد کے لیے تڑپ کو دیکھتے ہوئے عبداللہ کو ہمیں دے دیا ہے. بس یہی وجہ ہے کہ آپ کہ یہاں آنے سے میں ڈر گئی تھی بلکہ ابھی بھی ڈر رہی ہوں اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا آپ کی گود میں ایمان کو دیکھ کر سب کو پتا چل جائے گا کہ ایمان آپ کی بیٹی ہے اور عبداللہ سے آپ کا کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے"

باہر کھڑی عشرت نے شاکی انداز میں منہ پر ہاتھ رکھا تھا یاسمین کے مسلسل جھوٹ بولنے پر احمد صاحب نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے جو ان سے نظریں چرا رہی تھی جبکہ صدیق بھائی اور مہناز باجی بھی اب ذرا پریشان نظر آنے لگے تھے۔

"یہ یاسمین ابھی بھی جھوٹ بول رہی ہے کیونکہ جس دن ہم نے پہلی دفعہ عبداللہ کو دیکھا تھا وہ دو دن کا نہیں تھا بلکہ کچھ گھنٹوں کا ہی تھا اور دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ رات تک تو ان کے پاس کوئی بچہ نہیں تھا راتوں رات انہوں نے کونسے یتیم خانے سے اس بچے کو گود لے لیا"

باہر دروازے کی اوٹ میں کھڑی عشرت نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے سوچا تھا جب اندر کمرے سے صدیق بھائی کی آواز آئی تھی۔

"یاسمین بہن معافی چاہتا ہوں ہمیں واقعی بتا کر آنا چاہیے تھا اگر بتا کر یہاں آتے تو آپ لوگوں کی پریشانی کا سبب نا بنتے بہت معذرت میری بہن پتا نہیں یہ تمہاری بہن (مہناز) کو کیا سوجھی تھی جو ایسے ہی اٹھ کر آگئی کہ چلو یاسمین کے ہاں چلتے ہیں آج ہی چلتے ہیں اور میں بھی بنا سوچے سمجھے اس کے ساتھ چل دیا"

صدیق بھائی معذرت خواہ لہجے میں بولے تھے جبکہ مہناز باجی نے عبداللہ کو احمد صاحب کی گود سے لیتے ہوئے اس کے دونوں گالوں پہ پیار کیا تھا۔

"نہیں بھائی صاحب آپ معافی مانگ کر مجھے کیوں شرمندہ کر رہے ہیں معافی تو مجھے مانگنی چاہیئے جو آپ کی صحیح سے خاطر مدارت بھی نہیں کر پائی میں اور آتے ساتھ ہی آپ کو یہ سب بتانے بیٹھ گئی"

یاسمین نے شرمندگی سے کہا

"کوئی بات نہیں اللہ تم دونوں کو خوش رکھے اور اس معصوم کو لمبی عمر والی اور بے شمار کامیابیوں والی زندگی عطا کریں ہمارا کیا ہے بس آپ دونوں کو دیکھ لیا ہم اسی میں خوش ہیں"

صدیق بھائی نے صوفے سے کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا"

"بھائی صاحب آپ کھڑے کیوں ہو گئے ہیں بیٹھئے نا"

ان کے کھڑے ہوتے ہی باقی سب بھی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے جب یاسمین نے کہا

"نہیں ہم بس آپ کو اور احمد بھائی کو دیکھنے آئیں تھے اور دیکھ لیا اللہ کا شکر ہے آپ دونوں صحت مند ہو خوش بھی ہو بس اسی میں ہماری خوشی ہے لیکن اب ہمارا یہاں مزید رکنا ٹھیک نہیں ہے اگر کسی نے دیکھ لیا تو آپ کے لیے مصیبت کھڑی ہو جائے گی اب ہمیں واپس چلنا چاہیئے"

صدیق بھائی نے کہا تھا

"ایسے کیسے بھائی صاحب کم از کم کھانا تو کھا کر جائیں"

احمد صاحب نے ان سے کہا تھا

"نہیں نہیں احمد بھائی کھانے تک رکیں گے تو مزید دیر ہو جائے گی پھر اتنی رات میں ہمیں اسٹیشن تک گاڑی نہیں ملے گی اور اگر صبح ہو گئی تو گھر سے نکلتے وقت تو ہم سب کی نظروں میں آجائیں گے ساری باتیں پتا چل جائیں گی پورے گاؤں کے لوگوں کو بس ہمیں ابھی چلنا چلو مہناز بچوں کو بلاؤ"

آخر میں انہوں نے مہناز باجی سے کہا تھا یاسمین کا دل بہت اداس تھا اپنی بہن کو راتوں رات واپس بھیجنے پہ مگر دوسری جانب وہ اس بات پر خوش بھی تھی کہ عبداللہ سے ان دونوں نے بہت محبت کا

اظہار کیا تھا اور یہ کہ ان کے اس طرح جانے سے کسی کو سچائی کی بھنک بھی نہیں پڑے گی مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ دروازے کے پیچھے کھڑی عشرت سب سن چکی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب واپس اپنا سامان اٹھاتے محبت سے یاسمین اور احمد صاحب سے ملنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے تھے ان کو باہر آتے دیکھ کر عشرت انکی نظروں سے بچنے کے لیے کچن میں گھس گئی تھی یاسمین نے عذر و معذرت کے بعد مہناز باجی کو کچھ پیسے بھی تھما دیئے تھے کہ راستے میں کام آئیں گے کیونکہ وہ لوگ اتنی غربت میں اتنی دور سے ان کو دیکھنے آئیں تھے اور اب ان ہی کی خاطر واپس جا رہے تھے جاتے جاتے مہناز باجی نے عبداللہ کو ڈھیر سارا پیار کیا تھا ان کو خود بھی وہ گول مٹول بچہ بہت پسند آیا تھا یاسمین کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے بلآخر وہ رات کے آٹھ بجے وہاں سے واپس گجرانوالہ چل دیئے تھے۔

....

"اسے مجھے دے دیں بھوک لگی ہوگی میں اسے فیڈر پلا دیتی ہوں"

یاسمین نے ہاتھ میں فیڈر پکڑے عبداللہ کو احمد صاحب کی گود سے لینے کے دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا

"مجھے لگا تھا تم اُن کو واقعی سب سچ بتا دین چاہتی ہو مگر تم نے تو خود سے ہی کوئی کہانی بنا کر سنا ڈالی مہناز باجی اور ان کے شوہر کو"

بغور یاسمین کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے احمد صاحب نے پوچھا تھا عشرت جو مکمل سچائی جاننے کے لیے ابھی بھی دروازے کی اوٹ میں کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھی اب احمد صاحب کی زبان سے نکلنے والے الفاظ پر اسکے کان کھڑے ہو گئے تھے

"میں کیوں ساری سچائی بتاتی میرا دماغ نہیں خراب بلکہ آپ ایک بات بتائیں مجھے,

آپ کیوں ان کو ساری سچائی بتانے جا رہے تھے کچھ سوچا ہے آپ نے اگر کسی کو وہ سب سچ پتا چل گیا جو ابھی تک صرف ہمیں پتا ہے تو کیا ہو گا؟"

یاسمین عبداللہ کو لیے صوفے پر بیٹھی تھی جبکہ احمد صاحب دونوں پیر اوپر کیے بیڈ پر بیٹھے تھے جب یاسمین بیگم نے غصے سے ان سے یہ سب کہا تھا اس کی باتوں نے احمد صاحب کو حقیقتاً الجھا دیا تھا

"کیوں کیا ہو جاتا اگر ہم کسی کو سچائی بتاتے ہیں تو ہم نے تو صرف ایک معصوم بچے کو گود لیا ہے اُس سے محبت کرتے ہیں, اسکا خیال رکھتے ہیں اس سب میں کیا برائی ہے ہم نے کوئی گناہ تو نہیں کیا"

احمد نے صاحب جواب دیا

"اچھا آپ کو کیا لگتا ہے جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ ہم نے عبداللہ کو نا ہی کسی یتیم خانے سے گود لیا ہے اور نا ہی یہ میری بہن مہناز باجی کا بیٹا ہے بلکہ ہمیں یہ بچہ کچرے کے ڈھیر سے ملا ہے تو یہ دنیا کے لوگ آپ کو گولڈ میڈل سے نوازیں گے"

تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے ایسا کچھ نہیں ہو گا بلکہ جب لوگوں کو ساری سچائی کا پتا چلے گا تو وہ میرے بیٹے کا جینا حرام کر دیں گے ساری زندگی ناجائز ہونے کا طعنہ دے دے کر اسے جیتے جی مار دے گے جو لوگ زنا جیسا گناہ کرتے ہیں وہ خود تو اپنی نئی زندگیاں شروع کر دیتے ہیں انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا اور عبداللہ جیسے معصوم بچوں کا جینا محال کر دیتے ہیں جن کی کوئی غلطی ہی نہیں ہوتی سزا کے حقدار تو زانی اور زانیہ ہوتے ہیں نہ سزا تو انہیں دینی چاہیئے وہ بھی سر عام تاکہ باقی لوگ عبرت حاصل کر سکے مگر نہیں آج کل کے ماں باپ اپنے جوان بچوں کے گناہ کو تو چھپا دیتے ہیں کے مگر عبداللہ جیسے معصوم بچوں کو مار دیتے ہیں"

یاسمین چہرے پر غصے و افسوس کے ملے جلے تاثرات لیے بولی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اور آپ مہناز باجی کو ساری سچائی بتانے جا رہے تھے آپ کو لگا تھا کہ وہ یہ سب سن کر بہت خوش ہو گی تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ سب سے پہلے وہ ہی مجھے عبداللہ کو اس گھر سے نکال باہر کرنے کا کہتی"

وہ مزید بولی تھی

"تم اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو کہ عبداللہ کسی کے گناہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ ہے"
احمد صاحب نے سوالیہ نظروں سے یاسمین کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

"احمد ماں باپ تو اپنی اولاد کی خاطر جان دے دیتے ہیں ان کی خوشیوں کی خاطر اپنی خوشیاں قربان کر دیتے ہیں ناکہ ان کو جان سے مارتے ہیں ایسا صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو زنا کرتے ہیں اور پھر جب اُس زنا کا نتیجہ ایک بچے کی صورت میں ان کے سامنے آتا ہے تو وہ اپنی دو ٹکے کی عزت کے خاطر اُس بچے کو یا تو پیٹ میں ہی مار کر ختم کر دیتے ہیں اور یا تو پھر رات کے اندھیرے میں کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیتے ہیں یہ سوچ کر کہ صبح تک کتے بلیاں کھا جائیں گی اُس بچے کو اور ہماری جان چھوٹ جائے گی اللہ کا خوف نہیں ہوتا ایسے لوگوں کے دل میں ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ ایک دن اللہ رب العزت کے سامنے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا"
عبداللہ کے معصوم چہرے پر نظریں جمائے اسے تھپکتے ہوئے نم آنکھوں سے بولی تھی جو سوچ چکا تھا۔

"اللہ توبہ توبہ میرے خدایا سمین ایک ناجائز بچے کو پال رہی ہے"
"اللہ معاف کرے بھئی"
"باہر کھڑی عشرت ان سارے انکشافات پر جو ابھی اس پر کُھلے تھے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کرتے ہوئے چپ چاپ دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"واقعی میں نے ان سب باتوں کے بارے میں نہیں سوچا ان سب میں عبداللہ کی کوئی غلطی نہیں اس بچے کو تو جائز و ناجائز کا مطلب بھی نہیں پتا تم نے بہت اچھا کیا جو بات کو سنبھال لیا ورنہ میں تو غلطی سے ساری سچائی اُن کے سامنے کھول کر رکھ دیتا اور اللہ ان لوگوں سے پوچھیں جو ایک تو زنا کرتے ہیں اوپر سے بچوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں بے شک اللہ پاک زبردست انصاف کرنے والا ہے عبداللہ کے ساتھ جس نے بھی یہ سب کیا ہے ایک نا ایک دن انہیں ان سب کا بدلہ چکانا ہے پڑے گا وقت اپنا آپ دہراتا ہے مکافات عمل اٹل ہے جو جیسا بوتا ہے ویسا کاٹتا بھی ہے "

احمد صاحب نے یاسمین کے ساتھ صوفے پر بیٹھ کر اسکو تسلی دیتے ہوئے کہا جس کا کچھ دیر پہلے کہ اچانک افتاد پر ابھی تک رنگ پیلا ذرد ہوا پڑا تھا

"جی ان شاء اللہ آپ نے بلکل درست کہا,
اب بہت دیر ہو گئی ہے آپ کو بھی بھوک لگی ہو گی آپ جا کر عبداللہ کو بیڈ پر لیٹائے میں کھانا لگاتی ہوں"

یاسمین نے انکی بات کی تائید کرتے ہوئے عبداللہ کو ایک بار پھر انکی گود میں دیتے ہوئے کہا جس پر وہ عبداللہ کو لیے بیڈ کی جانب بڑھ گئے جبکہ یاسمین کچن کی جانب بڑھ گئی تھی وہ اب کسی حد تک پر سکون ہو چکی تھی کہ کسی کو سچائی کا علم نہ ہو سکا مگر اس بات سے انجان تھی کے عشرت سب سن چکی تھی اور اب وہ کیا کرنے والی تھی یہ تو ایک اللہ کو ہی پتا تھا۔

....

"اچھا ہوا آپ بھی کمرے سے باہر نکل آئیں ہیں"
نور جو لاؤنج میں بیٹھی موبائل پر نظریں جمائے بیٹھی تھی اس نے دعا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو آج کافی دن بعد اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

"آج تو وقت کا پتہ ہی نا چلا اور میں سارا دن سوتی رہی شام میں ذراج آیا تھا اس سے باتیں کرتے کرتے ہی میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی پھر تو مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہا ویسے وہ کس وقت گئے پھر یہاں سے؟"
دعا نے آنکھیں ملتے ہوئے گھڑی پر ایک نظر ڈال کر نور سے پوچھا تھا جہاں پورے دس بج رہے تھے۔

"پتا نہیں میں تو گھر سے باہر تھی اپنے ایک دوست کے ساتھ ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی ہوں ڈیڈ تو ہے نہیں گھر پہ مام کا بی پی ہائی ہو گیا تھا تو وہ بھی دوا لے کہ سو گئی ہے مجھے نیند نہیں آ رہی اس لیے یہاں آ کر بیٹھ گئی"
نور نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا

"نور بابا کا کچھ پتہ ہے کہاں گئے ہیں اور کب تک واپس آئیں گے اتنے دن ہو گئے نا ان کا فون لگ رہا ہے نا ہی وہ واپس آ رہے ہیں آخر وجہ کیا ہے مجھے ڈر لگ رہا ہے سب ٹھیک تو ہے نا"

دعا نے اس سے پوچھا

"کہاں سب ٹھیک ہے بابا کا جو نیا بزنس پارٹنر ہے عابد شیخ جس کے ساتھ مل کر بابا اور اسفندیار نے نئی فیکٹری کا آغاز کیا تھا وہ سارے پیسے لے کر فرار ہو چکا ہے کسی نے بابا سے کہا ہے کہ وہ ان دنوں کراچی میں قیام پزیر ہے اس لیے بابا اسے ڈھونڈنے گئے ہیں مگر ابھی تک اسکا کوئی سراغ نا مل سکا آج میرے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے اسفند کو فون آیا تھا بابا نے اسے اطلاع دی زیادہ دیر پہلے نہیں ابھی نو بجے ہی بابا نے اسکو کال کی تھی جسے سنتے ہی وہ بھی کافی پریشان ہو گیا تھا اسکی تو طبعیت بھی خراب ہو گئی تھی مجھے اسی وقت گھر ڈراپ کرتا وہ بھی چلا گیا تاکہ کچھ پتا لگا سکے بابا اور اسفند نے فیکٹری کے کنسٹرکشن وغیرہ ہر چیز کے کا کام ان کے حوالے کیا تھا اور اس کے لیے کروڑوں روپے کی ضرورت تھی جو بابا اور اسفند نے اس پہ بھروسہ کر کے دے دیئے تھے مگر اب اسکا نام و نشان بھی نہیں مل رہا۔

نور نے چپس کا پیکٹ کھولتے ہوئے جواب دیا تھا

"یا اللہ اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے کچھ پتا ہی نا چلا"

دعا نے سر دونوں ہاتھوں میں گراتے ہوئے افسوس سے کہا تھا

"آپ کو کہاں خبر ہو گی کسی بھی چیز کے بارے میں, آپ کمرے سے باہر نکلیں گی تبھی تو کچھ معلوم پڑے گا آپ کو مگر نہیں ساجدہ کیا چلی گئی اس دنیا سے آپ تو اس کا روگ ہی لے کہ بیٹھ گئی اور بند کر دیا خود کو ایک اندھیرے کمرے میں"

نور نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا

"اب تو اماں اس دنیا میں بھی نہیں رہی کم ازکم اب تو ان کا نام عزت سے لے لیا کرو اگر تھوڑی سی بھی شرم ہے تم میں"

دعا نے غصے سے اسے کہا تھا جو لاپروہی سے اب چپس کھانے میں مگن تھی

"اچھا ایک بات تو بتاؤ یہ تمہارا نیا دوست کون ہے جس کے ساتھ تم شاپنگ کرنے گئی تھی آج"

دعا نے پوچھا تھا

"وہی ہے نا اسفندیار جس کی ڈیڈ بہت زیادہ تعریفیں کرتے ہیں وہ بھی تو بزنس پارٹنر تھے ڈیڈ کے اس پرجیکٹ میں جس کے پیسے لے کر عابد شیخ فرار ہو چکا ہے آج کل ڈیڈ نہیں ہیں تو اسفند ہی آفس کے کام سنبھالنے میں میری مدد کرتا ہے اپنے آفس کے بعد وہ ہمارے آفس آ جاتا ہے پھر رات تک وہی میرے ساتھ کام کرتا رہتا ہے"

نورنے معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے جواب دیا تھا جس پر دعا کو کچھ غلط ہونے کا اندازہ ہوا تھا

"یہ آفس میں ایسا بھی کیا کام ہے جو تم ابھی تک نہیں سیکھ پائی اور یہ اسفند صاحب آکر تمہیں سکھاتے ہیں"

دعانے سخت لہجے میں پوچھا تھا

"دعا دراصل اسفند وہی انسان ہے جس کے بارے میں ،میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس سے پیار کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں بہت اچھا ہے وہ"

نورنے جواب دیا تھا مگر وہ فلحال اُسکے شادی شدہ ہونے کی بات کو چھپا گئی تھی

"بابا کو پتا ہے کیا یہ سب؟"

دعانے سوالیہ لہجے میں پوچھا

"نہیں ابھی تو نہیں پتا مگر جلد پتا چل جائے گا انہیں لیکن مجھے یقین ہے بابا کبھی بھی انکار نہیں کریں گے وہ تو خود اسفند کی اتنی تعریفیں کرتے ہیں بہت پسند کرتے ہیں وہ اسفند کو"

نورنے پیکٹ میں سے چپس نکال کر کھاتے ہوئے کہا

"ہمممم یہ تو صحیح کہا بابا کو اگر وہ انسان پسند آیا ہے تو واقعی وہ اچھا انسان ہوگا اللہ سب بہتر کرے گا ان شاء اللہ"

دعا نے کہا تھا

"ہاں مگر بس اب ایک نئی مصیبت پیدا ہوگئی ہے جس نے میری نیندیں اڑا کر رکھ دی ہے وہ یہ کہ اسفند کا سارا پیسہ عابد شیخ کے قبضے میں ہے اگر وہ نہیں ملا تو اسفند کو بہت نقصان ہوگا بلکہ وہ تو تقریباً کنگلا ہوجائے گا کیونکہ اس نے بھی بابا کی طرح ایک بڑی فیکٹری کے لالچ میں اپنی دو فیکٹریاں اس کے لیے بیچ ڈالی تھی تاکہ اس سے حاصل ہونے والا پیسہ بھی وہ لوگ نئی فیکٹری میں لگا سکے مگر اب اگر عابد شیخ نہیں ملا تو اسفندیار کے پاس صرف ایک فیکٹری اور گھر کے بغیر کچھ نہیں رہے گا بس اسی بات نے میری نیندیں حرام کر رکھی ہے

نور نے فکرمندی سے کہتے ہوئے آخر میں کہا تھا

"اگر ایسا ہوا تو پھر تو میں اس سے شادی نہیں کرنے والی"

اس کی آخری بات پر دعا دنگ رہ گئی تھی

"کیا مطلب شادی نہیں کرنے والی ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو تم نے کہا کہ تم اسے پسند کرتی ہو شادی کرنا چاہتی ہو اور ابھی تم کہہ رہی ہو کہ اگر اسے بزنس میں نقصان ہوا تو تم اس سے شادی نہیں کرو گی کیسی مطلبی اور خودپرست لڑکی ہو تم "

دعا نے غصے سے کہا تھا

"ہاں تو اس میں کیا ہے میں اسی لیے تو اس سے پیار کرتی ہوں کیونکہ وہ بہت خوبصورت ہے اور امیر بھی "

نور نے سیدھا سیدھا جواب دیا تھا

"یوسف بھی تو خوبصورت تھا اور امیر بھی کیسا مزہ چکا دیا تمہیں مگر تم ابھی بھی باز نہیں آئی اپنی حرکتوں سے، پیسوں کے لیے ایک انسان کو استعمال کر رہی ہو اسکے جزبات کے ساتھ کھیل رہی ہو مگر میری ایک بات کان کھول کر سن لو کہ صرف پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا یہ تو شکر کرو اللہ نے تمہارا پردہ رکھا ہوا ہے ورنہ جس دن تمہاری وہ انسان تمہارے ماضی سے واقف ہو جائے گا تمہیں اصل مزہ تو اسی دن آئے گا۔"

اس بات سے انجان کے وہ اسفند کی خوشحال زندگی کو تباہ کرنا چاہتی ہے دعا نے اسے شرم دلاتے ہوئے کہا

"غلط بلکل غلط کہا آپ نے پیسہ ہی تو سب کچھ ہے۔ جس انسان کے پاس پیسہ ہی نا ہو تو پھر ایسی خالی خولی پیار محبت کا اچار ڈالنا ہے میں نے اور اسے میں پتہ چلنے ہی نہیں دوں گی اپنے ماضی کے بارے میں اس بات کی ٹینشن نا لیں"

نور نے دھیرے سے ہنستے ہوئے جواب دیا

"چلیں مجھے بہت نیند آ رہی ہے ابھی میں سونے جا رہی ہوں آپ سے اس بارے میں بحث پھر کبھی کر لوں گی۔ "

نور نے جان کر اسے چھیڑتے ہوئے کہا تھا جس نے اس کی بات پر ناگواری سے سر جھٹکا تھا اور پھر پیروں میں چپل اڑستی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دعا وہی صوفے پہ بیٹھی سوچوں کے سمندر میں غرق تھی رات کے اس پہر وہ شدت سے ساجدہ اماں کو یاد کر رہی تھی کیونکہ اس وقت وہ نماز پڑھنے کے بعد ساجدہ اماں سے خوب جی بھر کے باتیں کرتی ان سے لاڈ اٹھواتی مگر اب وہ دعا سے دور جا چکی تھی اس دنیا کے سفر کو طے کرتے ہوئے اپنی منزل کو پہنچ چکی تھی اور اُس منزل پر پہنچ کر وہاں سے انسان کا آنا ناممکن ہے ان کے ساتھ گزارے لمحات کو سوچتے سوچتے وہ کبھی تو کسی بات پر مسکرا دیتی اور کبھی کسی سوچ پر اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ابھی بھی وہ ہاتھ کی پشت سے بھیگے چہرے کو صاف کر رہی تھی جب اسے قدموں کی چاپ سنائی تھی

نظریں اٹھا کر اس نے سیڑھیوں کی جانب دیکھا تھا جہاں سے انیلہ بیگم گرے کلر کے نائٹ گاؤن میں ملبوس سیڑھیوں اتر رہی تھی۔

"دعا اتنی رات ہو چکی ہے کیا کر رہی ہو تم یہاں خیریت؟"

انہوں نے نیند سے بند آنکھوں کو کھولتے ہوئے پوچھا تھا مگر دوسری جانب سے جواب ندارد

"طبعیت ٹھیک ہے تمہاری؟"

اسکی خاموشی پہ انیلہ بیگم نے ایک بار پھر سوال پوچھا مگر دوسری طرف وہ ویسے ہی ایک نقطے پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی تھی

"کچھ پوچھ رہی ہوں میں تم سے سنائی نہیں دے رہا کیا تمہیں کیا کر رہی ہو یہاں اتنی رات میں"

اب کی بار انیلہ بیگم نے غصے سے پوری آنکھیں کھولتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا تھا

"مجھے بہت اچھے سے سنائی دے رہا ہے اور کیا کر رہی ہو آپ کو یقیناً نظر آ رہا ہو گا بیٹھی ہوئی ہوں"

دعا نے بھی انہی کے لہجے میں جواب دیا تھا ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا کہ دعا نے انیلہ بیگم کی بات پر اتنا سخت ردِعمل دیا ورنہ آج سے پہلے تو وہ بڑی سے بڑی بات پر بھی ان کے آگے خاموش رہتی یا کم از کم ایسے لہجے میں کبھی بھی ان سے بات نا کرتی

"کیا بدتمیزی ہے، یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم مجھ سے ہاں؟"
وہ سے بپھری شیرنی کی طرح دھاڑی تھی

"اسی لہجے میں بات کر رہی ہوں آپ سے. جس لہجے میں ایک قاتل سے بات کرنی چاہیئے بلکہ مجھے تو بہت پہلے ہی آپ سے اس لہجے میں بات کرنی چاہیئے تھی مگر میں ہی بیوقوف تھی جو آپ لوگوں کی ہر جائز و ناجائز بات پر خاموش تماشائی بن کر محض نظارے دیکھتی رہی اگر میں پہلے ہی آپ سے ایسا رویہ رکھتی تو شاید آج ساجدہ اماں میرے پاس ہوتی آپ ان کو ہاتھ لگانے کی بھی جرأت نا کرتی۔"
دعا نے جواباً بے لچک انداز میں ان سے کہا تھا جن کے ماتھے پہ بے شمار شکنیں نمودار ہوئی تھی

"بس بن کرو اب یہ ساجدہ نامہ اب تو جا چکی ہے قبر میں پھر بھی جب دیکھو ساجدہ ساجدہ کرتی رہتی ہو اور اسی عورت کے لیے تم اپنی سگی ماں سے اس لہجے میں بات کر رہی ہو"
انہوں نے کہا تھا

"اور کیا کہا تم نے مجھے قاتل تو مجھے بھی بتاؤ ذرا کس کا قتل کیا ہے میں نے اگر تم اس ساجدہ کی بات کر رہی ہو تو وہ خود گری تھی سیڑھیوں سے میں تو اس وقت وہاں پر موجود بھی نہیں تھی تم لوگوں کے سامنے میں اپنے کمرے سے نکل کر وہاں پہنچی تھی. جس وقت مجھے ساجدہ کی چیخ سنائی دی تھی"

وہ کمال اداکاری کرتے ہوئے جھوٹ بول رہی تھی

"مجھ سے تو آپ جھوٹ بول لیں گی مگر اس ذات کے سامنے جب آپ حاضر ہونگی تو کیا جواب دینگی آپ کبھی سوچا ہے؟"

دعا نے آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان سے کہا تھا

"ٹھیک ہے کیا ہے میں نے ساجدہ کو قتل اسے سیڑھیوں سے دھکہ میں نے ہی دیا تھا کیا کر لوگی تم بتاؤ مجھے پولیس بلاؤ گی مجھ پر کیس کرواؤ گی؟"

انیلہ بیگم نے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ سجائے دعا سے کہا تھا جسے سنتے ہی غصے سے دعا کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا

"میں نے کب کہا ہے کہ میں پولیس بلاؤ گی یہ پولیس یہ عدالتیں ان میں آج کل انصاف کہاں میں تو آپ کو اللہ کے حوالے کر رہی ہوں اور اگر میں اللہ کی بارگاہ میں آپ کی شکایت نا بھی کروں تو بھی وہ رب العزت سب دیکھنے اور سننے والا ہے جو اُس رحمان کے بندوں پر ظلم کرتا ہے وہ پروردگار اُنہیں اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتا اس نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے یقیناً آپ کے لیے بھی ایسے ہی وقت مقرر کر رکھا ہوگا اور وہ وقت آنے پر آپکو پتا چلے گا کہ اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے میں پولیس کو بلوا بھی لوں اور آپ پر کیس کروا بھی لوں تو کیا ہوگا کچھ بھی نہیں ہوگا

کیونکہ آپ اپنی دولت میں سے کچھ نوٹوں کی گڈیاں ان کے منہ پر ماریے گی اور بات ختم مگر ایک بات یاد رکھیں اللہ کے ہاں رشوت و سفارش والا کام نہیں چلتا وہاں صرف اور صرف ایک چیز کو تولہ جائے گا اور وہ ہیں اعمال تو اب یہاں بیٹھ کر تفصیل سے اپنے اعمال کا جائزہ لیں"

دعا نے غصے سے زہر غندہ لہجے میں ان سے کہا تھا جن کا دل شاید پتھر کا تھا جو اتنا بڑا گناہ کرنے کے بعد اب گردن اکڑا کر اپنے کیے گیے گناہ کا اعتراف بھی کر رہی تھی

" بکواس بند کرو اپنی یہی وجہ تھی کہ میں نے اس ساجدہ کو مار ڈالا اماں سے اس لہجے میں بات کرنا اسی نے تمہیں سکھایا ہے نا یہی سب کچھ تو سکھاتی رہی ہے تمہیں،
ساری زندگی وہ میرے خلاف تمہارے کان بھرتی رہی "
انیلہ بیگم نے غصے سے کہا تھا

"وہ مجھے کچھ نا سکھاتی اگر آپ اپنی دو ٹکے کی پارٹیز کو چھوڑ کر خود ہم پر توجہ دیتی شکر کریں میری پرورش ساجدہ اماں نے کی ہے اور انہوں نے ہی مجھے آپکی عزت کرنا سکھایا ورنہ ابھی تک میں پوری دنیا کو بتا چکی ہوتی کہ آپ ایک قاتل ہیں آخری بات یہ کہ اگر آپ نہیں چاہتی کہ میں بابا اور ذراج کی فیملی کو بھی ساری سچائی بتا دوں تو مجھ سے کلام مت کیا کریں"

"میں جب جب آپ کو دیکھتی ہوں، آپ کی آواز سنتی ہوں تو تب تب مجھے ساجدہ اماں کا کفن میں لپٹا چہرہ یاد آتا ہے آپ سے اماں کا حساب تو اللہ ہے لے گا بے شک وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والوں کی رسی کو جب کھینچتا ہے تو پھر اس سے بچنے کی جگہ کسی کے پاس نہیں ہوتی"

اتنا کہتے ہی دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے دعا کمرے کی جانب چلی گئی جبکہ پیچھے کھڑی انیلہ بیگم غصے میں کھولتی وہی کھڑی رہ گئی۔

....

رات کے بارہ بجے چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا سفید گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بارجمان اسفند نے گاڑی کو پورچ میں ایک طرف کھڑا کیا تھا اور خود ایک ہاتھ میں اپنا بیگ تھامے جبکہ دوسرے بازو پر اپنا بلیک کوٹ ڈالے وہ گاڑی سے باہر نکلا تھا اور گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا تھا جہاں گہرا سناٹا چھایا تھا پورے گھر کی طرح لاؤنج میں بھی مکمل اندھیرا تھا اسے حیرت ہوئی تھی کیونکہ ناراضگی چاہے کتنی ہی کیوں نا ہو کنول اسکے آنے سے پہلے نہیں سوتی جب وہ گھر آتا کنول لاؤنج میں ہی اسکا انتظار کرتے ہوئے ملتی ہمیشہ سے ہی سب سے پہلے کنول اسے کھانے کا پوچھتی مگر پھر پچھلے کچھ دنوں سے ان کے درمیان جس قدر ناچاقی چل رہی تھی اسے سوچتے ہوئے وہ سر جھٹکتا کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا ایک تو سارا دن نور کی خواہشات پوری کرنے میں گزارنے کے بعد اب رات کے اس وقت اسکا جسم تھکاوٹ سے چور تھا جبکہ دوسری جانب شاہ میر ملک کی عابد شیخ سے متعلق دی گئی اطلاع کے بعد اب ٹینشن اور پریشانی کے باعث اسکا سر بھی درد کی شدت سے جیسے پھٹ رہا تھا عابد شیخ کے متعلق سوچ سوچ کر وہ پاگل ہو رہا تھا اسے اپنی بیوقوفی پر بھی غصہ آرہا تھا کہ کیسے اس نے ایک انجان آدمی پر اتنی

جلدی اس قدر بھروسہ کرلیا کہ اس کے ساتھ پرٹنر شپ اور مزید کامیابی کے لالچ میں آکر بنا سوچے سمجھے اپنی دو فیکٹریوں کو بھی بیچ ڈالا انہی سوچوں میں غرق وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا جہاں صرف نائٹ بلب کی ہلکی ہلکی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی ٹیوب لائٹ آن کرتے ہوئے اس نے ارمان اور کنول کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تھی ارمان تو بیڈ پر ہی آڑھا ترچھا لیٹا گہری نیند سو رہا تھا جبکہ کنول صوفے پر گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھ کر ان پہ سر رکھے کچھ اس طرح بیٹھی تھی کہ اسفند اسکا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھا اسفند کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس نے سر اٹھا کر دیکھنے تک کی زحمت نہیں کی تھی اسکی لاپروہی نے اسفند کو مزید غصہ دلایا تھا۔

"کھانے میں کیا بنایا ہے آج؟"

اسے صوفے سے اٹھ کر بیڈ کی جانب بڑھتے دیکھ کر اسفند نے سرد لہجے میں پوچھا تھا

"کیوں گول گپے کھا کر آپکا پیٹ نہیں بھرا جواب کھانا بھی کھانا ہے آپ کو"

"معذرت کے ساتھ مگر کھانے میں آج کچھ بھی نہیں ہے میں نے آپ کے لیے کچھ نہیں بنایا میں نے سوچا کہ اسی لڑکی کے ساتھ سارا دن آوارہ گردیاں کرتے ہوئے آپ دونوں پیٹ بھر کر کھا چکے ہونگے سڑک کے کنارے اسکے ہاتھوں سے گول گپے کھاتے ہوئے تو میں نے خود بھی آپ کو دیکھا تھا۔"

خون آشام نگاہیں اسکے چہرے پر جمائیں کنول نے آج بے خوفی سے اس سے کہا تھا جس کے ماتھے پہ بے شمار شکنیں نمودار ہوئی تھی

"تم نے........."

پوری قوت سے چیخ کر بولتے ہوئے وہ یکدم چپ ہوا تھا کیونکہ اسکے اسطرح سے چیخنے پر ارمان نیند میں ڈر کر اچھل پڑا تھا کنول نے بھی ارمان کو ایک نظر دیکھنے کے بعد غصے سے اسے دیکھا تھا جواب سختی سے لب بھینچے خاموش ہوا تھا

"میں آپ کے غصے اور چیخنے چلانے سے ڈرنے والی نہیں ہوں مگر ارمان بچہ ہے وہ ضرور ڈر جائے گا اس لیے آواز نیچے رکھ کر بات کریں"

کنول نے اسے گھورتے ہوئے بے لچک انداز میں کہا تھا جو اسکی بات سنتے ہی الماری سے نکالی ہوئی شرٹ کو صوفے پر اچھالتا بیڈ تک آیا تھا اور بے دردی سے اسکے بازو کو دبوچ کر گھسیٹتے ہوئے اسے کمرے سے ملحقہ ٹیرس پر لے کر آیا تھا۔

"اب بتاؤ کیا بکواس کر رہی تھی تم اندر"

ایک جھٹکے سے کنول کے بازو کو آزاد کرتے ہوئے اسفند نے غرا کر اس سے پوچھا تھا جو پوری قوت کے ساتھ گرلز سے ٹکرائی تھی مگر اس سے پہلے کہ زمین بوس ہوتی اس نے انہی گرلز کو تھام کر خود کو گرنے سے بچایا تھا

"میں، میں بکواس کر رہی ہوں ہاں یہی کہا نا آپ نے تو ایک منٹ ابھی آپ کو اس ساری بکواس کا ثبوت دکھاتی ہوں "کہتے ہی کنول اندر کمرے میں گئی تھی اور جب وہ واپس باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں موبائل تھا جس کی سکرین کو انگلی سے چھو کر اسنے کچھ تصویریں نکالی تھی اور پھر وہی موبائل اسفند کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا"

یہ ہے ثبوت اب بھی بول دیں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں کنول نے موبائل اسکی آنکھوں کے سامنے کیے طیش بھرے لہجے میں اس سے پوچھا تھا جو دنگ کھڑا وہ تصویریں دیکھ رہا تھا جن میں نور اسکے بے تحاشہ قریب کھڑی اسے گول گپے کھلا رہی تھی

"تم کب سے میری جاسوسی کرنے لگی ہو"

غصے سے موبائل اس کے ہاتھ سے اچکتے ہوئے اسفند نے پوچھا تھا مگر کنول نے فوراً ہی ہاتھ پیچھے کر کے موبائل کو اسکی پہنچ سے دور کیا تھا

"جب سے آپ دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں تب سے "

کنول نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا تھا

"میں ویسے بھی آج بہت تھکا ہوا اور پریشان ہوں مزید بکواس کر کے تم مجھے رات کے اس وقت اور پریشان مت کرو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میں غصے میں تمہارے ساتھ کچھ کر بیٹھوں گا"

سختی سے اسکے دونوں بازوں کو دبوچے اسفند اس قدر دھاڑا تھا کہ اسکی دھاڑ پر اندر کمرے میں موجود ارمان بھی ڈر کر اٹھ بیٹھا تھا یہاں وہاں دیکھتے ہوئے اسنے کنول کو تلاش کیا تھا مگر کمرے میں اس وقت سوائے اس کے اور کوئی موجود نا تھا

"مما، مما"

روتے ہوئے اس نے ایک دو مرتبہ کنول کو پکارا تھا مگر اس کی آواز اتنی تیز نہیں تھی کہ ٹیرس پر موجود کنول یا اسفند سن پاتے باپ کی تیز آوازوں پر اسے اندازہ ہوا تھا کہ اسفند ٹیرس پر ہے اس لیے بیڈ سے اترتے ہوئے بنا جوتوں کے اس نے بھی قدم ٹیرس کی جانب بڑھا دیئے مگر ٹیرس کے دروازے تک پہنچتے سامنے نظر آتے منظر کو دیکھتے اس کے قدم وہی جم گئے تھے جہاں اسفند کنول کے دونوں بازوؤں کو اپنی سخت گرفت میں لیے اسے سختی سے دیوار کے ساتھ لگائے کچھ کہہ رہا تھا

"اسفند آج ارمان نے بھی آپ کو اس عورت کے ساتھ دیکھ لیا تھا وہ ابھی صرف پانچ سال کا ہے کیا اثر پڑ رہا ہے اسکے دماغ پر اپنے باپ کو کسی دوسری عورت کے ساتھ ایسی حالت میں دیکھ کر کچھ سوچا

ہے آپ نے وہ چھوٹا سا بچہ جب بڑا ہو گا تو کیا سوچے گا کہ میرے باپ کے کسی دوسری عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے یہی سوچے گا نا وہ آپ کے بارے میں کیوں اس کو خود سے بدظن کر رہے ہیں کیوں ہمارے گھر کو تباہ کرنے پہ تلے ہوئے ہیں آپ""

کنول نے روتے ہوئے افسوس بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا

"ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں ہوا جیسے تم سوچ رہی ہو آئی سمجھ"

اسفند غرایا تھا

"میں کیسے یقین کر لوں کیا اتنا سب کچھ ہونے کے بعد مجھے آپ پر یقین کرنا چاہیئے نہیں ہر گز نہیں مجھے آپ پہ بلکل بھی بھروسہ نہیں ہے سارا دن آفس میں ایک ہی کمرے میں ہوتے ہیں آپ اس کے ساتھ کمرے سے باہر موجود لوگ کیا جانے اندر کیا ہو رہا ہے"

کنول نے زہرخندہ لہجے میں کہا تھا جس پر اسفند کا غصہ ساتویں آسمان کو پہنچا تھا

"پہلی بات تو یہ کہ ہمارے درمیان ایسا ناجائز رشتہ بلکل بھی نہیں ہے جیسا تم نے سوچ لیا ہے اور دوسری بات یہ کہ یہی سوچ کر کہ اپنے باپ کو کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ کر ارمان کے ذہن پر برا اثر پڑے گا میں بہت جلد نور نے شادی کرنے والا ہے ہوں, نکاح کرنے والا ہوں اس سے"

اسفند کے منہ سے نکلنے والے وہ الفاظ کنول کو زہر میں بھیگے تیر کی طرح لگے تھا وہ بے جان ہونے لگی تھی اسکی آنکھوں کے سامنے یک دم ہی اندھیرا چھایا تھا بے جان ہوتے قدموں کے ساتھ وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں دو قدم پیچھے گئی تھی مگر دیوار کا سہارا لے کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا تھا"

"کیا، کیا کہا آپ نے شادی کرنے والے ہیں آپ اس سے"
کنول نے بے یقینی سے اسکے الفاظ دہرائے تھے

"ہاں کرنا چاہتا ہوں میں اس سے شادی اور دوسری شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے"
اسفند نے جواب دیا تھا

"بلکل دوسری شادی کرنا گناہ ہرگز نہیں ہے مگر کیا آپ دونوں بیویوں کے حقوق ادا کر سکتے ہیں دوسری عورت کے آتے ہی ابھی وہ آپ کے نکاح میں بھی نہیں ہے اور آپ نے مجھے اور میرے بیٹے کو کچرے کی طرح ایک طرف پھینک دیا تو جب وہ شادی کر کے اس گھر میں آئے گی تب تو آپ مجھے اور میرے بیٹے کو اس گھر سے ہی نکال دینگے"
کنول نے بھیگے لہجے میں کہا تھا دروازے کے قریب کھڑے ارمان کی آنکھوں سے بھی آنسو نکلتے اسکے گالوں پہ پھسل رہے تھے

"دونوں کو برابر حقوق دینا وغیرہ وغیرہ سب ہو جائے گا میں ویسے بھی اسے اس گھر میں نہیں رکھوں گا الگ گھر لے کر دوں گا نور کو"

اسفند نے جواب دیا تھا اور وہاں سے جانے لگا تھا مگر مڑنے سے پہلے ہی کنول کے سرد لہجے میں کہے گئے الفاظ اسکے کانوں میں گونجے تھے

"ٹھیک ہے کرنا چاہتے ہو تم اس لڑکی سے شادی تو کر لو اب سب ختم ہو چکا ہے تم آخری حد بھی پار کر چکے ہو اب مجھے تم سے کوئی امید نہیں رہی مگر میری ایک بات کان کھول کر سن لو کہ اس لڑکی کے ساتھ نکاح سے پہلے تمہیں مجھے طلاق دینی پڑے گی میں مزید تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی"

بولتے ہوئے کنول کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی چھا گئی تھی جبکہ طلاق کا لفظ سنتے ہی اسفند اپنی جگہ پہ واپس رک گیا تھا

"کیا کہا تم نے ؟ دوبارہ کہو ذرا کیا چاہیئے تمہیں ؟"

قدم قدم چل اسکے قریب آتے ہوئے اسفند نے خونخوار لہجے میں کنول سے پوچھا تھا جواب ڈٹ کر اس کے سامنے کھڑی تھی دروازے کے پاس کھڑے ارمان نے ڈر کر سختی سے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا اسکا دل خوف و ہراس سے زور و شور سے دھڑک رہا تھا

"مجھے طلاق چاہیئے نہیں رہنا چاہتی میں تمہارے ساتھ سنا تم نے میں مزید اپنی زندگی کا ایک ایک دن گھٹ گھٹ کر نہیں گزارنا چاہتی تم تو سارا دن اس عورت کے ساتھ ہوٹلوں میں پھرتے رہتے ہو جبکہ میں یہاں گھر پہ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کرتی ہوں نہیں مرنا چاہتی میں یوں گھٹ گھٹ کر میں بھی اپنی زندگی میں آرام و سکون چاہتی ہوں اور میرے آرام و سکون کے لیے میرا بیٹا کافی ہے تم خوش رہو اپنی ہونے والی بیوی کے ساتھ میں اپنے بیٹے کے سہارے اپنی ساری زندگی گزار سکتی ہوں آزاد کر دو مجھے اس کھوکھلے رشتے سے"

کنول نے سسکتے ہوئے کہا تھا

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو اور اچھی طرح سے ذہن میں بٹھا لو کہ میں تمہیں کبھی بھی طلاق نہیں دوں گا کسی صورت میں بھی نہیں چاہے میں تین شادیاں ہی کیوں نا کر لوں مگر میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا کبھی بھی نہیں تم اور ارمان اسی گھر میں رہو گے کہیں نہیں جانے دوں گا تم دونوں کو یہاں سے"

انگلی اٹھا کر وارن کرتے ہوئے اسفند ہذیانی کیفیت میں بولا تھا جس پر کنول کو یہ سوچ کر مزید غصہ آیا تھا کہ خود چاہے دوسری لڑکیوں سے عشق معشوقی کرتا پھرے اور وہ اپنے حق کی بات بھی نا کریں۔

"سوچ ہے آپکی کہ آپ مجھے اس گھر میں باندھ کر رکھیں گے اگر آپ نے مجھے طلاق نہیں دی تو میں خلع لے لوں گی آپ سے"

ارمان ابھی بھی روتے ہوئے دروازہ میں کھڑا تھا جبکہ اسفند تو یقیناً پاگل ہو چکا تھا جو ایک ہی چست میں کنول کے قریب پہنچا تھا اور انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے بولا تھا

"دوبارہ اگر طلاق کی بات بھی کی نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا تمہیں طلاق دینے سے بہتر ہے کہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے تمہیں مار ڈالوں"

اسفند ابھی بول ہی رہا تھا جب ارمان نے ان دونوں کے درمیان حائل ہوتے ہوئے اپنی پوری طاقت لگا کر اسفند کو دھکہ دیا تھا۔

"دور رہے میری ماما سے سنا آپ نے"

ماں کو تڑپتے دیکھ کر ارمان اسفند پہ پوری قوت سے چیخا تھا

یہ سب کرتے ہوئے وہ اپنے بیٹے کو تو فراموش ہی کر چکا تھا ایک حرام رشتے کا ایسا بھی کیا اثر تھا جو وہ اپنی سگی اولاد تک کو بھول چکا تھا وہ ارمان کے دھکے کی وجہ سے پیچھے نہیں ہٹا تھا اس معصوم بچے میں کہاں اتنی طاقت تھی کہ وہ اپنے باپ کو دھکہ دے کر پیچھے ہٹا سکے وہ اگر پیچھے ہوا تھا تو اس کی وجہ ارمان کی ہمت تھی اپنی ماں کے ساتھ یہ سب ہوتے دیکھ کر اب اس کی آنکھوں میں اسفند کے لیے نفرت و ناپسندیدگی کے سوا اور کچھ نہیں تھا کنول کی ڈھال بنے وہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ کھولے کسی محافظ کی طرح اس کا دفاع کر رہا تھا

"مت آئیں یہاں"

بے خوفی سے بولتے ہوئے ایک خاموش آنسو اس معصوم بچے کی آنکھ سے گرتا زمین میں جذب ہوتا گیا اسفند ایک بت کی مانند کھڑا تھا نا کچھ بول رہا تھا اور نا ہی حرکت کر رہا تھا جب اچانک ارمان کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف کرتے ہوئے کنول تیزی سے آگے بڑھی تھی اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں اسفند کی شرٹ کا گریبان جکڑ کر بولنا شروع کیا تھا

"یاد ہیں تمہیں بڑے بابا کے الفاظ کیا وعدہ لیا تھا انہوں نے مرنے سے پہلے تم سے، یقیناً یاد نہیں ہوگا اُس دو نمبر لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر تم وہ بھی بھول چکے ہو گے"

کنول نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا

میں تمہیں یاد دلاتی ہوں وہ وعدہ اور وہ الفاظ جو تم نے ہسپتال میں بڑے بابا سے کہے تھے

سارے لحاظ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ اب "آپ" سے "تم" پر آ گئی تھی

"بیٹا میں کنول کو اللہ کے بعد تمہارے ذمے چھوڑ کر کے جا رہا ہوں اس کا بہت خیال رکھنا اگر تم کبھی اسے تکلیف پہنچاؤ گے تو یہ سمجھنا کہ تم اپنے باپ کو تکلیف پہنچا رہے ہو وعدہ کرو مجھ سے کہ تم کنول کا خیال رکھو گے اسے کبھی دکھ نہیں دو گے"

"وو عدہ کرو م مجھ سے"

شہیر اقبال نے اسفند سے وعدہ لیتے ہوئے کہا بستر مرگ پر پڑے کہا تھا

"جی بابا میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے ہمیشہ اس کا خیال رکھوں گا کبھی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اسے"

"یہی کہاں تھا نا تم نے بڑے بابا سے اور سب کے باوجود تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے جو گہرے زخم تم نے مجھے دیئے ہیں نا وہ کبھی بھی مندمل نہیں ہوسکتے کبھی نہیں روز محشر اللہ کے بعد تمہیں بڑے بابا کو بھی اپنے وعدے کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا اسفندیار اور ایک آخری بات تم سے یہ کہنا چاہوں گی کہ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ اس دنیا میں میری ماں، میرا باپ غرض کے میرا کوئی نہیں ہے اور تم جو چاہو میرے ساتھ کرسکتے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے میرا اللہ میرے ساتھ ہے میں اپنے لیے مدد صرف میرے اللہ سے چاہتی ہوں صرف اس پروردگار کو اپنا محافظ مانتی ہوں آج کے بعد تمہیں جو کرنا ہے کرو میں تمہاری راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کروں گی"

اپنی بات پوری کرتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اس کے گریبان کو چھوڑا تھا جو نظریں جھکائے کھڑا تھا

"مما چلیں ہم چلتے ہیں"

"مما چلیں یہاں سے"

کنول کے پیچھے ہٹتے ہی ارمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا تھا اسے اب اپنے باپ سے خوف آرہا تھا کہ کہیں وہ سچ مچ ہی کنول کو مارنے کی کوشش نا کردے اس لیے وہ کنول کو لے کر جلد از جلد اس کمرے سے جانا چاہتا تھا ارمان کو گود میں اٹھاتی کنول خود بھی اس کمرے سے نکل آئی تھی اور سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے پورشن میں موجود کمروں میں سے ایک میں داخل ہوئی تھی جو کہ ارمان کا کمرہ تھا مگر اسے وہاں اکیلے سوتے ہوئے ڈر لگتا اسی لیے یہ کمرہ زیادہ تر بند پڑا رہتا کمرے میں ایک سنگل بیڈ اور ایک صوفہ پڑا ہوا تھا اور جگہ جگہ ارمان کے کھلونے بکھرے پڑے تھے اندر داخل ہوتے ہی ارمان کو گود سے اتار کر نیچے زمین پر کھڑا کرنے کے بعد وہ جیسے ہی سیدھی ہوئی تھی اسے یک دم ہی چکر آئے تھے پورا کمرہ گول گول گھومتا محسوس ہو رہا تھا سر پر ہاتھ رکھے وہ فوراً ہی زمین پر بیٹھ گئی تھی

"ارمان میری جان میرے لیے پانی لے کر آؤ"

کنول نے اس سے کہا تھا جو ماں کی حالت کو دیکھتے ہوئے کافی پریشان ہو گیا تھا

"جی ما آپ یہی رکیں میں ابھی لے کر آتا ہوں"

یہ کہتے ہی ارمان نے باہر کچن کی جانب دوڑ لگا دی اور جب وہ واپس آیا تو اسکے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا جسے اس نے کنول کو تھمایا تھا ایک ہی سانس میں سارا پانی پینے تھا جب طبعیت کچھ سنبھلی تو اس کے بعد کنول نے ارمان کو دیکھا تھا جس کی آنکھیں بے خوابی کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی اسے اپنی

جان سے پیارے بیٹے پر بے تحاشہ پیار آیا تھا جو آج ایک محافظ کی طرح اس کے دفاع میں باپ کے سامنے کھڑا رہا

"ارمان بہت رات ہوگئ ہے میری جان ڈرو نہیں اور آکر سو جاؤ میں ہوں تمہارے ساتھ"
اسکی خاطر بڑی مشکل سے زمین سے اٹھ کر بیڈ کی جانب بڑھتے ہوئے کنول نے ارمان سے کہا تھا وہ اس وقت نارمل لہجے میں بات کر کے اسے ریلیکس کرنا چاہتی تھی جو ابھی بھی کچھ سہما سہما سا لگ رہا تھا

"ارمان تو پندرہ منٹ میں ہی نیند کی وادیوں میں کھو چکا تھا جبکہ کنول کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی اسنے ساری رات تکیے پہ سر رکھے جاگتے ہوئے گزاری تھی۔

....

اسفند ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح کمرے میں داخل ہوا تھا اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا

"یہ میں کیا کرنے والا تھا؟"
اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے وہ یک ٹک ان پر نظریں جمائے بولا تھا

میں کنول کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں" اس نے سوچا تھا
اس سے آگے وہ مزید کچھ سوچ بھی نا سکا تھا دونوں ہاتھوں کو نیچے گراتے ہوئے اس نے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا تھا

"میں کئی دنوں سے ایک خواب دیکھ رہی ہوں خواب میں ,میں دیکھتی ہوں کہ آپ مجھے جان سے مارنے کی کوشش کرتے ہیں"
اسفند کو کنول کا وہی خواب یاد آیا تھا جس کے بارے میں اس نے اسفند کو بتایا بھی تھا مگر جواباً ہر مرتبہ اسفند اس کی بات کا مذاق اڑاتا مگر آج اسے سمجھ میں آیا تھا کہ جان سے مارنا اور کیا ہوتا ہے اپنے لفظوں کے خنجر برسا برسا کر وہ اسے جان ہی سے تو مار چکا تھا ایک طرف نیچے پورشن میں کنول اور دوسری جانب اسفند دونوں کی رات آنکھوں میں کٹی تھی وہ دونوں ہی ساری رات اپنی اپنی سوچوں کے گھوڑے دوڑاتے رہے یہاں تک کہ صبح کی روشنی ہر سمت پھیل گئی بے خوابی کے باعث سرخ سوجھی آنکھیں لیے اسفند آفس کے لیے تیار نیچے آیا تھا جہاں پروین آنٹی (کام والی) جھاڑو لگانے میں مصروف تھی۔

"کنول کہاں ہے؟"
اسفند نے دھیمی آواز میں پوچھا تھا

"صاحب جی وہ کنول بی بی تو ارمان صاحب کے کمرے میں ہے ان کی طبعیت بہت خراب ہے اس لیے انہوں نے کہا ہے کہ وہ آرام کرے گی آج اور دروازہ بجا کر انکو بے آرام نا کیا جائے"

زمین پر جھاڑو رکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے پروین آنٹی نے جواب دیا تھا

"ٹھیک ہے اسے آرام کرنے دو گھر کا خیال رکھنا اور کنول کا بھی اگر اسکی طبعیت زیادہ خراب ہوئی تو مجھے فون کر لینا"

اسفند نے ان سے کہا تھا

"جی بہتر صاحب جی اور آپ کے لیے ناشتہ تیار کروں آپ کی بھی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے"

پروین آنٹی نے اسکی سرخ سوجھی آنکھوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا

"نہیں، میں آفس میں ہی کچھ کھا لوں گا زحمت نا کریں اور بس سر میں ذرا درد ہے شاید اسی لیے آپ کو لگا میری طبعیت خراب ہے"

بمشکل ہلکا سا مسکراتے ہوئے اسفند نے انکو جواب دیا اور کوٹ بازو پہ ڈالے کار پورچ کی جانب بڑھ گیا۔

"کوئی بات تو ضرور ہے صاحب جی اور بی بی جی الگ الگ کمروں میں بھی ہیں اور دونوں کی آنکھوں سے بھی یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کافی روئے ہو سر درد تو صرف ایک بہانہ ہے لیکن جو بھی ہو اللہ پاک کرے دونوں کے درمیان سب ٹھیک ہو جائے اور اللہ ان دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے پہلے کی طرح آمین"

افسوس سے سوچتے ہوئے پروین آنٹی نے دل سے اپنی پیاری مالکن کے گھر کی خوشحالی کے لیے دعا کی تھی جس نے ہمیشہ اسکا ساتھ دیا تھا جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو کنول نے اسے انکار نہیں کیا بلکہ بلا جھجھک اس کی ہر ضرورت کو پورا کیا۔

....

ناشتے کی میز پہ اس وقت نور اور دعا کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا شاہ میر ملک ابھی تک عابد شیخ کی کھوج میں لگے ہوئے تھے جس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا جبکہ انیلہ بیگم کی ابھی بھی صبح نہیں ہوئی تھی جو خواب خوگوش کی نیند سوئی پڑی تھی پلیٹ میں موجود آملیٹ پر نظریں جمائے دعا اسے صرف گھورنے میں مصروف تھی ابھی تک اس نے ناشتے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا روز صبح اسی وقت وہ ساجدہ اماں کے ساتھ مل کر سب کے لیے ناشتہ بناتی تھی مگر اب وہ نہیں رہی تھی دعا کو بہت شدت سے ان کی یاد آرہی تھی ساجدہ اماں کی باتوں کو سوچ سوچ کر وہ جیسے تھک گئی تھی اور آملیٹ سے نظریں ہٹا کر اس نے سامنے کرسی پر بیٹھی نور کو دیکھا تھا جو ماتھے پہ بے شمار بل لیے بار بار کسی کا نمبر ملا رہی تھی موبائل

کو کان کے ساتھ لگانے پر پتا نہیں دوسری جانب سے ایسا کیا جواب ملتا جو وہ شدید غصے میں کان سے موبائل ہٹا کر دوبارہ نمبر ملاتی۔

"کس کو فون کر رہی ہو بار بار خیریت ہے؟"

دعا نے پوچھا تھا

"اسفند کو کر رہی ہوں کال ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میرا فون نا اٹھائے ہمیشہ وہ پہلی بیل پر ہی فون اٹھا لیتا ہے مگر آج صبح سے میں اسے فون پہ فون کر رہی ہوں اور وہ ہے کہ جواب ہی نہیں دے رہا پہلے تو کال اٹھا ہی نہیں رہا تھا اور اب تو موبائل ہی بلکل بند کر دیا ہے اس نے پتا نہیں کیا وجہ ہے"

اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا تھا جس پر دعا گہرا سانس بھر کر رہ گئی

"نور ویسے میں کب سے تم سے یوسف کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی لیکن میں ہر بار پوچھنا بھول جاتی ہوں تم سے یہ بتاؤ یوسف کا کچھ اتا پتا ہے کہاں ہے؟ کیا کرتا ہے؟"

دعا نے تجسس سے پوچھا تھا

"کیا سچ میں آپ کو نہیں پتا میں نے آپ کو ابھی تک یوسف کے بارے میں نہیں بتایا اتنی بڑی بات بتانا میں کیسے بھول سکتی ہوں ویسے"

نور نے یاد آنے پر ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تھا

"کیوں ایسا بھی کیا ہوا ہے ؟"

دعا نے سوالیہ لہجے میں پوچھا

"یہ پوچھیں کیا نہیں ہوا ہے چلیں آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرواتی بتا ہی دیتی ہوں دراصل بات یہ کہ اب تو تقریباً سال ہونے والا ہے کہ یوسف خان بستر مرگ پہ پڑا اپنی آخری سانسیں گن رہا کے جس دن میں نے ہسپتال میں بچے کو جنم دیا تھا اسی دن یوسف اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ مل کر آوارہ گردیاں کرنے سوات گھومنے گیا تھا وہی کسی پہاڑی سے گر کر اسکے سر پر اس قدر شدید چوٹ لگی کہ وہ قومہ میں چلا گیا بلکہ سر پر کیا اسکا پورا جسم ہی چکنا چور ہو گیا تھا اس کے پیر بھی ناکارہ ہو چکے ہیں اب گھر میں ایک کمرے میں پڑا سڑ رہا ہے"

نور نے مزے سے مسکراتے ہوئے دعا کو آگاہ کیا تھا جس نے استغفراللہ کہتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا

"تمہیں مجھے پہلے بتا دینا چاہیئے تھا کیا گزر رہی ہوگی اس کے ماں باپ پہ میں ان کے گھر جاتی عیادت کے لیے"

دعا کے دل میں اس کے لیے ہمدردی جاگ اٹھی تھی جو اس نے نور سے کہا تھا

"جی ضرور جائیں اس کا انجام دیکھنے میں بھی گئی تھی اور یقین کریں دل خوش ہوگیا اسے اس حال میں دیکھ کر"

نور نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا جس پر اب کی بار دعا کو غصہ آیا تھا

"کسی کے بارے میں بھی ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیئے نور وہ اس وقت تکلیف میں مشکل میں ہے تمہیں چاہیئے کہ اس کے لیے اللہ سے دعا کرو جو بھی ہو اللہ جب کسی انسان کی پکڑ کرتا ہے تو پھر وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا اللہ اس پر رحم کریں امین"

دعا نے افسوس بھرے لہجے میں کہا تھا

"آپ ابھی بھی اس انسان کے لیے دعا کررہی ہیں جس نے میرے ساتھ اس رات کیا کچھ کیا تھا بھول گئی کیا آپ"

نور نے شاکی کیفیت میں اس سے کہا تھا

"اگر ایسا ہے نور تو پھر تو تمہیں بھی اپنے انجام سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ تم دونوں نے زنا کیا تھا میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ ویلنٹائن ڈے تو دن ہی زانیوں کا اور بے حیائی کا ہے مت جاؤ یوسف کے ساتھ مگر سب کچھ جانتے بوجھتے بھی تم اس کے ساتھ چل پڑی میں تمہارے رگ رگ سے واقف ہوں

انداز ہ تمہیں بھی تھا کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہے مگر اس کے باوجود تم اس کے ساتھ چل پڑی اسی وجہ سے کہ وہ شادی کے لیے ٹال مٹول کر رہا تھا اور تم نے سوچا کہ یہ سب ہو جانے کے بعد تم اس کے گھر جا کر واویلا کروگی اور یوسف کے ماں باپ تمہاری شادی اس کے ساتھ کروا دیں گے مگر اس نے تمہیں دھکے مار کر گھر سے نکال دیا زانی اگر وہ ہے تو تم بھی زانیہ ہو وہ تمہیں زبردستی لیکر نہیں گیا تھا تم اپنی مرضی سے اسکے ساتھ گئی تھی مختصراً یہ کہ یوسف کا انجام تمہارے لیے عبرت ہے ابھی بھی وقت ہے اللہ سے معافی مانگ لو زندگی کا کچھ پتا نہیں کب کس موڑ پہ لے آئے"

دعا نے اس سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا جس کا غصہ سوا نیزیں پہ پہنچ چکا تھا

"یہی وجہ ہے کہ میں آپ سے بات نہیں کرتی آپ کی اسی بکواس باتوں سے مجھے الرجی ہے یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا یہ سب صرف کتابی باتیں ہیں اصل زندگی میں ایسا ویسا کچھ نہیں ہوتا"

کرسی سے اٹھتے ہوئے وہ بھڑک کر بولی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"یہ تو تم جیسی مغرور اور نافرمان لڑکی کو وقت کے ساتھ ہی پتا چلے گا کہ وہ پروردگار ہر کام پہ نظر رکھے ہوئے ہے بس اس رب نے ہر انسان کی رسی کھینچنے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے"

دعا نے جواب دیا

"آپ کے ساتھ فضول کی بحث میں میرا کافی وقت ضائع ہو چکا ہے آج آفس میں میٹنگ ہے جو کہ مجھے اٹینڈ کرنی ہے میں مزید اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتی آپ سے بات کر کے بائے"

درشت لہجے میں بولتے ہوئے اس نے موبائل اٹھایا تھا اور غصے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہاں سے چلی گئی تھی جبکہ پیچھے بیٹھی دعا نے یوسف کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا اور برتن سمیٹنے کے لیے کرسی سے اٹھتی جلدی جلدی اپنا کام نمبٹا نے وہاں سے چلی گئی

....

ساری رات سوچوں میں گزارنے کا بعد بلآخر صبح کے نو بجے کنول کچھ کسی سوچ کے تحت بستر چھوڑتی اٹھ بیٹھی تھی اور اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اس نے ذراج کا نمبر ڈائل کیا تھا ذراج نا صرف اسفند کے بچپن کا دوست تھا بلکہ وہ کنول کو بھی ایک بہن کی حیثیت سے جانتا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ اسفند, کنول اور ذراج بچپن سے ایک سکول, ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے جب بھی کنول کو کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اسفند کے بعد اگر کسی سے مدد مانگنے کو ترجیح دیتی تو وہ انسان ذراج تھا جو بلکل بھائیوں کی طرح ہمیشہ اس کی مدد کرنے کو پہنچ جاتا ذراج کا نمبر ملانے پر اس نے موبائل کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم! بھابھی کیسی ہیں آپ؟"

ذراج نے پہلی ہی فرصت میں نہایت مہذب انداز میں اسکی خیریت دریافت کی تھی

"ٹھیک ہوں ذراج بھائی میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں پلیز کیا آپ ابھی اور اسی وقت مجھ سے مل سکتے ہیں؟"

دوسری جانب سے کنول نے روتے ہوئے کہا تھا جس پر ذراج بے حد پریشان ہوا تھا

"جی بھابھی میں ابھی آجاتا ہوں مگر پلیز آپ کچھ بتائیے تو صحیح سب کچھ ٹھیک ہے نا؟"

ذراج نے فکرمندی سے پوچھا تھا

"نہیں ذراج بھائی کچھ ٹھیک نہیں ہے اسی لیے آپ سے ملنا چاہتی ہوں کیونکہ میں فون پہ میں سب کچھ نہیں بتا سکتی پلیز میں آپ کو ایک ایڈریس سینڈ کرتی ہوں ایک کافی شاپ کا ہے آپ وہاں آکر مجھ سے مل لیں"

کنول نے ہنوز روتے ہوئے کہا تھا

"آپ پلیز روئیے مت بھابھی میں بس ابھی پہنچتا ہوں اپنا اور ارمان کا خیال رکھئیے گا اللہ حافظ"

ذراج کو اندازہ ہو چکا تھا کہ کنول کے رونے کی وجہ نور اور اسفند ہے اس لیے اس نے کنول سے ملنے کا سوچا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کنول کا اس دنیا میں اور کوئی بھی نہیں ہے وہ کسی کو نہیں جانتی جس سے بات کر سکے اس سے مدد لے سکے اسی لیے اس نے بہت امید کے ساتھ ذراج کو فون کیا تھا جس پر وہ وقت

ضائع کیے بغیر گاڑی کی چابیاں اٹھاتا آفس کے سارے کام کسی اور وقت پہ چھوڑتا اسی ایڈریس پہ پہنچنے کے لیے روانہ ہو گیا تھا جو کنول نے ابھی ابھی اسے میسج کے ذریعے سینڈ کیا تھا۔

دوسری جانب کنول نے بھی ارمان کو نیند سے جگا کر اسے ناشتہ کروایا تھا اور پھر اسے تیار کرنے کے بعد پروین آنٹی سے یہ کہتے ہوئے کہ میں ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں وہ بھی وہاں سے چلی گئی تھی۔

- -

ذراج اسی کافی شاپ میں بیٹھا کنول کا انتظار کر رہا تھا جب چہرے اور جسم کے گرد کالے رنگ کی بڑی سی چادر لپیٹے آنکھوں پہ کالا چشمہ لگائے ارمان کا ہاتھ تھامے وہ بھی اسی کافی شاپ میں داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم! بھابھی"
ذراج نے کھڑے ہوتے ہوئے سلام کیا

"وعلیکم السلام"
کنول نے بیٹھتے ہوئے آنکھوں سے گلاسز اتارتے ہوئے جواب دیا تھا۔ جس پر ذراج کی نظریں اسکی سرخ آنکھوں اور سوجھی ہوئی آنکھوں پہ پڑی تھی

"بھابھی پلیز اب بتائیں کیا بات ہے آپ اتنی پریشان کیوں ہیں اور رو بھی رہی تھی فون پہ وجہ کیا ہے؟"

ذراج نے بے صبری سے پوچھا تھا کچھ بھی جواب دئیے بغیر کنول نے پرس سے موبائل نکال کر اس پہ نور اور اسفند کی وہی تصویریں نکالتے ہوئے موبائل میز پر ذراج کے سامنے رکھا تھا جس پر نظر پڑتے ہی ذراج کو سارے معاملے کا اچھے سے اندازہ ہو گیا تھا

"آپ کے تاثرات کو دیکھ کر مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ آپ اس سب سے پہلے ہی واقف ہیں"

کنول نے اسکی خاموشی کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"صحیح لگ رہا ہے آپ کو میں اس سب سے پہلے ہی واقف ہو چکا ہوں مگر زیادہ پہلے نہیں صرف ایک دن پہلے کی بات ہے کہ میں نے اسفند اور نور کو ایک ہوٹل میں دیکھا تھا ان کے بیٹھنے کے انداز سے اور اس کے علاوہ بھی کافی اور چیزوں سے مجھے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا"

ذراج نے جواب دیا تھا

"آپ کو یہ سب کب پتا چلا؟"

ذراج نے اس سے پوچھا

"مجھے تو بہت دنوں پہلے پتا چل چکا تھا مگر میں نے سوچا کہ شاید اسفند کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا میں جب اس سے لڑوں گی جھگڑوں گی تو وہ خود ہی اس لڑکی کو چھوڑ دے گا مگر وہ,وہ تو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے"

کنول نے سسکیوں سمیت بتایا تھا ارمان فکرمندی سے کبھی ذراج کو دیکھتا تو کبھی اپنی روتی بلکتی ماں کو

"اب تو ساری سچائی سے اسفند کو واقف کرنا ہی پڑے گا اب وقت آ گیا ہے کہ اسفند کو نور کے بارے میں سب سچ پتا چل جائے"

پرسوچ نظروں سے میز پر موجود گلاس کو گھورتے ہوئے ذراج نے کہا تھا اس کی بات پر کنول نے حیرت سے اس کو دیکھا تھا

"کیسی سچائی میں کچھ سمجھی نہیں؟"

اس نے ذراج سے پوچھا

"ارمان بیٹا جاؤ وہاں سے ویٹر کو بلا کر لاؤ پتا نہیں آ کیوں نہیں رہا"

ذراج نے بہانے سے ارمان کو وہاں سے بھیجا تھا

"بھابھی بات یہ کہ جس دن میں نے نور کو اس ہوٹل میں اسفند کے ساتھ دیکھا تھا اُسی دن اور اُسی وقت میں نے ایک ویٹر سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا تھا اس ویٹر نے نور کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک بدکردار لڑکی ہے اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا اس ویٹر کی بات پر یہاں تک کہ غصے کی وجہ سے میں کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا مگر بعد میں جب میں نے اس ویٹر کی ساری باتوں پر غور کیا تو میں اس کے پاس دوبارہ پہنچا اور میں نے اس سے نور کے بارے میں پوچھا جس پر اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک بدتمیز اور بدکردار لڑکی ہے جو خوبصورت اور امیر لڑکوں کو اپنی اداؤں سے اپنے جال میں پھنساتی ہے اس نے تو یہ تک بتایا کہ ایک سال پہلے وہ اسی ہوٹل میں ایک مرد کے ساتھ ویلنٹائن ڈے پہ رات تک گزار چکی ہے مجھے تو آپ کو یہ سب بتاتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے جو وہ لڑکی کر چکی ہے اور اب اسکا نیا ٹارگٹ اسفند ہے مگر آپ فکر مت کریں میں ایسا کبھی بھی نہیں ہونے دوں گا بہت جلد میں ساری سچائی اسفند کے سامنے لا کر رہوں گا"

ذراج نے وہ ساری باتیں کنول کو بتائی تھی جو کل ہی اسے خود اس ویٹر سے نور کے بارے میں پتا چلی تھی

"ذراج بھائی آپ نور کو اتنے اچھے سے کیسے جانتے ہیں؟"

کنول نے پوچھا تھا

"نور بابا کے دوست کی بیٹی ہے اور اس کے علاوہ وہ میری سالی بھی ہے یعنی جس لڑکی "دعا" سے میرا نکاح ہوا ہے پچھلے دنوں نور اسی کی سگی بہن ہے "

ذراج نے بتایا

"اوہ میرے اللہ پھر تو آپ جلد از جلد اِس لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر جان چھڑا لیں وہ بھی اِسی کی طرح ہو گی"

کنول نے اسے خبردار کرتے ہوئے کہا

"ارے نہیں نہیں بھابھی کیا کہہ رہی ہے آپ اتنی مشکلوں سے اسے حاصل کیا ہے میں نے اور آپ اسے طلاق دینے کا کہہ رہی ہیں لیکن آپکی معلومات میں اضافہ کر دوں کہ وہ نور کی طرح بلکل بھی نہیں ہے وہ سر سے پیر تک بلکل مختلف ہے آپ ملیں گی نا دعا سے تب آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنی اچھی لڑکی ہے"

ذراج نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اسکی بات پر کنول بھی مسکرائی تھی

"چلو یہ بھی ٹھیک کہا تم نے ضروری تو نہیں کہ دونوں ایک جیسی ہو"

کنول نے جواب دیا

"اب اپنے دل کی بات بتائے بھابھی آپ نے کیا سوچا ہے اسفند کے بارے میں؟ کیا آپ اس سے علیحدگی چاہتی ہیں؟"

ذراج کے سوال پر کنول کا دل ڈوب کر ابھرا تھا اس نے کب ایسا سوچا تھا وہ تو کبھی خواب میں بھی اسفند سے الگ ہونے کا نہیں سوچ سکتی تھی

"مجھے یہی تو سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا کروں میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا یہ فیصلہ میرے لیے ایک بہت ہی بڑا فیصلہ ہے جسے میں سوچ سمجھ کر کرنا چاہتی ہوں"

کنول نے سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بے بسی سے جواب دیا جسے سنتے ہی ذراج کو تسلی ہوئی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نور جیسی شیطان صفت لڑکی کی وجہ سے اسفند اور کنول ایک دوسرے سے الگ ہو جائے

"یہ بہت اچھی بات کی ہے آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کرنے میں آپ کو جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیئے"

ذراج نے کہا تھا

"بھابھی مجھے آپکی طبعیت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی اور امی بابا بھی بہت دنوں سے آپ کو اور ارمان کو یاد کر کر رہے ہیں ایک کام کریں اس اسفند کے بچے کو بتائے بغیر میرے ساتھ چلیں ہمارے گھر

یقین کریں مما اور بابا آپ سے مل کر بہت خوش ہونگے آپ کو تو پتا ہے بابا آج کل آفس بھی نہیں جا رہے ان کی طبعیت خراب رہتی ہے گھر میں پڑے پڑے وہ بہت بور ہوجاتے ہیں ارمان کے ساتھ انکا بھی دل لگا رہے گا

ذراج نے کنول سے کہا تھا

"چاچو وہ آرہے ہیں"

ارمان نے بھاگ کر آتے ہوئے ویٹر کے آنے کی اطلاع دی دی تھی

"چاچوں کی جان میرے ساتھ چلنا ہے کیا گھر دادو اور دادا جی آپ کو بہت مس کر رہے ہیں"

ذراج نے ارمان کو گود میں لے کر اسے پیار کرتے ہوئے کہا تھا

"میں بھی ان کو بہت مس کر رہا ہوں مجھے جانا ہے آپ کے ساتھ"

ارمان نے پرجوش لہجے میں کہا تھا

"بھابھی پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"

ذراج نے کنول سے اسکی رائے پوچھی

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے چلنا چاہیئے آپ کے ساتھ لیکن اس سے پہلے گھر سے کچھ کپڑے اور ضرورت کا سامان بھی لینا ہے مجھے"

کنول نے اسفند کو سبق سکھانے کا سوچتے ہوئے ذراج سے کہا

"ٹھیک ہے میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں آپ سب سامان وغیرہ لے کر میرے ساتھ ہی میری گاڑی میں آجائے اسفند کو بتائے بغیر اور اپنا موبائل بھی وہی چھوڑ آئیے گا"

ذراج نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تھا

"جی سر کیا لینگے آپ؟"

وہ وہاں سے اٹھ ہی رہے تھے جب ویٹر نے آکر پوچھا تھا

"نہیں شکریہ بس کچھ نہیں چاہیئے"

ذراج نے ارمان کو گود میں اٹھاتے ہوئے جواب دیا اور وہ تینوں وہاں سے نکل آئے۔

....

گھر سے اپنے اور ارمان کے کچھ کپڑے اور باقی ضرورت کا سامان ایک بیگ میں پیک کرنے کے بعد کنول ارمان کا ہاتھ پکڑے باہر آئی تھی جہاں چوکیدار سو رہا تھا جبکہ پروین آنٹی اپنا کام ختم کر کے وہاں سے جا چکی تھی باقی بڑے سے گیٹ کو عبور کرتے ہوئے وہ باہر گاڑی کی طرف آئی تھی جس میں بیٹھا ذراج اسکا انتظار کر رہا تھا اور پھر کنول اور ارمان کے بیٹھتے ہی ذراج گاڑی کو آگے بڑھاتا اپنے گھر کو جانے والے راستے پہ ڈال چکا تھا

یوسف کے گھر کا پتا لگاتی دعا ان کے گھر پہنچی تھی گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اسکا سامنا ایک عورت سے ہوا تھا جس نے نیلے رنگ کی شلوار قمیض اور ساتھ میں سفید دوپٹہ پہن رکھا تھا شکل سے وہ دعا کو یوسف کی والدہ معلوم ہوئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!"

وہ دور سے ہی دعا کو اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب اس نے قریب آ کر ان کو سلام کیا تھا

"وعلیکم السلام بیٹا آپ کون؟"

انھوں نے بھی مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں جواب دیا تھا دعا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا جواب دیں

"آنٹی وہ میں یوسف......"

ابھی اس نے بات بھی مکمل نہیں کی تھی جب شازیہ بیگم (یوسف کی والدہ) نے کہا تھا

"اچھا اچھا بیٹا میں سمجھ گئی ہوں آپ بھی یوسف کی دوست ہو نا یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے ہونگے اور اب اسکا پوچھنے آئی ہو"

شازیہ بیگم نے خود سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا

"جی آنٹی بس یہی سمجھ لیں"

دعا نے ہلکی سے مسکراہٹ لبوں پر سجائے جواب دیا تھا

تھا

"آجاؤ بیٹا لے جاتی ہوں آپ کو اس کے کمرے میں میرے پیچھے پیچھے آؤ"

سیڑھیوں کی سمت بڑھتے ہوئے انہوں نے دعا سے کہا تھا جواب ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی

"آپ سے پہلے بھی یوسف کے کئی دوست آئیں ہیں ایک دفعہ آتے ہیں اس کے بعد دوبارہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے"

سیڑھیاں طے کرتے ہوئے انہوں نے دعا سے کہا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا

"رمیز اور قاسم یوسف کے بہت اچھے دوست تھے بلکہ یہ کہو کہ صرف نام کے دوست تھے کیونکہ جب تک یوسف ٹھیک تھا ان پر اپنے پیسے لٹاتا تھا تب تک وہ بھی سارا دن یہی پڑے رہتے ہر وقت یوسف یوسف کرتے رہتے مگر جب سے میرا بیٹا بستر سے لگ گیا ہے تب سے دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس سارے عرصے میں اس کا پوچھنے اور اس کو دیکھنے تک نہیں آیا"

وہ لوگ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اب اوپر پہنچ چکے تھے

"آجاؤ اندر"

انہوں نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دعا سے بھی کہا تھا جس پر وہ بھی ان کے پیچھے ہی اس کمرے میں داخل ہوئی تھی جب نور اس کمرے میں آئی تھی تب وہ کمرہ ایک بہت ہی گندہ اور بدبودار کمرہ تھا جس میں ایک پل کو ٹھہرنا بھی محال تھا مگر اب شازیہ بیگم نے وہ کمرہ بلکل صاف ستھرا رکھا تھا جو جوان سے بن پڑا تھا انہوں نے یوسف کے لیے کیا تھا مگر ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ ابھی بھی اس کے ٹھیک ہونے کے چانسز دور دور تک نہیں ہیں دعا کی جیسے ہی یوسف پر نظر پڑی تھی اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا حیرت سے آنکھیں پھاڑے وہ یوسف کو دیکھ رہی تھی جو ایک وقت میں حسن و خوبصورتی کا مجسمہ ہوا کرتا تھا مگر اب وہ بیڈ پر پڑا کوئی ڈھانچہ معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا سچ میں یہ یوسف ہی ہے؟"

دنگ نظروں سے اسکو دیکھتے ہوئے دعا کے لبوں سے الفاظ پھسلے تھے

"ہاں بیٹا یہ یوسف......."

مزید شازیہ بیگم کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے

"میں تمہارے لیے کچھ ٹھنڈا لے کر آتی ہوں باہر گرمی بہت ہے اور آپ اس گرمی میں آئی ہیں"

منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹتے انہوں نے کہا تھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی تھی ان کے وہاں سے جاتے ہی دعا چھوٹے چھوٹے قدم لیتی بیڈ تک آئی تھی جس پر یوسف خان کا نیم مردہ جسم پڑا ہوا تھا

"مجھے واقعی تمہارے لیے افسوس ہو رہا ہے میں تمہارے لیے دعا کروں گی کہ اللہ تمہاری سختی معاف فرما دیں"

اسے سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے

"ویسے اگر تم میری باتیں سن رہے ہو تو میں تمہیں بتا دیتی ہوں کہ تم خود بھی دل ہی دل میں اللہ سے معافی مانگا کرو"

دعا نے وہی کھڑے کھڑے کہا تھا

"ہم کتنے ظالم ہیں نا یوسف ہر اچھے اور برے کام کا پتا ہونے کے باجود بھی ہم برے کام کو سرانجام دینے سے باز نہیں آتے تم خود ہی سوچو کیا زنا جیسا بڑا گناہ کرتے ہوئے تم نے ایک لمحے کو بھی سوچا تھا کہ کوئی دیکھے یا نہیں مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے زنا کو ایک کبیرہ گناہ قرار دینے کے باوجود تم جیسے لوگ اس گناہ کو کرنے سے باز نہیں آتے جب ہم اللہ کے قائم کردہ حدود کو توڑیں گے, اللہ کے بنائے گئے اصولوں کا انکار کریں گے تو پھر یہی ہوگا تمہیں پتا ہے کسی کا پردہ رکھنے سے اللہ پاک خوش ہوتا ہے ورنہ میرا دل کر رہا ہے کہ پوری دنیا کو تمہارا یہ عبرت ناک انجام دکھاؤں, ساری دنیا کو بتاؤں کہ دیکھو زنا سے بچوں ورنہ آج کل کے دنیاوی قانون میں تو زنا کے لیے کوئی سزا نہیں مگر وہ جو پروردگار ہے نا, وہی جو رات کے اندھیرے میں بھی ہماری معمولی سی معمولی حرکت سے بھی واقف ہوتا ہے اس کے ہاں زنا ایک بہت بڑا گناہ ہے اس رب کے غضب کو از خود دعوت مت دو چھوڑ دو اس غلیظ کام کو ورنہ دیکھو ایسا ہی انجام ہوگا ہر زنا کار کا"

اپنے دل کی بڑھاس نکالنے کے بعد دعا چپ ہوگئی تھی اور خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی جس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں سے بے شمار آنسوں گرتے جا رہے تھے مگر شاید اب وقت ختم ہو چکا تھا جتنا وقت اسے ملا تھا معافی کے لیے دنیا میں رہ کر رب کو راضی کرنے کے لیے وہ وقت تو وہ گناہ پہ گناہ کرنے میں گزار چکا تھا ساری حدود کو پامال کر چکا تھا۔

"دعا جیسے ہی اس سے سب کچھ کہنے کے بعد خود بھی اپنی آنکھوں کے کونوں پہ موجود قطروں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں جذب کرتی پیچھے مڑی تھی تو وہ کچھ ڈر گئی تھی کیونکہ شازیہ بیگم دروازہ میں ہی کھڑی

تھی اوران کے تاثرارت بتا رہے تھے کہ وہ سب کچھ سن چکی تھی دعا کے خوف ذدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر اسے کمرے سے باہر آنے کا اشارہ کیا تھا جو یوسف کو ایک آخری نظر دیکھتی کمرے سے باہر آتے ہوئے شازیہ بیگم کے پیچھے ہی ایک بار پھر لاؤنج میں آگئی تھی۔

"یہ لو بیٹا بہت گرمی ہے پی لو اسے اچھا محسوس کروں گی"

کولڈرنک سے بھرا گلاس اس کے سامنے رکھتے ہوئے شازیہ بیگم نے کہا تھا

"شکریہ آنٹی"

دعا نے گلاس کو ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے مشکور لہجے میں کہا تھا

"میرا ایک ہی بیٹا تھا وہ بھی اب تقریباً زندہ نا ہونے میں شمار ہے کیونکہ نا اسے زندہ کہہ سکتی ہوں اور نا ہی مردہ"

ان دونوں کے درمیان چھائی گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے شازیہ بیگم نے کہا تھا

"لیکن بس میں اللہ کی آزمائش سمجھ کر راضی ہوں اس سب پہ بھی"

شازیہ بیگم نے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ لیے کہا تھا

"ہر بار آزمائش نہیں ہوتی آنٹی کبھی کبھی ہم انسانوں کو اپنے کیے کا بدلہ بھی چکانا پڑتا ہے اس ہر حرام کام کو کرنے کے بعد اس کا پورا پورا بدلہ بھی چکانا پڑتا ہے جسے کرنے میں تو بہت لذت محسوس ہوتی ہے مگر جب اس کی قیمت چکانے کا وقت آتا ہے تو ہم دامن بچانے کی غرض سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے آزمائش ہے"

گلاس کے کنارے پہ انگلی پھیرتے ہوئے دعا نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا

"مطلب میں کچھ سمجھی نہیں، بیٹا ابھی آپ اندر کمرے میں بھی یوسف سے بات کر رہی تھی میں نے سب سن تو لیا مگر میں بات کہ تہہ تک پہنچنا چاہتی ہوں پلیز تم مجھے ساری سچائی بتاؤ کیا، کیا ہے یوسف نے؟"

شازیہ بیگم نے امید بھری نظروں سے دعا کو دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا جس پر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے دعا نے انہیں نورا اور یوسف کی دوستی سے لیکر ان کے زنا کے نتیجے میں ہونے والے بچے اور اس کو کچرے میں پھینکنے تک ساری سچائی بتا دی تھی جسے سنتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں اپنے گھومتے سر کو تھام کر بیٹھ گئی تھی

"آنٹی، آنٹی کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں نا؟"

دعا نے ان کی بگڑتی حالت کو دیکھتے ہوئے ڈر کر پوچھا تھا اور دوسرے صوفے سے اٹھ کر انہیں کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"یوسف یہ کیا کر دیا تم نے بیٹا"

وہ سسکیوں سے روتے ہوئے بولی تھی دعا کے کے پاس ان کو تسلی دینے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے

"لیکن غلطی میری بھی ہے میں ہی نہیں کر سکی اپنے بیٹے کی اچھی پرورش میں اسے یہ نا سکھا سکی کہ ایک عورت کی عزت کیسے کی جاتی ہے، میں اسے نا سمجھا سکی کہ ایک عورت کتنی قابل احترام ہوتی ہے، میں اسے یہ بھی نا بتا سکی کہ عورت محض ایک گوشت کا لوتھڑا ہی نہیں ہے جس کو نوچنے کے لیے کسی کتے کی طرح اس کے پیچھے بھاگا جائے کچھ نا سکھا سکی میں اسے کچھ بھی نہیں ساری زندگی میں نے اس ختم ہوجانے والی دنیا کی رنگینیوں میں بسر کر دی خود بھی گناہوں کے دلدل میں ڈوبی رہی اور اپنے بیٹے کو بھی گناہوں کے راستے پر چلنے دیا مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے یہ سوچ کر بھی کہ میں کیا جواب دوں گی اپنے اللہ کو جب مجھ سے اولاد کی پرورش کے متعلق پوچھا جائے گا جب مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ کیا وجہ تھی کہ تم اپنے بیٹے کو صحیح اور غلط میں فرق نا سمجھا سکی اسے گناہ کرنے سے نا روک سکی"

ان کو سسکتے دیکھ کر دعا کی آنکھیں بھی نم ہونے ہونے لگی ان کے ہاتھوں کو تھامے وہ انہیں سنبھالنے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی

"میں سوچتی ہوں کہ پہلی ہی دفعہ جب میں نے یوسف کی الماری میں وہ فحاش فلمیں دیکھی تھی اگر اسی وقت میں دو تھپڑ مار کر اسے بتاتی کہ یہ سب دیکھنا کتنا بڑا گناہ ہے تو آج یہ سب نا ہوتا مگر ان سب میں قصوروار میں ہی ہوں"

وہ سسکتے ہوئے بولیں تھیں

"آنٹی آپ کو پتا ہے آپ ان سب کے باوجود بھی اچھی ہے کیونکہ جس وقت آپ کو سچ پتا چلا جب آپ کو سیدھے راستے کا علم ہوا تو آپ نے باقی ہر چیز کو چھوڑ کر حق کو اپنا لیا آپ ڈٹ کر اپنے گناہ پر قائم نا رہی آپ نے توبہ کر لی ہے اور بے شک وہ پروردگار نہایت رحمان و رحیم ہے وہ معاف کرنے والا ہے آپ ہر وقت اس کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں ان شاء اللہ وہ رب العزت آپ کو ضرور معاف کر دے گا"

دعا نے ان کا سر اپنے کندھے سے لگا کر ان کو شانت کرتے ہوئے کہا تھا

"ہاں بیٹا اللہ تمام والدین کو اپنے بچوں کی اچھی پرورش کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور جو غلط راستے پر چل رہے ہیں اللہ انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دیں آمین"

شازیہ بیگم نے اپنے سفید دوپٹے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا تھا

"آمین ثم آمین"

دعا نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے کہا

"ٹھیک ہے آنٹی اب مجھے چلنا چاہیئے کافی وقت ہو گیا ہے مجھے یہاں آئے"
دعا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے ان سے کہا تھا

"نہیں بیٹا جی میرے ساتھ کھانا تو کھا کے جاؤ"
شازیہ بیگم نے بھی صوفے سے کھڑے ہوتے ہوئے اسکے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا

"پھر کبھی آؤں گی آنٹی ابھی میرے بابا بھی گھر پر نہیں ہے اور امی سو رہی تھی تو میں کسی کو بتائے بغیر ہی آگئی اس لیے مجھے جانا ہوگا ابھی"
دعا نے محبت سے انکو جوابا کہا

"ٹھیک ہے بیٹا آتی رہنا کبھی کبھی یہاں تم سے مل کر اور بات کر کے مجھے بہت اچھا لگا خوش رہو ہمیشہ"
انہوں نے دعا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا جس کے بعد وہ انکو اللہ حافظ کہتی باہر کی جانب بڑھ گئی تھی جہاں گاڑی میں موجود ڈرائیور کب سے اس کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

....

مما، بابا کہاں ہیں آپ دونوں؟ باہر آکر دیکھیں کون آیا ہے"

ارمان اور کنول کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ذراج گلہ پھاڑ کر چلایا تھا اسکی پکار پر سمرین بیگم اور شبیر اقبال دونوں کمرے سے باہر آئے تھے اور ارمان اور کنول پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں ہی خوشی سے نہال ہو گئے تھے۔

"ماشااللہ، ماشااللہ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں آج تو میرے بچے آئے ہیں"

سمرین بیگم نے کنول کو دیکھتے ہی بانہیں کھولتے ہوئے کہا تھا اور قریب آتے ہی اسے اپنے سینے سے لگایا تھا جبکہ ارمان تو وقت ضائع کیے بغیر شبیر اقبال کی گود میں چڑھ چکا تھا

"جی مما انکو میں لے کر آیا ہوں سارے سامان سمیت اب یہ آپ کا کام ہے کہ ان کو آسانی سے نہیں جانے دینا آپ نے"

ذراج نے کنول اور اسفند کے بیگ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا

اسکی بات پر لاؤنج میں موجود باقی سب بھی مسکرا دیئے تھے۔

"السلام علیکم انکل !کیسے ہیں اب آپ ذراج نے آپ کی طبعیت کی ناسازی کا بتایا تھا اب کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ ؟"

کنول نے شبیر اقبال کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا جس پر ہاتھ رکھ انہوں نے کنول کو ڈھیروں دعائیں دی تھی

"بہت بیمار تھا میں مگر اب اپنے بچوں سے ملنے کے بعد تو میں یکدم ہی جوان ہوگیا ہوں دیکھو ذرا مجھے کہیں سے بھی لگ رہا ہے کہ میں بیمار ہوں"

انہوں نے شرارت سے کہا تھا جس پر ذراج کی زبان میں کھجلی ہوئی تھی

"نہیں نہیں بابا کہیں سے نہیں لگ رہا کہ آپ بیمار ہیں بلکہ واقعی آپ جوان ہو گئے ہیں تو پھر کیا خیال ہے آپ کا دوسری شادی کے بارے میں ،میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ ایک اور بیوی کو سنبھال سکتے ہیں اگر منظور ہے تو کسی نو عمر حسین دوشیزہ کی تلاش شروع کردوں"

ذراج نے شرارت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے ان سے کہا تھا بات مکمل ہونے کے بعد اس نے سمرین بیگم اور کنول کی جانب دیکھا تھا سمرین بیگم نے تو بمشکل اپنی مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اسے گھوری سے نوازا تھا جبکہ کنول کا چہرہ یکدم تاریک ہوا تھا اسکا رنگ پیلا پڑگیا تھا ذراج کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے ایک بار پھر اسفند کی دوسری شادی والی بات یاد آچکی ہے اب اسے اپنی بات پر افسوس ہوا تھا

"میری توبہ بھئی ایک بیوی کو سنبھال لیا یہ بہت ہے دو, تین شادیوں کی باتیں کرنا آسان بات ہے مگر دو, تین بیوی کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے"

انہوں نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تھا جس پر سب ہنسے تھے ان کو دیکھتے دیکھتے کنول بھی غائب دماغی سے مسکرائی تھی اس کے بجھے ہوئے بے رنگ چہرے اور اداسی کو سمرین بیگم نے بھی بخوبی محسوس کرلیا تھا۔

"کیا ہوا کنول بیٹا طبعیت تو ٹھیک ہے نا تمہاری, میں کب سے نوٹ کر رہی ہوں تم کافی کمزور ہو گئی ہو اور کچھ اداس بھی لگ رہی ہو سب کچھ ٹھیک ہے نا بیٹا اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ مجھ سے شئیر کرو"

سمرین بیگم نے اسکے قریب بیٹھتے ہوئے ہاتھ سے اسکی ٹھوڑی کو اوپر کرتے ہوئے کہا تھا کنول کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکی ماں اس سے بات کر رہی ہو یکدم ہی اس کا دل بھر آیا تھا آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹک گیا تھا اس سے پہلے کہ وہ رونا شروع کرتی ذراج بول پڑا تھا۔

"مما دراصل بھابھی کی نیند نہیں پوری ہوئی تبھی آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہے صبح صبح تو میں انہیں اپنے ساتھ لیے یہاں آگیا اور اب ان کو آرام کرنے کا کہنے کے بجائے آپ یہاں سوال پوچھے جا رہی ہیں ویری بیڈ"

ذراج نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تھا

"کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟"
سمرین بیگم نے کنول سے تصدیق چاہی تھی
"جی آنٹی ذراج بھائی بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بس تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی ہے"
کنول نے بھی آنسو پیتے ہوئے انہیں جواب دیا

"ٹھیک ہے میرا بچہ آجاؤ میرے ساتھ تم دونوں کو کمرہ دکھا دیتی ہوں وہاں چل کر آرام کر لو تب تک میں دوپہر کے لیے کھانے کا انتظام کرواتی ہوں"
سمرین بیگم نے ان دونوں سے کہا تھا جو صوفے سے اٹھتے ان کے پیچھے چل دیئے تھے

"دادوں میں کھیر کھاؤں گا"
ارمان نے موقع دیکھتے ہی فرمائش کر ڈالی تھی
"ہاں میرے شیر ضرور آج آپ کی دادوں خاص طور پر میرے اور آپ کے لیے کھیر بنائیں گی"
پیچھے سے شبیر اقبال نے بھی ہانک لگائی تھی

"تم دونوں آرام کرو میں تمہارا سامان بھجواتی ہوں"

سمرین بیگم نے کمرے میں پہنچتے ہی ان سے کہا تھا ان کی بات پر کنول نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور پھر وہ وہاں سے واپس لاؤنج میں آ گئی تھی جہاں بیٹھے ذراج اور شبیر اقبال کے حد سے زیادہ سنجیدہ تاثرات نے انہیں چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کیا ہوا آپ دونوں اتنے سنجیدہ کیوں ہو گئے ہیں سب خیریت تو ہے نہ؟"
سمرین بیگم نے فکرمندی سے پوچھا تھا

"نہیں مما کچھ خیریت نہیں ہے ایک بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے بابا کو میں ساری بات سے آگاہ کر چکا ہوں آپ کو بھی بتانا چاہتا تھا مگر اس کے لیے کنول بھابی کو کمرے میں بھیجنا ضروری تھا ان کے سامنے میں آپ سے اس بارے میں بات نہیں کر سکتا تھا
ذراج نے دو انگلیوں سے ماتھے کو مسلتے ہوئے کہا تھا اور پھر دھیرے دھیرے سمرین بیگم کو بھی نور اور اسفند کے افئیر سے آگاہ کر دیا تھا جسے سننے کے بعد وہ بھی بے حد پریشان ہو گئی تھی۔

"یہ نورا اتنی بے ہودہ لڑکی ہو سکتی ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور اسفند اس کی آنکھوں پہ کس نے پٹی باندھ دی ہے جو وہ دم ہلاتا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے فون کرو اسے اور یہاں بلاؤ جلدی سے میں کرتی ہوں اس سے بات ایسی عزت افزائی کروں گی اس کی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"
سمرین بیگم غصے سے گرجتے ہوئے بولی تھی

"میری امی، پیاری امی یہی تو نہیں کرنا ہمیں اس لیے آپ کو بتانے سے کترا رہا تھا کہ آپ وہی جزباتی عورتوں والا کام کریں گی اور فوراً اُس اسفند کے بچے کو فون کھڑکا کے یہاں بلوالیں گی مگر میں یہ سب نہیں چاہتا اُس نے کنول بھابھی کا اتنا دل دکھایا ہے ان سے بے وفائی کی ہے اس سب کا بدلہ تو اسے چکانا ہی پڑے گا میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ارمان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے اور وہ ساری زندگی یتیموں کی طرح بسر کریں لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اب اسفند کنول بھابھی کے لیے تڑپے ان سے گڑگڑا کر معافی مانگے اور آپ دیکھیے گا ایسا ہی ہو گا بہت جلد اسے اچھی طرح احساس ہو گا کہ وہ پاکیزگی کو چھوڑ کر ایک گند کے ڈھیر کے پیچھے بھاگ رہا ہے"

ذراج نے چبھتے ہوئے لہجے میں غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا تھا

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"تو پھر اب تم کیا کرنا چاہتے ہو مجھے وہ بتاؤ"

سمرین بیگم نے بے تابی سے کہا تھا

"جیسا کہ ابھی میں آپ کو ساری بات سے آگاہ کر چکا ہوں کہ اس ویٹر نے مجھے نور کے بارے میں بتایا تھا کہ ایک سال پہلے بھی وہ اس ہوٹل میں کیا کر چکی ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے میں اپنے ہی طریقے سے اسفند کو اس سارے سچ سے آگاہ کروں گا کب اور کیسے یہ ساری پلاننگ میں کر چکا ہوں بس آپ دیکھتی جائیں اب میں کرتا کیا ہوں وہ روتا پیٹتا ہوا خود بخود کنول بھابھی اور ارمان کو پاگلوں کی

طرح ڈھونڈتا پھرے گا مگر امی میری ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے بابا پر تو مجھے مکمل بھروسہ ہے وہ اسفند کو کنول بھابھی اور ارمان کی یہاں موجودگی کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے مگر آپ کی طرف سے میں مطمئن نہیں ہوں یہ نا ہو اسکو پریشانی میں دیکھتے ہی آپ اسے ساری سچائی کا بتا دیں"

اسفند نے آخر میں سمرین بیگم سے کہا تھا جن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نور کا منہ نوچ لے۔

"نہیں نہیں بلکل بھی نہیں مجھ پہ بھی بھروسہ رکھو بیٹا میں اسفند کو ہرگز نہیں بتاؤں گی وہ سزا کا حقدار ہے اور اسے ہر حال میں سزا ملنی ہی چاہیئے اس سب میں، میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں"

سمرین بیگم نے ایک عزم کے ساتھ کہا تھا

"میں تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ میرا بیٹا ذراج نور جیسی بدکردار لڑکی سے بچ گیا ورنہ جب شاہ میر کے آفس میں پہلی بار اسے دیکھنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ اس کا ہاتھ اپنے ذراج کے لیے مانگوں گا"

شبیر اقبال نے باقاعدہ دونوں ہاتھ دعا مانگنے کے انداز میں بلند کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا تھا

"توبہ کریں بابا کہاں وہ اور کہاں میں، بلکہ میں نے تو اسے کبھی بھی اس نظر سے نہیں دیکھا"

ذراج نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا

"اچھا پھر کس کو دیکھا ہے اس نظر سے ؟"

سمرین بیگم نے اس سے شرارتی لہجے میں پوچھا تھا جوان کی بات سنتے ہی مسکرایا تھا

"ظاہر ہے "دعا" کو اور کس کو"

ذراج نے بھی ان کو چھیڑنے والے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کچھ یاد آنے پر سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تھا

"اوہو, میں تو بھول ہی گیا تھا امی بابا آج میں آپ کی بہو کو یہاں لیکر آنے والا ہوں اسکی خاطر مدارت کا ڈٹ کرا انتظام کرلیں اسے یہ گھر بھی دکھانا چاہتا ہوں اور کنول بھابھی سے بھی ملوانا چاہتا ہوں اسی بہانے میں اسے بھی ساری سچائی سے آگاہ کردوں گا"

ذراج نے ان سے کہا تھا جو اسکی بات سنتے ہی خوشی سے پھولے نا سمارہے تھے

"سچ بیٹا ضرور لے کر آؤ میں تو اس گھڑی کہ انتظار میں ہوں کہ کب اسے دلہن کے روپ میں اس گھر میں لے کر آؤگی"

سمرین بیگم نے حسرت سے کہا تھا

"فکر نا کریں ان شاء اللہ آپ کی یہ خواہش بھی میں جلد پوری کرنے والا ہوں بس ایک بات کا دھیان رکھیئے گا کہ نور کو دعا سے بلکل الگ رکھیئے گا آپ میں سے کوئی بھی نور سے وابستہ کوئی بھی بات دعا سے نہیں کریں گے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ وہ دعا کی بہن ہے ہی نہیں "

ذاج نے سخت لہجے میں ان سے کہا تھا

"یہ بات ہمیں سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں پتا ہے کہ دعا نور جیسی نہیں ہے بلکہ کبھی بھی اس جیسی نہیں ہو سکتی تبھی تو میں نے اسے تمہارے لیے پسند کیا تھا "

سمرین بیگم نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا جس کا موبائل بج رہا تھا

"ہیلو ہاں اسفند خیریت ہے سب "

موبائل کو کان سے لگاتے ہوئے ذراج نے کہا تھا جس پر دوسری جانب سے پتا نہیں کیا کہا گیا تھا جو اسفند اسے پندرہ منٹ میں پہنچنے کی اطلاع دیتا سمرین بیگم اور شبیر اقبال کو کنول کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا اسفند کے آفس اس سے ملنے چلا گیا تھا۔

- -

ذراج سیدھا اسفند کے آفس پہنچا تھا جہاں وہ ریوالونگ چئیر پر کہنیاں میز پر رکھے دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا ذراج خاموشی سے اسکے سامنے میز کی دوسری جانب موجود کرسی پر بیٹھا تھا اور خاموشی سے اسکے جھکے سر کو دیکھ رہا تھا کسی کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اسفند نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا اور پھر بلکل سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"تم کب آئے؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا دیر کر دی تم نے آنے میں"

اسفند نے اپنی سرخ متورم آنکھیں اس پر جمائے کہا تھا جو اپنے الجھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا

"مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے"

اسفند نے کہا تھا

"مجھے بھی"

ذراج نے اسے دوسری بات کرنے کا وقت دیئے بغیر جواب دیا تھا اور جیب سے موبائل نکالا تھا جس میں اسکی اور نور کی دو دن پہلے والی وہی تصویریں موجود تھی جو کنول نے اپنے موبائل سے لی تھی اور آج جب وہ ذراج کے گھر آ رہی تھی تو ذراج نے اسے سینڈ کرنے کو کہا تھا جس کی بات پر عمل کرتے ہوئے اس نے اسی وقت وہ تصویریں ذراج کو سینڈ کر دی تھی۔

اسفند نے اپنی سرخ متورم آنکھیں اس پر جمائے کہا تھا اور پھر اپنے الجھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں ٹھیک کرنے کی ایک ناکام سی کوشش کی تھی۔

"جی بلکل صحیح سمجھ رہے ہیں آپ یہ تصویریں مجھے کنول بھابھی نے ہی سینڈ کی ہے"

ذراج نے اسکی سوچ کو پڑھتے ہوئے کہا تھا

"مجھے تم سے ان سب کی امید ہر گز نہیں تھی اسفند تم ایسا کیسے کر سکتے ہو مجھے یقین نہیں آرہا کیسے تم کنول بھابھی سے بے وفائی کر سکتے ہو جن سے تمہیں کم عمری میں ہی پیار ہو گیا تھا کیا یہی تمہاری محبت تھی؟"

ذراج نے افسوس بھرے لہجے میں اس سے کہا تھا جو نظریں جھکائے خاموش بیٹھا تھا

"میں نے تم سے اسی بارے میں بات کرنی ہے تبھی یہاں بلایا ہے تمہیں"

اسفند نے دھیمی آواز میں کہا تھا

"کیا بات کرنی ہے تمہیں یہی کہ تم نور سے دوسری شادی کرنا چاہتے ہو یہی کہنا تھا نا تمہیں ہاں"

اب کی بار ذراج زور سے ہاتھ ٹیبل پر مارتے ہوئے غصے سے دھاڑا تھا

"پلیز ذراج آرام سے بات کرو آفس ہے یہ کوئی ہوٹل نہیں ہے جہاں جو جی میں آئے کرتے جاؤ"
اسفند نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا تھا

"واقعی تم نے صحیح کہا مگر ہوٹلوں میں وہ سب بھی نہیں کیا جاتا جو تم نے کیا ہے ایک غیر لڑکی کو لیے تم کئی دن سے ہوٹلوں میں گھومتے رہے اس سے اظہار محبت کرتے رہے
"کیا یہ کیا جاتا ہے ہوٹلوں میں؟ میری ایک بات کان کھول کر سن لو اور اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ کنول بھابھی ہر گز اکیلی نہیں ہے زندگی کے ہر موڑ پر اللہ کے بعد میں مما، بابا ہم سب انکے ساتھ ہیں اس لیے تم یہ مت سمجھنا کہ وہ تمہاری کی گئی زیادتیوں کو چپ چاپ خاموشی سے سہتی جائے گی"
اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ذراج سخت لہجے میں بول رہا تھا

"اور تم نور سے شادی کرنا چاہتے ہو نا تو کر لو مگر اس سے پہلے کنول بھابھی تم سے طلاق چاہتی ہیں انہوں نے مجھے صبح ہی فون کر کے سب کچھ بتایا ہے تم نور سے شادی کرو اور ان کو طلاق دے کر چھوڑ دو"
ذراج نے آخری فیصلہ سناتے ہوئے کہا تھا جس پر اسفند کا چہرہ غصے سے سرخ پڑا تھا

"میں کنول کو طلاق نہیں دینا چاہتا اور نا ہی کبھی دوں گا دوبارہ میرے سامنے بیٹھ کر یہ بات کبھی بھی مت کرنا میں یہاں تم سے مدد مانگنے کے لیے تمہارے سامنے بیٹھا ہوں اور تم ہماری طلاق کروانے کا سوچ رہے ہو"

اسفند نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا

"یہ سب تو تمہیں دوسری لڑکیوں سے چسکے لینے سے پہلے سوچنا چاہیۓ تھا نا اور کیا تم نے خود کنول بھابھی سے نہیں کہا کہ تم نور سے شادی کرنا چاہتے ہو"

ذراج نے دوبدو جواب دیا

"ہاں میں نے کہا تھا اس سے مگر اس وقت میں بہت غصے میں تھا تبھی میرے منہ سے وہ سب کچھ نکل گیا جس پر میں ابھی تک شرمندہ ہوں ایک تو وہ عابد شیخ میرے سارے پیسے لے کر فرار ہو گیا جس کی وجہ سے رات میں بہت پریشانی کے عالم میں گھر پہنچا تھا مگر کنول نے بھی اسی وقت یہ ساری باتیں چھیڑ دی جس پر مجھے غصہ آ گیا اور غصے میں، میں وہ سب کہہ بیٹھا جو مجھے نہیں کہنا چاہیۓ تھا"

اسفند نے اپنی طرف سے صفائی دیتے ہوئے کہا تھا

"معاف کرنا اسفند صاحب مگر تم بھی روایتی مردوں کی طرح نکلے ایک خوبصورت لڑکی دیکھی نہیں کہ اس کے پیچھے ہو لیے"

ذراج نے اسے آئینہ دکھایا تھا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اسکے کھڑے ہوتے ہی اسفند بھی اپنی اٹھ گیا تھا

"اسفندا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ یار رکہ کیا تم کنول بھابھی کو چھوڑ سکتے ہو دے سکتے ہو انکو طلاق ارمان کو چھوڑ سکتے ہو اس عورت کے لیے جسے تمہاری زندگی میں آئیں صرف چند مہینے ہوئے ہیں"

اب کی بار چھوٹے چھوٹے قدم لے کر اسکے قریب آتے ہوئے ذراج نے نرم لہجے میں اسکا ہاتھ تھام کر اسکے دل کے مقام پر رکھتے ہوئے کہا تھا

"میں دل پر ہاتھ رکھے بغیر بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں کنول اور ارمان کو نہیں چھوڑ سکتا کبھی بھی نہیں ,کسی بھی حال میں نہیں"

ہاتھ واپس نیچے کرتے ہوئے اس نے قطعی لہجے میں کہا تھا

"تو پھر اپنی اس کچھ لگتی سے عشق لڑانے کی کیا ضرورت تھی تمہیں جو اپنی بیوی اور اپنے معصوم بچے کو خود سے بدظن کر دیا ان کو اتنی تکلیف دے کر تمہیں کیا حاصل ہوا اسفندیار"

ذراج نے تاسف سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے اس سے کہا تھا جس کی بکھری ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے ذراج کو محض چند سیکنڈز کے لیے اس سے ہمدردی ہوئی تھی مگر اگلے ہی لمحے کنول کی حالت یاد آتے ہی وہ دوبارہ سخت ہو گیا تھا

"مجھے نہیں پتا تھا یار کہ کیا ہو گیا تھا مجھے وہ بھی تو مجھے اپنی اداؤں سے بہکاتی تھی وہ ایک عورت ہو کر خود میری طرف بڑھی تھی"

اسفند نے سر جھکائے کہا ہے

"میں یہی کہوں گا کہ جو کچھ ہوا اس میں قصور تم دونوں کا برابر ہے تم دونوں نے ہی غلط راہ کا انتخاب کیا وہ تمہیں اپنی ادائیں دکھاتی تھی اور تم دم ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑے قرآن پاک میں جہاں عورتوں کو پردہ کرنے کا اور اپنے جسم کی نمائش نا کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہی مردوں کو بھی نگاہیں نیچے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تم دونوں نے اس حکم کا انکار کیا ہے تبھی تو تم بے سکون ہو مگر اسفند ایک آخری بات تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم ایک ہیرے کو ٹھکرا کر ایک بے مول پتھر کے پیچھے بھاگ رہے ہو جس سے تمہیں سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں حاصل ہونے والا"

ذراج نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا

"میں کیسے سمجھاؤں تمہیں یہ بات کہ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا وہ بات تو میرے منہ سے غصے کی حالت میں نکل گئی تھی"

اسفند نے ایک بار پھر وہی بات دہرائی تھی

"توتم ابھی تک اس کے ساتھ صرف وقت گزاری کررہے تھے تم بھی ان مردوں میں سے نکلے جن کی نظر میں ایک عورت صرف وقت گزاری کے سامان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی توٹھیک ہے میں تم سے زندگی میں اس بارے میں اُس وقت سوال ضرور کروں گا اگر کبھی اللہ تعالٰی نے تمہیں بیٹی سے نوازا اور پھر تم سے اس وقت بھی پوچھوں گا اگر کسی نے اس کے ساتھ بھی وہی سب کچھ کیا جو تم نے کنول بھابھی اور نور کے ساتھ کیا ایک سے بے وفائی کی اور دوسری کے ساتھ وقت گزاری......"

"اللہ نہ کرے ذراج پلیز ایسا مت کہو یقین کرو میں نے کنول اور نور دونوں کے ساتھ جو کچھ کیا میں اس سب پہ بہت شرمندہ ہوں میں ان دونوں سے معافی مانگنا چاہتا ہوں ایک بار پھر کنول کا بھروسہ جیتنا چاہتا ہوں پلیز تم مجھے بتاؤ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے"

اسفند نے شرمندگی سے کہتے آخر میں اس سے پوچھا تھا جس کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔

"ابھی کہاں معافی چاہتا ہوں ابھی تو تمہیں مزہ چکھانا باقی ہے اسفند مگر پہلے اس نور نامی بلا کا تو انتظام کرلوں"

ذراج نے دل ہی دل میں خود سے کہا تھا

"اچھا ٹھیک ہے اگر ایسا ہی ہے تو تم اُسی ہوٹل میں ابھی کہ ابھی نور کو بلاؤ اور اسے سب کچھ بتادو کہ تم اس سے مزید کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے اور یہ کہ تم اپنی بیوی اور بیٹے کو کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑ

سکتے ساری سچائی اس سے کہہ دو اور پھر آخر میں اس سے معافی بھی مانگ لینا ہر اس بات کے لیے جس کے لیے تم شرمندگی محسوس کر رہے ہو"

ذراج نے چٹکیوں میں حل نکالتے ہوئے کہا تھا

"ہاں یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں اب ایسے ہی کرتا ہوں ویسے بھی وہ صبح سے مجھے فون پر فون کر رہی ہے اسے اس مرتبہ خود فون کر کے ہوٹل بلواتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں اس سے کہ میں نے جو کیا غلط کیا معافی مانگتا ہوں میں تم سے اس سب کے لیے مگر میں تم سے مزید کسی بھی قسم کا تعلق نہیں رکھ سکتا"

اسفند نے سوچ سوچ کر ایک ایک لفظ کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا جس کا چہرہ اب اپنا پلین کامیاب ہونے کی خوشی سے چمک رہا تھا

"ہاں ہاں بلکل یہی کہنا"

ذراج نے پرجوش لہجے میں اس سے کہا تھا جس نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے نور کو فون ملایا تھا اور اُسے اُسی فائیو سٹار ہوٹل میں پہنچنے کی اطلاع دیتے ہوئے ذراج کو اللہ حافظ کہا تھا اور آفس کا کام اس کے حوالے کرتا خود وہاں سے چلا گیا تھا اس کے جاتے ہی ذراج نے بھی یہاں وہاں دیکھتے ہوئے اپنا موبائل نکالا تھا اور پھر اس پر ایک نمبر ملایا تھا۔

"ہیلو ہاں میں بات کر رہا ہوں ذراج اقبال"

اس نے آواز کو قدرے دھیمے رکھتے ہوئے کہا تھا

"ہاں, ہاں تیار رہو وہ دونوں وہاں ہوٹل پہنچنے کے لیے نکل چکے ہیں تمہیں جیسے سمجھایا تھا میں نے ٹھیک ویسے ہی سب کچھ کرنا"

اس نے مزید کہا تھا اور پھر دوسری جانب سے جواب ملنے پر "بیسٹ آف لک" کہتے ہوئے موبائل بند کر کے جیب میں رکھ دیا تھا اب اسکا دل حد سے زیادہ پر سکون تھا کیونکہ بہت جلد اس کا بنایا گیا پلین کامیاب ہونے والا تھا۔

ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اسفند ہوٹل کے اندر داخل ہوا تھا اور سیدھا اس خالی میز کی جانب بڑھ گیا تھا جس پر ہمیشہ سے ہی وہ اور نور بیٹھتے تھے وہاں بیٹھ کر انتظار کرتے کرتے اسے تقریباً دس منٹ ہو گئے تھے مگر نور کا کوئی اتا پتا نہیں تھا اُسکی پتا نہیں ایسی کون سی تیاریاں تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی ایک بار پھر بے صبری سے گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اسفند نے اسکے انتظار میں دروازے کی جانب دیکھا تھا نور تو نہیں آئی تھی مگر وہی ویٹر آیا تھا جس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا تھا اور جوس کنول پہ گر گیا تھا۔

"ہیلو سر!"

اس نے اسفند سے کہا

"کچھ نہیں چاہیئے شکریہ"

اسفند نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالتے ہوئے کہا تھا

"سوری سر مگر میں آپ سے یہ پوچھنے بھی نہیں آیا مجھے آپ سے کچھ اور بات کرنی ہے جس کے لیے میں یہاں آپ کے پاس آیا ہوں"

ویٹر نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں اسفند سے کہا تھا جو اسکی بات پر کچھ حیران ہوا تھا

"جی پھر کیا بات کرنی ہے آپ کو؟ بیٹھ جائیں یہاں"

اسفند نے اسے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کی آفر کرتے ہوئے کہا جو اسکی آفر کو قبول کرتے ہوئے اسکے بلکل سامنے براجمان ہو گیا تھا

"سر آپ کی وائف بہت اچھی ہے,

اور آپ کا بیٹا بھی بہت کیوٹ ہے

آپ اب ان کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر آتے؟"

اس ویٹر نے محتاط لہجے میں سوال کرتے ہوئے اسفند کے زخموں پر نمک چھڑکا تھا

"بس وقت نہیں ہوتا آج کل مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے. جس کی وجہ سے میں آج کل ان کو کہیں نہیں لے جا پاتا تم بات بتاؤ جو کرنی ہے تم نے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے یہاں ایسے ہی نہیں آیا کسی سے ملنے آیا ہوں"

اسفند نے کچھ روکھے انداز میں اس سے کہا تھا جس کہ لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ چھا گئی تھی

"اسی لڑکی, نور سے ملنے آئیں ہیں نا آپ"

ویٹر نے ابرا چکاتے ہوئے اسفند سے پوچھا تھا

"ویسے سر برا مت منائیے گا مگر بہت سال ہو گئے مجھے یہاں یہ کام کرتے ہوئے باپ ہے نہیں میرا اپنی ماں کی اکلوتی اولاد ہوں اور اب ماں بھی وینٹی لیٹر پہ ہے کیسنر کی مریضہ ہے اتنے سالوں کے تجربے کے تحت پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ اپنی بیوی کے ساتھ بیوفائی کر کے اچھا نہیں کر رہے آپ محض ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں. جس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے آپ بہت جلد منہ کے بل گریں گے اور پھر اُس مقام پر آ کر آپ کے ہاتھوں پچھتاوے کے سوا اور کچھ نہیں آئے گا"

اسی ویٹر نے تلخ لہجے میں اسفند سے کہا تھا

"دیکھولڑکے تم کہنا کیا چاہتے ہو صاف صاف کہواور یہ بھی کہ نور کو کیسے اور کب سے جانتے ہو کیوں اس طرح کی عجیب و غریب باتیں کر کے مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو سیدھی طرح بات کرو"

اسفند نے دانت پیستے ہوئے کہا

"صاف بات یہ ہے سر کہ یہ نور نامی لڑکی ایک انتہائی بدتمیز لڑکی ہے جس کے لیے آپ نے اپنی بیوی اور معصوم بچے کو کو دھوکے میں رکھا ایک سال پہلے چودہ فروری یعنی ویلنٹائن ڈے والے دن یہ پہلے بھی کسی اور لڑکے کے ساتھ یہاں اسی ہوٹل میں آ چکی ہے اس لڑکے کا نام یوسف تھا یہاں تو بہت سے ایسے لڑکے لڑکیاں آتے ہیں اس یہودیوں کے دن ویلنٹائن ڈے کو منانے کے لیے اور ایسے ہی کمرے بک ہوتے ہیں لڑکیاں اپنی اور اپنے ماں باپ کی عزتوں کے جنازے نکالتی ہیں تو ایسے میں اس نور بی بی کا بھی کمرے میں اس لڑکے کے ساتھ جانا یہاں پر کسی کے لیے بھی کوئی بڑی بات نہیں تھی پوری رات ایک ہی کمرے میں گزارنے کے بعد وہ لڑکا خود تو صبح کے چار بجے ہی ہوٹل سے نکلتا یہاں سے چلا گیا جبکہ یہ محترمہ دن کے نو۔دس بجے گئی تھی اب باقی آپ خود سمجھدار انسان ہیں اچھی طرح اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اُس رات کمرے میں ایک غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکی کے بیچ میں کیا ہوا ہو گا یہ میں نے آپ کو اِسی لڑکی کی اصلیت بتائی ہے جس سے آج کل آپ کو کچھ زیادہ ہی انسیت محسوس ہو رہی ہے اور جس کی خاطر آپ اپنے اچھے خاصے خوش حال گھرانے کو برباد کر چکے ہیں میں آپ کو یہ سب کچھ کبھی نا بتاتا مگر آپ اپنا گھر برباد کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مجھے یہ سب کچھ آپ کو بتانا پڑا"

اس ویٹر نے خاموش ہوتے ہی نظریں اٹھا کر اسفند کو دیکھا تھا جو غصے سے آگ بگولہ ہو کر سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا اسے اس طرح ایک بپھرے ہوئے شیر کی مانند غصے میں دیکھتے ہوئے ویٹر کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے

"ذلیل انسان شرم نہیں آتی تمہیں کسی لڑکی کی کردار کشی کرتے ہوئے اس پر ایسا گھناؤنا الزام لگاتے ہوئے یہ سب بکواس کرنے سے پہلے تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ بھی کسی کی بہن , بیٹی ہے کب سے تم بکواس کیے جا رہے ہو کیے جا رہے ہو شرم سے ڈوب مرو خبیث انسان"
اسکو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے اسفند نے ایک زوردار گھونسا اس کے ناک پر مارا تھا جس کے باعث اس کے ناک سے خون ایک دھار کی صورت میں بہنا شروع ہو گیا تھا

"میں جھوٹ نہیں بول رہا سر میرا یقین کریے اُس لڑکی کے دھوکے میں مت آئیں وہ ایک بدکردار لڑکی ہے ایسے ہی امیر لڑکوں کو اپنے جال میں پھنساتی ہے اس نے آپ کی دولت کو ہی دیکھتے ہوئے آپ سے عشق کا ڈھونگ رچایا اور اب اگر آپ اسے چھوڑیں گے تو کل کو کسی اور لڑکے کو پھانس لے گی"
ناک کو ٹشو پیپر سے دبا کر خون بہتے خون کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس ویٹر نے کہا تھا

"بکواس بند کرو اپنی میرا اس لڑکی کے ساتھ ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے مگر پھر بھی کسی کی بہن , بیوی , بیٹی پر بہتان لگانے کی وجہ سے میں ابھی کے ابھی تمہیں اس ہوٹل سے نکال باہر کر سکتا ہوں مگر میں صرف اور صرف اس وجہ سے تمہیں معاف کر رہا ہوں کہ تم اپنی ضعیف ماں کا واحد سہارا ہو وہ وینٹی لیٹر پر ہے تم ان کی آخری آس , ان کی آخری امید ہوا نہیں کی وجہ سے میں تمہیں اس مرتبہ کچھ نہیں کہہ رہا لیکن اب اگر تم نے مزید ایک لفظ کہا تو اچھا نہیں ہو گا"

سرخ چہرے سمیت بولتے ہوئے شدید غصے کے باعث اسکی رگیں ابھر گئی تھی اتنے میں مینیجر بھی اندر ایک کمرے سے نکلتا ہوا ان کے پاس آیا تھا یقیناً اسے کوئی باہر ہونے والی اس کشیدگی کی اطلاع دے چکا تھا

"کیا ہوا سر خیریت ہے ؟"

"کیا پھر اس نے کوئی غلطی کر دی ہے پلیز اسے معاف کر دیں میں اس کی طرف سے آپ سے معافی مانگتا ہوں"

اسی مینجر نے ان کے درمیان میں آتے ہوئے کہا تھا اُس پر ایک بھی نظر ڈالیں بغیر اسفند خونخوار نظروں سے ویٹر کو گھورنے کے بعد نور سے ملے بغیر ہی ہوٹل سے باہر آ گیا تھا ۔

"کیا ہو رہا تھا اِدھر اس نے تمہیں مارا کیوں ؟"

مینیجر نے مشکوک نظروں سے ویٹر کو گھورتے ہوئے اس سے پوچھا تھا

"پتا نہیں سر وہ پہلے سے ہی کافی پریشان نظر آ رہے تھے میں نے پوچھا" کچھ چاہیئے سر ؟ " تو کہتے ہیں "نہیں کچھ نہیں چاہیئے " میں نے جب دوبارہ یہی سوال دہرایا " تو محترم کو غصہ آگیا اور اتنی سی بات پر مجھے مکا دے مارا"

ویٹر نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے اس مینیجر سے کہا تھا

"دھیان سے کام کیا کرو پھر سے تمہاری شکایت ملی تو اس دفعہ باہر کر دوں گا نوکری سے اور پھر چاہے کتنی ہی منتیں کر لو دوبارہ تمہیں چانس نہیں دوں گا"

مینیجر نے اسے خبردار کرتے ہوئے کہا تھا اور اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا

اسفند کو اس وقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کس کا بھروسہ کرے اور کس کا نہیں انہیں سوچوں میں ڈوبا وہ واپس گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب نور کی گاڑی اس کے بلکل ساتھ آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے مجھے یہاں بلوا کر تم خود کہاں جا رہے ہو"

آنکھوں پر موجود کالے چشمے کو اتار کر ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اس نے اسفند سے پوچھا جو ابھی بھی غصے سے کانپ رہا تھا

"اپنے گھر جا رہا ہوں"

اسفند نے درشت لہجے میں جواب دیا مگر نور کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسکا موبائل بجا تھا. جس پر اس نے موبائل جیب سے نکالتے ہوئے ایک نظر سکرین کو دیکھا تھا جہاں "شاہ میر صاحب کالنگ" لکھا آ رہا تھا

"ہیلو جی شاہ میر انکل سب خیریت ہے؟"

موبائل کو کان سے لگاتے ہی اسفند نے سلام دعا کیے بغیر سیدھا سوال پوچھا تھا

"اسفند بیٹا میں تو اس وقت کراچی سے نکل رہا ہوں لاہور کے لیے اس لیے میرا جلد از جلد راولپنڈی پہنچنا ممکن نہیں ہے جبکہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ عابد شیخ راولپنڈی کے ایک ہوٹل میں قیام پزیر ہے تم جلدی سے راولپنڈی پہنچو میں ابھی کہ ابھی تمہیں اس ہوٹل کا نام اور پتا سینڈ کرتا ہوں وقت ضائع کیے بغیر وہاں کے لیے روانہ ہو جاؤ ورنہ اگر وہ یہاں سے سارے پیسے لے کر بھاگ گیا تو ہم سڑک پر آ جائیں گے"

اسپیکر سے شاہ میر ملک کی نقاہت ذدہ آواز ابھری تھی

"ٹھیک ہے انکل میں ابھی روانہ ہو رہا ہوں آپ بس مجھے میسج میں لوکیشن سینڈ کر دے اللہ حافظ"

اتنا بولتے ہی اسفند نے عجلت میں کال کاٹی تھی اور گاڑی میں بیٹھنے ہی لگا تھا جس نور نے اسے روک لیا تھا

"اسفندر کو کہاں جا رہے ہو تم؟ اور بابا کیا کہہ رہے تھے تم سے کیا بنا عابد شیخ کا؟"
اسنے تجسس سے پوچھا تھا

"عابد شیخ کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ راولپنڈی میں قیام پزیر ہے اب انکل تو کراچی میں ہے تو مجھے جلد از جلد عابد شیخ تک پہنچنا ہو گا میں وہاں سے آکر تم سے بات کروں گا ابھی چلتا ہوں"
عجلت بھرے انداز میں بولتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھنے ہی لگا تھا جب نور نے ایک بار پھر اسے روکا تھا

"اچھا واقعی تم راولپنڈی جا رہے ہو تو ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلوگی"
مزے سے بولتے ہوئے وہ فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھ گئی

"میں وہاں گھومنے پھرنے نہیں جا رہا بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں اترو گاڑی سے"
اس نے نور کو گھورتے ہوئے کہا تھا جو گاڑی میں بیٹھ چکی تھی

"ہاں تو تم اپنا ضروری کام کرنا مجھے وہاں کسی پارک وغیرہ میں کچھ دیر کے لیے اتار دینا جب واپس آنے لگو گے تو پھر مجھے وہی سے پک کر لینا میں انجوائے بھی کر لوں گی اور تم اپنا کام بھی کر لینا"

اس نے آرام سے حل نکالا تھا

"دیکھو نور..........."

اس سے پہلے اسفند اسے گاڑی سے اترنے کا کہتا اس کے موبائل پہ میسج آیا تھا جو شاہ میر ملک نے ہی سینڈ کیا تھا عابد شیخ کے لوکیشن کے ساتھ ساتھ نیچے اسفند کے لیے وہاں جلد پہنچنے کا پیغام بھی لکھا ہوا تھا مزید بحث سے اجتناب کرتے ہوئے اسفند نے ایک نظر نور کو دیکھا تھا اور دل ہی میں سوچا تھا کہ "جو باتیں میں اس سے یہاں کرنے والا تھا وہی سب میں اسے راستے میں ہی کہہ دوں گا" یہ بات سوچتے ہی وہ گاڑی میں سوار ہو گیا تھا نور نے اپنے ڈرائیور کو گاڑی واپس لے جانے کو کہا تھا اور پھر دونوں وہاں سے راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے یہ جانے بغیر کے وہاں اسفند پہ ایک بہت بڑا راز آشکار ہونے والا ہے۔

....

اسفند کے آفس میں بیٹھے ذراج کو کافی وقت ہو گیا تھا جب اسفند نے اسے فون کر کے بتایا کہ وہ ضروری کام سے راولپنڈی جا رہا ہے اس ویٹر کو ذراج نے ہی اسفند کو ساری سچائی بتانے کا کہا تھا مگر اسفند کو

یہ لگا کہ شاید ویٹر نے اپنی کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر نور کی کردار کشی کی ہے تبھی اس نے ویٹر کی کسی بات کا یقین نہیں کیا۔

ذراج وہی اسفند کے آفس میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گیا تھا ویٹر نے بھی ابھی تک اسے فون کر کے بات سے آگاہ نہیں کیا تھا کہ ہوٹل میں اس کے اور اسفند کے درمیان کیا ہوا ہے اس نے ذراج سے صبح یہی کہا تھا کہ وہ خود اسے فون کر کے سب کچھ بتائے گا وہاں بیٹھے بیٹھے ذراج کو یکدم یاد آیا تھا کہ اس نے تو آج دعا کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے کر جانا ہے اسے کنول بھابھی سے ملوانا ہے اب یاد آتے ہی سارے کام آفس کے مینیجر کے حوالے کرتا وہ دعا کو بتائے بغیر اسے لینے کے لیے گاڑی نکالتا آفس سے ملک ہاؤس کی جانب چل پڑا۔

....

ذراج ملک ہاؤس پہنچ چکا تھا انیلہ بیگم تو اسے وہی لان میں مل گئی تھی جبکہ دعا گھر کے اندر تھی ان سے اندر جانے کی اجازت طلب کرتا وہ بھی اندر آ گیا تھا پورے لاؤنج میں اس نے دعا کی تلاش میں نظریں دوڑا کر دیکھا تھا مگر وہاں اسے دعا نظر نہیں آئی۔

"ہو سکتا ہے کمرے میں ہو"

یہ سوچتے ہی وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھنے ہی لگا تھا مگر پھر کچن سے آتی برتنوں کی آوازوں پر وہ وہی رک گیا تھا اور قدم کچن کی جانب ہی بڑھا لیے تھے اسے پتا تھا کہ پلواشہ کے جانے کے بعد ابھی تک دوسری کام والی کا بندوبست نا ہو سکا تھا جس کے باعث سارا کام دعا کو کرنا پڑ رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟"

اسکی بلند آواز میں پوچھنے پر وہ جو بے خبر کھڑی چائے میں دودھ ڈال رہی تھی ایک دم ڈر گئی تھی اسکے دودھ ڈالتے ہاتھ ایسے کانپے تھے کہ دیگچی میں سے کافی دودھ چھلک کر نیچے گر گیا تھا۔

"میرے اللہ ذراج ڈرا دیا آپ نے مجھے"

دل پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیتے ہوئے دعا نے کہا تھا

"اب مجھے کیا پتا تھا کہ ذرا سی اونچی آواز میں بات کرنے سے بھی تم ڈر جاتی ہو"

اس نے دھیرے سے ہنستے ہوئے جواب دیا

"چائے بنا رہی ہوں پیئے گے آپ؟"

واپس پلٹ کر دیگچی میں ایک بار پھر دودھ ڈالتے ہوئے اس نے پوچھا

"نہیں شکریہ مجھے نہیں پینی بلکہ تم بھی یہ یہاں رکھو اور میرے ساتھ چلو میں تمہیں لینے آیا ہوں"
ذراج نے اسکے ہاتھ سے چینی کا ڈبہ لے کر رکھتے ہوئے کہا

"مجھے لینے ؟ , مگر کیوں ؟ میرا مطلب ہے کہ کہاں جانا ہے ؟"
اس نے کئی سوال کر ڈالے تھے

"تمہیں کڈنیپ کرنا ہے اس لیے یہاں آیا ہوں یار ایک تو تم سوال بہت پوچھتی ہو پہلی مرتبہ تمہیں اپنے ساتھ کہیں لے جانا آیا ہوں یہاں بجائے خوش ہونے کے تم نخرے دکھا رہی ہو"
ذراج نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے تنک کر کہا تھا

"میں کہاں نخرے دکھا رہی ہوں صرف پوچھا ہی تو ہے کہ کہاں جانا ہے سیدھا سیدھا جواب دیں گے تو ہی میں چلوں گی"
دعا نے بھی اسے کے لہجے میں جواب دیا تھا

"اوہ غصہ مطلب چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہاں"
ذراج نے اسکا مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تھا

"آپ نے مجھے چیونٹی کہا"

دعا نے تو جیسے اس کے بغیر کچھ سنا نہیں تھا خفگی سے ذراج کو گھورتے ہوئے بنا کچھ کہے وہ وہاں سے جانے والی تھی جب ذراج نے تیزی سے لپک کر اسکا ہاتھ پکڑا تھا

"میں نے تو صرف ایک کہاوت کہی اور تم اتنی سی بات پہ ناراض ہو رہی ہو اچھا چلو سوری ہمیشہ کی طرح میں معافی مانگ لیتا ہوں اپنے ناکردہ گناہ کی"

ایک ہاتھ سے اسکا بازو پکڑے دوسرے ہاتھ سے توبہ کرنے والے انداز میں اس نے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں کہا تھا کہ اسی وقت انیلہ بیگم بھی کچن میں داخل ہوئی تھی وہ ان دونوں دیکھ چکی تھی کچن کے دروازے پر نظر پڑتے ہی ذراج بجلی کی سی تیزی سے دعا کا ہاتھ چھوڑتا پیچھے ہٹا تھا۔

"وہ آنٹی میں دعا کو اپنے ساتھ لینے آیا تھا گھر لے جانے کے لیے مما اور بابا نے کہا کہ اسے لے کر آؤں مگر یہ مان ہی نہیں رہی"

بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے جھینپتے ہوئے ان کو جواب دیا تھا جو مسکرا رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی دعا شازیہ نے تمہیں اتنے دل سے بلوایا ہے انکار مت کرو جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ"

انیلہ بیگم نے کہا تھا جس پر دعا بھی کچھ کہیں بغیر اپنے کمرے میں تیار ہونے چل گئی بیس منٹ میں مکمل تیار ہونے کے بعد وہ اپنا برقعہ پہنے نیچے آگئی تھی اور ذراج کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگئی تھی۔

"دعا مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی خاص طور پر اسی بات کو تم تک پہنچانے کے لیے میں تمہیں گھر سے باہر لے کر آیا ہوں"

ذراج نے گاڑی چلاتے ہوئے ایک نظر دعا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو اس کی بات پر فکرمند سی نظر آنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے؟ سب ٹھیک ہے نہ؟"

اس کے حد درجہ سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے ہوئے دعا نے بے صبری سے پوچھا

"کیا تمہیں نور نے کچھ بتایا ہے کہ آج کل وہ کس انسان کے پیچھے گھوم پھر رہی ہے اور اسے اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا رہی ہے"

ذراج نے سیدھے مدعے کی بات کی تھی جس پر اب کی بار دعا کے تاثرات کچھ سخت ہو گئے تھے

"یہ کیسی باتیں کر رہیں آپ؟"

اس نے تیز لہجے میں کہا

"دعا اگر تمہیں اس بارے میں کچھ بھی پتا ہے تو مجھے بتاؤ مجھ سے شئیر کرو تاکہ میں بھی ان سب باتوں کو تم سے ڈسکس کروں جو تم ابھی تک نہیں جانتی میں تم سے یہ سب ہر گز نہیں کہنا چاہتا تھا مگر اب صورت حال ہی کچھ ایسی ہے کہ مجھے مجبوراً تم سے یہ سب کچھ کہنا پڑ رہا ہے "

ذراج نے گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کرتے ہوئے جواب دیا جس پر دعا کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا تبھی اس نے ذراج سے سب سچ سچ کہا تھا

"جی اس نے مجھے بتایا تھا کہ اسفند نام کا ایک لڑکا ہے جسے وہ پسند کرتی ہے اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتی ہے وہی لڑکا بابا کا بزنس پارٹنر بھی ہے بابا خود بھی کئی بار اسفندیار کا تذکرہ کر چکے ہیں بہت تعریفیں کرتے ہیں انکی تو پھر میں نے بھی اس سے کہہ دیا کہ بابا تعریف کر رہے ہیں تو یقیناً اچھا لڑکا ہوگا تم اس سے شادی کی بات کرو اگر تم سچ میں اسے پسند کرتی ہو تو اسے کہو کہ وہ رشتہ بھجوائے اور پھر دونوں شادی کر لو"

دعا نے صاف گوئی سے اسے سب سچ بتا دیا تھا جو اس نے وقعی نور سے کہا تھا

"تم اسے یہ مشورہ ہر گز نہیں دیتی اگر تمہیں ساری سچائی کا علم ہوتا تو"

ذراج نے گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا

"کیسی سچائی؟"

اس نے پوچھا

"سچائی یہ ہے کہ جس اسفندیار کے ساتھ تمہاری بہن تھرڈ کلاس اور جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچا رہی ہے وہ میرا بچپن کا دوست ہے شادی شدہ ہے اور ایک بچے کا باپ بھی اور تو اور اب تمہاری بہن نور اس کے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ چکی ہے اسفند اور کنول بھابھی فلوقت علیحدہ ہو چکے ہیں"

دعا حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی جو نور کا ایک اور سچ اس کے سامنے کھول کر رکھ رہا تھا

"میں سوچ بھی نہیں سکتی نور اس حد تک گر سکتی ہے کہ کسی کا گھر برباد کر دے اس نے مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا میرا یقین کریں اس نے مجھے بس صرف یہی بتایا تھا کہ وہ اسفند کو پسند کرتی ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے"

دعا نے ذراج سے کہا تھا جو سنجیدگی کے ساتھ سامنے دیکھتے ہوئے اسکی بات سن رہا تھا اور پوری بات سننے کے بعد اب اس کی طرف مڑا تھا

www.urdunovelsmania.com

"مجھے پتا ہے دعا تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں پتا تھا ورنہ تم اسے ضرور روکتی اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم اس جیسی بلکل بھی نہیں ہو اس لیے تمہیں یہ سوچنے کی بلکل بھی ضرورت نہیں ہے کہ خدانخواستہ میں تمہارے بارے میں کچھ بھی غلط سوچوں گا"

ذراج نرم لہجے میں اس سے کہا تھا

"میں کنول سے ملنا چاہتی ہوں کیا آپ مجھے اس سے ملوا سکتے ہیں؟"

دعا نے کہا

"ہاں کیوں نہیں میں تمہیں اسی لیے تو اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں تاکہ تمہیں ان سے ملوا سکوں اتنا سب کچھ ہونے کے بعد اب میں کنول بھابھی کو اپنے گھر لے آیا ہوں آج میں سب سے کہہ کہ آیا تھا کہ میں دعا کو لے کر آؤں گا اب سب لوگ انتظار کر رہے ہونگے ہمیں چلنا چاہیئے"

اسے جواب دیتے ہوئے ذراج نے گاڑی سٹارٹ کر دگی

سمرین بیگم سوچوں میں گم صوفے میں دھنسی بیٹھی تھی جب کنول منہ ہاتھ دھوئے فریش سی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے آنٹی آپ پریشان سی کیوں لگ رہی ہے مجھے"

کنول نے ان کے تاثرات جانچتے ہوئے کہا

"مجھ سے پوچھ رہی ہو میری پریشانی کے بارے میں اور خود جو اپنا ہر غم ہر پریشانی ہم سے چھپائی اس کا کیا"

شازیہ بیگم نے ناراضگی سے پوچھا تھا جس پر کنول بلکل چپ ہو کر رہ گئی تھی

"کنول بیٹا تم اتنا سب کچھ خاموشی سے دیکھتی رہی برداشت کرتی رہی اور ہمیں بھنک تک نہیں لگنے دی کیا تم اتنا غیر سمجھتی ہو ہمیں"

انہوں نے مزید کہا تھا جس پر کنول نے تڑپ کر ان کی جانب دیکھا تھا

"ایسی بات نہیں ہے آنٹی، پلیز ایسا مت کہے میرا اور ہے ہی کون آپ لوگوں کے سوا میں نے آپ لوگوں سے یہ سب اس لیے چھپائے رکھا کیونکہ میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی"

بولتے بولتے کنول کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی

"اسفند نے بہت غلط حرکت کی ہے اسے آسانی سے معاف مت کرنا بیٹا اسے تو اس سب کی سزا ملنی ہی چاہیئے"

شازیہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تھا جواب میں کنول نے کچھ نہیں کہا بس خاموشی سے ان کے کندھے پر سر رکھے بیٹھی رہی

"ذراج بھائی اور ارمان کہاں ہیں؟ دونوں ہی نظر نہیں آرہے" کنول نے واپس سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے ان سے پوچھا تھا

"ذراج "دعا" کو لینے گیا ہے اور ارمان تو اپنے داداجی کے ساتھ باہر گیا ہے ابھی آجائے گا"

شازیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا

"بیٹا تمہیں دعا کا پتا ہے کیا وہ نور کی......."

"جی آنٹی ذراج بھائی نے بتایا تھا کہ اسی لڑکی نور کی بہن ہے مگر اس سے یکسر مختلف اور بہت اچھی لڑکی ہے"

کنول نے مسکراتے ہوئے کہا

"ہاں بیٹا سچ کہا ہے تم سے ذراج نے تم آج خود بھی دعا سے ملو گی نا تو اس کی تعریف کیے بنا رہ نہیں پاؤ گی بہت اچھی ہے میری بہو"

شازیہ بیگم نے تفاخر سے کہا

"مما مما میں آگیا"

وہ دونوں ابھی بات کر رہی تھی جب ارمان بھاگتا ہوا کنول کے پاس آیا تھا

"کہاں گئے تھے آپ دادا جی کے ساتھ"

کنول نے دونوں ہاتھوں سے اسکے بال سنوارتے ہوئے کہا

"میں اور دادا جی آئسکریم کھانے گئے تھے بہت مزہ آیا"

ارمان نے پرجوش لہجے میں اپنی ماں کو آگاہ کیا

"اچھا بس اب دادا جی کو زیادہ تنگ نہیں کرنا"

کنول نے ڈپٹتے ہوئے کہا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"چاچو کہاں ہیں وہ تو صبح کے گئے ہیں ابھی تک واپس نہیں آئیں؟"

ارمان نے ذراج کی تلاش میں یہاں وہاں دیکھتے ہوئے لاؤنج میں موجود تمام افراد سے پوچھا تھا

"میرا نام لیا اور میں حاضر"

ذراج آواز پر سب نے داخلی دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں دروازے کے فریم میں ذراج کا چہرہ نظر آیا تھا جس نے ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اندر داخل ہوتے ہی اس لڑکی نے اپنا نقاب اتار دیا تھا۔

"غلط بولا ہے تم نے اصل میں تمہیں کہنا چاہیئے تھا کہ شیطان کا نام لیا اور شیطان حاضر"
شبیر اقبال نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا جس پر ارمان کی قل قل کرتے ہنسی کی آواز گونجی تھی

"آجاؤ دعا اندر"
ذراج نے شبیر اقبال کو خفگی سے دیکھتے ہوئے دعا سے کہا تھا جو اندر داخل ہوتے ہوئے اب ذرا جھجھک رہی تھی

"ارے بیٹا آؤ آؤ رک کیوں گئی ہو یہاں آؤ میرے ساتھ"
اسکا ہاتھ پکڑ کر اندر لاتے ہوئے شازیہ بیگم نے کہا تھا
"السلام علیکم"
قریب آتے ہی دعا نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا شازیہ بیگم نے اسکے ماتھے کا بوسہ لیا تھا جبکہ شبیر اقبال نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دی تھی کنول کے قریب جا کر ملنے سے دعا ابھی بھی کترا رہی تھی یہ سوچ کر کے نور کی بہن ہونے کے ناطے تو اب یہ مجھ سے بھی نفرت کرے گی وہ جان چکی تھی کہ

ذراج کے گھر میں تو اس کے ماں باپ اور ذراج کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا اسلیے یہ لڑکی کنول ہی ہو گی جس کے بارے میں ذراج نے بتایا تھا۔

اس نے کنول کو صرف منہ سے ہی سلام کیا تھا مگر اسکی جھجھک کو مد نظر رکھتے ہوئے کنول خود ہی سب سمجھ گئی تھی تبھی صوفے سے اٹھ کر دعا کے قریب آتے ہوئے اس نے دعا کو گلے لگایا تھا اور پھر اسکے دونوں گالوں کو چوم کر سلام کا جواب دیا تھا شازیہ بیگم ,شبیر اقبال اور ذراج کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی دعا خود بھی اسکے اتنے پیار سے ملنے پر بہت خوش ہوئی تھی۔
اسے اپنی بہن پہ نئے سرے سے بہت غصہ آیا تھا جو سفاکیت کی ہر حد پار کر چکی تھی۔

"ہیلو, جی ٹھیک ہے میں خود پہنچتا ہوں بس تھوڑی دیر میں"
شبیر اقبال نے کسی سے فون پر کہا تھا اور پھر ذراج کو دیکھا تھا جو ارمان کے ساتھ کھیل رہا تھا

"ذراج تم آج آفس بلکل بھی نہیں گئے کیا؟"
انہوں نے پوچھا تھا

"نہیں بابا وہ بس آج ٹائم ہی نہیں ملا"
ذراج نے گردن کھجاتے ہوئے منمنا کر کہا تھا

"ہاں، ہاں اب تمہیں کہاں وقت ملے گا کام کرنے کا اب مجھے ہی جانا ہوگا"
شبیر اقبال نے دعا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جو شازیہ بیگم سے باتوں میں مصروف تھی

"کہاں جارہے ہیں آپ میں بس ابھی کھانا لگانے ہی والی تھی"
شازیہ بیگم نے ان کو وہاں سے جاتے دیکھ کر کہا

"جارہا ہوں تمہارے صاحبزادے نے آج آفس میں اپنی شکل تک نہیں دکھائی اب وہاں سے ورکرز کے فون پہ فون آرہے ہیں مجھے ہی جانا پڑے گا اب"
شبیر اقبال نے کہا تھا

"اچھا ٹھیک ہیں چلیں جائیں ذراج بھی تھک گیا ہے تھوڑی دیر آرام کر لے گا مگر آپ صرف پانچ منٹ صبر کریں میں کھانا پیک کر کے آپ کو دے دیتی ہوں آفس میں ہی کھا لیجیئے گا"
شازیہ بیگم نے شبیر اقبال کو روکتے ہوئے کہا تھا اور کچن کی جانب بڑھ گئی تھی شبیر اقبال بھی ان کے پیچھے ہی گئے تھے لاؤنج میں اب ذراج، دعا اور کنول یہ تینوں ہی تھے ارمان بھی وہی ذراج کے ساتھ باتیں کر رہا تھا جب اچانک ذراج نے کہا تھا۔

"آپ دونوں بیٹھ کر باتیں کریں میں فریش ہونے جارہا ہوں"

ان دونوں سے کہتے ہوئے اس نے ارمان کو بھی اٹھا کر کندھے پہ بٹھایا تھا اور پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کھل کہ بات کر سکیں۔

"کیسی طبعیت ہے تمہاری دعا؟"

گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے کنول نے ہلکے پھلکے لہجے میں اس سے پوچھا تھا جواب برقعہ اتارے اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی تھی کنول کو وہ گندمی رنگت والی پیاری سی، خاموش سی لڑکی واقعی نور سے یکسر مختلف لگی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اللہ پاک کا کرم ہے آپ کیسی ہیں؟"

اس کے سوال پر دعا نے کچھ چونکتے ہوئے پلکیں اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا اور پھر جواب دیا تھا۔

"بس ٹھیک ہوں"

زبردستی مسکراتے ہوئے کنول نے بجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا

"تمہارے بارے میں ذراج سے کافی کچھ سن رکھا ہے میں نے"

کنول نے اسکی خاموشی پر ایک بار پھر پہل کرتے ہوئے کہا

"کیا واقعی, مگر مجھے ذراج نے آج پہلی بار آپ کے بارے میں بتایا اور جو کچھ بتایا اسکی لیے میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں اپنی بہن کی طرف سے میں آپ سے......."

"پہلی بات تو یہ کہ مجھ سے آپ جناب کر کے بات مت کرو اتنے عرصے بعد مجھے کوئی لڑکی اتنی اچھی لگی ہے میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں لیکن اگر تم مجھے سے اس طرح ہچکچا کر آپ جناب کر کے بات کرو گی تو پھر تمہاری ہچکچاہٹ کی وجہ سے میں تم سے کھل کر بات نہیں کر سکوں گی تم مجھے میرے نام سے پکار سکتی ہو"

"ٹھیک ہے؟" پہلی بات مکمل ہونے پر کنول نے اس سے تائید چاہی تھی جس نے بخوشی مسکراتے ہوئے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا تھا

"اب دوسری بات یہ ہے کہ پلیز تم مجھ یہ مت کہنا کہ تم اپنی بہن کی وجہ سے بہت شرمندہ ہو اور اس کی طرف سے مجھ سے معافی مانگنا چاہتی ہو کیونکہ تم کیا دعا نور اگر خود بھی آ کر مجھ سے معافی مانگے گی تب بھی میں اسے معاف نہیں کروں گی تم سوچ بھی نہیں سکتی اس نے مجھ سے میرا کیا کچھ چھین لیا ہے اس نے مجھ سے وہ انسان ہی چھین لیا ہے جو میری زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ تھا"

بولتے بولتے وہ ایک دم چپ ہو گئی تھی آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک گیا تھا ان دونوں کو باتوں میں مگن دیکھ کر شبیر اقبال نے شازیہ بیگم کو دونوں کو ڈسٹرب کرنے سے منع کر دیا تھا پیک کیا ہوا کھانا

اٹھائے، اپنا فون کان سے لگائے وہ بظاہر لاپرواہ نظر آنے کی کوشش کرتے تیزی سے لاؤنج سے نکلتے چلے گئے جبکہ شازیہ بیگم اوپر ذراج اور ارمان کے پاس چلی گئی تھی۔

"تم معافی مت مانگو جو ہوا میری زندگی میں اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے جن دو انسانوں کا قصور ہے "نور اور اسفندیار" انہیں کسی قسم کا کوئی پچھتاوا ہی نہیں ہے معافی تو بظاہر ان دونوں کو مانگنی چاہیۓ مگر پتا ہے کبھی کبھی میں کیا سوچتی ہوں میں سوچتی ہوں کہ اس سب میں غلطی ان دونوں کی بھی نہیں ہے، بلکہ کسی کی بھی نہیں ہے جو ہوا وہ سب میری قسمت میں ہی لکھا تھا، میری قسمت میں لکھا ہی صرف رونا اور تکالیف برداشت کرنا ہے چھوٹی سی عمر میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تب بڑے بابا اور بڑی ماما نے سنبھالا اس مشکل وقت میں میرا سب سے زیادہ ساتھ اسفند نے ہی دیا تھا کم عمری میں ہی میری زندگی میں وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں میں اسفند کے علاوہ کبھی بھی کسی کو بھی تصور نہیں کر سکتی تھی یہاں تک کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی میں اپنی زندگی میں کسی اور کو وہ مقام دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی جو اسفند کا تھا کیونکہ اس کی محبت چاہے کھوکھلی ہی تھی، مگر میری محبت تو پاک ہے نا میں نے دل و جان سے بھی بڑھ کر اسے چاہا

مگر پتا ہے دعا زندگی بہت عجیب شے ہے اس زندگی میں جس چیز کے پیچھے انسان جتنا تیز بھاگتا ہے وہ چیز اس انسان سے اتنی ہی تیزی سے دور چلی جاتی ہے میں تھک چکی ہوں ساری زندگی بھاگتے بھاگتے

میں تھک چکی ہوں اپنی ایک چھوٹی سے خوشحال فیملی کو بنانے کے لیے جدوجہد کرتے کرتے تھک چکی ہوں میں بہت تھک چکی ہوں"

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کی چکی تھی اس کی برداشت کی حد بس یہی تک ہی تھی اسکے قریب ہوتے ہوئے دعا نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا اسکی اپنی آنکھیں بھی کنول کی دلسوز باتوں کو سنتے سنتے نم ہو چکی تھی مگر اسے پتا تھا کہ اس وقت اسے رونا نہیں ہے بلکہ کنول کو مضبوط بنانا ہے۔

"""تم رو لو کنول میں تمہیں رونے سے اپنے دل کو ہلکا کرنے سے نہیں روکوں گی میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری کیفیت ,میں سمجھ سکتی ہوں جب کوئی ایسا شخص جو آپ کہ سب سے زیادہ قریب ہو وہی جب اچانک آپ سے دور ہوتا ہے تو انسان پر کیا گزرتی ہے مگر آزمائشیں تو ہر انسان کی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے انہی آزمائشوں سے گزر کر ہی انسان اپنی منزل تک پہنچتا ہے یہ زندگی تو آزمائشوں کا سمندر ہے کسی سے لے کر آزمایا جاتا ہے تو کسی کو بے تحاشہ دے کر بس کہیں صبر کی آزمائش ہے تو کہیں شکر کی

۔

تم سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو پھر دیکھو وہ رب کیسے تمہاری ہر آزمائش میں تمہارا ساتھ دیتا ہے اور تم پر اپنے انعامات کی بارش کرتا ہے جب انسان بہت تکلیف میں ہوتا ہے نا اور وہ اس موقع پر آسمان کی جانب مسکرا کر دیکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنا ہر معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کر دیا ہے تو یقین

کرو فرش سے لیکر عرش تک ہر چیز لرز جاتی ہے مگر ہم انسانوں کی ایک غلطی, ایک خطاء یہ بھی تو ہے جب ہم بہت مایوس اور پریشان ہوتے ہیں تو اس حالت میں ہم اپنے رب کو راضی کرنے کے بجائے لوگوں کو راضی کرنے میں لگ جاتے ہیں جبکہ اس دنیا کے بے وفا انسانوں کو ہم کسی صورت راضی نہیں کر سکتے صرف اللہ کو راضی کرنے میں اپنے قیمتی وقت کو لگاؤ کیونکہ صرف وہی ذات ہے جو ہمارے بے چین دلوں کو سکون بخشتی ہے"

دعا سانس لینے کو رکی تھی جبکہ کنول یک ٹک اسکے چہرے کو دیکھ رہی تھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جسے اسکے پتھر کی مانند دل موم کی طرح پگھل رہا ہے دعا کی باتوں کو سنتے ہوئے اسے ایک عجب سرور مل رہا تھا۔

"جس وقت تمہیں ایسا محسوس ہو کہ تم تھک چکی ہو اس قدر تھک چکی ہو کہ تم میں دعا مانگنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تو تم صرف اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں پھیلا دیا کرو تمہارے پھیلے ہوئے ہاتھ اس بات کے گواہ ہونگے کہ تم رب کائنات کی محتاج ہو اور بے شک میرا رب تو دلوں کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے وہ تمہارے دل کی صدا ضرور سنے گا"

دعا کنول کی نظریں کب سے خود پر ٹکی دیکھ کر اچانک خاموش ہوگئی تھی وہ ڈر گئی تھی کہ کہی میری کوئی بات اسے بری تو نہیں لگی۔

"چپ مت ہو پلیز تم بتاؤ میں سن رہی ہوں تمہاری ان سب باتوں کو سنتے ہوئے مجھے کس قدر سکون و اطمینان محسوس ہو رہا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتی دعا"

کنول نے بے خودی کی کیفیت میں کہا تھا جس پر دعا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی

"تم مجھے چھوڑ کر قرآن پاک کو خود ترجمہ کے ساتھ پڑھ کر دیکھنا تم حیران رہ جاؤ گی تمہیں ایک ایک لفظ کو دیکھتے ہوئے حیرت ہو گی تم سوچوں گی کہ چودہ سو سال پہلے بھیجی گئی اس کتاب میں تمہاری ہر تکلیف کا ذکر کیسے ہے ایک ایک آیت کو پڑھتے ہوئے تمہیں ایسا محسوس ہو گا جیسے وہ رب کائنات تمہیں خود تسلی دے رہا ہو کہ کنول تم اداس کیوں ہو رہی ہو میں ہوں نا تمہارے ساتھ"

دعا نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا تھا

"اچھا ایسا ہے تو میں ضرور ترجمہ کہ ساتھ پڑھوں گی مگر ابھی تم مجھے سناؤ"

کنول نے اٹل لہجے میں اس سے کہا تھا

"اچھا تو تم ابھی اپنی قسمت کو برا بھلا کہہ رہی تھی نا تو اس بارے میں ،میں تمہیں قرآن پاک کی آیت سناتی ہوں کیونکہ تم لوگوں کی تدبیروں سے بہت پریشان ہوتی ہو جبکہ تقدیر کے فیصلے تو بہت پہلے ہو چکے ہیں قرآن پاک میں ایک جگہ اللہ سبحان و تعالیٰ فرماتا ہے۔

SuratNo9 سورۃ التوبۃ — AyatNo51 :

قُل ◌ لَّن ◌ یُّصِی ◌ بَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَو ◌ لٰینَا ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَل ◌ یَتَوَکَّلِ ال ◌ مُؤ ◌ مِنُو ◌ نَ ﴿۵۱﴾

آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے ، مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ۔

کنول اس آیت کی تلاوت اور ترجمے پر دنگ رہ گئی تھی

اس وقت تمہیں صبر سے اور اللہ کے ذکر سے کام لینا ہے مایوسی سے ہر گز نہیں وہ بندہ ہی کیا جو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے اس کے لیے میں تمہیں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دیتی ہوں جنکے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے ۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

SuratNo21 سورة الأنبياء – AyatNo87 :

وَذَاالنُّو ◌ نِ اِذ ◌ ذَّہَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَن ◌ لَّن ◌ نَّق ◌ دِرَ عَلَی ◌ ہِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَن ◌ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَن ◌ تَ سُب ◌ حٰنَکَ ٭ اِنِّی ◌ کُن ◌ تُ مِنَ الظّٰلِمِی ◌ نَ ﴿۸۷﴾ ◌

مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو! جبکہ وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بلآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکارا ٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں ہو گیا۔

SuratNo21 سورۃ الأنبياء – AyatNo88:

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنۡجِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ پاک جا بجا یہی تو فرما رہا ہے کہ مشکل و پریشانی میں مایوس ہونے کے بجائے مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا میں تمہارے بے چین دلوں کو چین و سکون بخشوں گا۔

کنول کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے وہ یک دم ہی ڈر گئی تھی اتنا سب کچھ واضح طور پر لکھا ہوا ہے ہمارے پاس لیکن پھر ہم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اس نے ڈر کر سوچا تھا۔

"تم نماز پڑھتی ہو؟"

دعا نے اچانک سوال کر دیا تھا

"ہاں پڑھ لیتی ہوں کبھی کبھار"

کنول نے کچھ شرمندگی سے جواب دیا تھا

ہماری بے سکونی اور بے چینی کی ایک بڑی وجہ تو نماز ہی ہے نماز تو وہ عبارت ہے جو ہمیں بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے تم آج سے ہی نماز شروع کرو پھر دیکھو تمہارے دل کو کتنا قرار ملتا ہے تم خود بخود اللہ کے رنگ میں رنگتی جاؤ گی اس بات کو واضح طور پر اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بیان کرتے ہیں۔

SuratNo13 سورۃ الرعد—AyatNo28 :

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾

جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اسکے کئی دنوں سے بغیر کنگھی کیے الجھے ہوئے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے دعا نے اپنی بات ختم کر کے اسکے چہرے کو دیکھا تھا جواب مسکرا کر پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

دعا نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا تھا

"میں تمہیں دیکھ کر یہ سوچ رہی ہوں کہ ذراج نے مجھے تمہارے بارے میں جتنا کہا تھا تم اس سے بھی زیادہ اچھی ہو دعا

یقین کرو تم بہت بہت اچھی ہو واقعی ذراج کی پسند قابل تعریف ہے تم سوچ بھی نہیں سکتی میں اب کتنا اچھا فیل کر رہی ہوں ویسے ایک بات پوچھوں "

اچانک اسنے رازدارانہ انداز میں دعا سے کہا تھا

"ہاں پوچھو کیوں نہیں"

"تم جادوگرنی تو نہیں ہو پہلے میرے دیور پہ جادو کر دیا پھر اسکے ماں باپ پہ اور اب مجھ پر "

کنول نے اسے کہا تھا اور پھر اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے ہنسی تھی جس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی اور ناراضگی سے اسے دیکھتے ہوئے پیچھے کھسکی تھی

"اچھا اچھا بھئی ارمان کی طرح منہ پھلا کر ناراض مت ہو مذاق کر رہی تھی میں "

کنول نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر گلے لگاتے ہوئے کہا تھا جس پر دعا بھی دھیرے سے ہنس دی تھی

"پلیز دعا تم روز مجھ سے ملنے آیا کرو ورنہ میں بہت اکیلا محسوس کروں گی یقین کرو تم جب سے یہاں آئی ہو اور میں جب سے تمہیں سن رہی ہوں تم سے باتیں کر رہی ہوں تم سے تب سے ہی میں سب کچھ بھول چکی ہوں کچھ وقت کے لیے ہی صحیح مگر میں ہر تکلیف سے خود کو آزاد محسوس کر رہی ہوں"

"تم آؤ گی نا مجھ سے ملنے؟"

آخر میں اس نے بہت امید کے ساتھ دعا سے پوچھا تھا

"کیوں نہیں میں ضرور آؤں گی"

دعا نے جواب دیا تھا

"ارے واہ بڑی چھپیاں شپیاں چل رہی ہے خیریت تو ہے"

ارمان کو گود میں لیے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ذراج نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے مزاحیہ لہجے میں کہا تھا جس پر وہ دونوں فوراً ایک دوسرے سے پیچھے ہوئی تھی

"پھر بھابی کی خیالات ہیں آپکے میری زوجہ محترمہ کے بارے میں؟"

ارمان کو گود سے اتار کر ان دونوں کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ذراج نے کنول سے پوچھا تھا جو ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائی تھی

"میں یہی کہوں گی ذراج بھائی کہ آپ بے حد خوش نصیب ہیں جو آپ کو دعا جیسی لڑکی ملی ہے "
کنول نے محبت سے دعا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جو نظریں جھکائے مسکرا رہی تھی

"دیکھا نا میں نے کہا تھا نا آپ سے کہ دعا سب سے الگ ہے آپ بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جائیں گی"
ذراج نے اسے صبح ہوٹل والی بات یاد دلائی تھی
"بلکل ذراج ایسا ہی ہے "

"چلو آجاؤ بچوں کھانا لگا دیا ہے میں نے جلدی سے آؤ ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا"
ڈائننگ روم سے شازیہ بیگم کی آواز آئی تھی جسے سنتے ہی سب سے پہلے ارمان ڈائننگ روم کی طرف بھاگا تھا اور پھر اسکے پیچھے پیچھے باقی سب بھی کھانا کھانے چلے گئے تھے۔

....

تین ساڑھے تین گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ان کی گاڑی راولپنڈی کے حدود میں داخل ہو چکی تھی
سارے راستے اسفند عابد شیخ والے مسئلے کو لیکر کبھی ایک کو تو کبھی دوسرے کو فون کرتے ہوئے اتنا

پریشان تھا کہ نور سے بات بھی نا کرسکا گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسفند کو کنول یاد آئی تھی اسی کے ساتھ رات کا سارا منظر بھی اسکے ذہن کے پردے پر کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا ایک نئے سرے سے پریشانی نے اسے آگھیرا تھا۔ آج صبح کنول کی طبعیت خراب تھی اس نے گھر سے نکلنے کے بعد اسکا پوچھا تک نہیں تھا ابھی یاد آنے پر اس نے کنول کا نمبر ملایا تھا مگر اصل معنوں میں پریشان تو وہ تب ہوا تھا جب تو تین دفعہ بیل دینے پر بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا تھا تنگ آ کر اس نے لینڈلائن پہ کال کی تھی کی تھی مگر وہاں سے بھی کسی قسم کا جواب موصول نہیں ہو رہا تھا اسفند کے دل پہ کسی انجانے ڈر نے جگہ لے لی تھی۔

"بار بار اسکا نمبر ملاتے ہوئے وہ بے چین ہو رہا تھا کچھ سوچتے ہوئے اسنے چوکیدار کو فون کر کے اس سے کنول اور ارمان کا پوچھا تھا جو اُس وقت خواب خرگوش کی نیند سو رہا تھا جس وقت کنول اور ارمان گھر سے نکل رہے تھے لہذا چوکیدار نے اسے یہ کہہ دیا کہ:

"کنول بیٹی اور ارمان گھر کے اندر ہی ہونگے میں نے آج پورے دن میں ان کو باہر آتے نہیں دیکھا"

"اور پروین آنٹی کام کر کے جا چکی ہیں؟"

اسفند نے کام والی کا پوچھا تھا

"جی بیٹا جی وہ تو کام ختم ہوتے ہی چلی گئی تھی"

چوکیدار نے جواب دیا

"میں نے ان کو کہا بھی تھا کہ کنول کا دھیان رکھیں مگر خیر اب آپ گھر کے اندر جائیں اور دیکھیں وہ دونوں کیا کر رہے ہیں پھر مجھے فون کر کے بتائیں"

چوکیدار سے یہ کہتے ہی اسفند نے کال کاٹ دی

"یہ سب کیا تھا اسفند؟"

نور نے اس سے کاٹ دار لہجے میں پوچھا تھا

"کیا تھا کس بارے میں بات کر رہی ہو؟"

اسفند نے انجان بنتے ہوئے پوچھا

"یہ اپنی بیوی کی اتنی فکر کرنا یہ سب کیا ہے؟"

نور غصے سے چیخی تھی

"چلاؤ مت آرام سے بات کرو میں تمہیں سب بتاتا ہوں کچھ دیر انتظار کرو"

اسفند نے خود مزید انتظار نہیں ہوا تھا تبھی ایک بار پھر کنول کا نمبر ملایا تھا نمبر ملانے میں وہ اس قدر مگن تھا کہ سامنے سے آتی بس کو دیکھ ہی نہیں پایا ہوش میں تو وہ تب آیا جب نور نے پوری قوت سے چیخ کر اس سے پکارا تھا جس پر اسفند نے تیزی سے سامنے دیکھا تھا اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے

کیونکہ وہ بس ان کے بہت زیادہ قریب تھی مگر اس سے پہلے کہ زوردار قسم کا ایکسیڈنٹ ہوتا اسفند نے گاڑی سڑک کے کنارے کی جانب موڑ دی جس کے باعث گاڑی بے قابو ہوتے ہوئے فل سپیڈ کے ساتھ سڑک کے کنارے لگے درخت سے ٹکرائی تھی گاڑی کے شیشے ٹوٹنے کی ایک زوردار آواز گونجی تھی چاروں طرف دھواں ہی دھواں ہو گیا تھا قریب سے گزرتی گاڑیوں میں سے لوگ نکل کر ان دونوں کی طرف بھاگے تھے اسفند کو زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی اس کے صرف دائیں ہاتھ پر دباؤ آیا تھا جس کی وجہ سے اسے ہاتھ کو حرکت دینے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی جبکہ نور کا سر پھٹ گیا تھا جہاں سے خون تیزی سے رس رہا تھا۔

"جلدی سے گاڑی کے کر آؤ ان دونوں کو قریبی ہسپتال پہنچانا ہے جلدی آؤ"

قریب کھڑے آدمی نے ان دونوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے اپنے دوسرے ساتھی کو آواز لگائی تھی جو تیزی سے گاڑی انکے قریب لے آیا تھا اسفند تو اپنا ہاتھ ہلانے سے قاصر تھا اس لیے ان دونوں آدمیوں نے اسفند کے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد نور کو بھی اٹھا کر اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا اور

قریب ہی واقع ایک بہت بڑے پرائیوٹ ہسپتال میں ان دونوں کو لے گئے تھے جہاں ان دونوں کو فوراً ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔

اسفند اور نور کو وہاں چھوڑنے کے بعد وہ دونوں آدمی وہاں سے چلے گئے تھے جن آدمیوں نے ان کو ہسپتال پہنچایا تھا اسفند کے صرف ہاتھ پر پٹی کی گئی تھی جبکہ نور کے سر میں پانچ ٹانکے آئے تھے پندرہ منٹ بعد وہ ہوش میں آچکی تھی دونوں کو مکمل چیک اپ کرنے کے لیے ایک ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا گیا جس کے کمرے کے باہر کھڑے اب وہ دونوں اپنی اپنی باری آنے کا انتظار کر رہے تھے جب سامنے سے آتی دو نرسوں کی ان دونوں پر نظر پڑی تھی۔

"مسکان وہ دیکھو اُس پیاری سی لڑکی کو جو سامنے کھڑی ہے"

ان دونوں میں سے اس نرس نے جس کا نام "لائبہ" تھا نور کی جانب اشارہ کرتے ہوئے دوسری نرس مسکان سے کہا تھا۔

"ہاں یار ربیچاری کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے شاید سر پہ چوٹ لگی ہے"

مسکان نے جواب دیا تھا

"ارے پاگل میں یہ نہیں پوچھ رہی کہ اسے کیا ہوا ہے کیا نہیں"

لائبہ نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے تپے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا

"تو پھر؟"

اس نے حیرت سے پوچھا

"تم شاید بھول گئی ہو اس لڑکی کو غور سے دیکھو یہ وہی لڑکی ہے جسے ایک ڈیڑھ سال پہلے یہی لایا گیا تھا اس کی ڈیلیوری کی ڈیٹ قریب تھی اور یہ کچن میں کام کرتے ہوئے گر گئی تھی کافی سیریس کنڈیشن میں تھی"

"اب کچھ یاد آیا؟"

ساری بات تفصیل سے بتانے کے بعد لائبہ نے اس کی کمر پہ دھپ مارتے ہوئے کہا

"ارے یار رہاں، ہاں یاد آ گیا، یاد آ گیا اس کی امی اور ابو اسکے ساتھ آئے تھے اور ایک بہت پیارا بیٹا ہوا تھا اس کا"

مسکان نے یاد آنے پر جوش سے کہا تھا

"ہاں نا وہی تو بہت پیارا تھا وہ بچہ اس کے پیدا ہوتے ہی جو میں نے اس کی تصویریں لی تھی وہ بھی ابھی تک میرے موبائل میں موجود ہے"

اپنے موبائل کی سکرین کو ٹچ کرتے ہوئے لائبہ نے کہا تھا جس کے سکرین پر واقعی عبداللہ کی پیاری سی تصویر موجود تھی۔

"یہ جو اس کے ساتھ آدمی ہے اس لڑکی کا ہسبنڈ لگتا ہے مجھے تو"

مسکان نے تکا لگایا

"ہاں شاید ماں باپ اتنے پیارے ہیں ماشا اللہ سے تبھی تو بچہ بھی اتنا پیارا تھا"

لائبہ نے مزید کہا تھا

"چلو نا مسکان ان دونوں سے جا کر بچے کا پوچھتے ہیں میرا بڑا دل کر رہا ہے دیکھنے کا کہ وہ بچہ اب کیسا ہے"

لائبہ نے حسرت سے کہا تھا

"تمہارا دماغ خراب ہے بڑا فالتو وقت ہے تمہارے پاس جو ان سے پوچھنے جاؤں گی اُس بچے کے بارے میں جاؤ پوچھ لو میں تو جا رہی ہوں میری ڈیوٹی کا وقت ہو گیا ہے"

یہ کہتے ہی مسکان تو وہاں سے چلی گئی جب کہ لائبہ خوشی خوشی اسفند کی جانب بڑھ گئی تھی اس وقت نور وہاں پر موجود نہیں تھی وہ چیک اپ کے لیے اندر جا چکی تھی۔

"ہیلو سر"

لائبہ نے اسفند کو مخاطب کیا جو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا

"جی"

اسفند نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"سر آپ کا بے بی اب کیسا ہے آپ اور آپ کی وائف اسے ساتھ کیوں نہیں لے کر آئیں میرا مطلب وہ جب پیدا ہوا تھا تو بہت بہت زیادہ پیارا تھا میں ابھی اسے دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ بچہ اب کیسا ہو گا آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر ہے تو پلیز مجھے دیکھا دیں"

لائبہ بنا سوچے سمجھے بولے جا رہی تھی جبکہ اسفند حیرت و الجھن کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کس کی بات کر رہی ہے کیونکہ ارمان ہی اسفند کا بیٹا تھا اور اس کی پیدائش تو لاہور کے ایک ہسپتال میں ہوئی تھی۔

"ایکسکیوز می مس میں کچھ سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہی ہے پلیز آپ دوبارہ ایکسپلین (explian) کریں گی"

اسفند نے اس سے کہا تھا جس کا سارا جوش و خروش ماند پڑ چکا تھا

"سر آپ اس لڑکی کے ہسبنڈ ہیں نا جو ابھی اندر گئی ہے
اب تو اس بات کو ایک سال ہو گیا ہے تبھی میں اس لڑکی کا نام بھول گئی ہوں مگر یہ جو آپ کی وائف ہے نا پچھلے سال ان کی ڈیلیوری اسی ہسپتال میں ہوئی تھی ایک بہت ہی پیارے بیٹے کو جنم دیا تھا انہوں نے"

وہ نرس اپنی ہی دھن میں بولتی جا رہی تھی جبکہ اسفند کے پیروں تلے زمین نکل چکی تھی اسکے ذہن میں اِس نرس کے اور اس ویٹر کے سارے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"آ, آپ کو اچھی طرح یاد ہے نا وہ یہی لڑکی تھی. جس کی آپ بات کر رہی ہیں"
اسفند نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تھا

"جی, جی یہی لڑکی تھی, لیکن ایک منٹ لڑکی سے کیا مراد کیا یہ آپ کی بیوی نہیں ہے"
اس نرس نے چونکتے ہوئے پوچھا تھا

"نہیں یہ میری بیوی نہیں ہے مگر پلیز پلیز سسٹر آپ میری ہیلپ کرے مجھے ساری سچائی بتائیں کب ان کا بچہ ہوا تھا"
اسفند نے اس کے سامنے تقریباً گڑگڑاتے ہوئے کہا تھا

"سوری سر مجھے لگا کہ یہ آپ کی...."
کوئی بات نہیں وہ سب چھوڑیں اور مجھے بتائیں کیا آپ کو یقین ہے وہ یہی لڑکی تھی۔

"اسفند نے پھر وہی سوال دہرایا تھا۔

"جی میں سوفیصد یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ یہی لڑکی تھی بلکہ ہمارے ہسپتال کے ریکارڈ میں بھی سب کچھ محفوظ ہے ان کے بارے میں"
اس نرس نے اسفند کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بتایا تھا

"ٹھیک ہے پلیز آپ مجھے ابھی کہ ابھی ریکارڈ میں دکھائیں پلیز سسٹر یہ جاننا میرے لیے بہت ضروری ہے"
اسفند نے اسکی منت کرتے ہوئے کہا تھا

"ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ چلیں وہ فائل ریکارڈ روم میں ہوگی"
اسے اپنے پیچھے آنے کا کہتی وہ نرس خود آگے آگے چل رہی تھی جبکہ اسفند اس کے پیچھے پیچھے تھا

"یہ رہی مل گئی فائل"

پندرہ منٹ ڈھونڈنے کے بعد آخر کار وہ فائل مل ہی گئی تھی لائبہ نے وہ فائل اسفند کے حوالے کر دی تھی

"یہ پچھلے سال ہی آئی تھی یہاں پر پیگننسی کے کیس میں ان کو ایمرجنسی میں لایا گیا تھا کیونکہ اُس حالت میں یہ کچن میں کام کرتے ہوئے گر گئی تھی اُس وقت اِن کے ساتھ صرف اِن کے والد اور ان کی والدہ موجود تھی آپریشن کے لیے ہمیں اِن کے ہسبنڈ کے دستخط چاہیئے تھے مگر اِن کے والد نے کہا کہ اِن کے ہسبنڈ آفس کے کسی ضروری کام سے بیرون ملک گئے ہیں

اس لیے یہاں نیچے دیکھے اس خانے میں

"دستخط ان کے والد نے ہی کر دیئے تھے"

اسفند اس فائل پر نظریں دوڑا رہا تھا جبکہ وہی نرس لائبہ ساتھ ساتھ اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی اس فائل پر نور کا نام شاہ میر ملک کے دستخط سب کچھ موجود تھا۔

"اتنا بڑا دھوکہ, اتنا بڑا فریب مطلب یہ کہ وہ ویٹر جو کہہ رہا تھا وہ سب کچھ سچ تھا نور نے اس رات ایک لڑکے کے ساتھ ہوٹل میں پوری رات......."

اس سے آگے اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا یہ سب کچھ جاننے کے بعد اب اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے فائل غصے سے نرس کے ہاتھ میں دیتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کمرے سے نکلتا باہر چلا گیا

سارا دن ذراج کے گھر میں کنول, ارمان اور سمرین بیگم کے ساتھ گزارنے کے بعد اب وہ دعا ان سب کے ساتھ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی جب اسکے موبائل پر شاہ میر ملک کی کال آئی تھی۔

"ہیلو, السلام علیکم! بابا کیسے ہیں آپ؟"

اتنے دنوں بعد باپ کی آواز سننے کے بعد دعا نے موبائل کان سے لگاتے ہی پر جوش لہجے میں پوچھا تھا

"وعلیکم السلام بیٹا میں ٹھیک ہوں دعا تم کیسی ہو؟"

دوسری جانب سے انہوں نے کمزور سے لہجے میں جواب دیا تھا

"بابا میں تو بلکل ٹھیک ہوں مگر آپ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے آپ کی آواز کو کیا ہوا ہے؟"

دعا نے تشویش سے پوچھا تھا

"کچھ نہیں بس کچھ دنوں سے میرا گلا ذرا خراب ہے تبھی تمہیں میری آواز بدلی بدلی سی لگ رہی ہے"

شاہ میر ملک نے جواب دیا تھا مگر ابھی بھی ان کے جواب سے دعا کچھ خاص مطمئن نہیں ہوئی تھی

"یہ باتوں کی آوازیں کیسی ہیں؟ تم گھر سے باہر ہو کیا؟"

انہوں نے پوچھا تھا

"جی بابا آج ذراج لینے آئیں تھے مجھے انھی کے ساتھ آئی ہوئی ہوں اقبال ہاؤس"

دعا نے ان سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا تھا جو چائے پینے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں بھی مشغول تھے

"بابا آپ کو وہاں اور کتنے دن لگیں گے کب تک واپس آئیں گے آپ؟"

دعا نے غمگین لہجے میں پوچھا تھا

"میں لاہور آچکا ہوں دعا ابھی ابھی ائیر پورٹ سے گھر کی جانب روانہ ہوا ہوں ڈرائیو کو فون کر کے میں نے بلوا لیا تھا مجھے پک کرنے کے لیے عابد شیخ کا پتا بھی لگ چکا ہے وہ راولپنڈی میں ہے اسے پکڑنے کے لیے میں اسفند کو بھیج چکا ہوں"

شاہ میر ملک نے اسے آگاہ کیا

"اچھا سچ میں آپ آ گئے ہیں پھر میں بھی جلد از جلد گھر پہنچتی ہوں"

دعا نے پرجوش لہجے میں ان سے کہا تھا

"ٹھیک ہے بیٹا میں انتظار کروں گا اللہ حافظ!"

دوسری جانب سے انہوں نے کہا تھا

"اللہ حافظ بابا"

دعا نے بھی کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی

"کیا ہوا اور کیا کہہ رہے تھے انکل عابد شیخ پکڑا گیا ہے؟"

نہیں اسفند بھائی کو راولپنڈی بھیجا ہے بابا نے آج صبح ہی کیونکہ عابد شیخ وہاں چھپا بیٹھا ہے ابھی تک اسفند بھائی کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا کے وہ پکڑا جا چکا ہے یا نہیں مگر بابا کراچی سے واپس آ گئے ہیں ابھی ابھی ائیرپورٹ سے گھر کے لیے روانہ ہوئے ہیں اس لیے مجھے اب گھر جانا ہوگا"

ان سب سے کہتے ہوئے دعا کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی

"دعا تھوڑی دیر اور رک جاتی نا"

کنول نے اس سے کہا تھا

"میں پھر آجاؤں گی کنول مگر ابھی جانا ہوگا بابا اتنے دنوں بعد آئیں ہیں"

دعا نے جواب دیا تھا

"ٹھیک ہے بیٹا ابھی چلی جاؤ مگر کل میں پھر سے ذراج کو بھیجوں گی تمہیں لینے کے لیے ضرور آنا"

سمرین بیگم نے محبت بھرے لہجے میں کہا

"جی ضرور آنٹی مگر ابھی میں چلتی ہوں"

"اللہ حافظ"

ان سب سے اچھی طرح ملنے کے بعد وہ واپس ذراج کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"بہت اچھی ہے میری دعا"

سمرین بیگم نے گیٹ کی طرف دیکھ کر کہا تھا جہاں سے ابھی ابھی ان کی گاڑی نکلی تھی

"جی بلکل آنٹی اللہ اُسے ڈھیروں خوشیاں دیں آمین"

کنول نے کہا تھا

"آمین بیٹا تم تو آؤ بیٹا یہاں بیٹھو اور یہ چائے پیو اپنی صبح سے خالی پیٹ گھوم رہی ہو دوپہر میں بھی تم نے کچھ نہیں کھایا اب یہ چائے تو پیو"

سمرین بیگم نے کنول کو ڈپٹتے ہوئے کہا تھا

"آنٹی میرا کچھ بھی کھانے کا دل نہیں کر رہا سچ میں"

کرسی کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ بولی تھی جب اچانک سے اسکو چکر آئے تھے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے وہ فوراً ڈھے جانے والے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی تھی

"کنول, کنول کیا ہوا بیٹا تم ٹھیک تو ہو؟"

سمرین بیگم کی پکار پر فٹ بال کھیلتا ارمان بھی بھاگتے ہوئے کنول کے قریب آیا تھا

"جی آنٹی بس کچھ دنوں سے چکر سے آرہے ہیں مجھے"

اس کے جواب پر سمرین بیگم نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا جو بلکل پیلا پڑ چکا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں چلو ابھی کہ ابھی ڈاکٹر کے پاس جلدی سے اٹھو"

سمرین بیگم خود کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کنول کو بھی سہارا دے کر کھڑا کرتے ہوئے بولی

"آنٹی پریشانی کی کوئی بات نہیں یہ تو بس صرف....."

"کوئی بہانہ نہیں سنوں میں تمہارا یہاں قریب ہی میری ایک بہت اچھی دوست کا کلینک ہے زیادہ وقت نہیں لگے گا چلو میرے ساتھ ابھی چلتے ہیں ارمان بیٹا آپ بھی چلو"

کنول کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ زبردستی روانہ کرتے ہوئے سمرین بیگم نے ارمان سے بھی کہا تھا جو

"اوکے دادوں" کہتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔

چیک اپ کے بعد نور نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اسفند کی تلاش میں یہاں وہاں دیکھا تھا مگر اسے وہ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

"یہ کہاں چلا گیا اب؟"

خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے اس نے لمبی سی راہداری میں قدم آگے بڑھا دیئے تھے راہداری سے نکلتے ہی اس نے اسفند کو کاؤنٹر کے پاس کھڑے دیکھ لیا تھا نور نے بھی اس تک پہنچنے کے لیے اپنے قدموں کی رفتار بڑھا دی کاؤنٹر پر بل پے کرتے وقت بھی اس کے ہاتھ غصے سے کانپ رہے تھے پیسے دینے کے بعد وہ ہسپتال سے باہر نکل آیا تھا۔

www.urdunovelsmania.com

"یہ مجھے یہی پہ چھوڑ کر خود اتنی عجلت میں کہاں جا رہا ہے؟"

اس کے پیچھے تقریباً بھاگتے ہوئے نور نے سوچا تھا ہسپتال سے باہر آتے ہی اس نے اسے دیکھا تھا جو ایک ٹیکسی میں سوار ہوتا وہ سے چلا گیا تھا نور کو بہت حیرت ہوئی تھی اُس کے اِس طرح سے وہاں جانے پر مگر وقت ضائع کیے بغیر وہ بھی دوسری ٹیکسی میں سوار ہو گئی تھی اور ڈرائیور کو اس ٹیکسی کا پیچھا کرنے کو کہا تھا جس میں اسفند سوار تھا۔

"اسی جگہ پر پہنچتے ہی اسفند نے ٹیکسی ڈرائیور کو ٹیکسی روکنے کو کہا تھا جس جگہ ایک گھنٹہ پہلے اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا ڈرائیور کو پیسے دینے کے بعد وہ اپنی گاڑی کے پاس آیا تھا اور اس میں سے موبائل نکالا تھا جو وہ ہسپتال پہنچنے کی جلدی میں اٹھانا بھول گیا تھا۔

"روکو، روکو یہی پر روک دو"

نور نے بھی اسفند کو وہاں گاڑی کے سامنے کھڑا دیکھ لیا تھا تبھی اس نے بھی ڈرائیور کو ٹیکسی روکنے کو کہا تھا۔

"ایک منٹ بھائی میرا پرس اس سامنے گاڑی میں ہے میں بس ابھی اس میں سے پیسے لے کر آتی ہوں"

عجلت میں کہتے ہوئے نور گاڑی تک آئی تھی اور اس میں سے دھیان سے اپنا پرس نکالا تھا کیونکہ ساری گاڑی میں ٹوٹے ہوئے شیشوں کی کرچیاں پڑی ہوئی تھی

پرس میں سے پیسے نکالنے کے بعد وہ اس نے پیسے ڈرائیور کو دیئے تھے اور غصے سے مڑتے ہوئے اسفند کے پاس آئی تھی جو کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

"کیا سچ میں عابد شیخ وہاں سے بھاگ چکا ہے بیوقوف انسان میں نے تمہیں اسی لیے ہی کہا تھا کہ تم راولپنڈی میں رہتے ہو اس ہوٹل کے قریب ہو مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی اس لیے جب تک میں نہیں آتا اس پر نظر رکھو مگر وہ تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہو گیا ہے پاکستان سے"

اسفند اپنے کسی ورکر پہ چیخ رہا تھا جو کچھ دن سے راولپنڈی اپنی فیملی کے ساتھ کسی شادی میں آیا تھا اسفند نے اسے عابد شیخ پر نظر رکھنے کو کہا تھا مگر ابھی ابھی ہی اس نے اطلاع دی تھی کہ عابد شیخ اسے چکما دیتا ملک سے فرار ہو چکا ہے جسے سنتے ہی اب اسفند غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

www.urdunovelsmania.com

اب میں جیسے کہہ رہا ہوں ویسا کرو میں نے تمہیں ایڈریس سینڈ کر دیا ہے تم جلدی سے یہاں پہنچو میرا ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہوا ہے جس کی وجہ سے گاڑی کافی خراب ہو گئی ہے میری گاڑی کو ٹھیک کرواؤ جب تک گاڑی ٹھیک نہیں ہوتی تب تک پلیز تم بھی یہی رہنا اور میں یہاں پر کوشش کرتا ہوں لوکل گاڑی میں بیٹھ کر جلد از جلد واپس لاہور پہنچنے کی"

اسفند نے اسے وہاں آنے کا کہا تھا اور پھر موبائل بند کرتے ہوئے جیب میں رکھ لیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟، پاگل ہو گئے ہو تم "ہوا کیا ہے آخر تمہیں اچانک سے جو تم مجھے وہی چھوڑ کر آ گئے؟"

بازو سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے نور نے غصے سے کہا تھا جو کب سے اسکے پیچھے کھڑی سب سن چکی تھی جبکہ اُس کی شکل کو دیکھتی ہی اسفند کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا ایک لفظ بھی کہے بغیر اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ اسکے منہ پر مارا تھا۔

"گھٹیا عورت تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے پیچھے نے کی بدکردار عورت"

اسفند اس پر دھاڑا تھا جو دائیں گال پر ہاتھ رکھے حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ غصے کی شدت سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

"یہ، یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

نور نے اٹکتے ہوئے ایک ایک لفظ ادا کیا تھا

"تمہیں کیا لگا تھا مجھے کبھی بھی سچائی کا علم نہیں ہو گا مجھے سب پتا چل گیا ہے کہ تم ایک سال پہلے اسی ہوٹل میں جس میں تم میرے ساتھ بھی جاتی تھی وہی پہ کسی اور لڑکے کے ساتھ بھی رنگ رلیاں منا چکی ہو اسی کے ساتھ وہاں رات تک گزار چکی ہو جسکا نتیجہ ایک بچے کی صورت میں نکلا تھا اور اسی ہسپتال

میں تمہاری ڈیلیوری ہوئی تھی تم کیا تمہارے ماں باپ بھی اس کام میں تمہارے ساتھ شریک تھے شرم آنی چاہیئے تمہیں شرم تم جیسی تھرڈ کلاس لڑکی کے لیے میں نے اپنی معصوم اور وفادار بیوی کو دھوکہ دیا اپنی بیوی اور اپنے بچے پر ظلم کیا لعنت ہے مجھ پر لعنت ہے"

سڑک کے کنارے کھڑا وہ اس پر دھاڑا تھا جو ایک لمحے کو ڈر گئی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس کا حال بھی اسفند سے کم نہیں تھا۔

"واہ واہ اسفند صاحب واہ"

وہ طنزیہ انداز میں دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہوئے بول رہی تھی

"کیا کہا ابھی تم نے بدکردار ہاں یہی کہا نا تم نے مجھے کہ میں بدکردار ہوں تو ہاں ہوں میں بدکردار جس لڑکے کے ساتھ میں نے ہوٹل میں رات گزاری تھی وہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا یوسف نام تھا سب سچ کہا تم نے میں نے اسی ہسپتال میں یوسف کے بچے کو جنم دیا تھا مگر اُس گھٹیا شخص نے اُس بچے کو اپنا ماننے سے ہی انکار کر دیا اور مجھے ذلیل کر کے گھر سے نکال دیا میں نے بھی اس بچے کے ہوتے ہی بابا کے ہاتھوں اسے پھینکوا دیا یہاں سے بہت دور جہاں کسی کو اس سب کے بارے میں کچھ بھی پتا نا چلے سن لیا تم نے میں نے خود تمہیں سب سچ بتا دیا کیونکہ میں تم سے کیا کسی سے بھی نہیں ڈرتی می خود کو تمہاری طرح فرشتہ ثابت کر کے باقی سب کو ذلیل نہیں کرتی اب یہ تو ہوئی میری بات۔

لیکن مسٹر اسفندیار تم نے کبھی اپنے کردار کا جائزہ لیا ہے کیا کردار ہوسکتا ہے اس مرد کا جو اپنی وفادار بیوی کو جو صرف اور صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی ہو اس کی اولاد کا خیال رکھتی ہو اسکی خوشی اسکی ناراضگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر کام کرتی ہو کہ کہیں میرے شوہر کو برا نا لگ جائے ایسی ہی ہے نا تمہاری بیوی اور اسے چھوڑ کر تم میرے پیچھے بھاگتے رہے ہوٹلوں میں میرے ساتھ بیٹھ کر اظہار محبت کرتے رہے میرے حسن کے قصیدے پڑھتے رہے تمہارا کردار بھی تو دو ٹکے کا ہے"

اس تلخ سچائی پر اسفند کی زبان تالوں سے چپک کر رہ گئی تھی کیونکہ سامنے موجود وہ لڑکی سب سچ ہی تو کہہ رہی تھی وہ یہی سب تو کر چکا تھا کنول کے ساتھ جس سے وہ محبت کے دعوے کرتا تھا تو کیا ایسے کی جاتی ہے کسی سے محبت اُسے تکلیف دے کے اُسکے جذبات کا خون کر کے۔

"اس سب کی ذمہ دار تم ہو"

اسفند نے کمزور لہجے میں کہا تھا

"تم جیسے مردوں کو اور آتا ہی کیا ہے اس کے علاوہ کے سب کچھ کر کے سارا الزام عورت پر ڈال دو اپنی بیوی کو چھوڑ کر تم میرے پاس آئے اس سب میں تمہاری بیوی کی غلطی تھی اور اب جب میں نے تمہیں تمہاری اوقات یاد دلائی ہے تو ساری غلطی میری ہے لعنت کے حق دار ہوتے ہو تم جیسے گھٹیا مرد جو اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے باہر منہ ماری کرتے ہو اور پھر خود تو پارسا بن جاتے ہو اور سارا

الزام عورت پر لگا دیتے ہو میں نے تمہاری منتیں کی تھی میرے پیچھے آنے کے لیے اپنی بیوی کو چھوڑنے کے کے لیے یقیناً نہیں تو پھر تمہیں مجھے بدکردار کہنے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک لینا چاہیئے کیونکہ میرے اور تمہارے کردار میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے اگر میں زانیہ ہوں میں نے زنا کیا ہے تو زنا کی کوئی ایک قسم نہیں ہے اتنا تو مجھے بھی پتا ہے کہ دونوں آنکھیں، ان کا زنا دیکھنا ہے اور دونوں کان، ان کا زنا سننا ہے اور زبان، اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ، اس کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں، اس کا زنا چل کر جانا ہے اور دل تمنا رکھتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ ان تمام باتوں کی تصدیق کرتی ہے (اسے عملاً سچ کر دکھاتی ہے اور حرام کا ارتکاب ہو جاتا ہے) یا اس کی تکذیب کرتی ہے"

اب اس سب کو کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچو کہ تم کس حد تک یہی گناہ کر چکے ہو کیونکہ تم نے انہی آنکھوں سے مجھے دیکھا ہے, اسی زبان سے ایک غیر لڑکی کی حسن کے قصیدے پڑھے ہیں "کبھی کبھار میرا ہاتھ پکڑ کر بات بھی کی ہے تو ان سب باتوں کا مقصد یہ ہے کہ باکردار تم بھی نہیں ہو دوبارہ میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے بدکردار اور خود کو باکردار ثابت کرنے کی کوشش بھی مت کرنا اور جہاں تک رہی تمہاری بیوی کی بات تو آفرین ہے اس عورت پر جو ابھی تک تم جیسے دوغلے, بے وفا اور دھوکے باز انسان کے ساتھ ٹھری ہوئی ہے سچ میں وہ بہت معصوم اور وفادار ہے ورنہ اگر اسکی جگہ میں ہوتی تو تمہارا وہ حال کرتی اسفندیار کے تم ساری زندگی یاد رکھتے.

نور نے سلگتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس سے کہا تھا

"غلطی ہم دونوں نے کی ہے اس سب میں ہم دونوں برابر کے شریک ہیں مجھے تو میرے کیے کی سزا مل رہی ہے میں اپنی بیوی کی نظروں میں اپنی عزت اپنا مرتبہ کھوچکا ہوں مگر میری ایک بات کان کھول کر سن لو کہ چھوڑنے والا میں بھی نہیں ہوں تمہیں آج نہیں تو کل تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ساری زندگی یاد رکھوگی۔

جو کرنا ہے کرلو مجھے کوئی فکر نہیں مگر میری بھی ایک بات سن لو اور وہ یہ کہ ہرگز مت سمجھنا کہ تم نے مجھے ٹھکرادیا ہے بلکہ میں نے تمہیں ٹھکرایا ہے کیونکہ تم میرے لیول کے ہو ہی نہیں میں تم جیسے کنگلے انسان سے شادی کرنا بھی نہیں چاہتی جو عنقریب سڑک پر آنے والا ہو"

گاڑیوں میں بیٹھے لوگ وہاں سے گزرتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے جو پوری قوت سے چیخ رہی تھی اسکے گال پر ابھی بھی اسفند کی انگلیوں کے نشان موجود تھے اسفندیار کو اچھی طرح سے آئینہ دکھاتی وہ اپنے دائیں ہاتھ سے بالوں کو جھٹکتی وہاں سے چلتی دور ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی جبکہ اسفند یار وہی کھڑا رہ گیا تھا اس کے قدموں نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا تھا اپنی حقیقت جاننے کے بعد وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح خود کو گھسیٹتے ہوئے اسی سڑک کے کنارے پر ایک درخت کے نیچے ڈھے جانے والے انداز میں بیٹھا تھا جب گھر کے چوکیدار کی کال آئی تھی تھکے ہوئے انداز میں اس نے موبائل کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو, ہیلو اسفند بیٹا کہاں ہو تم میں نے تمہیں کتنی بار فون کیا مگر تم اٹھا ہی نہیں رہے تھے"

اس چوکیدار نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا جس پر اسفند کا دل بھی کانپ اٹھا تھا

"کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا؟"

اسفند نے بجلی کی سی تیزی سے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا

"اسفند بیٹا وہ کنول بیٹی اور ارمان گھر پر نہیں ہیں میں نے سارا گھر دیکھ لیا مگر وہ مجھے نہیں ملیں پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں دونوں"

چوکیدار نے ڈرے سہمے انداز میں کہا تھا

"ک, کیا کہہ رہے ہو تم ایسا کیسے ہو سکتا ہے تم کیا کر رہے تھے صبح سے جوان کو گھر سے جاتے ہوئے بھی نا دیکھ سکے اچھی طرح دیکھو گھر میں جلدی دوبارہ دیکھو"

پاگلوں کی طرح گاڑیوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے اس نے چوکیدار سے کہا تھا

"نہیں بیٹا میں اچھی طرح سارے گھر میں دیکھ چکا ہوں مگر کہیں نہیں ہیں"

اس نے جواب دیا

"آآپ گھر کے آآس پ پاس دیکھیں ش شاید وہی کہیں ہو میں ابھی روانہ ہو رہا ہوں واپس آآپ مجھے ساتھ س ساتھ آگاہ کریں"

اسفند نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور پھر وہ بھی ٹیکسی والے کو منہ مانگی رقم دیتا اس میں بیٹھ کر واپسی کے لیے روانہ ہو گیا تھا

"جی ابھی آپ یہاں ویٹ کریں آپکا نمبر آنے میں وقت ہے"

نرس نے ڈاکٹر کے کمرے سے نکل کر سمرین بیگم اور کنول سے کہا تھا جو ابھی وہاں داخل ہوئی تھی اور سیدھا ڈاکٹر صاحبہ کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی جب نرس نے باہر آتے ہوئے جلدی سے اُنکو روکا تھا۔

""جاؤ بیٹا اندر اور ڈاکٹر رضیہ سے کہو کہ سمرین اقبال آئی ہے"

سمرین بیگم نے نرمی سے اس کم عمر نرس سے کہا تھا یہ محلے کا ایک چھوٹا سا کلینک تھا جہاں سمرین بیگم کنول کو لے کر آئی تھی ڈاکٹر رضیہ جو اس کلینک کی سینئر ڈاکٹر تھیں وہ اصل میں سمرین بیگم کے کالج کی سہیلی تھی شادی کو ابھی سات سال ہی ہوئے تھے جب انکے شوہر کی ایک ایکسیڈنٹ میں موت واقع ہو گئی ان دنوں ڈاکٹر رضیہ بے حد پریشان تھی اور کسی ہسپتال میں اپنے لیے نوکری تلاش کر رہی تھی مگر نوکری ملنا کوئی آسان کام نہیں یہ انہیں بھی اسی وقت پتا چلا تھا جب روز ایک نئی جگہ پہ

انٹرویو دے کر مایوس گھر کو لوٹ آتی ساس اور سسر کافی سال پہلے اس دنیا سے جاچکے تھے ڈاکٹر رضیہ کی والدہ نے انہیں بہت کہا کہ دوسری شادی کر لے مگر انہوں نے دوسری شادی کرنے کے بجائے خود اپنے بچوں کو سنبھالنے کا فیصلہ کیا انہی دنوں ان کی ملاقات سمرین بیگم سے ہوئی جب سمرین بیگم کو ان کی ساری پریشانی کا پتہ چلا تو انہوں نے اِسی محلے میں ڈاکٹر رضیہ کے گھر کے قریب ہی ان کے لیے ایک کلینک کھول دیا جہاں پر وہ باآسانی رزقِ حلال بھی کما لیتی تھی اور اپنے دونوں بیٹوں کو بھی سنبھال لیتی تھی۔

"السلام علیکم !سمرین آؤ آؤ اندر آؤ پلیز باہر کیوں کھڑی ہو میں بہت معافی چاہتی ہوں یہ نرس میں نے ابھی ابھی رکھی ہے اس لیے یہ تمہیں جانتی نہیں تھی تو انتظار کا کہہ دیا"

ان دونوں کو اندر میز کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ خود میز کی دوسری جانب رکھے ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام !کوئی بات نہیں میں انتظار بھی کر لیتی مگر میری بیٹی کی طبعیت خراب ہے اس کے لیے زیادہ دیر تک بیٹھنا ٹھیک نہیں رہتا اس لیے میں عجلت میں اندر آگئی"

سمرین بیگم نے جواب دیا تھا۔

"یہ تمہاری بیٹی مطلب؟"

ڈاکٹر نے نا سمجھی سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا

"ہاں یہ کنول ہے اور میری بیٹیوں سے بھی بڑھ کر ہے میرے لیے"

سمرین بیگم نے محبت بھری نگاہوں سے کنول کو دیکھتے ہوئے کہا تھا

"ماشاللہ بہت پیاری ہے آپ کی بیٹی مگر بیٹا آپ کو تکلیف کیا ہے مجھے بتائیں"

ان کے پوچھنے پر کنول نے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا تھا کہ کس طرح کچھ دنوں سے اسکی طبعیت خراب ہے جسے سننے کے بعد وہ کنول کو اپنے ساتھ آنے کا کہتی کمرے کے اس حصے کی جانب چلی گئی جہاں کمرے کے بیچ و بیچ ایک پردہ لٹکایا تھا جس کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا بیڈ رکھا گیا تھا جہاں پر وہ آنے والے مریضوں کا چیک اپ کرتی تھی کنول کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے انہوں نے کنول کا چیک اپ بھی کیا تھا اور پھر چند منٹ بعد ہی وہ چیک اپ مکمل کرنے کے بعد خوشی خوشی اس کا ہاتھ تھامے واپس آئی تھی۔

"رضیہ چیک اپ کر لیا تم نے کچھ خطرے کی بات تو نہیں"

سمرین بیگم نے تشویش سے پوچھا تھا

"ارے نہیں نہیں سمرین کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے بلکہ بہت بڑی خوش خبری ہے تمہارے لیے وہ یہ کہ تمہاری پیاری سی بیٹی امید سے ہے، ماں بننے والی ہے یہ"

ڈاکٹر رضیہ نے پرجوش انداز میں ان کو آگاہ کیا تھا جن کو یہی شک تھا کہ کنول ایک بار پھر ماں بننے والی ہے اسی لیے وہ کنول کو وہاں لے کر آئی تھی مگر اب تو انکا شک بھی درست ثابت ہوا تھا یہ خوشخبری سننے کے بعد سمرین بیگم کے تاثرات بھی ڈاکٹر رضیہ سے کم نہیں تھے مگر کنول پر نظر پڑتے ہی وہ خود بھی تھوڑی سی اداس ہو گئی تھی جو افسردہ سی نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

"کنول کیا ہوا بیٹا طبیعت ٹھیک ہے نا تمہاری"

سمرین بیگم نے اسے اپنے برابر والی کرسی پہ بٹھاتے ہوئے کہا تھا

"آنٹی میں ٹھیک ہوں اب چلیں چلتے ہیں یہاں سے"

کنول نے بے چینی سے کہا تھا

"کنول بیٹا بیٹھ جاؤ پہلے میں تمہیں جو احتیاطی تدابیر بتانا چاہتی ہوں وہ تو سن لو ہوا کے گھوڑے پر کیوں سوار ہو"

ڈاکٹر رضیہ نے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا تھا جس کا چہرہ اتر چکا تھا

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"ڈاکٹر یہ میرا پہلا بچہ نہیں ہوگا میرا پہلے بھی ایک بیٹا ہے اللہ کا شکر ہے یہ ارمان میرا ہی بیٹا ہے"
کنول نے زبردستی مسکراتے ہوئے ارمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے کہا

"ماشاللہ بیٹا اچھی بات ہے مگر پھر بھی سن لو میری انسٹرکشنز جو میں بتانا چاہ رہی ہوں کیونکہ تم بہت کمزور ہو تمہارے لیے احتیاط بہت ضروری ہے"
اس ڈاکٹر نے کہا تھا

"بیٹھ جاؤ کنول چپ چاپ"
سمرین بیگم نے اب کی بار اسے بے لچک انداز میں کہا تھا جس پر وہ بے دلی سے کرسی پر بیٹھ کر اب ڈاکٹر کی ہدایات سنتے ہوئے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

....

"تمہیں پتا تھا ناکہ تم پریگننٹ ہو پھر بھی تم نے سب سے چھپائے رکھا"
"کیوں کر رہی ہو کنول یہ سب کچھ مت دو خود کو اذیت یہ تو خوشی کی خبر ہے اور تم ہو کہ سارے راستے روتی ہوئی آئی ہو آنے دو اب دعا کو وہی تمہیں سمجھائے گی میری تو تم ایک نہیں سنتی"
سمرین بیگم نے اسے ڈپٹا تھا جو ابھی بھی آنسو بہا رہی تھی

"نہیں آنٹی میں خوش ہوں بہت خوش ہوں لیکن بس ایسے ہی میرا دل بھر آیا یہ سوچ کر کہ اگر بیٹی ہوئی اور اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا جو میرے ساتھ ہوا ہے تو پھر کیا ہوگا"۔

وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی

"بس یہی باتیں کر کر کے تم نے اپنا دماغ خراب کر رکھا ہے انسان کو اللہ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہیئے ایسی فضول باتیں سوچو گی تو پھر کمزور نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا"

سمرین بیگم نے کہا تھا

"اور بیٹی ہوئی تو یہ تو اور خوشی کی بات ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو نوازے گا کتنے لوگ ہوتے ہیں جو بے اولاد ہوتے ہیں اور اولاد کے حصول کے لیے کئی منتیں مانگتے ہیں گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں پھر تمہیں تو اللہ نے بن مانگیں ہی اتنی بڑی خوشی دی ہے اور تم ہو کہ ناشکری کر رہی ہو لیکن ایک بات سن لو کنول اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بلکل بھی پسند نہیں کرتا جو اسکی ناشکری کرتے ہیں اور آزمائش کے وقت صبر سے کام نہیں لیتے میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ تمہاری زندگی سے یہ خزاں کا موسم ختم ہو کر خوشیوں کی بہار واپس ضرور آئے گی بس اس آزمائش کے وقت میں صبر اور نماز سے کام لو اور اللہ پر کامل یقین کرو"

سمرین بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا جس نے آنسو پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا

"اب ادھر میری طرف دیکھ کر مسکراؤ"
سمرین بیگم نے کہا تھا جس پر وہ انکی طرف دیکھتے ہوئے دل سے مسکرادی تھی

"میں تمہارے لیے مٹھائی لے کر آتی ہوں اور یہ خوشخبری بعد میں دعا کو بھی بتاؤں گی دیکھنا وہ کتنی خوش ہوگی"
سمرین بیگم کچن کی جانب جاتے ہوئے بولی تھی جبکہ کنول ارمان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگئی تھی جو سمرین بیگم کے موبائل میں گیم کھیل رہا تھا۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی دعا بھاگتی ہوئی گئی تھی اور شاہ میر ملک کے سینے سے جالگی تھی جو اس کو دیکھتے ہی استقبال کرنے والے انداز میں صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بابا کیا ہوا ہے آپ کو آپکی طبعیت تو ٹھیک ہے نا اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہیں آپ؟"
دعا نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا جو اسکا سر چومتے اب خود سے الگ کر چکے تھے

"میری جان جب انسان پریشان ہوتا ہے تو پھر کمزور ہو ہی جاتا ہے اب اتنے دنوں سے میں اس گھٹیا شخص کے پیچھے خوار ہوا ہوں نا مجھے اتنے دن کھانے کا ہوش رہا نا پینے کا"

شاہ میر ملک نے واپس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا

"السلام علیکم انکل!"

کچھ ہی دیر میں ذراج نے بھی وہاں داخل ہوتے ہوئے سلام کیا تھا جس پر شاہ میر ملک نے اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے سلام کا جواب دیا حال چال پوچھنے کے بعد ذراج نے ان سے عابد شیخ کے بارے میں دریافت کیا تھا جس پر وہ خود بھی بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔

"بیٹا اب کیا بتاؤں تمہیں اگر وہ انسان میرا پیسہ لے کر بھاگ گیا تو میں سڑک پر آجاؤں گا میری ساری زندگی کی محنت خاک میں مل جائے گی اور ویسے اسفند کو اب تک تو مجھے اطلاع دے دینی چاہیئے تھی مگر ابھی تک اس کا فون تک نہیں آیا"

فکرمندی کے ساتھ بولتے ہوئے انہوں نے خود اپنا فون نکال کر اسفند کا نمبر ملایا تھا جسے پہلی ہی بیل پر اس نے اٹھا لیا تھا۔

"اسفند بیٹا وہ عابد ش......."

"بھاگ چکا ہے شاہ میر صاحب، وہ پاکستان سے جب تک میں وہاں پہنچتا اس سے پہلے ہی وہ وہاں سے جا چکا تھا میں اسے نہیں پکڑ پایا آپ کو اور مجھے ہم دونوں کو کروڑوں کا نقصان ہوا ہے"
اسفند نے درشت لہجے میں کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی جبکہ اتنے بڑے نقصان کا سنتے ہی شاہ میر ملک کے سینے میں شدید درد کی ایک لہر جاگ اٹھی تھی وہ تیزی سے صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے موبائل گر کر ٹوٹ چکا تھا دل کے مقام پر ہاتھ رکھے وہ سیدھا زمین پہ گر پڑے تھے.

"شاہ میر انکل، انکل کیا ہوا آپ کو؟"
دراج بجلی کی سی تیزی سے انکے پاس زمین پر بیٹھتے ہوئے چیخا تھا

"شاہ میر آنکھیں کھولیں کیا ہوا ہے آپ کو پلیز آنکھیں کھولیں"
انیلہ بیگم بھی تڑپ اٹھی تھی ان سب کی چیخ و پکار پر دعا بھی کچن سے بھاگتی ہوئی آئی تھی اور باپ کو ایسے حال میں دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے ان کے قریب آئی تھی۔

"بابا کیا ہوا ہے آپ کو؟"
"ماما پلیز بتائیں کیا ہوا ہے بابا کو یہ سب، بابا بے ہوش کیسے ہوئے"
دعا نے روتے ہوئے انیلہ بیگم سے پوچھا تھا جو خود بے حال ہو رہی تھی

"آپ دونوں خود کو سنبھالیں پلیز مجھے لگتا ہے شاہ میر انکل کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے ان کو ابھی کہ ابھی ہسپتال پہنچانا ہو گا میری مدد کریں ان کو گاڑی تک پہنچانے کی"

ذراج نے ان دونوں سے کہا تھا جو بے تحاشہ رو رہی تھی اور پھر تینوں نے مل کر شاہ میر ملک کو گاڑی میں بٹھایا تھا اور ان کو وقت ضائع کیے بغیر ہسپتال لے آئیں تھے جہاں ذراج کا شک درست ثابت ہوا تھا اور ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

شاہ میر ملک کو ہارٹ اٹیک ہونا بجا تھا کیونکہ انہوں نے تو اپنی ساری زندگی ہی صرف دولت اکٹھی کرنے میں گزار دی کافی سال تو وہ اسی پیسے کو جمع کرنے میں اتنے مگن رہے کہ انہیں اپنی بیوی اور بیٹیوں کا بھی ہوش نہیں ہوتا تھا کہ کہاں جاتی ہے اور کیا کرتی ہیں۔

"ان کو جلدی سے ایمرجنسی وارڈ میں لے کر جاؤ جلدی سے"

ڈاکٹر نے چیخ کر نرسوں سے کہا تھا جو اسٹریچر کو کھینچتے ہوئے تیزی سے لے کر جا رہے تھے کافی دیر گزر چکی تھی مگر ڈاکٹرز کوئی معقول جواب نہیں دے رہے تھے

"ڈاکٹر, ڈاکٹر پلیز بتائیں شاہ میر ٹھیک تو ہے چار گھنٹے ہو چکے ہیں ان کو یہاں لائیں تب سے آپ صرف ایک ہی جملہ دہرا رہے ہیں کہ دعا کریں, دعا کریں اب پلیز کچھ بتائیں بھی کہ وہ کیسے ہیں؟"

انیلہ بیگم نے زارو قطار روتے ہوئے اسی ڈاکٹر سے کہا تھا جو شاہ میر ملک کا علاج کر رہا تھا اور ایک سینئر ڈاکٹر تھا۔

"دیکھیئے ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں مگران کی حالت سنبھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی لگتا ہے بہت بڑا شاک لگا ہے ان کو"

ڈاکٹر نے جواب دیا تھا

"کیا، کیا ابھی ہم ان سے مل سکتے ہیں؟ پلیز بس صرف ایک بار ان سے ملنے دیں پلیز"

انیلہ بیگم نے ان سے کہا تھا

"ٹھیک ہے آپ جا سکتے ہیں سب ایک ایک کر کے مگر زیادہ دیر بات نہیں کر سکتے آپ ان سے اس بات کا خاص خیال رکھیئے گا"

ڈاکٹر نے سخت لہجے میں خبردار کرتے ہوئے کہا

"جی، جی ٹھیک ہے ہم زیادہ دیر پریشان نہیں کرے گے ان کو وعدہ کرتی ہوں میں"

انیلہ بیگم نے کہا تھا ذراج اور دعا بھی ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"پہلے میں اندر جاتی ہوں ٹھیک ہے میں مل کر آؤں گی تو پھر تم چلی جانا"

انیلہ بیگم نے عجلت میں دعا سے کہا تھا اور پرائیوٹ ہسپتال کے اس کمرے کی جانب بڑھ گئی جہاں شاہ میر ملک زندگی اور موت کے درمیان تھا اور موت سے جنگ لڑنے میں دنیا جہاں سے بیگانہ ہو گیا تھا مگر یہ تو صرف اللہ کو ہی پتا تھا کہ اس جنگ میں جیت کس کی ہوتی ہے۔

انیلہ بیگم ان کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی جن کی سانسیں ان مصنوعی مشینوں کے سہارے چل رہی تھی اگر ایک پل کو بھی مصنوعی سانس کا ذریعہ بند ہو جاتا تو اسی پل شاہ میر ملک کا وجود بھی اس کائنات سے ختم ہو جاتا۔

"شاہ میر, شاہ میر"

انیلہ بیگم نے بھرائی آواز میں ان کو پکارا تھا جن کی آنکھیں بند تھی اور کمزور و ناتواں وجود ملنے کے قابل بھی نا تھا مگر اب انیلہ بیگم کی آواز پر بمشکل ایک پل کو آنکھیں کھولتے ہوئے ان کو دیکھا تھا جو اپنے محبوب شوہر کو موت کے منہ میں داخل ہوتے دیکھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"م میں مرنے والا ہوں م میں مر جاؤں گا"

آکسیجن ماسک کے نیچے چھپے ان کے منہ سے ہلکی سی آواز آئی تھی جو بمشکل ہی انیلہ بیگم سن پائی تھی۔

"نہیں, نہیں شاہ میر آپ کو کچھ نہیں ہوگا, آپ بلکل ٹھیک ہوجائیں گے.بس اس وقت آپ ساری سوچیں اپنے ذہن سے نکال دیں, آپ کو کچھ نہیں ہوگا, کچھ بھی نہیں"

انیلہ بیگم بے خودی کی سی کیفیت میں ان کے چہرے کے گرد نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"ددعا کہاں ہے؟"

ان کی بات پر دھیرے سے سر کو جنبش دیتے ہوئے انہوں نے نقاہت ذدہ آواز میں دعا کا پوچھا تھا

"دعا باہر ہی ہے میں بھیجوں اسے اندر؟ وہ میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی ہوگی تاکہ آپ سے مل سکے اور ویسے بھی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ہم زیادہ دیر تک آپ سے بات نہیں کر سکتے"

انیلہ بیگم کی بات پر شاہ میر ملک نے دھیرے سے آنکھیں بند کر کے اور پھر کھول کر انہیں آنکھوں کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا تھا جسے سمجھتے ہوئے انیلہ بیگم آنکھوں میں آنسو لیے باہر آئی تھی اور دعا کو اندر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر آئی تھی اس کا دل نئے سرے سے غم سے دوچار ہوا تھا یہ تو وہ شاہ میر ملک لگ ہی نہیں رہے تھے جن کی گریس فل پرسنیلٹی اور رعب دار آواز ان کی ان کی قابل دید شخصیت کو مزید چار چاند لگا دیتے تھے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ بیڈ تک آئی تھی اور اسی کرسی پر بیٹھ گئی تھی جس پر ابھی کچھ دیر پہلے انیلہ بیگم بیٹھی ہوئی تھی۔

"بابا آنکھیں کھولیں بابا"

دعا نے ان کے ڈرپ لگے ہاتھ کی پشت پر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا

"ددعا تم "

دھیرے سے بولتے ہوئے انہوں نے شدید تکلیف کے باعث بات ادھوری چھوڑ دی تھی دعا نے جھکتے ہوئے اپنا کان ان کے قریب کیا تھا تاکہ ان کی آواز سن سکے

"بابا میں سن رہی ہوں آپ بولیں ،میں یہی ہوں "

دعا نے سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا

"ب بیٹا اپنے اللہ سے م میرے لیے ددعا مانگو م میرے حق م میں معافی اآور بخشش ط طلب کرو"

شاہ میر ملک نے اٹک اٹک کر اپنی بات کو مکمل کیا تھا

میرا اللہ صرف میرا ہی نہیں آپ کا بھی اللہ ہے وہ ہم سب کا پروردگار ہے آپ خود بھی اللہ سے رحم طلب کریں میں بھی آپ کے لیے بہت دعائیں مانگوں گی اور آپ فکر مت کریں آپ بلکل ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ"

دعا نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا جبکہ باپ کی ابتر حالت کو دیکھتے ہوئے اسکا اپنا دل خوف سے لرز رہا تھا

اللہ م میری دعا ک کیسے قبول ک کر سک سکتا ہے میں تو گن گناہ گار ہوں، نافرمان ہوں او اور قاتل بھی ہوں"

آخری جملہ کہتے ہوئے وہ شدت سے رو پڑے تھے

"بابا اس پروردگار کی تو صفت ہی یہ ہے کہ وہ رحمان ہے رحیم ہے اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اور جب کوئی بندہ سچے دل سے اس سے معافی مانگتا ہے تو پھر وہ رحمان و رحیم بادشاہ اسے معاف بھی فرما دیتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

SuratNo16: سورۃ النحل–AyatNo119

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیۡنَ عَمِلُوا السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱۹﴾ % 21

جو کوئی جہالت سے برے عمل کر لے پھر توبہ کر لے اور اصلاح بھی کر لے تو پھر آپ کا رب بلاشک و شبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔

"بابا ان شاء اللہ آپ کو کچھ نہیں ہو گا آپ بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے. بس اللہ سے آپ بھی دعائیں مانگتے رہے ہم بھی مانگ رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ استغفار کرتے رہیں"
دعا نے ان کے ہاتھ کی پشت کو لبوں سے چھوتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا جس پر شاہ میر ملک نے بھی ہلکا سا اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

....

نور جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی تھی گیٹ پر موجود چوکیدار نے اسے شاہ میر ملک کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور یہ کس طرح شدید بگڑی ہوئی حالت میں ان کو ہسپتال پہنچایا ہے جسے سنتے ہی نور نے چوکیدار سے ہسپتال کا نام پوچھا تھا اور اسی وقت گھر کے اندر جانے کے بجائے دروازے سے ہی واپس مڑ گئی تھی اور جلد بازی میں رکشے میں سوار ہوتی اس نے بھی ہسپتال کا رخ کیا تھا۔

گھر پہنچتے ہی اسفندیار پاگلوں کی طرح کنول اور ارمان کو پکارتے ہوئے کبھی ایک کمرے میں جھانکتا تو کبھی دوسرے میں مگر ان دونوں کا کوئی سراغ نا ملا تھک ہار کر وہ اسی کمرے میں صوفے پر ڈھے گیا جو ارمان کا کمرہ تھا اور جہاں کنول اور ارمان نے گزشتہ رات گزاری تھی کہ اتنے میں خوف سے لرزتے دل کے ساتھ چوکیدار اندر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"اسفند بیٹا کنول بیٹی اور ارمان کا کچھ پتا چلا"

اس چوکیدار نے شرمندگی سے سر جھکائے پوچھا تھا

"پتا چلا ہوتا تو میں ابھی تک یہاں ہوتا ان کو وہاں سے لینے نا گیا ہوتا جہاں وہ دونوں گئے ہیں اور آپ ایسا بھی کیا کام کر رہے تھے کہ آپ نے ان دونوں کو گھر سے باہر جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا"

اسفندیار غصے سے دھاڑا تھا

"معافی چاہتا ہوں بیٹا ساری رات ڈیوٹی دینے کے بعد صبح کے وقت میں کچھ دیر کے لیے سو جاتا ہوں آج صبح بھی میں سو گیا تھا شاید تبھی وہ دونوں گھر سے چلے گئے ہو"

اس نے مسکین سی صورت بنائے جواب دیا

"جو بھی ہو میں گھر پر نا ہوں تو یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ گھر میں موجود لوگوں کی حفاظت کریں مگر ......"

طیش بھرے انداز میں بولتے بولتے اس کی نظر بیڈ پہ گئی تھی جہاں کنول کا موبائل پڑا ہوا تھا اس موبائل کو دیکھتے ہی اسفند کے ذہن میں جھما کا ہوا تھا تیزی سے لپک کر اس نے فون اٹھایا اور پھر کال ہسٹری کو چیک کیا تھا جہاں سے اسے یہ معلوم پڑا تھا کہ اسفند کی لاتعداد مسڈ کالز کے علاوہ جو اس نے گاڑی میں بیٹھے کنول کو کی تھی اس کے علاوہ کنول کی آخری مرتبہ بات ذراج سے ہوئی تھی ذراج کے نمبر پر نظر پڑتے ہی سارا بات اسفند پہ کھل چکی تھی کہ ذراج ہی وہ انسان ہے جس نے اسفند کی غیر موجودگی میں کنول کو گھر سے جانے کا مشورہ دیا ہوگا اور یقیناً اسے اپنے ہی گھر لے گیا ہوگا یہ سب سوچتے ہی اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے موبائل ویسے ہی ہاتھ میں پکڑے وہ دونوں پیر بیڈ سے لٹکائے آنکھیں موندے لیٹ گیا تھا۔

"کیا ہوا اسفند بیٹا آپ اتنے پر سکون کیسے ہو گئے ہیں؟ کیا کنول بیٹی کا پتا چل گیا؟"

چوکیدار نے اسکے پر سکون تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا

"جی مجھے پتا چل گیا ہے وہ سمرین آنٹی کے گھر گئی ہے"

اسفند نے جواب دیا

"چلیں شکر ہے اللہ پاک کا ورنہ میں تو بہت پریشان ہو گیا تھا"

ادھیڑ عمر چوکیدار نے کندھے پر ڈالے رومال سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا تھا

"آپ کو کچھ چاہیئے بیٹا؟"

انہوں نے پھر سوال پوچھا

"نہیں بس تنہائی چاہتا ہوں"

اسفند نے ویسے ہی پڑے پڑے جواب دیا تھا جیسے ہی چوکیدار وہاں سے گیا تھا اسفند کا موبائل بجا تھا سکرین پہ نظر ڈال کر دیکھا تو ذراج کالنگ لکھا آرہا تھا

"ذلیل انسان تم ذرا میرے ہاتھ لگو تمہیں تو میں صحیح مزہ چکھاتا ہوں کنول کو تم ہی اپنے گھر لے کر گئے ہو نا میری غیر موجودگی میں"

موبائل کان سے لگاتے ہی اسفند اس پہ شروع ہو چکا تھا جس نے شاہ میر ملک کے بارے میں بتانے کے لیے اسے فون کیا تھا

"اب چپ کیوں ہو بتاؤ نا ذراج کنول اور ارمان تمہارے ہی گھر ہیں نا"

اسفند نے غصے سے پوچھا تھا دوسری جانب ذراج جو اس وقت بے تحاشہ پریشان تھا اور بلکل بھی بحث کے موڈ میں نہیں تھا وہ اسفند سے بدلہ لینے کی سوچ کو کسی اور وقت پہ چھوڑتا فوراً ہی سچائی بتا گیا تھا

"ہاں کنول بھابھی میرے گھر ہیں اور اللہ کا شکر ہے وہ اور ارمان بلکل ٹھیک ہیں جب تک میں نہیں کہتا تم ان کے قریب بھی جانے کی کوشش مت کرنا اور دوسری بات سنو جس کے لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا وہ یہ ہے کہ شاہ میر انکل کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے ان کی حالت بہت نازک ہے وینٹیلیٹر پر ہے تو جتنی جلدی ہوسکے یہاں ہسپتال پہنچو اس ہسپتال کا نام میں تمہیں سینڈ کر دیتا ہوں میرے پاس وقت نہیں ہے اس لیے تمہارا اور کنول بھابھی کا مسئلہ کسی اور وقت بیٹھ کر تفصیل سے ڈسکس کریں گے کیونکہ ابھی تک انہوں نے تمہارے بارے میں کوئی مستقل فیصلہ نہیں کیا تو ہوگا وہی جو کنول بھابھی چاہیں گی اب مجھے بابا کو بھی کال کرنی ہے اللہ حافظ"
سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کرتے ہی ذراج نے کال کاٹ دی تھی۔

جبکہ اسفند بھی شاہ میر ملک کی حالت کا سنتے ہی جیسے آیا تھا ویسے ہی پھر سے ہسپتال پہنچنے کے لیے باہر کی جانب بھاگا تھا جس کا نام ذراج نے فوراً ہی میسج میں سینڈ کر دیا تھا۔

....

"عجلت میں بھاگتے ہوئے نور ہسپتال پہنچی تھی اور ریسیپشن سے شاہ میر ملک کا پتا لگاتی اس کمرے کے پاس پہنچی تھی جس کے باہر انیلہ بیگم کھڑی رو رہی تھی تو دوسری جانب ذراج موبائل کان سے لگائے کسی کو شاہ میر ملک کی طبعیت کی خرابی سے آگاہ کر رہا تھا۔

"مام ڈیڈ کہاں ہیں؟"

"نوری نے سانس بحال کرتے ہوئے پوچھا تھا" بھاگتے بھاگتے اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا

"اندر ہیں"

انیلہ بیگم نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑتے ہوئے جواب دیا جسے سنتے ہی نور بہت تیزی سے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھی تھی مگر اندر سے آتی دعا کی آواز نے اسے باہر رک جانے پر مجبور کر دیا جو شاہ میر ملک سے پوچھ رہی تھی۔

"بابا اب تو بتا دیں پلیز آپ نے اس بچے کو کہاں پھینکا تھا"

یہ سوال سنتے ہی نور بھی غصے سے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی تھی اور شاہ میر ملک کے پاس آتی ان کے سرہانے کھڑی ہوگئی تھی۔

"بابا کی حالت کو دیکھو اور اس وقت تم یہاں کھڑی ہو کر یہ فضول سوالات پوچھ رہی ہو"
نور نے دانت پیستے ہوئے غصے سے کہا تھا مگر اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر شاہ میر ملک بمشکل لبوں کو حرکت دیئے بولتے جا رہے تھے

"م میں نے بیس اکتوبر کی صب صبح اسے پشاور کے ایک گ گاؤں م میں کچرے کے ڈھیر پر پ پھینکا تھا اس گاؤں ک کا نام "غ غریب آ آباد" ہے"
شاہ میر ملک نے جواب دیا تھا جس پر دعا کا دل کٹ کر رہ گیا تھا اس کے بعد شاہ میر ملک کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی مگر دو گھنٹے بعد اچانک ان کی حاکت مزید خراب ہوتی گئی گھرے گھرے سانس لیتے ہوئے وہ بحال ہو رہے تھے مگر سانس تو جیسے سینے میں اٹک کر رہ گیا تھا دونوں ڈرپ لگے ہاتھوں سے انھوں نے بیڈ کی چادر کو جکڑ لیا تھا یقیناً نزاع کا وقت شروع ہو چکا تھا۔

"ڈاکٹر، ڈاکٹر، مام پلیز ڈاکٹر کو بلا کر لائیں دیکھیں بابا کو کیا ہو رہا ہے"
نور چیختے ہوئے باہر بھاگی تھی

"جبکہ دعا شاہ میر ملک کے سرہانے کھڑی لاشک بہاتے ہوئے زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے ان کے چہرے پر پھونک مارتی جن کا چہرہ تکلیف کی شدت سے کبھی، نیلا پڑ جاتا تو کبھی سرخ"

"شاہ میر, شاہ میر"

انیلہ بیگم بھی ان کو پکارتے ہوئے اندر آئی تھی اور انہی کے پیچھے پیچھے ذراج بھی ڈاکٹر کو ساتھ لیے داخل ہوا تھا

"پیچھے ہوجائیں آپ سب پلیز, جلدی سے پیچھے ہوجائیں تاکہ ہم پیشینٹ کو دیکھ سکیں" سختی سے کہتے ہوئے ڈاکٹر لب بھینچ کر خاموش ہوگیا تھا

"ڈاکٹر بھی بے بس تھے ان کے سامنے جن کا جسم بیڈ پر جھٹکے کھا رہا تھا اور زبان سے یہی صدا بلند ہورہی تھی "استغفراللہ, اللہ م مجھے معاف کردے" ,ب بے شک م میں نے اا اپنے آپ پر ظلم کیا م میرے پروردگار تو مجھے معاف کردے"

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

اٹک اٹک کر بولتے ہوئے لرزتے جسم کے ساتھ وہ بار بار یہی الفاظ دہرا رہا تھا سات سے آٹھ منٹ تک وہاں موجود سبھی سانس نکلنے کے اس کٹھن مرحلے کو دیکھ رہے تھے انیلہ بیگم اور نور کی سسکیوں سے کمرہ گونج رہا تھا جبکہ دعا خاموش آنسو بہاتی اپنے باپ کی ابتر حالت کو دیکھ رہی تھی اس سختی سے گزرنے کے بعد ان کا جھٹکے کھاتا جسم یک دم ساکت ہوا تھا کسی بھی قسم کی ہر حکت محسوس

نہیں ہو رہی تھی ان کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا ڈاکٹر نے انکا ہاتھ تھام کر ان کی نبض چیک کی تھی اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے جھکی ہوئی نظروں سے کہا تھا

"آئم سوری"

ان کے انہی دو الفاظ کہنے کی دیر تھی کہ ہسپتال کا وہ کمرہ ایک بار پھر دعا، نور اور انیلہ بیگم کی دلسوز سسکیوں سے گونج اٹھا تھا ذراج کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس کو سنبھالے اور کسے تسلی دے آج ہسپتال کے اس کمرے میں شاہ میر ملک کی روح بھی قبض ہو چکی تھی جو کسی وقت دولت کے نشے میں دھت ایک مغرور انسان تھا۔

شاہ میر ملک کو اس دار فانی سے گئے پانچ ماہ ہو چکے تھے نور تو کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی لیکن اگر ابھی تک کوئی بے حال تھا تو وہ دعا اور انیلہ بیگم تھیں وہ دونوں بلکل گم سم سی ہو گئی تھیں۔ انیلہ بیگم کی طبعیت بھی اب کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی شاہ میر ملک کے بچھڑنے کے غم نے ان کو نڈھال کر دیا تھا اگر دعا ان کو کھانا کھلا دیتی تو کھا لیتی تھوڑا بہت لیکن اگر وہ نا کھلاتی تو پھر انیلہ بیگم خود سے کچھ نہیں کھاتی ہر وقت سوچوں میں گم بیٹھی رہتی ابھی بھی لاؤنج میں دعا انیلہ بیگم کو انکے بلڈ پریشر کی دوا دے رہی تھی جو کہ اس وقت بہت ہائی ہو چکا تھا جب ذراج بھی وہاں آیا تھا۔

"السلام علیکم!"

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے دعا اور انیلہ بیگم کو سلام کیا تھا جبکہ نور اس وقت کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام ذراج بیٹا آؤ بیٹھو یہاں"

انیلہ بیگم نے دھیمی آواز میں کہا تھا

"آنٹی دعا نے بتایا تھا کہ آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے اگر زیادہ خراب ہے طبعیت تو چلیں میرے ساتھ ابھی آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں"

اس نے فکرمندی سے کہا تھا

"نہیں بیٹا اب بس میری اتنی عمر ہو گئی ہے طبعیت تو اب ایسے ہی رہے گی ڈاکٹر کے پاس جانے نا جانے سے اب کوئی فرق نہیں پڑے گا"

انہوں نے افسردگی سے جواب دیا تھا

"لیکن اپنی صحت کا خیال رکھنا تو پھر بھی ضروری ہے نا لیکن چلیں آپ نہیں جانا چاہتی تو کوئی بات نہیں ماما کی ایک فرینڈ ہیں وہ بہت بڑی ڈاکٹر ہیں میں بات کرتا ہوں ان سے شام تک وہ آجائیں گی یہاں آپ کے چیک اپ کے لیے"

ذراج نے جواب دیا تھا

"ذراج آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہیں سب ٹھیک تو ہے"

دعا نے اس سے پوچھا تھا جو کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا

"بات تو ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں آرہا آپ کو کیسے بتاؤ"

ذراج نے جواب دیا

"تم بولو بیٹا کیا بات ہے اگر اب بھی کچھ رہتا ہے تو بتا دو اب تو اتنا سب کچھ جھیل لیا ہے کہ عادت سی ہو گئی ہے پریشان اور اداس رہنے کی"

انیلہ بیگم نے جواباً کہا

"دعا شاہ میر انکل کی وفات کے بیسویں دن تم نے مجھے کہا تھا کہ میں ان کے بزنس اور پراپرٹی وغیرہ سب کچھ کا جائزہ لوں کہ ان کی کتنی پراپرٹی اور کتنے شئیرز وغیرہ اتنے بڑے نقصان کے بعد ابھی بھی رہتے ہیں"

ذراج نے دعا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا

"جی میں نے کہا تھا تو پھر آپ نے پتا لگایا کچھ ہوا ہے کیا؟"

دعا نے فکرمندی سے پوچھا تھا انیلہ بیگم بھی تجسس سے ذراج کو دیکھ رہی تھی جوان کو ساری بات بتانے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا تھا

"بات اصل میں یہ ہے دعا کہ شاہ میر انکل کے باقی شیئرز جو بچ گئے تھے ان کی ڈیتھ کے فوراً بعد ہی نور وہ سب شیئرز یہاں تک کہ یہ گھر اور گاڑی بھی بیچ چکی ہے اس سب سے ملنے والے پیسوں سے وہ ڈیفنس میں تین کمروں کا ایک بہت اچھا اور مہنگا گھر اسکے علاوہ بیس لاکھ کی گاڑی لے چکی ہے اب تو وہ ایک بہت بڑے بزنس مین علی جاوید کے آفس میں جوب بھی کر رہی ہے نور اس کی پرسنل سیکرٹری ہے میں یہ ساری معلومات دو مہینے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا مگر آپ دونوں کو اس صورت حال میں کچھ بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا آنٹی کی بھی آج کل طبعیت ٹھیک نہیں رہتی بس اسی لیے میں نے سوچا کچھ دنوں بعد بتا دوں گا آپ لوگوں کو"

خاموش بیٹھے ذراج کی نظریں اب ان دونوں کے چہروں کا طواف کر رہی تھی جو شاکی انداز میں بیٹھی تھی اتنے میں نور بھی سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دی تھی لاؤنج میں بیٹھے ذراج، دعا اور انیلہ بیگم کے تاثرات نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"لیکن ذراج بابا کی پراپرٹی پر تو میرا بھی حق اور امی کا بھی پھر ایسے کیسے....."

"بلکل شاہ میر انکل کی پراپرٹی پر تمہارا بھی حق تھا اور آنٹی کا بھی مگر ان کے جیتے جی ہی نور ان کی ساری پراپرٹی اور شیئرز دھوکے سے اپنے نام کروا چکی تھی کب کیسے اب یہ تو وہی بتا سکتی ہے"
ذراج نے کہا تھا جو اس کے پیچھے کھڑی نور واضح طور پر سن چکی تھی دعا اور انیلہ بیگم کی نظر بھی نور پر پڑ چکی تھی جو اس صوفے کی پیچھے کھڑی تھی جس صوفے پر ذراج بیٹھا تھا۔

"تم اور کتنا گروگی نور خدا کے لیے بس کر جاؤ اور کس کس کی بد دعائیں لوگی تم اپنی سگی بہن اور اپنی ماں تک کا حق کھا چکی ہو تم"
دعا نے تپے ہوئے لہجے میں اس سے کہا تھا

"کیا ہے اب کیا کر دیا ہے میں نے؟"
نور نے بے زاری سے کہا

"کیا کر دیا ہے تم نے بابا کی پراپرٹی میں میرا اور مما کا حصہ بھی تم اپنے نام کر چکی ہو اور اب انجان بنی یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے کیا کیا ہے"

دعا نے دانت پیستے ہوئے کہا

"اووو اچھا تو آپ کے شوہر نے آپ تک ساری معلومات پہنچا دی ہے خیر اچھی بات ہے میرے بتانے سے پہلے ہی آپ کو سب پتا چل گیا مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی"

اس نے بے شرمی سے جواب دیا

"یہ سب کچھ تم نے اپنے نام کروایا کیسے ؟ کیونکہ بابا ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے کہ تم کچھ تمہارے نام کر دے"

دعا نے پوچھا تھا

"یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا میرے لیے جب آپ اپنی ساجدہ اماں کا روگ لیے دنیا جہاں سے بیگانہ ہو کر بیٹھ گئی تھی ان دنوں ڈیڈ کے آفس کو میں نے ہی ان کے ساتھ سنبھالا ہوا تھا لہذا مجھے ہر بات کی خبر ہو جاتی تھی انہی دنوں جب عابد شیخ ڈیڈ کا سارا پیسہ لیکر بھاگ گیا تھا مجھے یہ سب کچھ ڈیڈ نے ہی بتایا تھا پتہ چلتے ہی میں نے سوچا اس سے پہلے ڈیڈ باقی شیئرز اور پراپرٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے یہ سب کچھ میں اپنے

نام کروالیتی ہوں میں نے اسی وقت وکیل سے بات کر کے پیپرز بنوائے اور پھر آفس کے ایسے پیپرز جن پہ مجھے ڈیڈ کے دستخط چاہیئے تھے ان کے درمیان رکھ کر میں ڈیڈ کے پاس چلی گئی جو کسی سے فون پر بات کرنے میں مصروف تھے میں اشارے سے ان سے کہا کہ آپ کے سائن چاہیئے.جس پر انہوں نے بنا پیپرز پڑھے دھڑا دھڑا ان پر اپنے سگنیچرز کر دیئے اور سب کچھ میرے نام ہو گیا"

بڑی فخر کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے اپنا سارا کارنامہ سنایا تھا

"نور تم نے ایک پل کو بھی نہیں سوچا کہ میرا اور مما کا کیا ہو گا"

دعا نے اسے شرم دلاتے ہوئے پوچھا تھا

"آپ کا ہونا کیا ہے.بس شادی کر لیں آپ ذراج بھائی سے اتنا پیسہ ہے ان کے پاس اور کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور کب تک نکاح کیے ایسے ہی گھر میں بیٹھیں رہیں گی آپ اور ذراج بھائی کے گھر میں کمی تو نہیں ہے مام کو بھی رکھ لے اپنے پاس"

"اب دیکھیں میں رکھ لیتی ان کو اپنے پاس مگر کیا ہے کہ آج کل مام کی طبعیت اتنی خراب رہتی ہے تم تو انکا خیال رکھتی ہو میں ان کو سنبھالتی پھروں گی یا جاب کر کے اپنے لیے کماؤں گی"

نور نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا

"اللہ تم جیسی اولاد کسی کو نا دیں نور"

انیلہ بیگم نے نظریں جھکائے زمین کو دیکھتے ہوئے اتنی دیر میں بس یہی ایک جملہ کہا تھا

"مجھے ایسی اولاد بنانے میں اپنے کردار کا بھی جائزہ لے لیں اب مجھے آفس جانا ہے بائے"

مہنگے کپڑوں اور میک اپ سے لدے چہرہ لیے وہ لشکارے مارتی دو قدم آگے بڑھی تھی اور پھر رک گئی تھی

"ہاں یاد آیا اب آپ لوگوں کو سب پتا چل چکا ہے تو یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ اب ہمیں اس گھر کو چھوڑنا کر جانا ہوگا بہت جلد یہاں وہ لوگ آجائیں گے جن کو میں یہ گھر بیچ چکی ہوں لہذا آپ لوگ بھی اپنی پیکنگ وغیرہ کر لیں میں تو کر چکی ہوں اب بس تین دن کے اندر اندر ہمیں یہاں سے جانا ہوگا"

آخری بات کرکے وہ اونچی ہیل پہنے ٹک ٹک کرتی وہاں سے چلی گئی تھی پیچھے انیلہ بیگم ویسے ہی بے حس و حرکت بیٹھی تھی جبکہ دعا کی آنکھیں غصے و بے بسی سے نم ہونے لگی تھی اب وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ہم کیا کریں گے اور کہاں جائیں گے ذراج نے ان کے درمیان کچھ نہیں کہا یہ سوچ کر کے ان کے آپسی معاملات میں مجھے کچھ نہیں بولنا چاہیئے مگر اب کسی گہری سوچ سے نکلتے ہوئے وہ ان سے اجازت لیتا وہاں سے اٹھ گیا تھا اور کچھ فیصلہ کرتا اپنے گھر کو چل دیا تھا۔

....

"بس کردو کنول تم نے اتنا کام کرلیا ہے اب یہ رائتہ اور سلاد مجھے بنانے دو تمہاری طبعیت ویسے بھی نہیں ٹھیک ایسی حالت میں تمہیں آرام کرنا چاہیئے"

سمرین بیگم نے کنول کے ہاتھ سے چھری لیتے ہوئے کہا تھا جس سے وہ کھیرے کاٹ رہی تھی اور پھر اس کے نا نا کرنے کے باوجود بھی سمرین بیگم نے رائتہ اور سلاد خود بنا لیا تھا کام ختم کرنے کے بعد وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آگئی تھی جہاں کنول ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔

"کنول بیٹا ارمان کہاں ہے؟ اس نے کہا تھا کہ اسے بھوک لگی ہے یہ پلیٹ میں, میں نے اس کے لیے چاول نکالے ہیں تاکہ وہ کھالے مگر اب پتا کہاں چھپا بیٹھا ہے"

سمرین بیگم نے ہاتھ میں چاولوں کی پلیٹ پکڑے کنول سے کہا تھا

"پتا نہیں آنٹی ابھی کچھ دیر پہلے تک تو آپ کا موبائل ہاتھ میں لیے وہ یہی تھا اس میں گیمز کھیل رہا تھا مگر اب اچانک کہاں چلا گیا"

کنول نے صوفے سے اٹھ کر یہاں وہاں دیکھتے ہوئے کہا

"اچھا چلو کمرے میں کھلونوں کے ساتھ کھیل رہا ہو گا جو کچھ دن پہلے ذراج نے اسکی سالگرہ پہ اسے دیئے ہیں میں چلتی ہوں کمرے میں ہی اسے کھلا دوں گی"

سمرین بیگم نے کنول اور ارمان کو دیئے گئے کمرے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا جب صوفے سے اٹھتی کنول بھی ان کے ساتھ ہی چل دی تھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو یہی بیٹھی رہو آرام سے"
سمرین بیگم نے کہا

"نہیں آنٹی وہ ارمان کو نہلانا بھی ہے میں سوچ رہی تھی کہ آپ اسے کھانا کھلا دیں اس کے بعد میں اسے نہلا دوں گی"
آرام آرام سے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کنول نے جواب دیا تھا کمرے میں داخل ہوتے ہی سمرین بیگم اور کنول نے اسے دیکھا تھا جو سمرین بیگم کا موبائل ہاتھ میں لیے ایک ہاتھ معصومیت سے گال کے نیچے رکھے گم سم سا سکرین کو دیکھ رہا تھا ارمان کی اس ادا پر کنول اور سمرین بیگم ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائی تھی اور اندر داخل ہونے ہی والی تھیں مگر ارمان کی دوسری حرکت نے ان کے قدموں کو جکڑ لیا تھا جو موبائل کی سکرین پر لب رکھے اس پر موجود کسی کی تصویر کو چوم رہا تھا کنول اور سمرین بیگم حیرت سے دنگ کھڑی بنا کسی بھی قسم کی آہٹ پیدا کیے اس کو دیکھ رہی تھیں جو بار بار سکرین کو چومنے کے بعد اب اسی تصویر پہ محبت سے ہاتھ پھیر رہا تھا سمرین بیگم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کنول کو خاموش رہنے کا کہا تھا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی دونوں اس کے پیچھے آ کھڑی

ہوئی تھی سکرین پر موجود تصویر کو دیکھتے ہی کنول اور سمرین بیگم کا دل زخمی ہو گیا تھا وہ وہ اسفندیار کی تصویر تھی جسے وہ پیار سے کبھی چومتا تو کبھی اس پر ہاتھ پھیرتا

"ارمان بیٹا"

کنول نے کانپتے ہوئے لہجے میں اس سے پکارا تھا جو ڈر کر پیچھے مڑا تھا اور ماں کی آواز سنتے ہی موبائل کو تکیے کے پیچھے چھپا لیا تھا آج وہ کنول کو اپنی ہر حرکت سے حیران کر رہا تھا

"جی مما"

پیلی رنگت لیے اس نے کنول کو جواب دیا تھا

"مما کی جان بابا کی تصویر دیکھ رہے تھے"

آنکھوں میں آنسو لیے کنول نے کہا تھا اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کے اور اسفند کے رویے کی وجہ سے اس معصوم بچے پر کیا گزر رہی ہو گی اور یہی تو ہوتا ہے ایسے گھرانوں میں جہاں ایک عورت اور مرد اپنی اپنی انا کے جھنڈے بلند رکھنے کے چکروں میں اپنی اولاد کو ذہنی مریض بنا دیتے ہیں۔

"نہیں مما وہ تو ایسے ہی آ گئی تھی دادو کے موبائل میں"

ارمان نے ڈر کر جواب دیا

"اچھا چلو ٹھیک ہے لیکن آپ نے چھپائی کیوں مجھ سے"

کنول نے پوچھا تھا

"مجھے لگا تھا آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گی"

اس نے نہایت معصومیت سے کہا تھا ان دونوں کی گفتگو سنتے ہوئے سمرین بیگم کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئی تھی کنول نے اسے زور سے سینے میں بھینچا تھا

"مما"

ارمان نے کنول کو پکارا تھا جس کی آنکھوں سے نکلتے گرم قطرے ارمان کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے

"جی"

کنول نے ویسے ہی روتے ہوئے جواب دیا

"آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئی نا"

اس نے پوچھا تھا

"نہیں میں کیوں اپنے بیٹے سے ناراض ہوگی آپ یہ لو موبائل اور بابا کو فون کرو ان سے بات کرو جلدی سے بابا بھی آپ کو بہت مس کر رہے ہونگے"

کنول نے وہی موبائل اسے پکڑاتے ہوئے کہا تھا اور یہ سننے کی دیر تھی کہ ارمان موبائل پر اسفند کا نمبر ملاتا ماں کی موجودگی کو مدنظر رکھتے ہوئے باتیں کرنے کے لیے بھاگ کر کمرے سے باہر گیا تھا۔

سمرین بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تھا جو اب بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"بس کردو کنول چپ ہوجاؤ, بس"
سمرین بیگم نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے تسلی دی تھی

"آنٹی ان پانچ مہینوں میں, میں جو فیصلہ نا کر پائی وہ اب میں ایک لمحے میں کر چکی ہوں میں نے کبھی اس بارے میں سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ارمان اسفند سے کتنی محبت کرتا ہے وہ کتنا مس کرتا ہوگا اسفند کو کیونکہ وہ اِسکا باپ ہے مگر میں اتنی خودغرض ماں ہوں کہ میں نے اپنی انا میں آکر اپنی اولاد کو ان کے باپ کی محبت سے محروم کردیا آج صرف ارمان ہے کل کو جب میری دوسری اولاد ہوگی وہ بھی ایسے ہی باپ کی محبت کو ترستی رہے گی اگر ایسا ہے تو نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے میرے بچوں کو تکلیف ملے"
وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی

"تو میں اس سب کا کیا نتیجہ اخذ کروں کنول بیٹا کہ تم اسفند سے طلاق نہیں لوگی"

سمرین بیگم نے اس کو سیدھا کرتے ہوئے پوچھا تھا جس پر وہ تلخی سے مسکرا دی تھی

"آنٹی لوگوں کے لیے بہت آسان ہے کہہ دینا کے طلاق لے لو چھوڑ دو سب کچھ الگ ہو جاؤ اپنے شوہر سے مگر لفظ طلاق کتنا بھاری لفظ ہے یہ آپ ان سے پوچھیں جو ایسی صورت حال سے گزر رہے ہوتے ہیں فرض کریں میں طلاق لے کر دوسری شادی کر لیتی ہوں تو کیا اس بات کی گارنٹی ہے کہ دوسرا شخص میرے بچوں کو ویسے ہی پیار کرے گا جیسے ان کا سگا باپ کرتا ہے اور اگر میں دوسری شادی نہیں کرتی تو میرے بچے باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی طرح زندگی گزاریں گے اور باپ کے سائے کے بغیر زندگی کتنی کٹھن ہوتی ہے یہ مجھ سے بہتر اور کون جانتا ہو گا جس کے بچپن میں ہی اسکے ماں باپ دونوں اسے چھوڑ کر چلے گئے"

کنول نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا

"کنول تم نے جو کہا ہے بلکل سچ کہا ہے ایک بچے کو صرف ماں یا صرف باپ نہیں بلکہ ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے تم نے اپنے لیے بہت اچھا فیصلہ لیا ہے اللہ تمہارے اس فیصلے کو تمہارے حق میں بہترین ثابت کرے اور اللہ پاک تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیں میری بیٹی امین ثم امین"

سمرین بیگم نے اسکا ماتھا چومتے ہوئے جواب دیا تھا جب ذراج کمرے میں داخل ہوا تھا

"مما میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے اور آپ یہاں بیٹھی گپیں مار رہی ہیں"

ذراج نے آتے ہی سمرین بیگم سے کہا تھا جبکہ کنول اسکی نظروں سے بچنے کے لیے جلدی سے اٹھتی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی

"بھابھی مجھے آپ سے بھی بات کرنی ہے"

ذراج نے کنول سے کہا تھا جو دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے رک گئی تھی

"جی ذراج بھائی بولیں میں سن رہی ہوں"

کنول نے ویسے ہی کھڑے کھڑے پوچھا تھا

"بھابھی ہر روز کی طرح آج پھر اسفند آیا تھا اور آپ سے ملنے آپ سے بات کرنے کے لیے بہت منتیں کر رہا تھا وہ آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہے آپ سے میری ریکویسٹ ہے چاہے آپ نے اس کو معاف کرنا ہو یا نا ہو مگر پلیز ایک دفعہ مل لیجئیے اس سے"

ذراج نے کنول سے کہا تھا جب سے اسفند کو اپنے کیے کا احساس ہوا تھا وہ روز ذراج کے آفس آتا اور کنول سے ملنے کے لیے منتیں کرتا مگر کنول نے سختی سے ذراج کو منع کر رکھا تھا کہ وہ اس سے نہیں ملنا چاہتی۔

"آپ ان سے کہہ دیں کہ جو بھی بات کرنی ہے یہاں آجائیں اور یہاں آکر کرلیں"
یہی جواب دیتی کنول بغیر پیچھے مڑے وہاں سے چلی گئی تھی

"بھابھی کو کیا ہوا ہے ان کی طبعیت تو ٹھیک ہے نا"
ذراج نے اس کی بھرائی ہوئی آواز سنتے ہی سمرین بیگم سے پوچھا تھا

"ہاں وہاں بیٹا ٹھیک ہے طبعیت اس کی بس تمہیں تو پتا ہے ذرا پریشان ہوجاتی ہے یہ"
سمرین بیگم نے جواب دیا

"تم بتاؤ تمہیں کیا بات کرنی تھی"
انہوں نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا

"جی مجھے آپ سے دعا اور رانیلہ آنٹی سے متعلق ایک بہت ضروری بات کرنی ہے"
ذراج نے کہا

"اللہ خیر کریں, کرونا بات کیا ہوا ہے خیریت تو ہے"

سمرین بیگم نے پوچھا جس کے جواب میں ذراج نے ان کو نور کا کیا گیا نیا کارنامہ بتایا

"یا میرے اللہ کیا چیز ہے یہ لڑکی مجھے تو دعا اور انیلہ کی فکر ہو رہی ہے وہ اب کیا کریں گی کہا جائیں گی"

سمرین بیگم نے فکرمندی سے کہا تھا

"وہی تو بتانا چاہ رہا ہوں آپ کو"

ذراج نے جواب دیا

"کیا مطلب کیا بتانا ہے تمہیں"

سمرین بیگم نے الجھتے ہوئے پوچھا

"امی سمپل سی بات ہے اب تو میرا لندن جانا کینسل ہو گیا ہے بابا کے طبعیت کی ناسازی کی وجہ سے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اور دعا کی اب شادی ہو جائے اور پھر ہمارا اتنا بڑا گھر ہے جس میں ہم چند بندے ہی رہتے ہیں تو انیلہ آنٹی کو بھی ہم یہی لیں آئیں گے اپنے ساتھ اس گھر میں"

ذراج نے چٹکیوں میں حل نکالتے ہوئے کہا تھا

"ہاں، بیٹا صحیح کہا تم نے مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے تمہاری شادی کا سن کر تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے بیٹا ویسے بھی ایک بار نکاح ہو جائے تو بس شادی بھی جتنی جلدی ہو کر لینی چاہیئے پھر میں اور تمہارے بابا آج شام کو ہی انیلہ بھابھی سے بات کرنے جاتے ہیں اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ انکار کسی صورت نہیں کرے گی"

سمرین بیگم نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ کہا تھا جس پر ذراج بھی مسکرایا تھا

....

شام میں سمرین بیگم اور شبیر اقبال انیلہ بیگم کے گھر گئے تھے اور ان سے ذراج اور دعا کی جلد از جلد شادی کی بات کی تھی جس پر انیلہ بیگم فوراً مان گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے اچھا فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ دعا اپنے گھر کی ہو جائے جب سمرین بیگم نے انیلہ بیگم سے یہ کہا تھا کہ وہ چاہتی ہے کہ دعا کے ساتھ ساتھ انیلہ بیگم بھی ان کے گھر میں ان کے ساتھ رہے تو پہلے پہل تو وہ ان کی بات نا مانی اور یہ جواب دیا "کہ میں کسی اولڈ ہوم میں چلی جاؤں گی" مگر پھر جب دعا نے بھی ان کی بہت منتیں کی تو وہ مشکل سے ہی صحیح مگر مان گئی تھی شاہ میر ملک کی موت کے تازہ تازہ غم کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے بلکل سادگی سے رخصتی کا فیصلہ کیا تھا رخصتی کے اگلے دن ہی کچھ خاص مہمانوں کو دعوت دے کر ایک چھوٹا سا ولیمے کا فنکشن بھی رکھا گیا تھا دعا اور انیلہ بیگم کو ایک ہفتے کے اندر اندر وہ گھر خالی

کر کے وہاں سے جانا ہی تھا اس لیے تین دن بعد ذراج اور دعا کی رخصتی کی تقریب قرار پائی تھی جن میں چند گھر کے افراد کا ہونا ہی طے پایا گیا تھا۔

....

اسفند کو جیسے ہی خبر ملی تھی کہ کنول نے اس سے بات کرنے کی ہامی بھر لی ہے وہ فوراً وقت ضائع کیے بغیر ہی وہاں پہنچا تھا سمرین بیگم اور شبیر اقبال گھر پہ نہیں تھے وہ انیکہ بیگم سے بات کرنے ان کے گھر گئے تھے ذراج بھی ارمان کو لیے گھر سے باہر گیا تھا صرف کنول ہی گھر پر تھی اور کمرے کے ٹیرس پر کھڑی باہر گلی میں دیکھ رہی تھی جب اس نے اسفند کی گاڑی کو اندر گیٹ کے باہر رکتے دیکھا تھا چوکیدار نے جلد ہی اٹھتے ہوئے دروازہ کھول کر اسے گاڑی سمیت اندر آنے دیا تھا کہ اتنے میں ذراج بھی ارمان کو گود میں اٹھائے دوسری طرف سے آیا تھا کنول ٹیرس سے واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی اور ٹانگیں لٹکائے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"بابا"

چیخ کر باپ کا نام پکارتے ہوئے ارمان ذراج کی گود سے اترتا بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا جو دونوں بازو کھول کر نیچے بیٹھا اس کو اپنی بانہوں میں سما گیا تھا۔

"بابا آپ آ گئے ہیں میں آپ کو بہت مس کر رہا تھا آپ میری برتھ ڈے پر بھی نہیں آئے"

ارمان نے اسفند سے کہا تھا جو بھیگا چہرہ لیے دیوانہ وار اسے چوم رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ارمان کو اپنے دل میں چھپا لے

"آئی ایم سوری "میری جان میں نہیں آسکا آپ کے برتھ ڈے پہ ویری ویری سوری بابا کو معاف کر دو"

اسفند نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا تھا اور پھر کتنی ہی دیر تک اس کو خود سے لپٹائے ایک ہی پوزیشن میں کھڑا رہا۔

"اچھا چلو میرے بھائی اندر نہیں جانا کیا"

ذراج نے ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہا تھا جس پر اسفند نے ایک بار پھر ارمان کے دونوں گالوں کو چومتے ہوئے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے مجھے دو یہ میرے اور ارمان کا فٹ بال کھیلنے کا وقت ہو گیا ہے"

ذراج نے ارمان کو اس کی گود سے لیتے ہوئے کہا تھا جو متلاشی نظروں سے یہاں وہاں دیکھ رہا تھا

"کنول بھابھی سیڑھیوں کے بلکل سامنے والے کمرے میں ہے"

یہ کہتے ہوئے ذراج ارمان کو لیے باہر لان میں چل دیا جبکہ اسفندیار سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

کنول ان قدموں کی چاپ کو اچھی طرح سن سکتی تھی جو دھیرے دھیرے قریب ہوتی جارہی تھی جیسے جیسے وہ آواز قریب سے آتی جارہی تھی اس کا دل بھی ویسے ہی زوروں سے دھڑک رہا تھا بلآخر اسفند کمرے میں داخل ہوا تھا اور پانچ مہینے بعد آج کنول کو دیکھا تھا جس نے دونوں ہاتھ بیڈ کے دائیں بائیں جانب رکھے تھے اور اب اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے بیڈ شیٹ کو دونوں ہاتھوں میں سختی سے جکڑ لیا تھا۔

قدم قدم چلتا اسفند کنول کے قریب آیا تھا اور اسکے قدموں میں بیٹھ گیا تھا غور سے کنول کو دیکھنے پر وہ دھنگ رہ گیا تھا یہ جان کر کہ کنول ایک اور جان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اسی مزید شرمندگی اور پچھتاوے نے آگھیرا تھا۔

اس عورت نے کیا نہیں کیا تھا اس کے لیے اور بدلے میں اسفند نے اسے دھوکے کے سوا کچھ نہیں دیا۔

"کنول"

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد آخر کار ہمت کرتے ہوئے اس نے بات کرنے میں پہل کی تھی۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"جو غلطی جو گناہ میں نے کیا ہے اس کے لیے معافی تو ایک بہت چھوٹا سا لفظ ہے تم سے یہ کہوں گا کہ تم جو چاہتی ہو مجھے سزا دو جو اذیت میں نے تمہیں دی ہے اس سے بڑھ کر تم مجھے دو مگر میری تم سے صرف اور صرف ایک التجا ہے وہ یہ کہ مجھے خود سے اور میری اولاد سے دور مت کرو خدا کے لیے مجھ پر صرف یہی ایک احسان کر دو اس کے علاوہ کنول تم جو چاہتی ہو میں وہی کروں گا جیسا کہو گی ویسے کروں گا مگر میرے ساتھ چلو میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتا ہوں کنول میرے لیے نہیں تو ہمارے اولاد کی خاطر ارمان کی خاطر اور اور اس ننھی جان کی خاطر جو ابھی اس دنیا میں آئی بھی نہیں ہے ان کی خاطر مجھے معاف کر دو"

اسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر نظریں جھکائے بیٹھا وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا کنول نے اسے زندگی میں کبھی روتے نہیں دیکھا تھا آج پہلی بار وہ اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسو اس کی بڑھی ہوئی داڑھی کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے اسکی داڑھی سے اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے کئی دن سے شیو نہیں کی اسکو دیکھتے ہوئے کنول کا اپنا دل بھی بھر آیا تھا

"مجھے نہیں پتا آپ کو کبھی مجھ سے محبت ہوئی بھی تھی کہ نہیں مگر میں نے پورے دل سے آپ کو چاہا ہے آپ سے محبت کی جس کا بہت اچھا صلہ دیا ہے آپ نے مجھے"

اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

"

"میں آپ کو کبھی معاف نا کرتی اگر مجھے میرے بچوں کا اور آپ سے وابسطہ انکی خوشیوں کا احساس نا ہوتا میری ایک بات یاد رکھیں اسفند میں اگر آج آپ کو معاف کر رہی ہوں تو اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے ارمان اور یہ بچہ جو میری کوکھ میں پل رہا ہے لیکن اگر اس کے بعد........"

"نہیں, نہیں میں وعدہ کرتا ہوں تم سے کبھی ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے تمہارا یا میرے بچوں کا دل دکھے تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا کنول بس اس دفعہ مجھے معاف کر دو اگر تم مجھے معاف نہیں کرو گی تو بابا اور اللہ بھی مجھے معاف نہیں کریں گے"

بولتے ہوئے اس نے کنول کے گھٹنوں پر رکھ دیا تھا جبکہ رونے کی وجہ سے اسکا جسم دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

"معاف کیا میں نے آپ کو پہلی اور آخری مرتبہ صرف اور صرف اپنی اولاد کی خاطر ان کی خوشیوں کی خاطر کیونکہ میں اپنے بچوں کو باپ کی شفقت سے محروم نہیں کرنا چاہتی"

کنول نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے جواب دیا تھا جب نیچے سے سمرین بیگم اور شبیر اقبال کی آوازیں آنے لگی تھی۔

"مما بابا جلدی آئیں چاچو کی شادی ہونے والی ہے"

کمرے میں داخل ہوتے ہی ارمان نے گلہ پھاڑ کر کہا تھا اسفند نے دوسری جانب منہ موڑتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے تھے

"لگتا ہے شادی کی تاریخ رکھ دی ہے"

بیڈ سے اٹھتے ہوئے کنول نے کہا تھا جبکہ اسفندیار منہ ہاتھ دھونے باتھ روم کی طرف چلا گیا۔

نیچے تو ایک الگ ہی خوشی کا سماں تھا جہاں سمرین بیگم خود ایک ایک کو اپنے ہاتھوں سے مٹھائی کھلا رہی تھی اب تو دو دو خوشخبریاں تھی ایک کنول اور اسفند کی واپس ایک ہونے کی تو دوسری دعا کو بہو بنا کر اپنے گھر لانے کی اسی دن کنول سب سے بہت پیار سے ملنے کے بعد اسفندیار کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گئی تھی۔

....

پلک جھپکتے ہی ایک ہفتہ گزر گیا تھا آج دعا کی رخصتی تھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کو چھوڑنے والی تھی بارات کے لیے ذراج, انیلہ بیگم اور شبیر اقبال آئے تھے ان کے علاوہ اسفند, کنول اور ارمان سب بھی موجود تھے نور صبح ہی اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو چکی تھی۔

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

ذراج کی تو خوشی دیدنی تھی جبکہ عروسی جوڑے میں ملبوس دعا اپنے گھر سے نکلتے وقت وہ ایسے روئی تھی کہ باقی سب کو بھی اپنے ساتھ رونے پر مجبور کر دیا تھا آج تو اسے ہر لمحہ ساجدہ اماں کی یاد آ رہی تھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اگر آج ساجدہ اماں ہوتی تو وہ کتنا خوش ہوتی اسے دلہن بنے دیکھ کر آج کے دن اسے شاہ میر ملک کی بھی بے حد یاد آ رہی تھی گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر وہ اپنی کئی یادیں تازہ کر چکی تھی۔

"دعا بیٹا چلو دیر ہو رہی ہے"

سمرین بیگم نے اسے کہا تھا جو کتنی ہی دیر سے روتے ہوئے گھر کی در و دیواروں کو دیکھ رہی تھی ان کی آواز پر چونک کر پیچھے مڑی تھی سمرین بیگم اور کنول نے احتیاط کے ساتھ اسے گاڑی میں بٹھایا تھا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے وہاں سے آ گئے تھے۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

چار سال گزرنے کے بعد:

شدید گرمی کی تپتی دوپہر میں دھوپ کی گرم شعاعیں تقریباً لوگوں کو جھلسا رہی تھی پشاور کے اُس گاؤں غریب آباد کے اس کچے صحن والے گھر کے صحن میں بلکل سامنے ہی دو کمرے تھے ان کمروں کے بائیں طرف غسل خانہ جبکہ دائیں طرف ایک چھوٹا سا کچن تھا دائیں طرف والے کمرے میں جھانک کر

دیکھیں تو سرخ و سفید رنگت والا پیارا سا بچہ جس کے بال ہلکے گولڈن رنگ کے تھے عمر میں وہ ساڑھے پانچ سال کا لگ رہا تھا تھا بیڈ پر اپنی امی کے بازو پر سر رکھے آنکھیں موندے لیٹا تھا اور وقفے وقفے سے ایک آنکھ ذرا سی کھول کر اپنی کو دیکھتا کہ وہ سو چکی ہے یا نہیں۔

"عبداللہ خبردار جو تم میرے سونے کے بعد اس کمرے سے باہر بھی گئے تو بہت ماروں گی پھر میں سونے لگی ہوں بہت نیند آرہی ہے تم بھی آنکھیں بند کر کے سو جاؤ"

یاسمین نے اسکی حرکت کو دیکھتے ہوئے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا اور پھر ایک ہاتھ اس کے گرد لپیٹ دیا تھا یہ سوچ کر کہ اگر یہ باہر جانے کی کوشش کرے گا تو میری آنکھ کھل جائے گی جبکہ وہ چھوٹا شیطان کچھ دیر تک آنکھیں موندے لیٹا رہا تھا مگر جیسے ہی یاسمین کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز سنی تھی اس نے فوراً آنکھیں کھول دی تھی کچھ دیر ایک ہی پوزیشن میں لیٹے رہنے کے بعد اس نے آہستہ سے یاسمین آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا تھا کہ آیا "یہ سچ میں سو رہی ہیں یا میری طرح سونے کا ڈرامہ کر رہی ہے" مگر ان کے گہری نیند سونے کا یقین ہوتے ہی کالی ذہین آنکھوں کی چمک یک دم ہی بڑھ گئی تھی یاسمین کا ہاتھ دھیرے سے اپنے پیٹ سے ہٹاتے ہوئے وہ بیڈ سے اترا تھا اور آہستہ آہستہ قدم لیتا دروازے کی جانب آیا تھا دروازے کو ہلکا سا کھول کر باہر نکلنے کے بعد اس نے ویسے ہی آرام سے دروازہ بند بھی کر دیا تھا۔

باہر آتے ہی وہ ایسے خوش ہوا تھا جیسے کوئی قیدی قید سے چھوٹا ہو فوراً وقت ضائع کیے بغیر وہ کچن میں داخل ہوتا فریج تک آیا تھا اور دروازہ کھول کر اندر دیکھا تھا جہاں ڈھیر و ڈھیر آم پڑے ہوئے تھے۔

"اتنے زیادہ آم ابھی رہتے ہیں اور امی جان نے تو صرف دو ہی کھلائے تھے مجھے"
دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کر اسنے شاکی انداز میں کہا تھا آموں کو دیکھتے ہی اسکا بنگڑا ڈالنے کو دل کر رہا تھا چار آم فریج سے باہر نکال کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے اب وہ اس ہستی کو بلانے والا تھا جس کے بغیر عبداللہ کا گزارہ ناممکن تھا پڑوسیوں کے گھر کی طرف موجود دیوار پر رکھی گئی لکڑی کی سیڑھی پر وہ آرام آرام سے چڑھا تھا اور پھر دوسرے گھر کی جانب منہ کر کے آواز لگائی تھی۔

"میرو، میرو، میرو"
تین چار آوازوں پر ہی دوسری جانب سے اسی کی ایک ہم عمر چھوٹی سی پھولے گالوں والی بچی جس نے آسمانی رنگ کا چھوٹا سا فراک اور ساتھ سفید رنگ کا ٹراؤزر زیب تن کر رکھا تھا بھاگتے ہوئے آئی تھی اور دیوار کی دوسری جانب نیچے کھڑے ہو کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا عبداللہ؟"
اس نے اپنے بڑے سے دوپٹے کو اپنے پیچھے زمین پر گھسیٹتے ہوئے کہا تھا جو یقیناً اس کی ماں کا تھا

"میرو آجاؤ میرے گھر اماں سو چکی ہے اور بابا گھر سے باہر ہے ہمارے فریج میں اتنے ڈھیر سارے آم پڑے ہوئے ہیں میں نے اس میں سے نکال لیے ہیں ہم دونوں کے لیے آجاؤ تم جلدی سے مل کر کھاتے ہیں"

آواز کو قدرے دھیما رکھتے ہوئے عبداللہ نے اس سے کہا تھا جو آموں کا سنتے ہی خوشی سے چہکی تھی

"سچی بہت زیادہ ہے پھر میں ابھی آتی ہوں اچھا ہے استاد جی گھر پر نہیں ہے اور یاسمین خالہ بھی سو رہی ہے ہم دونوں ڈھیر سارے آم کھائیں گے میں بس ابھی آتی ہوں میری امی بھی سو چکی ہے تم جلدی سے میرے لیے دروازہ کھولو"

خوشی سے گلہ پھاڑ کر بولتے ہوئے اس نے اپنا دوپٹہ وہی پھینکا تھا اور گیٹ کی طرف دوڑ پڑی تھی دوسری جانب عبداللہ بھی نہایت احتیاط کے ساتھ اس سیڑھی سے اترا اور اس کے لیے دروازہ کھولنے چلا گیا تھا۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

دروازہ کھول کر ایک طرف ہوتے ہوئے اس نے مہراب کو آنے دیا تھا اور پھر وہ دونوں دروازہ کھلا چھوڑ کر ہی باہر صحن کی طرف بھاگ گے تھے برآمدے میں شیڈ کے نیچے بیٹھتے ہوئے عبداللہ نے آموں کی پلیٹ اپنے اور اسکے درمیان رکھ دی تھی اور پھر وہ دونوں مزے لے کر ان پر ٹوٹ پڑے تھے بار بار کمرے کے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے عبداللہ کو یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں یاسمین اٹھ کر نا آجائے۔

"میرو جلدی کھاؤ یہ نا ہو کہ امی جان اٹھ جائے"

عبداللہ نے اپنے کپڑوں کا حشر نشر کرتے ہوئے کہا تھا اسکا سفید لباس جو آج جمعے کے دن بڑے پیار سے یاسمین نے اسے پہنایا تھا اب آگے سے مکمل پیلا ہو چکا تھا

"کیوں پھر یاسمین آنٹی تمہیں مارے گی کیا؟"

میرو نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے پوچھا اسکے لباس کا حال بھی عبداللہ سے کم نا تھا

"نہیں امی جان مجھے کبھی نہیں مارتی لیکن ناراض ہو جاتی ہیں اور جب وہ ناراض ہوتی ہیں تو پھر مجھے بلکل اچھا نہیں لگتا"

عبداللہ نے جواب دیا تھا وہ دونوں آم کھا کم اور نچھوڑ زیادہ رہے تھے اسی طرح کھاتے کھاتے میرو کی نظر اچانک دور مرغیوں کے ڈربے پہ گئی تھی۔

"عبداللہ چلو میرے ساتھ یہ جو ایک آم بچہ ہے یہ ہم مرغیوں کو کھلا دیتے ہیں وہ بچاریاں بس ہر وقت دانہ ہی کھاتی رہتی ہیں انکا کتنا دل کرتا ہوگا آم کھانے کو"

میرو نے دنیا جہاں کی ہمدردی لہجے میں سموتے ہوئے کہا تھا

"نہیں نہیں میر وامی جان نے بتایا تھا کہ مرغیاں صرف دانہ ہی کھاتی ہیں شاید ان کو آم پسند ہی نا ہو"
عبداللہ نے خود سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا

"ارے بدھووہ کھائیں گی تو ان کو پسند آئے گا نا جب پہلے ہم نے آم نہیں کھائے تھے ہمیں بھی تو پسند نہیں ہوتے تھے"
وہ بڑی دور کی کوڑی لگا آئی تھی

"ہاں صحیح کہا تم نے"
عبداللہ نے جواب دیا تھا

"اچھا چلو اب کھلاتے ہیں ان کو, چلو میرے ساتھ"
ہاتھ میں ایک آم لیے گرمی اور تیز دھوپ کی وجہ سے پسینے میں شرابور وہ دونوں اس بڑے سے ڈربے تک آئے تھے. جس میں بے شمار مرغے اور مرغیاں قید غوں غوں کر رہی تھی

"عبداللہ تم ان کے لیے دروازہ کھولو"

عبداللہ کے ہاتھ سے آم لیتے ہوئے میرو نے کہا تھا جس پر "ٹھیک ہے" کہتے ہوئے عبداللہ نے جونہی ڈربے کا دروازہ کھولا تھا اندر سے مرغے اور مرغیوں کی ایک فوج باہر کو بھاگی تھی آم وہی پھینکتے وہ دونوں وہ دونوں چیخ اٹھے تھے

"یہ کیا ہوگیا یہ سب تو باہر آگئ ہے اب امی کو پتا چلا تو بہت ناراض ہونگی میرو جلدی سے چلو ان کو واپس بند کرتے ہیں"

عبداللہ نے فکرمندی سے ان مرغیوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو پورے گھر میں اودھم مچاتے ہوئے یہاں سے وہاں بھاگ رہی تھی

"ہاں ہاں چلو ان کے اٹھنے سے پہلے ہم ان مرغیوں کو پکڑ لیتے ہیں"

میرو نے کہا تھا اور پھر وہ دونوں ان مرغے اور مرغیوں کے پیچھے صحن میں بھاگنے لگ گئے تھے جن کو پکڑنا ان ننھے شیطانوں کے بس کا کام نہیں تھا گرمی اور تپتی دھوپ میں پندرہ منٹ ان کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ دونوں بے حال ہو چکے تھے جب داخلی دروازے سے اچانک ہی استاد احمد صاحب گھر میں داخل ہوئے تھے اور ان دونوں کو دیکھ کر دنگ ہو گئے تھے جو ان کی آمد سے بے خبر "پکڑو، پکڑو" کہتے ہوئے مرغیوں کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

احمد صاحب کے سخت تاثرات پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں جو بھاگ کر تھک چکے تھے ایک دم اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے۔

"یاسمین، یاسمین"

ان سے کچھ بھی کہے بغیر احمد صاحب نے یاسمین کو آواز لگائی تھی جو ڈر کر نیند سے اٹھی تھی اور پھر اپنی بائیں جانب دیکھا تھا جہاں عبداللہ موجود نہیں تھا

"یا اللہ خیر کہیں عبداللہ کو تو کچھ نہیں ہوا"

تیزی سے اٹھتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھتی ہڑبڑائی کیفیت میں باہر کی طرف بھاگی تھی

"ج جی، کیا ہوا؟"

اس نے باہر غصے میں بھرے کھڑے احمد صاحب سے پوچھا تھا

"میں بتاؤں کیا ہوا ہے آگے پیچھے دیکھو سب کچھ خود بخود سمجھ میں آجائے گا"

احمد صاحب کے غصے سے کہنے پر جیسے ہی اسنے ارد گرد دیکھا تھا اسکا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ ڈالے جہاں صحن میں آم کے چھلکے پڑے تھے اور پورے گھر میں مرغیاں ادھر ادھر بھاگ رہی تھی کچھ کچن میں اور کچھ دوسرے کمرے میں بھی گھس چکی تھی۔

"اتنی گرمی میں دیکھو تمہارے لاڈلے کو کیا حرکتیں سوجھ رہی ہے اور تم آرام سے اپنی نیندیں پوری کررہی ہو اگر یہ باہر چلا جاتا اور خدانخواستہ کوئی اسے اٹھا کر لے جاتا یا اتنی گرمی میں بیمار پڑ گیا تو پھر کیا ہوگا سوچا ہے تم نے یقیناً نہیں سوچا ہوگا تم سوجاؤ تمہاری نیند زیادہ ضروری ہے اسے آج میں ٹھیک کرتا ہوں"

یاسمین کو ڈانٹنے کے بعد وہ غصے میں عبداللہ کی جانب بڑھے تھے جسے یاسمین نے اپنے پیچھے چھپا لیا تھا

"اچھا آپ غصہ مت کریں پلیز بچہ ہے میں اسے سمجھا دوں گی"

یاسمین نے انہیں اشارے سے شانت رہنے کو کہا تھا جبکہ عبداللہ اب نظریں جھکائے ایسے خاموش کھڑا تھا جیسے اس جہان میں اس سے معصوم اور کوئی نہیں ہے

"اور محترمہ آپ اپنی امی سے پوچھ کر یہاں نازل ہوئی ہیں"

یاسمین نے غصے سے گھورتے ہوئے اب میرو سے پوچھا تھا

"نہیں یاسمین آنٹی امی تو سو رہی تھی جب میں یہاں آئی"

اس نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا تھا

"ہاں ،ہاں آؤ اپنی ماں سے بنا پوچھے اب جب انہیں پتا چلے گا تو تمہیں تو وہ کچھ خاص نہیں کہیں گی لیکن یہاں ہم سے لڑنے جھگڑنے پہنچ جائے گی"
یاسمین نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا

"امی میرو کی کوئی غلطی نہیں ہے اسے میں نے ہی بلایا تھا"
عبداللہ سے میرو کو ڈانٹنا برداشت نہیں ہوا تھا جو وہ درمیان میں ہی بول پڑا تھا

"تم نے بلایا تھا تم اتنی دوپہر میں ان کے گھر گئے تھے؟"
احمد صاحب نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا

"نہیں استاد جی اس نے اس سیڑھی پر چڑھ کر مجھے آواز دی تھی میں پھر خود ہی آ گئی تھی یہاں"
میرو نے ایک اور بھانڈا پھوڑتے ہوئے کہا جس پر ان کا غصے سے برا حال ہوا تھا

"تمہیں میں صبح کہہ کر گیا تھا کہ اس سیڑھی کو نیچے رکھ دینا لیکن یہاں تو میری بات کا کوئی اثر ہی نہیں ہے کسی کو اگر یہ سیڑھی سے گر جاتا تو سب سے زیادہ رونا دھونا تم نے ہی مچانا تھا"
احمد صاحب غصے سے چیخے تھے جب کہ یاسمین نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

ابھی احمد ان باقی دونوں کو بھی ڈانٹتے اس سے پہلے ہی عشرت (میرو کی ماں) اندر داخل ہوئی تھی۔

"میرو تم یہاں ہو میں پورے گاؤں میں تمہیں ماری ماری ڈھونڈتی پھر رہی ہوں"
عشرت نے غصے سے اسے کہتے ہوئے اسکی کمر پہ ہلکا سا دھپ لگایا تھا

"جی عشرت بھابھی یہ اتنی دوپہر میں یہاں پہنچی ہوئی ہے اتنی چھوٹی سی بچی ہے ہے کل کو کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو آپ نے یہی آکر ہم سے لڑنا ہے اس لیے اپنی بیٹی کا دھیان رکھا کریں ذرا"
یاسمین نے تپے ہوئے لہجے میں کہا جس پر عشرت کو جی بھر کر تاؤ آیا تھا

"میری بیٹی کو چھوڑو تم ذرا اپنے اس چھوٹے جن کو سنبھالو اسی نے میری بیٹی کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے ورنہ میری بچی تو بہت معصوم ہے"
عشرت نے بھی جواب دیا تھا

"اور تم کتنی بار منع کیا ہے میں نے تمہیں کہ پورے گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیل لو مگر اس کچرے کے ڈھیر کے ساتھ مت کھیلو دیکھنا بڑا ہو کر ان کی طرح ہی نکلے گا جنھوں نے پیدا کر کے اسے کچرے میں پھینک دیا تھا"

www.urdunovelsmania.com

میرو کو تھپڑ مار کر کہتی وہ وہاں سے چلی گئی تھی جبکہ پیچھے یاسمین اور احمد صاحب کے پیروں تلے زمین نکل چکی تھی وہ دونوں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ایک دوسرے کو دیکھتے وہی کھڑے رہ گئے تھے۔

"امی جان عشرت آنٹی نے کیا کہا ہے؟"

عبداللہ نے پوچھا تھا جو عشرت کی بات کو اچھے سے سن چکا تھا

"ک کچھ نہیں ت تم آئندہ میرو کے ساتھ نہیں کھیلو گے اب غسل خانے میں جاؤ میں آکر تمہیں ن نہلاتی ہوں"

خوف سے اٹک اٹک کر بولتے ہوئے اس نے عبداللہ کو وہاں سے بھیجا تھا اور پھر خود بھاگ کر احمد صاحب کے پاس آئی تھی جن کا خون عشرت کی بات سنتے خشک ہو چکا تھا

"م میں نے آپ کو کہاں ت تھا نا کہ عشرت کو سب پتا ہے، کہا تھا نا میں نے مگر آپ نے کہا تھا کہ ایسا ممکن نہیں ہے اُسے کون بتا سکتا ہے مگر میں جان چکی تھی کہ اُسے ساری سچائی پتا ہے وہ کئی بار باتوں ہی باتوں میں مجھے طعنے دے چکی ہے مگر آج تو صاف صاف لفظوں میں ہی اپنی بات کہہ دی ہے اب کیا ہوگا احمد یہ عورت تو میرے بچے کی زندگی اجیرن کردے گی اسے ایسے گناہ کی سزا دے گی جو اس نے کیا ہی نہیں ہے"

یاسمین کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے

"کچھ نہیں ہوگا یاسمین تم ڈرو مت میں کچھ سوچتا ہوں"
احمد صاحب نے اسکے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر ہلکا سا دباتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا

"نہیں نہیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہم ابھی یہاں سے چلتے ہیں کہیں دور چلے جاتے ہیں یہاں سے چلے میرے ساتھ ابھی سارا سامان سمیٹتے ہیں چلیں یہاں سے"
وہ ہذیانی کیفیت میں بول رہی تھی

"یاسمین ریاسمین ہوش سے کام لو وہ کچھ غلط نہیں کر سکتی میں اور تم ہم دونوں ہیں نا عبداللہ کے ساتھ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہے کوئی ہمارے بچے کو کچھ نہیں کہہ سکتا تم جاؤ عبداللہ کو نہلاؤ میں جا کر یہ مرغیاں واپس بند کرتا ہوں پریشان بلکل مت ہو میں جلد ہی کوئی راستہ نکالتا ہوں"
احمد صاحب نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ آنسو صاف کرتی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے عبداللہ کے پاس چلی گئی جو بار بار اسے آوازیں دے کر بلا رہا تھا۔

....

ڈھائی سالہ منیحہ کو گود میں اٹھائے دعا یخنی بنا رہی تھی جب اسکا موبائل بجا تھا آنچ دھیمی کرتے ہوئے اس نے موبائل اٹھا کر کان سے لگایا تھا اور کچن سے باہر آگئی تھی۔

"السلام علیکم!"
دوسری جانب سے سپیکر میں ذراج کی بھاری آواز گونجی تھی

"وعلیکم السلام!" خیریت ہے آپ نے آج کیسے آفس سے فون کیا"
دعا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کیونکہ ذراج بہت کم ہی کام کے وقت فون کرتا تھا

"جی بلکل میڈم خیریت ہے بس بات اتنی سی ہے کہ آپ کو آج ڈیٹ پر لے جانا چاہتا ہوں اور آج میں کوئی بہانہ نہیں سننے والا اس لیے بتائیں چلیں گی کیا آپ؟"
دوسری طرف سے اسکی مسکراتی ہوئی آواز آئی تھی

"وقت بتائے پہلے پھر سوچ کر بتاؤں گی اگر مصروفیت نا ہوئی میری تو ہوسکتا ہے چلی جاؤں"
دعا نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا تھا

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے بی بی میں اب پوچھوں گا بلکل بھی نہیں شام میں ہم باہر چلیں گے اور یہ ڈن ہے جب دیکھو یہ کر رہی ہوں ,
وہ کر رہی ہوں اب میں نے تمہاری ایک بھی سنے بغیر تمہیں زبردستی اٹھا کر لے جانا ہے "
ذراج نے خفگی سے کہا تھا جس پر دعا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی اسکی گود میں بیٹھی منیحہ اپنی چوڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"میں تو مذاق کر رہی تھی مگر آپ تو کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گئے ہیں بلکہ آج تو میں خود آپ کو فون کرنے والی تھی کہ آفس سے جلدی آجائیے گا مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے مگر اچھا ہے آپ نے ہی فون کر دیا ہے لیکن شام میں چلیں گے کیونکہ مجھے ابھی مما (انیلہ بیگم) کو یخنی پلانی ہے اور پھر یتیم خانے جانا ہے ویسے تو سمرین مما وہاں ہوتی ہیں سب سنبھال لیتی ہے مگر آپ کو پتا ہے ایک آدھ دن بعد میں خود جا کر وہاں بچوں کو دیکھ نا لوں تو میرے دل کو تسلی نہیں ہوتی"
دعا نے اسکی ناراضگی دور کرتے ہوئے کہا

"ٹھیک ہے پھر تم اپنے سب کام کر لو آرام سے ہم شام میں چلیں جائیں گے اس وقت آنٹی کی دیکھ بھال کے لیے مما بھی گھر پر موجود ہوگی"
ذراج نے کہا تھا

"جی ٹھیک ہے"

اس نے جواب دیا

"اور میری گڑیا کیسی ہے تنگ تو نہیں کر رہی تمہیں؟"

اس کا اشارہ منیحہ کی طرف تھا جو شکل و صورت میں بلکل ذراج پر گئی تھی مگر زیادہ تر چپ رہنے والی سب سے پیار کرنے والی منیحہ عادتوں میں بلکل دعا پر گئی تھی ہر انسان کی گود میں وہ آرام سے چلی جاتی تھی دعا دن بھر کے کام کرتے وقت چند کھلونے اس کے پاس رکھ دیتی تھی جس سے وہ کھیلتی رہتی اور دعا کو تنگ کبھی نا کرتی

"آپ کی گڑیا بلکل ٹھیک ٹھاک ہے ابھی میرے پاس میری گود میں ہی ہے اور یہ تنگ کب کرتی ہے یہ تو مما کی پیاری سے بیٹی ہے جو اپنی مما کو کبھی تنگ نہیں کرتی"

دعا نے اس کے سر کو چومتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ بھی دعا کو دیکھ کر مسکرائی تھی

"ہاں پیاری تو ہوگی مجھ پر جو گئی ہے"۔

ذراج نے بیچ میں ہی لقمہ دیا تھا

"بس کر دے اللہ کا شکر ہے عادات و اطوار میں آپ پر نہیں گئی ورنہ مجھ میں مما جتنا سٹیمنا نہیں جو اِسکو سنبھالتی پھرتی سنا چکی ہے مما مجھے آپ کے بچپن کے سارے قصے"

دعا نے ہنستے ہوئے کہا تھا مگر اس سے پہلے کے ذراج کوئی جواب دیتا اس کے آفس میں شبیر اقبال داخل ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ دعا کو شام چھ بجے تک تیار ہونے کے لیے کہہ کر فون بند کر گیا تھا۔

....

"نور تین سال پہلے ہی اپنے باس سے۔ جس کے آفس میں وہ کام کرتی تھی شادی کر چکی تھی اور اب اس محل نما گھر کی مالکن تھی علی جاوید جو کہ نور کا شوہر تھا اور ایک انتہائی غصیلہ اور سنجیدہ انسان تھا امریکہ میں پلا بڑھا ایک لڑکا تھا۔ جس کے ماں باپ امریکہ میں ہی رہتے تھے مگر اسے بچپن سے ہی پاکستان آکر رہنا بہت اچھا لگتا تھا بہت پہلے ہی وہ سوچ چکا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد وہ پاکستان آجائے گا اور یہی رہے گا اپنی اسی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے وہ چار سال پہلے ہی پاکستان آیا تھا اور یہاں اپنا بزنس شروع کر دیا جس نے کم وقت میں بہت ترقی کر لی تھی اور جس میں نور بھی اسکے شانہ بشانہ تھی ایک سال اس کے ساتھ کام کرتے کرتے نور اسکی نظروں میں خود کو ایک بہت اچھی اور مہذب لڑکی ثابت کر چکی تھی جس سے اچھی لڑکی اُسے زندگی میں کبھی نہیں مل سکتی ایک سال کام کرنے کے بعد نور نے اس سے شادی کر لی تھی وہ یہی نور کے ساتھ پاکستان میں قیام پذیر تھا نور ابھی بھی اس کے سامنے اچھائی کا لبادہ اوڑھے ہوئی تھی اسکی غیر موجودگی میں وہ سب کو اپنی انگلیوں پہ نچاتی تھی۔

مگر اب جلد وقت اور حالات پلٹا کھانے والا تھے۔

"نمرہ بیٹا بند کردو یہ ٹی۔وی بیگم صاحبہ آتی ہی ہوگی اپنے آفس سے اور اگر انہوں نے تمہیں ٹی۔وی پر کارٹون دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تو پھر تمہیں میرے ساتھ یہاں آنے نہیں دیگی گھر پر تمہارا ابا بھی نہیں ہوتا وہ کام ہر جاتا ہے کس کے ساتھ چھوڑ کر آؤں گی تمہیں اس لیے بیٹا اماں کی بات مان لو اور یہ ٹی۔وی بند کردو اب"

تیس سالہ فریدہ نے اپنی چھ سالہ بیٹی سے کہا تھا جو صوفے پر بیٹھی مزے سے کارٹون دیکھ رہی تھی

"اماں مجھے بھی ایک ٹی۔وی لے دو نا مجھے کارٹون دیکھنا اچھا لگتا ہے"

اس بچی نے اپنی معصوم خواہش بتائی تھی

"اچھا ٹھیک ہے اس دفعہ مجھے تنخواہ ملے گی تو تمہارے لیے بلکل تمہارے لیے ہی ایک چھوٹا سا ٹی۔وی لے دوں گی پھر اس پہ کارٹون دیکھنا مگر ابھی یہ بند کردو"

اسکی ماں نے اسے بہلاتے ہوئے کہا تھا جو انکی بات پر خوشی سے اچھل پڑی تھی

"اچھا اماں بس یہ تھوڑا سا رہ گیا ہے یہ بھی دیکھ لوں پھر بند کرتی ہوں"

اس نے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا

"اچھا ٹھیک ہے بھئی جلدی سے بند کر دینا"

یہ کہتے ہوئے فریدہ کچن میں چلی گئی تھی نمرہ انہماک سے کارٹون دیکھ رہی تھی جب اسی وقت پینٹ شرٹ میں ملبوس اونچی ٹیل پونی بنائے آنکھوں پہ سن گلاسز لگائے نور گھر میں داخل ہوئی تھی اور نمرہ کو اس طرح صوفے پر بیٹھے دیکھ کر غصے سے آگ بگولہ ہوگئی تھی

"تم ,ادھر آؤ ذرا کتنی دفعہ میں نے کہا ہے کہ میری غیر موجودگی میں بھی میری گھر کی چیزوں کو ہاتھ تک مت لگایا کرو مگر تم اتنی ڈھیٹ ہو کہ ایک بات سمجھ میں ہی نہیں آتی تمہیں ادھر آؤ ذرا ابھی تمہیں سیدھا کرتی ہوں"

غصے سے بولتے ہوئے اس نے نمرہ کو اپنے پاس بلایا تھا جواب ٹی۔ وی بند کیے ڈری سہمی سی کھڑی فریدہ کو دیکھ رہی تھی جو بے بسی سے کبھی نور کو دیکھتی تو کبھی نمرہ کو

" بیگم صاحبہ غلطی ہوگئی اس سے بچی ہے معاف کر دے اب دوبارہ کبھی نہیں کرے گی یہ معافی مانگو نمرہ بیگم صاحبہ سے جلدی سے معافی مانگو"

اس نے نمرہ کو گھورتے ہوئے اشارہ کیا تھا کہ جلدی سے معافی مانگو

" بیگم صاحبہ اب دوبارہ نہیں کروں گی مجھے معاف کر دے اس بار"

وہ چھوٹی سی بچی اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی تھی

"ادھر آؤ میں نے کہا"

اس کی ایک بھی بات سنے بغیر نور دھاڑی تھی جس پر نمرہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی تھی قریب آتے ہی نور نے ایک زناٹے دار تھپڑ اسکے منہ پر مارا تھا جس کی شدت سے وہ منہ کے بل زمین پر گر گئی تھی

"نمرہ میری بچی"

فریدہ نے بھاگ کر آتے ہوئے اس سینے سے لگایا تھا جو رو رہی تھی

"اب یہ تھپڑ یاد رہے گا نا تو دوبارہ کبھی میری چیزوں کو چھونے کی کوشش بھی نہیں کرو گی"

تنفر سے کہتی وہ وہاں سے چلی گئی تھی جبکہ فریدہ اپنی بیٹی کے ساتھ ایسے ظالمانہ سلوک پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"اٹھو میری جان اٹھ جاؤ اللہ کرے ہاتھ ٹوٹے اس عورت کے دوسروں کے بچوں پر رحم نہیں کرتی اس لیے تو خود بھی شادی کے تین سال ہونے کے باوجود بے اولاد گھوم رہی ہے ڈاکٹروں سے علاج کروا رہی ہے اللہ پاک کرے اس کی کبھی اولاد نا ہو کبھی بھی نہیں"

نمرہ کے سرخ گال کو چومتے ہوئے فریدہ نے جلے دل سے اسے بددعا دی تھی۔

گرما گرم یخنی کا باؤل ہاتھ میں لیے دعا اوپر آئی تھی اور سیڑھیوں کے بلکل سامنے موجود اس کمرے کا دروازہ کھولا تھا جہاں اس کی ماں انیلہ بیگم کا کمزور و ناتواں جسم بیڈ پر پڑا تھا دعا پر نظر پڑتے ہی ان کی اندر کو دھنسی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

آج سے ساڑھے تین سال پہلے جب دعا کی شادی کو صرف چھ ماہ ہی ہوئے تھے ان دنوں انیلہ بیگم ہر وقت ایک ہی کمرے میں بند سوچوں کے سمندر میں ڈوبی رہتی کبھی شاہ میر ملک کو یاد کر کے روتی تو کبھی نور کو انہی دنوں ایک دن اچانک ان کی طبعیت خراب ہو گئی تھی اور وہ بے ہوش ہو گئی ہوش آنے پر وہ صحیح سے بات کر پا رہی تھی نا اپنے جسم کو حرکت دے پا رہی تھی دعا اور ذراج اسی وقت انہیں ہسپتال لے کر گئے تھے جہاں ڈاکٹروں نے ان کو بتایا تھا کہ انیلہ بیگم کے جسم کا ایک حصہ مکمل طور پر مفلوج ہو چکا ہے چہرے کی ایک سائیڈ کے ساتھ ساتھ انکا ایک ہاتھ اور ایک پیر بھی ناکارہ ہو چکے تھے اور آج انہیں اسی بستر پر مفلوج ہو کر زندگی گزارتے پورے ساڑھے تین سال ہو گئے تھے ان تمام ماہ و سال میں اگر کسی نے ان کو اکیلا نہیں چھوڑا تھا اور ہر وقت سائے کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی خدمت کی تھی تو وہ دعا تھی۔

صبح، دوپہر شام ہر وقت دعا کو انہی کی فکر لگی رہتی ابھی بھی وہ خود ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے یخنی بنا کر لائی تھی جس دعا کو دیکھتے ہی بہت خوش ہو گئی تھی۔

"مما دیکھیں میں کیا بنا کر لائی ہوں آپ کے لیے"
دعا نے باؤل سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا تھا

"میں آپ کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے یخنی بنا کر لائی ہوں اب یہ آپ کو ساری ختم کرنی ہو گی"
دعا نے بہت مشکل سے ان کا سر تکیوں کے سہارے اونچا کرتے ہوئے کہا تھا جو کچھ بولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر منہ ایک طرف کو ٹیڑھا ہونے کے باعث بہت جدوجہد کے بعد بھی بول نہیں پا رہی تھی۔

"س س ساجدہ"
بہت مشکل سے یہی ٹوٹے پھوٹے الفاظ وہ بول پائی تھیں

"جی، جی سمجھ گئی ہوں آپ کہ آپ مجھ سے آج پھر اسی طرح معافی مانگنے والی ہے جیسے ان ساڑھے تین سالوں میں ہر روز مانگتی آئی ہیں لیکن امی میں آپ کو بہت دفعہ بتا چکی ہوں اور اب پھر بتا رہی ہوں کہ میں آپ کو بہت پہلے معاف کر چکی ہوں آپ نے ساجدہ اماں کی جان لی تھی ان کو قتل کیا تھا بابا کے ساتھ مل کر نور کے نومولود بچے کو قتل کیا تھا اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں مجھ سے نہیں مجھے بلکل اچھا نہیں لگتا جب آپ روز مجھ سے معافیاں مانگتی ہیں"

دعا نے یخنی سے چمچ بھر کر انکے منہ میں انڈیلتے ہوئے کہا تھا جن کے منہ کی ایک سائڈ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے آدھی سے زیادہ یخنی واپس باہر آچکی تھی ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے آج پھر دعا کی آنکھیں بھر آئی تھی۔

"م م میں ب بہت ت ت تکلیف ممم میں ہوں"
انیلہ بیگم نے زاروقطار روتے ہوئے کہا تھا ان کا جھریوں ذدہ چہرہ رونے کے باعث سرخ ہوچکا تھا

"ت تم ن نے س سب ٹ ٹھیک ک کہا تھا اللہ ن نے م میری ر رسی د دراز کی تھی اور میں گناگناہ کرت کرتی چلی گ گئی"
وہ مزید بولیں تھیں

"مما ان باتوں کو مت سوچے آپ بس صرف اتنا بھروسہ رکھے کہ اللہ رحمان ورحیم ہے جب آپ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی طلب کریں گی تو وہ پروردگار آپ کو ضرور معاف فرما دے گا"
دعا نے انکا منہ جو سارا گندہ ہوگیا تھا اسے صاف کرتے ہوئے کہا

"آپ یہ یخنی پہ لیں پھر میں آپ کے کپڑے تبدیل کر دیتی ہوں اس کے بعد مجھے یتیم خانے جانا ہے بچوں سے ملنے ان کے لیے میں نے کچھ تحائف لیے ہیں آپ کی طرف سے بھی انکو دوں گی تو وہ بہت خوش ہو جائیں گے"

دعا نے مسکرا کر دونوں ہاتھوں سے انکے آنسو سمیٹتے ہوئے کہا تھا اور پھر انہیں یخنی پلانے کے بعد وہ بیڈ سے اٹھ گئی تھی جب وہ باہر کی طرف جانے لگی تو پیچھے سے پھر انیلہ بیگم نے کراہ کر اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"جی مما آپ کو کچھ چاہیئے کیا؟"

دعا نے واپس آکر ان سے پوچھا تھا جو صرف روئے جا رہی تھی

"مم میری طبیعت خ خراب ہے مجھے ڈاکٹر....."

اتنا کہنے کے بعد وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی جیسے میلوں دور سے پیدل چل کر آئی ہو

"کیا ہوا آپ کو مما آپ فکر مت کریں ڈاکٹر نے پچھلے دنوں بھی کہا تھا کہ آپ کے سر میں درد زیادہ سوچنے کی وجہ سے ہوتا ہے. بس یہی وجہ ہے لیکن کوئی بات نہیں میں ذراج کو فون کر کے کہتی ہوں کہ وہ آج جلدی آجائے پھر ہم یا تو ڈاکٹر کو گھر بلوالیں گے اور یا آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے ٹھیک ہے آپ بلکل بھی پریشان نا ہو"

دعا نے ان کے ہاتھ جو چومتے ہوئے کہا تھا جنہوں نے آنکھوں کے اشارے سے "ہاں" میں جواب دیا تھا

جس کے بعد دعا نے الماری سے انکے لیے کپڑے نکالے تھے اور باتھ روم سے تولیہ گیلا کر کے لائی تھی گیلے تولیہ سے انکے ہاتھ منہ صاف کرنے کے بعد اس نے انیکہ بیگم کو صاف کپڑے پہنائے تھے اور پھر تکیوں کے ڈھیر کے سہارے ان کو بٹھاتے ہوئے خود ان کے پیچھے بیٹھ کر انکے بالوں میں کنگھی کرنے لگی پہلی دفعہ کنگھی پھیرنے پر ہی دعا لرز کر رہ گئی جب انیلہ بیگم کے ڈھیر و ڈھیر بال دعا کے ہاتھوں میں آئے تھے وہ جیسے جیسے کنگھی پھیر رہی تھی انیلہ بیگم کے بال اسی تیزی سے اب نیچے بیڈ پر گر رہے تھے دعا کو بے حد ڈر لگا تھا مزید بال سنوارے بغیر اس نے ان کے الجھے بالوں کی ڈھیلی سی چٹیاں بنائی تھی اور پھر نیچے ربڑ بینڈ باندھ دیا تھا دعا کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھی اس کے دل میں اس وقت جو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا وہ دعائیں کر رہی تھی کہ وہ سچ نا ہو جو وہ سوچ رہی ہے۔

اے۔ سی کی خنکی کے باعث ان پر کمبل ٹھیک کرنے کے بعد وہ نیچے آ گئی تھی اور منیحہ کو دیکھا تھا جو لاؤنج کے بیچ و بیچ اپنے کھلونوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھی چپ چاپ ان سے کھیل رہی تھی اسے بھی اٹھا کر صاف کرنے اور کپڑے پہنانے کے بعد وہ انیلہ بیگم کی کئیر ٹیکر کو چند ہدایات دیتی گاڑی کی

چابیاں اٹھائے باہر آگئی تھی فرنٹ سیٹ پہ منیحہ کو بٹھائے خود اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور پھر اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچنے کے لیے گاڑی وہاں سے بھگاتی چلی گئی۔

"کنول کنول کہاں ہو؟"

آفس سے گھر آتے ہی اسفند چیخ چیخ کر کنول کو پکار رہا تھا جو کمرے موجود اپنی الماری میں پریس کیے ہوئے کپڑے رکھ رہی تھی کپڑے وہی چھوڑ کر وہ نیچے آئی تھی ارمان اور امید بھی بھاگتے ہوئے آئے تھے اور اب اپنے باپ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ اتنے خوش کیوں ہے

"کیا ہوا آپ کو سب خیریت تو ہے نا؟"

کنول نے حیران کن لہجے میں پوچھا تھا

"ہاں سب خیریت ہے بلکہ ہم سب کے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری ہے"

اسفند نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر گول گول گھومتے ہوئے کہا تھا

"اب بتائیے بھی ہوا کیا ہے؟"

اس نے ہنستے ہوئے پوچھا تھا

"یاد ہے ناجب عابد شیخ میرا پیسہ لے کر بھاگا تھا تو مجھے بزنس میں بہت زیادہ نقصان ہوا تھا ہم تو سڑک پر آجاتے اگر ذراج میرے ساتھ پارٹنر شپ نا کرتا میں نے اور ذراج نے پارٹنر شپ کے ذریعے جو چھوٹی سی لیدر کی فیکٹری تعمیر کی تھی وہ بہت کم وقت میں کامیابی کی منزلوں کو چھونے لگی میں نے اور ذراج نے دن رات اس پر کام کیا اب جا کر ہمیں اپنی فیکٹری سے کروڑوں کا پروفٹ کا ہوا ہے میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ"

خوشی تو اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی

"اسی ہفتے میں نے اور ذراج نے اتنی بڑی کامیابی کی خوشی میں ایک چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام کیا ہے یہی ہمارے گھر میں اسکی ساری تیاریاں تم خود اپنی نگرانی میں کروانا سب کچھ بیسٹ ہونا چاہیئے میرے عزیز واقارب سب آئینگے سب کے سب"

چمکتے چہرے کے ساتھ اس نے کنول سے کہا تھا

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے سب کچھ ہو جائے گا بہت بہت مبارک ہو آپ کو مگر یہ پارٹی وارٹی تو آپ کے عزیز واقارب کے لیے ہے ہمیں بھی تو اس خوشی میں گفٹ دینا چاہیئے کیوں جی"

مسکرا کر بولتے ہوئے کنول نے امید اور ارمان کو دیکھا تھا جو زور و شور سے اثبات میں گردن ہلا رہے تھے

"اچھا ٹھیک ہے جو چاہو گے وہی دوں گا بتاؤ کیا چاہیے" اسفند نے پوچھا تھا

"آپ کا آج کا سارا دن ہمارا ہو گا آج ہم شاپنگ کرنے جائیں گے, باہر ڈنر بھی کریں گے خوب گھومے گے"

ارمان نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا

"ہاں یہ بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے"

کنول نے بھی اس کی تائید کی تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اور میں ڈول (گڑیا) بھی لوں گی وہ بھی بڑی والی"

امید نے بھی حصہ ڈالا تھا

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جو چاہیئے سب لے کر دوں گا مگر پلیز کنول پارٹی کا انتظام ایک دم اچھا ہونا چاہیئے"

اسفند نے کہا تھا

"اوکے ڈن اب جلدی سے چلو سب تیار ہو کر آؤ"

اسفند کے کہنے کی دیر تھی کہ امید اور ارمان خوشی سے اچھلتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔

- -

دعا کی گاڑی اس بلند و بالا محل نما گھر کے سامنے رکی تھی اپنی طرف کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے دعا نے افسوس افسوس سے اس بلڈنگ کو دیکھا تھا جس کے باہر لگے اس بلیک کلر کے بورڈ پر چار سال پہلے تک سفید رنگ کے الفاظ میں "خان ہاؤس "لکھا ہوتا تھا مگر اب اسی سفید بورڈ پر بلیک کلر کے الفاظ میں "یوسف خان یتیم خانہ "لکھا ہوا تھا اس بڑے گیٹ کے ایک طرف زمین سے کافی اوپر ایک چھوٹا سا جھولا لٹکایا گیا تھا جس پر لکھا گیا تھا "قتل نا کریں خدارا جھولیں میں ڈالیں جان تو اللہ کی امانت ہے"

ایک گناہ کر کے دوسرا گناہ کرتے ہو

اے ظالم انسان اس پروردگار سے کیوں نہیں ڈرتے ہو"

ان الفاظ کو یک ٹک دیکھتے ہوئے اسکا ذہن تین سال پیچھے چلا گیا تھا شادی کے بعد جب ایک دن وہ یوسف کا پوچھنے اور شازیہ بیگم سے ملنے ان کے گھر آئی تھی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دعا حیران رہ گئی تھی جہاں ایک مرد کسی کے کندھے پر سر رکھے زاروقطار رو رہا تھا گھر کے اندر ایک قطار میں سرخ رنگ کی کرسیاں لگائی گئی تھی جس پر کافی مرد بیٹھے اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو "میرا بیٹا چلا گیا, چلا گیا وہ ہمیں چھوڑ کر" یہی جملے دہراتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا

ان پر سے نظریں ہٹا کر دعا گھر کے اندر گئی تھی جہاں زمین پر سفید چادریں بچھا کر ان پر بیٹھی عورتیں سپارے پڑھ رہی تھی انہی عورتوں میں بیٹھی شازیہ بیگم نے جیسے ہی دعا کو دیکھا تھا تو زمین سے اٹھتی اس کے پاس آئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی یہ سب کیا ہے خیریت تو ہے نا سب"
دعا نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تھا

"میرا یوسف چلا گیا اس دنیا سے دعا, آزاد ہو گیا وہ دو سال مسلسل تڑپتے رہنے کے بعد پرسوں رات وہ خاموشی سے چلا گیا اس دنیا سے"
وہ اس وقت رو تو نہیں رہی تھی مگر انکے درد کا اندازہ انکی آواز اور باتوں سے لگایا جا سکتا تھا یوسف بھی اس دنیا سے جا چکا تھا غرور کرتے کرتے وہ خود کو خاک میں ملا چکا تھا

"آنٹی آپ کا بیٹا آپ کو اللہ نے ہی عطا کیا تھا اور اسی پروردگا نے واپس لے لیا آپ پلیز صبر سے کام لیں"

دعا نے ان کی کمر سہلاتے ہوئے تسلی دینے والی انداز میں کہا تھا

"آہ بیٹا ایک صبر ہی تو نہیں آرہا مجھے"

یہ کہتے ہی وہ دعا کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی اتنا روئی کے باقی سب کو بھی اپنے ساتھ رلا دیا تھا وہ سارا دن ان کے ساتھ ان کے گھر میں گزارنے کے بعد اگلے دن پھر سے آنے کا وعدہ کرتی رات کو واپس آگئی تھی مگر انیلہ بیگم کی طبعیت کی خرابی کے باعث وہ اگلے دن نہیں جا پائی تھی تقریبا پندرہ دن بعد جب وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی تو اس نے شازیہ بیگم کو دیکھا تھا جن کی آنکھوں کے گرد گھرے سیاہ حلقے تھے اپنے گرد سفید چادر لپیٹے وہ خالی خالی نظروں سے اپنے گھر کو الوداعی نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ سارے نوکر بڑے بڑے سامانوں سے بھرے بیگ باہر گاڑیوں میں رکھ رہے تھے دعا کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہاں ہو کیا رہا ہے

"السلام علیکم آنٹی"

اس نے شازیہ بیگم کو آواز دی تھی جن کی دعا کی طرف پشت تھی

"ارے دعا بیٹی تم آؤ نا"

انہوں نے خوش اسلوبی سے دعا کو اندر بلایا تھا اور اسے صوفے پر بیٹھنے کا کہتی خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئی تھی

"آنٹی یہ سب کیا ہے آپ کہیں جا رہی ہیں کیا؟"

دعا نے الجھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"ہاں بیٹا جا رہی ہوں یہاں سے اس شہر سے, اس ملک سے دور کسی ایسی جگہ جہاں میرے یوسف کی یادیں نا ہو ورنہ اس گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر رو رو کر میں مر جاؤں گی اس گھر کی ایک ایک شے مجھے یوسف کی یاد دلاتی ہے میرے لیے نا ممکن ہے اپنے بیٹے بغیر اس گھر میں رہنا, بلکل نا ممکن ہے"

بولتے بولتے ان کی آواز گھٹ گئی تھی

"تو آنٹی انکل کے بزنس اور اس گھر ان سب کا کیا ہو گا؟"

دعا نے انکا دھیان بٹانے کو پوچھا تھا

"بیٹا بزنس کا کیا ہے وہ اپنا بزنس بھی شفٹ کر چکے ہیں ہم آج ہی جا رہے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سعودی عرب"

انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پہ لیے کہا تھا

"اور جہاں تک رہی گھر کی بات تو گھر کو میں یتیم خانہ بنانے والی ہوں یہاں ایسے بچوں کی پرورش کی جائے گی جن کے ماں باپ نا ہو وہ یتیم ہو یا جن کو ایسے ہی پھینکا گیا ہو جیسے اُس بچے کو پھینکا گیا تھا جس کی رگوں میں میرے بیٹے کا خون دوڑتا تھا"

انیلہ بیگم کی اس بات پر دعا بے حد خوش ہوئی تھی

"آنٹی آپ نے بہت اچھا فیصلہ لیا ہے اس طرح اس کا ثواب ان شاء اللہ یوسف کو بھی ملے گا"

دعا نے پرجوش لہجے میں کہا

"ہاں بیٹا مگر ایک پریشانی ہے اور وہ یہ کہ مجھے اس یتیم خانے کے لیے قابل اعتبار لوگ چاہیئے جو یہاں ان معصوم بچوں کی دیکھ بھال کریں ان پر رحم کرے ان سے محبت کریں"

شازیہ بیگم نے کہا تھا

"تو پھر آنٹی سمجھیں آپ کا مسئلہ حل ہوگیا میری ساس ویسے بھی اپنے لیے کوئی ایکٹیویٹی ڈھونڈ رہی تھی انکا کہنا ہے کہ وہ سارا دن گھر میں بور ہوجاتی ہے اس لیے میں ان سے کہتی ہوں کہ وہ مزید قابل

اعتبار لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر کے آپ کے اس یتیم خانے پر اپنا وقت لگائے اور میں بھی چکر لگا لیا کروں گی"

دعا نے بخوشی جواب دیا تھا جس پر شازیہ بیگم بے حد خوش ہوئی تھی اسی دن جانے سے پہلے انہوں نے سمرین بیگم سے ملاقات کر کے ساری ذمہ داری انکو سونپی تھی اور پھر اس گھر کو اور پاکستان کو چھوڑتی وہاں سے چلی گئی تھی آج بھی دعا کبھی کبھار ان سے فون پہ بات کرتی اور ان کو یتیم خانے کے حوالے سے بھی بتا کر مطمئن کرتی۔

گاڑی سے نکل کر کر وہ دوسری جانب آئی تھی اور منیحہ کو بھی فرنٹ سیٹ سے اتارا تھا۔

"کاشف انکل کسی سے کہہ کر یہ سامان تو اندر بھجوا دیں"

گیٹ کے قریب کرسی پر بیٹھے چوکیدار سے سے کہتے ہوئے وہ اندر چلی گئی تھی جب دو لڑکے جو وہی کام کرتے تھے سامان اٹھائے اسکے پیچھے پیچھے اندر آئے تھے۔

دعا جیسے ہی اندر داخل ہوئی تھی لان پر نظر پڑتے ہی اس کے دل میں سکون اور اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی جہاں رکھے گئے جھولوں پر کچھ بچے ہنستے مسکراتے کھیل رہے تھے تو کچھ اپنے اپنے کھلونے لیے نرم نرم گھاس پر بیٹھے ان کے ساتھ کھیل رہے تھے ابھی ان کی دعا پر نظر نہیں پڑی تھی منیحہ اپنا ہاتھ جو دعا نے تھام رکھا تھا چھڑاتی ان بچوں کے پاس بھاگی تھی جن کے بارے میں دعا نے اسے یہ

بتایا تھا کہ یہ آپ کے چھوٹے, بڑے بہن بھائی ہیں جیسے ہی بچوں کی نظر دعا پر پڑی تھی وہ سب کھلونے اور جھولے چھوڑتے بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے تھے اور ایک کے بعد ایک سب اسکے پیروں سے لپٹ گئے تھے

دعا زمین پر پنجوں کے بل ان سب کے سامنے بیٹھ گئی تھی جو "دعا آنٹی, دعا آنٹی" کے نعرے لگا رہے تھے

"بچوں جلدی سے سب یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ میں اور منیحہ ہم دونوں آپ سب کے لیے گفٹس لے کر آئیں ہیں"

دعا نے خود بھی گھاس پر چوکڑی مار کر بیٹھتے ہوئے کہا جس پر وہ ننھے معصوم بچے خوشی سے نہال ہو گئے تھے اور گھاس پر بیٹھ گئے تھے دعا منیحہ کو ایک ایک تحفہ دیتی اور وہ ان بچوں میں وہ تحفے تقسیم کرتی جاتی۔

"ما میں بھی کھیل لوں آپی کے ساتھ؟"

سب میں تحائف بانٹنے کے بعد منیحہ جو ہر کام کرنے سے پہلے دعا سے اجازت لیتی تھی ابھی بھی اس نے ایک بچی کا ایک ہاتھ تھامے پوچھا تھا اسی بچی کا دوسرا ہاتھ شولڈر تک نہیں تھا۔

"جی میری جان جاؤ کھیل لو آپیوں کے ساتھ"

دعا نے مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی تھی اور پھر وہ سب بھاگتے ہوئے واپس اپنے کھیلوں میں مشغول ہو گئے تھے۔

دعا ان سب بچوں کو افسوس و تاسف کے ساتھ دیکھ رہی تھی جن میں زیادہ تر بچوں کے جسم کا کوئی نا کوئی عضو نہیں تھا کسی کا ہاتھ نہیں تھا تو کسی کا کان، کسی کے ہونٹ نہیں تھے تو کسی کا ناک اور چند ایک ایسے تھے جو بیساکھی کے سہارے چل رہے تھے کیونکہ ان کی ایک یا دونوں کے دونوں ٹانگیں نہیں تھی یہ وہ بچے تھے جن کو کہیں نا کہیں کچرے کے ڈھیروں سے اٹھایا گیا تھا جو بچے بلکل ٹھیک تھے تو وہ، وہ بچے تھے جن کو رات کے وقت کوئی باہر لگے جھولے میں چھوڑ کر چلا جاتا دعا کا ان سب بچوں سے بھی ایک انوکھا سا رشتہ بن چکا تھا وہ منیحہ کو لیے ہر دو دن بعد وہاں آتی ان بچوں کے لیے کبھی کھلونے لے کر آتی تو کبھی کھانے کی اشیاء اس کے بعد وہ اور منیحہ دونوں ان بچوں کے ساتھ دیر تک کھیلتے رہتے ایسے ہی اسے وہاں کھڑے کھڑے پتا نہیں کتنی دیر ہو چکی تھی جب اسے ایک نرس کی آواز سنائی دی تھی جو اسے ہی بلا رہی تھی

"دعا میڈم "

پکار پر اسنے اس نرس کو دیکھا تھا جو گود میں ایک بچہ اٹھائے اس کے قریب کھڑی تھی

"جی"

اسنے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا

"یہ دیکھے صبح ہمیں یہاں دع گلیاں چھوڑ کر جو کچرے کا ڈھیر ہے اس سے یہ بچہ ملا ہے اس کا ایک کان بلی کھا چکی تھی جب کسی نے اس کے رونے کی آواز سنی تو اُس انسان نے اس بچے کو بلی سے چھڑایا اور یہاں دے گیا"

ایک پیارا سا گول مٹول بچہ دعا کی گود میں دیتے ہوئے اس نرس نے کہا تھا

"اللہ ہی حساب لے گا ان لوگوں سے ملائکہ ان شاء اللہ مجھے طیش آتا ہے ایسے بے ہودہ لوگوں پہ جو گناہ کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ اگر اس کا نتیجہ ایک بچے کی صورت میں نکلا تو پھر ہم کیا کریں گے مگر جب ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں تو پھر اسے جانوروں کے آگے ڈال دیتے ہیں مجھے یقین ہے ایسا کرنے والے لوگ اور ان لوگوں کا ساتھ دینے والوں کا الگ سے اس دنیا میں بھی حساب ہوگا اور آخرت میں بھی"

دعا نے اس بچے کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تھا جب دور کھڑی منیحہ بھی بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

"واؤ مما ایک اور بھائی"

خوشی سے دونوں ہاتھ اپنے گالوں پر رکھتے ہوئے وہ تقریبا چیخی تھی جس پر دعا نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور اس کے ساتھ نیچے گھاس پر بیٹھ گئی تھی وہ نرس تو بچے کو دعا کے ساتھ دیکھ کر اندر جا چکی تھی جبکہ منیحہ اب وہی کھڑی اپنے نئے چھوٹے سے بھائی کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

شام میں جب ذراج اور سمرین بیگم گھر آئے تھے تو دعا نے ان کو انیلہ بیگم کی طبعیت کی خرابی اور سر درد کے بارے میں بتایا تھا جس پر ذراج باہر جانے کا ارادہ ترک کرتا ڈاکٹر کو بلوالایا تھا مغرب کی آذانیں دور دور ہو رہی تھی جب ڈاکٹر انیلہ بیگم کی چیک اپ کے لیے آیا تھا۔

"جی محترمہ تو کیا تکلیف ہے آپ کو؟"

شبیر اقبال کا بہت قریبی دوست تھا جن کو اس وقت انہوں نے بلوایا تھا انیلہ بیگم کے بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس ڈاکٹر نے ہلکے پھلکے سے لہجے میں پوچھا تھا

"م میں ٹ ٹ ٹھیک ن نہیں ہ ہوں"

انہوں نے فالج ذدہ منہ سے بمشکل ان کے سوال کا جواب دیا تھا

"کیوں کیا ہوا ہے آپ کو کیا جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہے؟"

ڈاکٹر نے ایک بار پھر پوچھا تھا

"م میرا اس سر دودرد سے پپ پھٹا جا رہاہ ہے ب بہت دردہ ہوتا ہے بہ بہت زیادہ ب برداشت سے باہر"

کانپتے لہجے میں اٹک اٹک کر بولتے ہوئے انہوں نے روتے ہوئے یہ جملے ادا کیے تھے چند اور سوالات کے جوابات دینے پر ڈاکٹر کسی گہری سوچ میں مبتلا ہو گیا تھا

"کیا ہوا ڈاکٹر سب ٹھیک ہے نا"

دعا نے تشویش سے پوچھا تھا

"مجھے ان پر کسی خطرناک بیماری کا شک ہے, زیادہ ٹینشن والی بات نہیں ہے مجھے صرف شک ہے اس لیے مجھے ان کے کچھ ضروری ٹیسٹ کرنے ہونگے"

ڈاکٹر کہ کہنے پر دعا اداس ہو گئی تھی

"جی ڈاکٹر کیوں نہیں آپ کو مکمل اجازت ہے"

دعا تو خاموشی سے کھڑی رہی تھی جب ذراج نے ڈاکٹر کو جواب دیا تھا

"ٹھیک ہے کل ان کو میرے ہسپتال لے آئیں گا ہمیں ان کا (ایم ۔ آر۔ آئی) کرنا ہو گا"

ان کی بات پر دعا کا دل کانپا تھا ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی انیلہ بیگم کتنی ہی دیر تک روتی بلکتی آسمان کی جانب دیکھ کر معافیاں مانگتی رہی تھی دعا ان کو آرام کی دوائیاں دے کر ان کو سلانے کے بعد اپنے کمرے میں آگئی تھی جہاں ذراج آئینے کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا مگر اب دعا کے پریشان سے چہرے کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ تھم گئے تھے ہئیر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتا وہ دعا کے پاس آیا تھا جو بے جان ہوتی ٹانگوں کو بمشکل گھسیٹتی خود کو صوفے تک لائی تھی اور پھر وہی صوفے پر ڈھے گئی تھی۔

"دعا کیا ہوا ہے تمہیں یار، رو کیوں رہی ہو؟"

ذراج نے بے طرح پریشان ہوتے ہوئے اس سے کہا تھا جو چہرہ کو دونوں ہاتھوں میں چھپائے سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی

"ہٹاؤ یہ ہاتھ ادھر میری طرف دیکھو اور بتاؤ ہوا کیا ہے کیوں رو رہی ہو"

ذراج نے اسکے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا تھا

"ذراج مجھے کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مما کی کنڈیشن کو دیکھتے ہوئے وہ اب ہر وقت سوتی رہتی ہے کھانے پینے کے لیے جب میں جگاؤ تو سر درد کی شکایت کرتی ہے ایسا تقریبا ایک مہینے سے ہو رہا ہے اور اب آج جب میں ان کے بال بنا رہی تھی تو ان کے بال بہت

زیادہ گر رہے تھے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی ان کا پورا سر ہی بالوں سے صاف ہو جائے گا یہ سب میں نے ڈاکٹر کو بھی بتایا مجھے لگتا ہے جیسے خدانخواستہ مما کو کوئی بڑی بیماری تو نہیں ہے میں سب کو کھو چکی ہوں ذراج بابا کو، ساجدہ اماں کو، نور کو اب مما کو نہیں کھونا چاہتی میں "

دعا نے زاروقطار روتے ہوئے اس سے سب کچھ کہا تھا۔

"دعا ایسا کچھ نہیں تم فضول باتوں کو سوچنا چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ سب ٹھیک ہو اور اب یہ رونا دھونا بند کرو اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہوتا کل ان کے ٹیسٹ اور ایکسرے وغیرہ ہو نگے اس لیے ابھی سے آنٹی کے لیے صرف دعائیں مانگو۔ "

ذراج نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا

"اٹھو جا کر منہ ہاتھ دھو لو ابھی منیحہ نے دیکھا تو اداس ہو جائے گی چلو"

اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کرتے ہوئے ذراج نے کہا تھا جس پر عمل کرتے ہوئے وہ منہ ہاتھ دھونے چلی گئی۔

رات میں انیلہ بیگم کو کھانا کھلانے کے بعد اب کمرے سے نکل رہی تھی جب انہوں نے اسے روکا تھا

"م مت ج جاؤ مجھے ڈ ڈر لگ رہاہ ہے"

نم آنکھوں سے انہوں نے کہا تھا

"کس سے ڈر لگ رہا ہے مما آپ کو؟"

دعا نے حیرت سے کہا تھا

"اللہ س سے ، م مجھے اللہ س سے بہہ بہت ڈرل لگ رہا ہے م میں جو کچھ ک کر چکی ہ ہوں وہ سب آج میرے س سامنے مک مکافات عمل ک کی صورت ممم میں موجود ہے م میرا اا اس دن دنیا میں ی یہ حال ہ ہے تو تت تب کیا ہوگا ج جب میں اللہ کے س سامنے پیش کی ج جاؤں گی کیونکہ وہ ررب رحمان ور رحیم ہے مگر ظ ظالموں کو درد دینے والا عذاب بھی وہی د دیتا ہے"

روتے ہوئے ان کی دونوں آنکھوں سے ایک تواتر کے ساتھ آنسو بہہ رہے تھے دعا کا دل ان کی غمگین باتوں پر کٹ کر رہ گیا تھا وہ واپس آکر ان کے پاس بیڈ پہ بیٹھی تھی اور ان کے دائیں ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا

"میں کہیں نہیں جا رہی مما میں یہی ہوں آپ پریشان نا ہو یہ تو دنیا کے لوگ ہیں جو معاف نہیں کرتے وہ رب العزت تو بہت بڑا بادشاہ ہے وہ تو اپنے بندوں کی توبہ کا انتظار کرتا ہے کہ کب میرا بندہ پلٹ کر میرے پاس آئے گا اور توبہ کرے گا توبہ کے دروازے تو ہر وقت کھلیں رہتے ہیں مما بس آپ دل و جان سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں وہ رب معاف کرنے والا عظیم بادشاہ ہے"

دعا نے ان سے کہا تھا

"م میں بہت معا معافی ما ما نگتی ہوں ت تم بھی م میرے ح حق میں دعا ما نگنا"

اس وقت ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی عورت ہے. جس کی چال ڈھال سے ہی غرور جھلکتا تھا مگر آج وہ غرور تکبر کچھ نہیں تھا آج وہاں پہ صرف شرمندگی تھی, صرف پشیمانی تھی کچھ دیر بعد ان پر دعا کی دی گئی دواؤں کا اثر ہونے لگا تھا اور وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی منیحہ ذراج سے لپٹی اپنے اپنے کمرے میں سو چکی تھی جبکہ دعا ساری رات وہی انیلہ بیگم کے پاس ان کے کمرے میں رہی تھی۔

....

علی آپ کی چائے پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد علی جاوید اس وقت لاؤنج میں بیٹھا ٹی۔وی دیکھ رہا تھا جب نور اس کے لیے چائے لے کر آئی تھی

"تھینکیو"

اس نے سنجیدگی سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا

"آج سارا دن آپ کا موڈ کیوں آف تھا آفس میں بھی آپ کافی غصے میں تھے"

نور نے اس کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھتے ہوئے نرمی کے ساتھ ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا

"نہیں کچھ ٹھیک نہیں ہے مام کی طبعیت بہت خراب ہے میں ان کو دیکھنے کے لیے جانا چاہتا تھا مگر وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی"

علی جاوید نے جواب دیا تھا

"مگر کیوں ؟"

نور نے حیران کن لہجے میں پوچھا تھا

"تمہیں پتا تو ہے ہماری شادی میں میرے مام ڈیڈ راضی نہیں تھے ان کی مرضی کے خلاف جا کر میں نے تم سے شادی کی ہے ورنہ میرا رشتہ تو اسی وقت میری چچا زاد کے ساتھ طے ہو چکا تھا جب میں یونیورسٹی میں تھا مگر یہاں پاکستان آنے کے بعد میں نے اس سے رشتہ ختم کر لیا اور تم سے شادی کر لی جس پر میرے ماں باپ میری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتے"

علی جاوید نے چائے کے کپ سے گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا تھا

"آپ فکر مت کریں ایک کام کریں مجھے اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں میں خود آپ کے مام ڈیڈ سے بات کروں گی تو ہو سکتا ہے ان کی نراضگی دور ہو جائے"

نور نے اسکی شرٹ کا کالر درست کرتے ہوئے جواب دیا تھا

"نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے میری مام بہت ضدی ہے وہ ہر گز نہیں مانیں گی وہ چاہتی ہے کہ میں تمہیں طلاق دے کر اپنی اسی کزن سے شادی کر لوں"

علی جاوید کی اس بات پر نور کو اسکی ماں سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی

"تو پھر آپ نے کیا کہا؟"

نور نے بے قراری سے پوچھا تھا

"کیا کہنا تھا میں نے کوئی جواب نہیں دیا بس فون کاٹ دیا میں نے"

اس نے ماتھے کو ایک ہاتھ سے ہلکا سے دباتے ہوئے جواب دیا تھا

"میں نے تو یہ سوچا تھا کہ جب ہماری اولاد ہوگی تو وہ لوگ اپنے بیٹے کی اولاد کو دیکھتے ہوئے سب کچھ بھول بھال کر راضی ہو جائیں گے مگر یہاں تو ڈاکٹرز کو ہماری اولاد ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی"

علی جاوید نے تلخی سے کہا تھا جس پر نور کا دل زخمی ہو گیا تھا ایک وہ وقت تھا جب وہ اپنی اولاد اپنے خون کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے جان سے مارنے کے لیے ڈاکٹرز کے پاس جا رہی تھی اور اب ایک یہ وقت تھا جب وہ اولاد کے حصول کے لیے ہر دن کسی نا کسی ڈاکٹر کے پاس جاتی مگر ہر کوئی یہی کہتا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی اب تو علی جاوید بھی اکتا گیا تھا ان سب سے۔

نورسوچوں میں گم چپ چاپ بیٹھی تھی علی جاوید کی بے اولادی والی بات نے اسکے سینے پر خنجر چلائے تھے کیونکہ وہ خود بھی اب چاہتی تھی کہ ان کی بھی اب اولاد ہو علی جاوید نے ریموٹ ایک طرف رکھتے ہوئے موبائل اٹھایا تھا۔

روز رات سونے سے پہلے وہ اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس وغیرہ چیک کرتا اور اپنے دوستوں سے تھوڑی دیر گپ شپ کرلیتا ابھی بھی اس نے فیس بک اوپن کیا تھا سب سے پہلے ہی سکرین پر اسے اسفندیار اور ذراج کی تصویر نظر آئی تھی جو آفس میں بیٹھے مسکرا رہے تھے اسی کے ساتھ اسفند نے اپنی نئی کامیابی کے بارے میں سٹیٹس لگا کر اپنے دوستوں کو بھی آگاہ کیا تھا اور میسج کے آخر میں ذراج کے لیے محبت بھرے الفاظ لکھ کر دوستی کا اظہار کیا تھا۔

"ارے واہ ماشااللہ اسفند نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کرلی ہے میں آج یہی سوچ رہا تھا کہ اس سال کون سی کمپنی لسٹ میں نمبر ون پر رہی ہے اور دیکھو آج ہی پتا چل گیا"
علی جاوید نے پاس بیٹھی نور سے کہا تھا جس کی باقی بات تو سر کے اوپر سے گزر گئی مگر اسفندیار کے نام پر اس کا خوف سے دل دھڑکا تھا

"نہیں, نہیں نور کیا کیا سوچے جا رہی ہو تم یہ وہ اسفند نہیں ہو سکتا اس دنیا میں اسفند نام کا کوئی ایک لڑکا تھوڑی ہے اس نام کے اور بھی بہت سے لوگ ہونگے"

نور نے دھڑکتے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا جبکہ علی جاوید نے کانوں میں ہینڈ فری لگاتے ہوئے اسفند کو ویڈیو کال کی تھی

"ہیلو چیمپئن مبارک ہو بہت بہت تم تو کافی آگے نکل گئے ہو یار"

دوسری طرف اسفندیار کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظر آتے ہی علی جاوید نے اسے مبارکباد دیتے ہوئے دھیرے سے ہنس کر کہا تھا

"خیر مبارک یار بہت بہت شکریہ لیکن ان سب میں مبارکباد اور تعریف کا زیادہ حق دار ذراج ہے جس نے مجھے نیا بزنس سیٹ کرنے میں اتنی مدد دی مجھ سے پارٹنرشپ کی تم تو ہر چیز سے واقف ہونا"

دوسری جانب سے اسفند نے مسکراتے ہوئے کہا تھا

"نہیں چیمپئن محنت تو تم دونوں کی ہے جو اب رنگ بھی لے آئی ہے تو اب یہ بتاؤ سیلیبریشن کب کرنے والے ہو ہمیں تو ایک زبردست پارٹی چاہیئے اسی بہانے لاہور آ کر بڑے عرصے بعد تم سے ملاقات بھی ہو جائے گی"

علی جاوید نے ان کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے کہا تھا

"بس چند دن بعد پارٹی ہے میرے گھر تم بھی آنا اور تم شادی شدہ ہونا ؟

آخر میں اسفند نے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا

"جی بلکل میرے بھائی میری شادی کو تو تین سال بھی ہونے والے ہیں اور تم اب پوچھ رہے ہو مجھ سے کہ میں شادی شدہ ہوں"

علی جاوید نے خفگی سے کہا تھا

اچھا یہ تو پھر اور بھی اچھی بات ہے تم بھابی کو بھی ساتھ ضرور لیکر آنا"

اسفند نے اس سے کہا تھا

"کیوں نہیں ضرور آئیں گے ہم بلکہ ایک منٹ میں تمہیں اپنی وائف سے ملواتا ہوں"

علی جاوید نے کہتے ہوئے موبائل سے ہینڈ فری نکال دی تھی اور پھر نور کو کیمرے کے سامنے آنے کا کہا تھا جو زبردستی لبوں پہ مسکراہٹ لاتی موبائل کی سکرین کے سامنے آئی تھی مگر دوسری جانب موجود اسفند پر نظر پڑتے ہی اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی اور چہرہ بلکل پیلا پڑ گیا تھا وہ کیسے بھول گئی تھی کہ بزنس کی دنیا سے تعلق رکھنے والے سب ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے ہیں اس نے پہلے یہ پتا کیوں نہیں لگایا کہ کہیں علی جاوید کا اسفند یا ذراج سے کوئی تعلق تو نہیں مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی

نور کا دل اب اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا دوسری طرف موجود اسفند تو سامنے نظر آتے چہرے کو دیکھتے ہی پہلے پہل حیرت سے دنگ رہ گیا تھا۔

"یہ میری وائف ہے نور"

"ہے نا بلکل پریوں جیسی"

علی جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اس کی بات پر نور تو مسکرا بھی نہیں سکی تھی مگر معنی خیز نظروں سے نور کو دیکھتے ہوئے اسفند جی جان سے مسکرایا تھا

"ہاں بلکل صحیح کہا تم نے علی اب تو تمہیں ضرور اپنی پری کو میرے گھر لانا ہوگا پارٹی پہ ورنہ میں تمہیں بھی گھر میں گھسنے نہیں دوں گا"

اسفند نے مزاحیہ انداز میں کہا تھا اس کی بات پر علی بھی دھیرے سے ہنسا تھا

"جی ،جی میرے بھائی ضرور لے کر آؤں گا تمہاری بھابی کو ضرور"

علی جاوید نے کہا تھا نور تو گہرے گہرے سانس لیتی موبائل کے سامنے سے ہٹتی کچن میں آگئی تھی جبکہ علی جاوید اور اسفند کتنی ہی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

"یہ اسفند کون تھا اور اس کی آپ سے ملاقات کیسے ہوئی"

جیسے ہی علی جاوید نے موبائل بند کیا تھا اسی وقت کچن میں اس کے موبائل بند کرنے کا ہی انتظار کرتی نور دوبارہ وہی لاؤنج میں آئی تھی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا

"یہ میرا بہت اچھا دوست ہے ہماری دوستی کو بہت کم عرصہ ہوا ہے مگر کم وقت میں ہی مجھے اسفند اور ذراج دونوں سے ایک عجب سی انسیت محسوس ہونے لگی دونوں مجھے بلکل میرے سگے بھائیوں کی طرح لگتے ہیں ہماری ملاقات ایک پارٹی میں ہوئی تھی بزنس کی دنیا سے ہی تعلق رکھنے والا انسان جس کا نام زبیر ہے تم جانتی بھی ہوگی اسے اسکے برتھ ڈے پارٹی پر ہم پہلی دفعہ ملے تھے ذراج کے حس مزاح اور بلکل فرینک ہو کر بات کرنے کی نیچر نے مجھے بہت متاثر کیا اسی محفل میں ہمارے ساتھ اسفند بھی موجود تھا ان دنوں وہ بہت پریشان تھا کیونکہ عابد شیخ نامی ایک انسان دھوکے سے اس کے سارے پیسے لیے بیرون ملک فرار ہو گیا انہی دنوں ذراج نے اسے اپنے ساتھ بزنس کرنے کے لیے کافی پیسے دئیے یہ کہ کر کہ جب تمہیں منافع ہوگا تو تم آرام مجھے میرے پیسے واپس کر دینا دونوں نے ایک چھوٹی سی کمپنی کا آغاز کیا جو آج ناقابل یقین حد تک ترقی کر چکی ہے اور اب اسی ہفتے اس نے اپنی خوشی کو سب کے ساتھ بانٹنے کے لیے اپنے گھر پر ایک بہت بڑی پارٹی کا اہتمام کیا ہے جس میں ہم دونوں بھی مدعو ہیں اور تیار رہنا ایک دن بعد ہمیں جانا ہے یہاں راولپنڈی سے لاہور انکی پارٹی میں شرکت کے لیے"

علی جاوید نے اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا تھا

"علی وہ آپ چلے جائیے گا میں نہیں جا سکتی"
نور نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا تھا

"کیا مطلب تم نہیں جا سکتی ابھی سنا نہیں تم نے اسفند نے ہم دونوں کو کتنی محبت سے بلوایا ہے اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تم نہیں جا سکتی"
علی جاوید تیز لہجے میں بولا تھا

"وہ میری کچھ طبعیت نہیں.........."
"اوہ پلیز یار یہ ٹیپیکل ڈرامے مجھے بلکل بھی نہیں پسند کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے, ہاتھ میں درد ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ اس لیے مجھے دوبارہ نا کہنا پڑے تم پرسوں وقت پر تیار رہو جانا ان کا فنکشن رات کا ہے تو ہمیں شام کو نکلنا ہو گا یہاں سے"
علی جاوید نے اپنا آخری فیصلہ سناتے ہوئے کہا تھا نور کو چار سال پہلے کہے گئے اسفند کے الفاظ یاد آئے تھے. جس نے کہا تھا کہ
"غلطی ہم دونوں نے کی ہے اس سب میں ہم دونوں برابر کے شریک ہیں مجھے تو میرے کیے کی سزا مل رہی ہے میں اپنی بیوی کی نظروں میں اپنی عزت اپنا مرتبہ کھو چکا ہوں مگر میری ایک بات کان کھول کر سن لو کہ چھوڑنے والا میں بھی نہیں ہوں تمہیں آج نہیں تو کل تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ساری زندگی یاد رکھو گی"

یہ وہی الفاظ تھے جو آج سے چار سال پہلے اسفند نے اسکی سچائی پتا چلنے پر اس سے کہے تھے اب اس سب کو سوچ سوچ کر اسکا دل پتے کی مانند لرز رہا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ علی جاوید کو جھوٹ بولنے والے اور دھوکہ دینے والے لوگوں سے کس قدر نفرت ہے اسے یہ بھی پتا تھا کہ جب علی جاوید جیسے غصے کے تیز اور انا پرست انسان کو سچائی پتا چلے گی تو وہ اسکا کیا حال کرے گا یقیناً اسے جان سے مار ڈالے گا

"نہیں نہیں میں علی کو سچائی پتا نہیں چلنے دوں گی میں جاؤں گی وہاں اور اسفند کو سمجھاؤں گی کہ وہ علی کو میرے ماضی کے بارے میں کچھ نا بتائے ابھی تو میں نے علی سے بزنس یا پراپرٹی میں کچھ بھی اپنے نام نہیں کروایا اگر ابھی اسے ساری سچائی پتا چل گئی تو یہ تو مجھے جان سے مار دے گا اور میں پارٹی میں نا گئی تو بھی اسفند یار تو اسے بتائے گا ہی بتائے گا اس لیے مجھے جانا چاہیئے میں اسے سمجھاؤں گی ضرورت پڑی تو اس سے معافی بھی مانگوں گی اور منت بھی کروں گی مگر میں ابھی کسی بھی حال میں علی کو سچائی کی بھنک بھی نہیں پڑنے دوں گی"

"اوکے میں جا رہا ہوں سونے گڈ نائٹ جب نیند آجائے تو تم بھی سو جانا"

علی جاوید کی آواز پر سوچوں کے بھنور سے باہر نکلی تھی اور پھر سر اثبات میں ہلایا تھا لیکن اس کے جاتے ہی اپنے ذہن میں منصوبے بنانے لگی کہ اب اسے آگے کیا کرنا ہے یہ جانے بنا کہ سب سے

بہتر منصوبہ بندی کرنے والا تو صرف اور صرف ایک اللہ ہے جو نور کی آگے کی زندگی کے لیے بھی یقیناً منصوبہ ترتیب دے چکا تھا مگر وہ کیا منصوبہ ہے یہ تو اب وقت پر ہی پتا چلنا تھا۔

صبح کی نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی گاؤں کی صاف ستھری اور تازہ فضا میں پرندے بھی اپنے گھونسلوں سے رزق کی تلاش میں نکل چکے تھے احمد صاحب آج نماز پڑھنے کے بعد کافی دیر تک مسجد میں مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے اور ابھی گھر میں داخل ہوئے تھے جہاں یاسمین باورچی خانے میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔

"یاسمین ناشتہ تیار ہے کیا؟"
احمد صاحب نے کچن میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا

"جی بس تیار ہے آپ بیٹھیں میں بس ابھی لے کر......"
بولتے بولتے ان کی زبان کو بریک اس وقت لگا تھا جب انہوں نے ابھی دن کی روشنی میں بغور احمد صاحب کو دیکھا تھا جن کی سرخ آنکھیں ان کی بے خوابی کا پیغام دے رہی تھی۔

"جلدی لے کر آؤ"

کچن کے دروازے سے واپس پلٹتے ہوئے انہوں نے یاسمین بیگم سے نظریں چراتے ہوئے کہا جس پر وہ کچھ حیران ہوتی ناشتے کی ٹرے اٹھائے ان کی پیچھے پیچھے کمرے میں چلی گئی تھی اندر کمرے میں احمد صاحب کارپٹ پر چوکڑی مارے بیٹھے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں سے ماتھے کو مسل رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے احمد آپ کو طبعیت ٹھیک ہے نا آپ کی مجھے تو لگتا ہے آپ ساری رات نہیں سوئے"
یاسمین نے فکرمندی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا

"ہاں یاسمین"
گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے بولنا شروع کیا

"تم نے سچ کہا میں رات ایک لمحے کو بھی سو نا سکا ساری رات میری آنکھوں میں کٹی ہے عبداللہ کے بارے میں سوچتے سوچتے مگر میرے اللہ نے مجھے راستہ دکھا دیا ہے اپنے معصوم بیٹے کو عشرت بھابھی کی زہریلی زبان سے محفوظ رکھنے کے لیے"
احمد صاحب نے پراٹھے سے نوالہ بنا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا

"اچھا آپ ایک منٹ صبر کریں میں ابھی واپس آتی ہوں پھر آپ مجھے سب بتا دیجیئے گا پہلے عبداللہ کو جگا دیتی ہوں سکول کے لیے اس کے تیار ہونے میں بھی وقت لگتا ہے"

عجلت میں بولتے ہوئے یاسمین اٹھنے لگی تھی جب احمد صاحب نے انکا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا تھا

"ٹھہرو یاسمین پوری بات سن لو پہلے آج سے عبداللہ سکول نہیں جائے گا"
احمد صاحب نے سوچ سوچ کر ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے کہا تھا

"کیا مگر کیوں ؟"
یاسمین نے حیرت سے پوچھا تھا

"یاسمین میری بات غور سے سننا اور سمجھنے کی کوشش کرنا تمہیں تو پتا ہے ناکہ میری شروع سے ہی یہ خواہش تھی کہ میں عبداللہ کو قرآن حافظ بناؤں وہ جس دن ہمیں ملا تھا یہ بات میں نے اسی دن کہی تھی کہ میرا بیٹا قرآن حافظ بنے گا اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم عبداللہ کو مدرسے میں داخل کروائے میری آج اسی سلسلے میں مسجد میں مولوی صاحب سے بات بھی ہوئی ہے انہوں نے مجھے کہا ہے کہ ہم بے فکر ہو جائے عبداللہ کی طرف سے وہ اُسکا بہت خیال رکھیں گے"
احمد صاحب نے اس سے کہا تھا جو ان کی بات سنتے ہوئے کچھ الجھ سی گئی تھی

"وہ بات تو ٹھیک ہے مگر مجھے تو لگتا ہے کہ عبداللہ ابھی بہت چھوٹا ہے اور چلیں میں آپ کی بات مانتی ہوں لیکن یہ بھی بتائے کہ عبداللہ کتنی دیر تک وہاں رہے گا مطلب مدرسے میں پڑھنے کے اوقات کیا ہے"

یاسمین نے ان سے پوچھا

"عبداللہ چھوٹا نہیں ہے وہ سکول پڑھ سکتا ہے انگریزی کی کتابیں پڑھ سکتا ہے تو قرآن پاک کیوں نہیں تم نے دیکھا نہیں ہے ماشا اللہ وہ کتنا ذہین بچہ ہے سال پہلے کی باتیں اسے ابھی بیٹھا کر پوچھ لو اسے یاد ہوگی زیادہ سے زیادہ وہ چار یا پانچ سال میں قرآن حفظ کر لے گا ان شاء اللہ"

احمد صاحب نے ان سے کہا تھا اس بات کا تو یاسمین کو بھی پتا تھا کہ عبداللہ ایک سمجھدار اور ذہین بچہ ہے وہ سکول میں بھی دو سال سے فرسٹ پوزیشن لے رہا تھا

"اچھا وقت کا تو بتائیں کتنے گھنٹے وہ وہاں مدرسے میں رہے گا"

یاسمین نے بے صبری سے پوچھا تھا

"یاسمین وہ بات یہ کہ"

احمد صاحب کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح ان کو بتائے

"بات یہ ہے کہ عبداللہ کچھ گھنٹوں کے لیے وہاں نہیں جائے گا بلکہ وہ دن رات اسی مدرسے میں رہے گا ہفتے میں ایک دن یا مہینے میں ایک دو دن آیا کرے گا اس کے علاوہ عید جیسے تہواروں پر بھی وہ ہم سے ملنے آئے گا"

انہوں نے گویا یاسمین کے سر پہ بم پھوڑا تھا جو عبداللہ کے بغیر ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رہتی تھی ایک لمحے کو بھی اسے خود سے دور نہیں ہونے دیتی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ احمد میرا بیٹا ابھی اتنا چھوٹا ہے اسے تو میرے بغیر نیند بھی نہیں آتی اور آپ اسے مجھ سے دور کر رہے ہیں میں اسے کہیں نہیں بھیجنے والی دن رات رہنے کے لیے وہ کیسے اکیلے خود کو سنبھالے گا ہاں اگر پانچ چھ گھنٹوں کے لیے وہ مدرسے جائے گا تو پھر جا سکتا ہے مگر میں کیسے مہینوں مہینوں اپنے بیٹے سے دور رہوں گی۔"

یاسمین بیگم غصے سے پھٹ پڑی تھی ان کی بھوک مر چکی تھی اور سامنے پڑا ناشتہ اب ٹھنڈا ہو چکا تھا

"یاسمین وہاں اور بھی بہت سے بچے ہوتے ہیں صرف عبداللہ نہیں ہو گا بس کچھ وقت ہی لگے گا اسے وہاں سب سے گھلنے ملنے میں پھر دیکھنا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا پھر وہ خوشی خوشی خود وہاں رہے گا"

احمد صاحب نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا

"نہیں میں اپنے بیٹے کو نہیں بھیجوں گی"

یاسمین نے اٹل لہجے میں کہا تھا

"ٹھیک ہے پھر دے دینا اسے ہر اس سوال کا جواب جو عشرت بھابھی اسکے دماغ میں ڈالے گی اور کم عمری میں ہی اسے ذہنی مریض بنا دے گی چھوٹی سی عمر میں ہی اسکے ذہن میں وہ باتیں ڈال دے گی جو اسے یقیناً پاگل کر دے گی ایسا چاہتی ہو تم بتاؤ مجھے"

احمد صاحب غصے سے دانت پیستے ہوئے بولے تھے

"اچھا نہیں ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں نکل کر اللہ کی پناہ میں رہے چار سال بعد اس نے واپس یہی ہمارے پاس آنا ہے پھر وہ بڑا بھی ہو چکا ہو گا جب اسے ہر چیز کی سمجھ آجائے گی تو پھر ہم خود اسے بٹھا کر ساری سچائی بتائیں گے مگر اپنے طریقے سے پیار سے، محبت سے لیکن ابھی جو باتیں عشرت بھابھی کی زہریلی زبان کے ذریعے ہمارے بیٹے تک پہنچے گی وہ باتیں اسے وقت سے پہلے ہی بڑا کر دے گی اب اس سب کے بعد تم فیصلہ خود کرو"

چائے کا کپ رکھتے وہ وہاں سے جانے کے لیے اٹھ گئے تھے جب پیچھے سے یاسمین کی نم آواز آئی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ بلکل صحیح کہہ رہے ہیں عبداللہ کے بارے میں آپ کا فیصلہ بلکل درست ہے عبداللہ مجھ سے الگ ہونے کے لیے رونا دھونا کرے گا مگر آپ فکر مت کریں میں اسے سمجھا دوں گی

کیونکہ اپنے بیٹے کو عشرت سے دور رکھنے کے لیے میں اس سے کچھ وقت کی جدائی بھی سہہ لوں گی"

احمد صاحب اس کے راضی ہوجانے پر بہت خوش ہوئے تھے اب عبداللہ کو راضی کرنا یاسمین کے لیے مشکل نہیں تھا

"ٹھیک ہے تم عبداللہ کو راضی کرلو دودن بعد اسے لے کر جانا ہے"

احمد صاحب نے کہا تھا اور پھر سکول کے لیے نکل گئے تھے

صبح کے وقت ذراج نے دعا کو خود بھی تیار رہنے کا کہا تھا اور انیلہ بیگم کو بھی ناشتہ کرانے اور صاف کپڑے پہنانے کو کہا جس کی وجہ سے دعا انیلہ بیگم کے کمرے میں ان کا ناشتہ لے کر آئی تھی ناشتہ کرانے کے بعد وہ الماری سے ان کے کپڑے بھی نکال لائی تھی جو آج مشکل سے بھی کوئی بات نہیں کرپارہی تھی صرف کراہ رہی تھی۔

"مما میں آپ کو کپڑے پہنا دوں تب تک ذراج بھی آجائیں گے وہ کسی ضروری کام سے باہر گئے ہیں پھر ہم آپ کو ہسپتال لے کر جائیں گے جو بھی تکلیف ہے ابھی آپ کو ان شاء اللہ بلکل ٹھیک ہو جائے گی"

ان کے ساتھ باتیں کرتے کرتے دعا نے ان کی کمر کے گرد بازو رکھ کر کپڑے پہنانے کے لیے ان کو سیدھا کرنے کی کوشش کی تھی جن کی دردناک کراہیں بلند ہو رہی تھی ان کو سیدھا کرنے کے بعد دعا جیسے ان کی کمر کے ساتھ پیچھے بیٹھی تھی اسے ایک عجیب سی گندی بدبو آئی تھی جو کہ ناقابل برداشت تھی۔

"مما کیا ہوا ہے آپ کو..بس تھوڑی دیر صبر کر جائے پھر آپ کو لے کر جاتے ہیں ہم ہسپ............."

ان کو دوسری قمیض پہنانے کے لیے دعا نے جیسے ہی قمیض کو پیچھے سے اوپر کیا تھا اس کا سانس سینے میں اٹک گیا تھا حلق سے برآمد ہونے والی زوردار چیخ کو روکنے کے لیے اس نے سختی سے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ لیے تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ انیلہ بیگم کی کمر پر ان گہرے زخموں کو دیکھ رہی تھی جس میں سے پیپ اور خون رس رہا تھا اور بیڈ شیٹ کو بھی سرخ رنگ میں رنگ چکا تھا یہ بدبو بھی انہی زخموں میں سے آرہی تھی اور وہ کوئی ایک زخم نہیں تھا بلکہ پوری کمر پر جگہ جگہ ایسے بڑے بڑے زخم موجود تھے ان کے جسم کا حصہ پیچھے کمر سے گل سڑ چکا تھا۔

ان کو واپس اسی طرح لیٹاتے ہوئے دعا اپنے چکراتے سر کو سنبھالتی بھاگتی ہوئی سمرین بیگم کے پاس آئی تھی۔

"مما، مما پلیز میرے ساتھ اوپر چلیں جلدی جا کر دیکھیں کیا ہوا ہے"
دعا کے اوسان خطا ہو چکے تھے وہ سر سے پیر تک لرزتی ہوئی بول رہی تھی

"کیا ہوا ہے دعا بتاؤ مجھے"
سمرین بیگم نے ڈر کر پوچھا تھا

"آپ چلیں، چلیں آپ میرے ساتھ خود دیکھ لیں اوپر مما کو کیا ہوا ہے جلدی چلیں"
سمرین بیگم کی مزید کوئی بھی بات سنے بغیر وہ ان کا ہاتھ پکڑتی اپنے ساتھ ان کو اس کمرے میں لائی تھی
جس میں انیلہ بیگم کی دردناک کراہیں گونج رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے انیلہ کو یہ ایسے کیوں کراہ رہی ہے جیسے بہت تکلیف میں ہو"
سمرین بیگم نے انکی حالت کو دیکھتے ہوئے کہا تھا

"کیونکہ مما سچ میں تکلیف میں ہی ہے آپ آئیں ذرا یہاں اور یہ دیکھیں"

کہتے ہی دعا نے ان کی پیٹھ پر سے دامن ہٹایا تھا جس کے بعد سمرین بیگم کا حال بھی دعا سے کچھ کم نا تھا وہ شاکی اندر میں کھڑی ان زخموں کو دیکھ رہی تھی جو یقینا بہت تکلیف دے رہے تھے انیلہ بیگم کو

"یہ یہ سب کیسے ہوا روز تو ان کے کپڑے تم تبدیل کرتی ہو نا"

سمرین بیگم نے پوچھا تھا

"جی میں ہی تبدیل کرتی ہوں مگر میری ان زخموں پر کبھی نظر نہیں گئی نا ہی پہلے مما کے جسم پہ ایسے کوئی زخم بنے تھے لیکن پتا نہیں یہ سب کیسے مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا اب کیا کروں"

دعا نے روتے ہوئے کہا تھا

"تم فکر مت کرو میں ڈاکٹر رضیہ کو بلا کر لاتی ہوں ابھی"

یہ کہتے ہی سمرین بیگم بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی تھی اور پھر دس منٹ میں ڈاکٹر رضیہ کو اپنے ساتھ لیے واپس آئی تھی۔

"کیا پہلے آپ لوگ ان کو کچھ دیر کے لیے بٹھاتے تھے یا ان کے سونے کی پوزیشن چینج کرتے رہتے تھے؟"

ڈاکٹر رضیہ نے دعا سے پوچھا تھا

"جی ڈاکٹر پہلے ان کو تھوڑی بہت دیر کے لیے وہیل چیئر پر بٹھا کر ہم باہر لان میں بھی لے جاتے تھے اور سونے کی پوزیشن بھی چینج کرتے رہتے تھے مگراب یہ بلکل بھی خود کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی ان کو میں کپڑے پہنانے کے لیے بھی تھوڑی دیر بٹھاتی ہوں تو کمزوری کی وجہ سے جلد از جلد واپس لیٹنے کی کوشش کرتی ہے اور آج کل تو جاگتی ہی نہیں ہے زیادہ وقت سوتی رہتی ہیں"

دعا نے ان کو بتایا رو رو کر اسکی آنکھ سرخ ہو چکی تھی۔

"دیکھیں یہ بہت آسان سی بات ہے جب ایک انسان کسی بھی جگہ پر مستقل پڑا رہتا ہے تو اس کی پوزیشن کو بار بار چینج کرنا پڑتا ہے ورنہ جسم کے جس حصے تک ہوا نہیں پہنچ پاتی وہ گرمی اور پسینے کی وجہ سے گل سڑ جاتا ہے انکے یہ زخم مجھے لگتا ہے زیادہ نہیں بس گرمی کی وجہ سے ایک دو دن میں ہی بنے ہیں میں نے اب زخم صاف کر دیئے اور ان کو کروٹ کے بل لیٹا دیا ہے تاکہ ان کے زخموں کو ہوا لگے اب ایسا بھی نہیں کہ یہ سارا دن اسی پوزیشن میں لیٹی رہی ان کی پوزیشن بدلتے رہنا ورنہ جسم کے اس حصے میں زخم پڑ جائیں گے جہاں اس وقت ہوا نہیں پہنچ پا رہی"

"ٹھیک ہے؟"

ڈاکٹر رضیہ نے ان دونوں سے کہا تھا

"جی ڈاکٹر سمجھ گئی ہوں"

دعا نے جواب دیا

"یہ میں نے کچھ دوائیاں لکھ کر دی ہے یہ ان کو وقت پر دیں تاکہ ان کے زخم جلد از جلد بھر جائے باقی اللہ مالک ہے ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی ٹینشن نا لو آپ"

انہوں نے دعا کا گال تھپتپاتے ہوئے کہا تھا جس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد ذراج بھی آگیا تھا منیحہ کو سمرین بیگم کے پاس چھوڑ کر وہ دونوں انیلہ بیگم کو لیے ایک بہت بڑے ہسپتال گئے تھے جو کہ شبیر اقبال کے اسی دوست کا تھا وہاں انیلہ بیگم کے کافی ٹیسٹ کے ساتھ ساتھ ایم۔آر۔آئی بھی ہوا تھا ڈاکٹر نے رپورٹس کے لیے اگلے دن شام پانچ بجے کا وقت دیا تھا جس کے بعد ذراج اور دعا ان کو لیے واپس آ گئے تھے جو کبھی سر درد کی وجہ سے روتی تو کبھی زخموں میں تکلیف کی وجہ سے۔

....

"امی جان"

یاسمین احمد صاحب کے جانے کے بعد ابھی تک وہی زمین پر بیٹھی سوچوں میں گم تھی جب عبداللہ نے پیچھے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے نیند میں ڈوبی آواز میں اسے پکارا تھا۔

"جی امی کی جان"

یاسمین نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے کیا تھا اور پھر اپنی گود میں لیٹا لیا تھا

"آج آپ نے مجھے سکول کے لیے کیوں نہیں جگایا آج میری چھٹی تو نہیں تھی"

یاسمین کا دوپٹہ اپنے چہرے پر رگڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا

"وہ اس لیے کیونکہ آج سے تم اس سکول میں نہیں جاؤ گے میں نے اور تمہارے بابا نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اس سے بھی اچھے سکول میں داخل کروائیں گے"

یاسمین نے اسکے دونوں گالوں پر پیار کرتے ہوئے کہا تھا جس کی نیند اس بات سے اب اڑ چکی تھی

"میں اپنے سکول نہیں جاؤں گا لیکن کیوں امی جان مجھے اسی سکول میں جانا ہے وہاں میرو ہوتی ہے ہم دونوں ایک کلاس میں پڑھتے ہیں دوسرے سکول میں میرو نہیں ہوگی نا"

اس نے دہائی دیتے ہوئے کہا تھا

"تم مسجد جاتے ہونا نماز پڑھنے کے لیے بابا کے ساتھ وہاں مولوی صاحب کو بھی جانتے ہونا جو بابا کے دوست ہیں"

یاسمین نے اس سے کہا تھا جو اسی کے گود میں سر رکھے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا

"جی جانتا ہوں وہ بہت اچھے ہیں مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں بلکل بابا کی طرح"

عبداللہ نے جواب دیا تھا

"جی بلکل اب آپ انہی کے سکول جاؤ گے جو ان کا مدرسہ ہے نا وہاں جاؤ گے وہاں پر اور بھی بہت سے دوست ہونگے آپ کے اور مولوی صاحب آپ سے بہت پیار بھی کریں گے"

یاسمین نے اسے بہلاتے ہوئے کہا تھا

"نہیں مجھے اور کہیں نہیں جانا بس صرف اپنے ہی سکول جانا ہے"

وہ ضدی انداز میں بولا تھا

"تو پھر ٹھیک ہے نہیں مانتی امی کی بات تو نا مانو مجھ سے بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے پھر جاؤ اپنی میرو سے کرو بات اسی کے لیے امی جان کی بات نہیں مان رہے نا"

یاسمین نے مصنوعی ناراضگی دکھائی تھی اور اسے اپنی گود سے اتار دیا تھا یاسمین کو پتا تھا صرف یہی ایک طریقہ کار رہے عبداللہ کو سمجھانے کا وہ کچھ دیر تو بیٹھا یاسمین کو اداسی سے دیکھ رہا تھا پھر یک دم خود ان کی گود میں چڑھتے ہوئے بولا تھا

"میں آپ کی ہر بات مانوں گا امی میں اسی مدرسے میں جاؤں گا پڑھنے بس آپ ناراض مت ہو"

یاسمین کے چہرے کے گرد دونوں ہاتھ رکھے اس نے پیار سے کہا تھا جواب تذبذب میں بتلا ہو گئی تھی کہ اسے اب یہ بات کیسے سمجھائے کہ وہاں دن رات رہنا ہو گا

"عبداللہ بیٹا ایک اور بات آپ کو پتا ہے آپ وہاں دن رات رہو گے اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں آپ کے ڈھیر سارے دوست ہو نگے رات کو بھی آپ ان سب کے ساتھ رہو گے بہت مزہ آئے گا آپ کو وہاں"۔

یاسمین نے ہمت کرتے ہوئے اسے کہا تھا جو پہلے تو نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا اور اب کی بار خود ان کی گود سے اتر گیا تھا

"پھر میں نہیں جاؤں گا وہاں امی میں آپ کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا, آپ وہاں نہیں ہو گی میں کیسے رہوں گا وہاں پر"

وہ معصومیت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بول رہا تھا اسکی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئ تھی

"کیوں نہیں جاؤ گے وہاں, اور بھی تو بچے ہوتے ہیں وہاں پر جو اپنی امی کے بغیر رہتے ہیں صرف تم اکیلیے تو نہیں ہو نگے اور ہر جمعے کو بابا لینے آئیں گے تمہیں پھر تم ان کے ساتھ یہاں آؤ گے ایک رات کے لیے رہنے اور پیر کو پھر سے چلے جاؤ گے "

یاسمین نے اسکے دونوں ہاتھوں کو چومتے ہوئے پیار سے کہا تھا

"امی ی ی میں نہیں رہ سکتا آپ کے بغیر میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں"

وہ بے بسی سے بولا تھا

"عبداللہ تمہارے بابا کی کتنی خواہش ہے کہ تم قرآن حافظ بنو تم نے خود بھی تو بابا سے وعدہ کیا تھا کہ تم قرآن پاک حفظ کرو گے یاد ہے نا جب بابا تلاوت کر رہے تھے یہاں باہر صحن میں تم کھڑے ہو کر سن رہے تھے پھر تمہیں بابا نے کہا تھا کہ عبداللہ میں تمہیں قرآن حافظ بناؤں گا اور تم نے اس وقت وعدہ کیا تھا بابا سے یاد آیا"

یاسمین نے اسے چند مہینے پہلے احمد صاحب سے کیا گیا اسکا وعدہ یاد دلایا تھا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا

"تو اب کیا تم اپنا وعدہ توڑو گے ؟"

یاسمین نے سوالیہ لہجے میں اس سے پوچھا تھا

"اور مجھے ایک اور بات بتاؤ تم مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہو، بابا سے یا اللہ تعالیٰ سے ؟"
اس نے پوچھا تھا جس پر عبداللہ کے چہرے پر عجیب سے مسکراہٹ آئی تھی

"اللہ تعالیٰ سے "
اس نے جوش و خروش سے جواب دیا تھا

"تو اب جب تم قرآن پاک حفظ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور خوش ہو جائیں گے تم سے اور میں کتنی خوش ہونگی میں تمہیں بتا نہیں سکتی پھر میں روز فجر کے بات تمہیں کہوں گی کہ عبداللہ مجھے اپنی پیاری سی آواز میں تلاوت سناؤ اور تم مجھے تلاوت سناؤ گے میں سب کو بتاؤں گی میرا چھوٹا سا پیارا سا بیٹا قرآن حافظ ہے "
یاسمین کی باتیں سنتے سنتے اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے لبوں پہ مسکراہٹ امڈ آئی تھی اور آنکھیں بھی خوشی سے چمک رہی تھی

"ٹھیک ہے امی جان میں قرآن حافظ ہی بنوں گا آپ بابا سے کہے کہ مجھے مدرسے لے کر جائیں میں اب جلدی جلدی سے قرآن پاک حفظ کرنا چاہتا ہوں "
اب کی بار وہ بے صبری سے بولا تھا جس پر یاسمین بھی بہت خوش ہوئی تھی

"آج ہم بازار جائیں گے آپ کے لیے نئے کپڑے اور بہت ساری چیزیں لینے جو آپ اپنے ساتھ مدرسے لے کر جاؤ گے اور پھر کل بابا آپ کو لیکر جائیں گے مدرسے ٹھیک ہے "

یاسمین نے اسے کہا

"ٹھیک ہے امی لیکن میں اب یہ بات جا کر میرو کو بتا دوں ؟ "

یاسمین کی ناراضگی کے ڈر سے وہ منمنایا تھا

"اچھا ٹھیک ہے لیکن بابا کے آنے سے پہلے آجانا اور عشرت آنٹی کے سامنے مت جانا باہر ہی اس سے مل کر اسے بتاؤ اور پھر واپس آجاؤ"

اس نے کل چلے جانا تھا اس لیے یاسمین نے اسے میرو سے ایک آخری بار ملنے کی اجازت دی تھی

دوسری جانب عبداللہ خوشی خوشی اپنے سب دوستوں کو بتا رہا تھا کہ اب وہ قرآن حافظ بننے جا رہا ہے پھر پورا قرآن پاک اسے زبانی آئے گا, اللہ تعالیٰ بھی اس سے بہت خوش ہو جائیں گے اور پھر روز وہ اپنی امی جان کو تلاوتِ قرآن پاک سنایا کرے گا۔

- -

شام کے وقت احمد صاحب اور یاسمین بیگم عبداللہ کو بازار لے کر آئے تھے اس کے لیے نئے کپڑے, جوتے اور اس کی پسند کی اور بھی بہت سی چیزیں لینے کے بعد یاسمین بیگم نے احمد صاحب سے واپس گھر جانے کا کہا تھا جوان کو وہی کھڑے ہو کر کچھ دیر انتظار کرنے کا کہتے خود پھل خریدنے کے لیے وہاں سے تھوڑا سا دور چلے گئے یاسمین اور عبداللہ وہی کھڑے ان کے آنے کا انتظار کر رہے تھے جب عبداللہ کی نظر سامنے چوڑیوں کی دکان پر گئی تھی جہاں رنگ برنگی چھوٹے اور بڑے سائز کی چوڑیاں پڑی ہوئی تھی

"امی جان چلیں یہاں آئیں میرے ساتھ"
یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے وہ اسے اسی چوڑیوں کی دکان پر لے آیا تھا

"یہاں کیا لینا ہے تم نے عبداللہ؟"
یاسمین نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا تھا

"یہ ریڈ والی چوڑیاں"
اس نے معصومیت سے کہتے ہوئے سرخ رنگ کی چوڑیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا

"میرے لیے؟"

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

یاسمین نے خوشی سے نہال ہوتے ہوئے پوچھا

"نہیں وہ، میرو کے لیے"

اس کے جواب دینے پر یاسمین قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی

"تم اور تمہاری میرو،"

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر کہا

"امی جان لے دیں نا میں میرو کو دوں گا وہ خوش ہو جائے گی"

اس نے اپنی ازلی معصومیت سے کہا تھا

"اچھا ٹھیک ہے لے کر دیتی ہوں لیکن بیوقوف یہ اتنی بڑی چوڑیاں میرو کے ہاتھ میں اچھی نہیں لگے گی یہ والی لو یہ چھوٹی ہے"

یاسمین نے چھوٹی چھوٹی سے سرخ چوڑیاں اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا تھا اور پھر دکاندار کو اس کے پیسے دے دئیے تھے وہ دونوں جیسے ہی پیچھے مڑے تھے ان کی نظر احمد صاحب پر گئی تھی جو دو تھیلیوں میں پھل اٹھائے ان کی طرف ہی آ رہے تھے۔

"عبداللہ یہ چوڑیاں جیب میں رکھو بابا نے دیکھ لیا تو ڈانٹ پڑ جائے گی" یاسمین کی آواز پر عبداللہ نے وہ چوڑیاں فوراً اپنے جیب ٹھونس لی تھی۔

"چلیں؟"

قریب آتے ہی احمد صاحب نے یاسمین نے پوچھا تھا اور پھر ان کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ تینوں واپس گھر کی جانب چل پڑے تھے۔

رات میں جیسے ہی اسفند گھر میں داخل ہوا تھا تو دلہن کی طرح سجے گھر کو دیکھتے ہی خوشی سے نہال ہوگیا تھا اسکی سوچ سے بھی بڑھ کر کنول نے گھر کو سجایا تھا کل کی پارٹی کے سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے ان دونوں نے رات کھانے کے بعد ذراج اور دعا کو بھی انوائٹ کرنے کے لیے فون کیا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم!"

ذراج کے فون اٹھاتے ہی اسفند نے سلام کیا تھا

"وعلیکم السلام! کیا حال ہے یار تمہاری پارٹی کی ساری تیاریاں مکمل ہوگئی ہے کیا؟"

دوسری طرف سے ذراج نے پوچھا تھا

"ہاں سب تیاریاں مکمل ہوگئی ہے سب کو انوائٹ بھی کر دیا ہے. بس اب تمہیں انوائٹ کرنا باقی تھا تو اسی لیے فون کیا ہے"

اسفند نے کہا

"ارے یار دوستوں کو انوائٹ نہیں کیا جاتا تم مجھے فون نا بھی کرتے تو بھی میں کل صبح سویرے سب سے پہلے پہنچ جاتا مگر........"

اتنا کہتے ہی ذراج خاموش ہو گیا تھا

"کیا ہوا ذراج سب ٹھیک ہے نا صبح جب تم آفس نہیں آئے اور میں نے فون کر کے ہوچھا تو اس وقت بھی تم کچھ پریشان لگ رہے تھے اور ابھی بھی تمہاری آواز سے پتا لگ رہا ہے کہ تم پریشان ہو مجھے تو بتاؤ یار"

اسفند نے فکرمندی سے پوچھا تھا

"ہاں تمہیں بتانا چاہتا تھا میں تمہیں نہیں بتاؤں گا تو اور کسے بتاؤں گا لیکن صبح اس لیے نہیں بتایا کیونکہ تم آفس میں کافی بزی تھے"

ذراج نے جواب دیا

"ہاں مگر اب نہیں ہوں تم آرام سے مجھے ساری بات بتاؤ کیا ہوا ہے"

اسفند نے پوچھا تھا

"میں نے کل تمہیں بتایا تھا نا کہ انیلہ بیگم کے سر میں آج کل بہت درد رہتا ہے یہاں تک کہ سر درد کی وجہ سے وہ باقاعدہ روتی ہیں تو بابا کے دوست سفیان انکل جو بہت بڑے ڈاکٹر ہے ان کو چیک اپ کروایا تھا کل چیک اپ کے بعد انہوں نے ایم۔ آر۔ آئی اور کچھ اور ضروری ٹیسٹ کروانے کا کہا جن کی رپورٹس کل شام چھ بجے تک آئے گی یہاں تک تو سب ٹھیک ہے مگر ڈاکٹرز کو شک ہے کہ انیلہ آنٹی کو برین ٹیومر (دماغ میں رسولی) ہے اس بات نے مجھے کافی پریشان کر رکھا ہے دعا کو میں نے ابھی تک اس بارے میں کچھ نہیں بتایا میں نے سوچا جب رپورٹس آجائے گی تب سب کچھ سچ بتا دوں گا مگر دکھ بہت ہو رہا ہے کہ کچھ ہی سالوں میں وہ کتنا کچھ سہہ چکی ہے"

ذراج نے ڈاکٹر کی بتائی ہوئی ہر بات سے اسے آگاہ کیا تھا

"اللہ سب خیر کرے گا پریشان مت ہو تم دعا کو سنبھالو اگر تم ہی اس طرح ری ایکٹ کرو گے تو پھر اسے کون سنبھالے گا"

اسفند نے ذراج سے کہا تھا

"ہاں صحیح کہہ رہے ہو تم"

ایک اور بات یہ کہ کل جس وقت رپورٹس آئیں گی آنٹی کی وہی تمہاری پارٹی کا بھی وقت ہے اس لیے اگر رپورٹس ٹھیک آگئی تو میں کوشش کروں گا آنے کی ورنہ میری طرف سے معذرت"

ذراج نے کہا تھا جس پر اسفند نے اسے نور والی بات سے بھی آگاہ کیا تھا جس پر ذراج نے اتنی ٹینشن میں کچھ خاص توجہ نہیں دی کچھ دیر مزید بات کرنے کے اسفند نے الوداعی کلمات کہہ کر فون کاٹ دیا۔

....

ایک اور دن شروع ہو کر آدھا گزر بھی چکا تھا دوپہر میں نور کو آفس سے فون کر کے علی جاوید نے جلدی تیار ہونے کا حکم دیا تھا دعا انیلہ بیگم کی رپورٹس ٹھیک ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھی اور دوسری جانب یاسمین ایک بڑے سے بیگ میں عبداللہ کے کپڑے اور وہ سارا سامان پیک کر رہی تھی جو اس نے اپنے ساتھ مدرسے لے کر جانا تھا۔

"امی جان"

کمرے میں جھانک کر اسنے یاسمین کو پکارا تھا جو اسکی آواز پر پیچھے مڑی تھی

"جی"

اس نے عبداللہ کے قریب جا کر دوپٹے کے کونے سے اسکا پسینہ صاف کرتے ہوئے جواب دیا

"امی جان بابا نہیں ہے میں اب چلا جاؤں میرو سے ملنے اسکو یہ چوڑیاں دینے پھر شام میں تو میں چلا جاؤں گا نا"

اس نے یاسمین سے پوچھا تھا

"ٹھیک ہے چلے جاؤ لیکن جلدی آجانا واپس ابھی تمہیں نہا کر صاف کپڑے بھی پہننے ہے اس طرح جاؤ گے کیا مدرسے"

یاسمین نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا

"ٹھیک ہے جلدی آجاؤں گا"

کہتے ہی وہ بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا جبکہ پیچھے سے یاسمین اسے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ دروازہ عبور کر کے وہاں سے چلا نا گیا۔

"نور تم تیار ہو گئی ہو؟"

دن کے تین بجے علی جاوید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس سے پوچھا تھا جہاں وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پرپل کلر کی میکسی میں بلکل تیار کھڑی تھی۔

"جی میں تیار ہوں"

اس نے جواب دیا

"ٹھیک ہے میں بھی ریڈی ہو چکا ہوں بس چلو وہاں پہنچنے میں بھی وقت لگے گا"

اس سے کہتے ہوئے علی جاوید کمرے سے باہر نکل آیا تھا جبکہ نور بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی کارپورچ میں آئی تھی اور دونوں گاڑی میں سوار ہوتے لاہور اسفند کی پارٹی میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

- -

"تم مت جاؤ نا"

عبداللہ اور میرو دونوں اس وقت ایک بڑے پیڑ کے سائے میں بیٹھے تھے جب میرو نے منہ پھلائے اس سے کہا تھا

"میرو مجھے جانا ہے کیونکہ میں قرآن حافظ بننا چاہتا ہوں اور تم اداس مت ہو میں ہر جمعے کو آؤں گا نا یہاں تو پھر میں اسی درخت کے پاس آجایا کروں گا تم بھی عشرت آنٹی سے چھپ کر آنا ہم دونوں یہی ملیں گے اور دیکھو جب میں قرآن حافظ بن کر واپس آؤں گا تو پھر میں روز تمہیں بھی تلاوت سنایا کروں گا"

عبداللہ نے اسے مناتے ہوئے کہا تھا جس کے چہرے پر واقعی مسکراہٹ آگئی تھی

"اور یہ دیکھو میں تمہارے لیے چوڑیاں لے کر آیا ہوں"

سرخ چوڑیوں کا پیکٹ جیب سے نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے عبداللہ نے کہا تھا جسے دیکھتے ہی میرو خوشی سے چہکی تھی

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"یہ تم میرے لیے لے کر آئے ہو؟"

اس نے اپنے دونوں پھولے پھولے گالوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

"ہاں تمہیں پسند آئی؟"

عبداللہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا

"ہاں مجھے بہت پسند آئی یہ چوڑیاں بہت پیاری ہے"

میرو نے جواب دیا تھا

"عبداللہ تم جب چلے جاؤ گے پھر میں زبیر، وہاب اور آسیہ کے ساتھ کھیلوں گی"

میرو نے کہا تھا جس پر عبداللہ نے خفگی سے اسکی طرف دیکھا تھا

"نہیں تم وہاب اور زبیر کے ساتھ نہیں کھیلوگی اگر تم ان کے ساتھ کھیلوگی تو پھر میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا کبھی بات نہیں کروں گا ہاں آسیہ کے ساتھ کھیل سکتی ہو"

عبداللہ نے خفا سے لہجے میں کہا تھا

"لیکن کیوں؟"

اس نے حیرت سے پوچھا

"کیونکہ میری ان سے لڑائی ہو گئی ہے اور جس سے میں بات نہیں کروں گا اس سے تم بھی بات نہیں کروں گی سمجھ آئی"

عبداللہ نے کہا تھا

"ٹھیک ہے میں ان دونوں سے بات نہیں کروں گی, ان کے ساتھ کھیلوں گی بھی نہیں صرف آسیہ کے ساتھ کھیلوں گی ٹھیک ہے"

میرو نے اسکی بات مانتے ہوئے کہا تھا

"ہاں ٹھیک ہے"

عبداللہ مسکرایا تھا

"عبداللہ تمہارے بابا بلا رہے ہیں تمہیں"

شام ہو چکی تھی ان دونوں کو وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے کرتے جب ایک چھوٹے سا بچہ جو تقریباً عبداللہ کا ہی ہم عمر تھا اس نے آکر اسے اطلاع دی تھی جس پر وہ میرو کو اللہ حافظ کہتا بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا گھر آنے کے بعد یاسمین نے اسے نہلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنائے تھے اور پھر احمد صاحب اسکے بیگ اٹھائے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے جب یاسمین نے اسے سختی سے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

"امی آپ اداس مت ہو میں آپ سے ملنے آیا کروں گا"

عبداللہ نے یاسمین کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا جس پر یاسمین نے اسکے دونوں گالوں کو چومتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا احمد صاحب نے بھی اسے خوب پیار کیا تھا اور پھر وہ وہاں سے گاؤں کے ایک بڑے مدرسے میں قرآن حافظ بننے چلا گیا تھا۔

"دروازے سے مڑ کر یاسمین نے گھر کو دیکھا تھا جس میں موت کا سا سناٹا پھیل گیا تھا ہر وقت وہاں رونق تو عبداللہ ہی کی وجہ سے ہوتی تھی مگر اب وہ سناٹا اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا مگر یاسمین کو پتا تھا کہ کچھ دن لگے گے اسے اس ماحول کا عادی بننے میں پھر سب کچھ خود بخود ٹھیک ہوتا جائے گا مگر عبداللہ جتنا مدرسے میں رہے گا اتنا ہی اچھا ہوگا ایک تو وہ حافظ قرآن بن جائے گا اور دوسرا وہ عشرت کی زہریلی زبان کے زہر سے بھی بچا رہے گا

شام سات بجے کا وقت تھا لان میں پارٹی اپنے عروج پر تھی بزنس کی دنیا سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگ وہاں اسفند کی خوشی میں شریک ہونے آئے تھے رنگ برنگے لباس پہنے سب کے چہرے دمک رہے تھے کنول نے خوبصورت اورنج کلر کا فریک پہن رکھا تھا جس پر سلور رنگ کا بھاری کام ہوا تھا ایک ایک سے مل کر مبارک باد وصول کرتے ہوئے اسفند کی نظریں بار بار گیٹ کی طرف جا رہی تھی وہ علی جاوید اور نور کے ہی آنے کا انتظار کر رہا تھا کنول کو بھی ساری بات سے وہ پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا ابھی وہ ایک شخص سے بات کر رہا تھا جب دروازے سے علی جاوید اور نور دونوں داخل ہوئے تھے پاس کھڑے شخص سے اجازت طلب کرتا وہ تیزی سے ان دونوں کے پاس آیا تھا۔

"ہیلو چیمپئن ایک بار پھر بہت بہت مبارک ہو تمہیں"

علی جاوید نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تھا

"خیر مبارک, بہت شکریہ آنے کا"

اسفند نے جواب دیا تھا

"یہ ہے میری وائف اس دن ویڈیو کال پر بھی ملاقات کروائی تھی میں نے تمہاری اس سے"

علی جاوید نے اس سے نور کا تعارف کرتے ہوئے کہا تھا

"جی, بلکل ان کو کیسے بھول سکتا ہوں میں"

اسفند نے تلخ لہجے میں جواب دیا

"یہ وہ فاروقی صاحب نہیں ہے پیچھے؟"

علی جاوید نے اسفند کے پیچھے کافی فاصلے پر موجود شخص کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا

"جی, جی وہی ہے ابھی کچھ دیر پہلے مجھ سے تمہارا ہی پوچھ رہے تھے جا کر مل لو ان سے"

اسفند نے کہا تھا

"ہاں ٹھیک ہے تم دونوں باتیں کرو میں بس ابھی آتا ہوں"

علی جاوید کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا

"جی تو نور صاحبہ کیسے حالات ہیں آپ کے سب کی زندگیوں میں زہر کھولنے کے بعد بھی آپ کافی خوش نظر آرہی ہیں"

اسفند نے دانت پیستے ہوئے اس سے کہا تھا جس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا

"دیکھو اسفند تم میری بات سنو میں نے جو کیا ماضی میں اس کے لیے مجھے معاف کردو میں اپنی ہر غلطی کی معافی مانگتی ہوں تم سے علی کو کچھ مت بتاؤ پلیز وہ مجھے طلاق دے دے گا چھوڑ دے گا مجھے"

نور نے بھرپور ڈرامہ کرتے ہوئے کہا تھا

"بس کردو یہ مگرمچھ کے آنسو بہانہ تمہارے ان سب ڈرامے بازیوں سے اب میں اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں اور اب تمہارے شوہر کو بھی ساری سچائی بتاؤں گا اگر بات صرف میرے ماضی کی ہوتی تو میں کسی کو کچھ نا بتاتا تمہارے راز کسی کو نا بتاتا یقین کرو تم میرے پاس سے بھی گزر کر جاتی میں تمہیں کچھ نہیں کہتا کیونکہ میں اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن ہوں لیکن یہاں بات میرے ایک بہت

اچھے دوست کی ہے. جس کے گلے تم جیسی بلا پڑ چکی ہے میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں مجھے پتا ہے کہ تم نے علی جاوید سے شادی صرف اور صرف اسکی دولت ہتھیانے کے لیے کی ہے تمہیں کبھی کسی سے بھی محبت نہیں ہو سکتی, کسی سے بھی نہیں کیونکہ جو لڑکی اپنی سگی ماں اور بہن کی نا ہو سکی جس لڑکی نے اپنی ماں اور اپنی بہن کا حق کھا لیا وہ کیا کسی اور سے محبت کر سکتی ہے تم آستین کا سانپ ہو سانپ جسے علی جاوید نادانی میں دودھ پلا کر پال رہا ہے مگر جس طرح باقی سب کی زندگیوں میں طوفان مچا کر بھاگ گئی ویسا اب میں تمہیں علی کے ساتھ

نہیں کرنے دوں گا بھول جاؤ تم کہ اب تمہارا کوئی بھی پلین کامیاب ہو گا"

اسفند نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا جس پر نور جو آئی تو معافی تلافی کے لیے تھی مگر اب اپنے ازلی غصے پر قابو نا رکھ سکی

"بھاڑ میں جاؤ تم بھی اور تمہارا دوست بھی نا تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نا تمہارا دوست بتا دو اسے میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ میں نے ہوٹل میں لڑکے کے ساتھ رات گزاری تھی,

میں نے اپنے ایک ناجائز بچے کو سالوں پہلے پھینک دیا تھا,

میں نے تم سے محبت کا ڈرامہ کیا تمہیں تمہاری بیوی سے چھیننا چاہا سب کچھ بتا دو جا کر اور ہاں صحیح کہا تم نے میں نے اس کی پراپرٹی اور دولت کے لیے اس سے شادی کی تھی اب کر لو جو کرنا چاہتے ہو"

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

غصے سے کانپتے ہوئے اس نے کہا تھا جس پر اسفند مسکرا کر اسے دیکھتا وہاں سے چلا گیا جبکہ نور وہاں اکیلی کھڑی سوچتی رہی کہ اگر علی جاوید نے اسفند کی باتوں کا یقین کیا تو وہ کیسے اسفند کو غلط ثابت کرے گی۔

....

دعا اور ذراج انیلہ بیگم کی رپورٹس کے سلسلے میں آج پھر اسی ہسپتال آئے تھے۔

"ڈاکٹر پلیز بتائیں کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے"
دعا نے پریشان لہجے میں انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا تھا

"نہیں دعا بیٹا آپ خوش ہو جاؤ اب بلکل کیونکہ آپ کل سے بہت زیادہ پریشان تھی خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کی والدہ بلکل ٹھیک ہے ان کو کوئی مسئلہ نہیں ہے ان کے سر درد کی وجہ بہت زیادہ سوچنا ہے حد سوچنے کی وجہ سے ان کے دماغ پر اثر پڑ رہا ہے جس کی وجہ سے ہمہ وقت ان کے سر میں درد رہتا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے اور سب سے بڑی خوشخبری تو آپ کے لیے یہ ہے کہ آپ کی والدہ کے جسم کے مفلوج حصوں میں اب تھوڑی بہت حرکت ہو رہی ہے جو کہ بہت اچھا ہے یہ ان کے

واپس ٹھیک ہونے کی علامت ہے اگر آپ ان کے ہاتھوں وپیروں کا مساج کروں گی میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق تو ان شاء اللہ وہ بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑی ہوجائے گی"

ڈاکٹر کی بات سنتے ہی دعا نے شکر کا کلمہ ادا کیا تھا وہ بے حد خوش ہوئی تھی ان کی باتوں سے

"آپ ایسا کریں کہ ان کو گھر سے باہر لے جایا کریں کہیں ایسی جگہ جہاں ان کا مائینڈ فریش ہوجائے تبھی وہ بہت زیادہ سوچنے سے بچ جائے گی اور اس طرح وہ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گی ان شاء اللہ"

ڈاکٹر نے ان کو کچھ ضروری ہدایات دیتے ہوئے کہا تھا

ان کی تمام باتوں کو سننے کے بعد ذراج اور دعا وہاں سے نکل آئے تھے

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"اسفند کے گھر پارٹی میں جانا چاہو گی؟"

ذراج نے دعا سے پوچھا تھا

"نہیں مجھے نہیں جانا ابھی مجھے صرف گھر جانا ہے وہاں جا کر ابھی منیحہ کو بھی کھانا کھلانا ہے اس کو سلانا بھی ہے مما کے ہاتھوں پیروں کا مساج بھی کرنا ہے ابھی ڈاکٹر کی بات سن لی ہے آپ نے کہ مساج سے وہ جلد از جلد ٹھیک ہو جائیں گی اور سوچ رہی ہوں مما کو نیچے پورشن میں لے آؤں روزان کو آسانی سے وہیل چیئر میں بٹھا کر باہر لان میں لے جایا کروں گی اور یہ سب ابھی گھر جا کر کرنا ہے مجھے اس لیے آپ چلیں جائیں میں نہیں جا سکوں گی"

دعا نے انکار کرتے ہوئے کہا جس پر ذراج نے اثبات میں سر ہلایا تھا

"پارٹی میں نور بھی آ رہی ہے"
ذراج نے سامنے سڑک پر نظریں جمائے کہا تھا

"تمہیں کیسے پتا؟"
دعا نے حیرت سے پوچھا

"اسفند نے بتایا تھا سب یہ بھی کہ وہ شادی کر چکی ہے کسی سے وہ شخص ایک بزنس مین ہے اور وہی بزنس مین ہے جس کے آفس میں نور جاب کرتی تھی۔"
اس نے تفصیل سے بتایا

"ہممم آ رہی ہے تو ٹھیک ہے وہ اپنی خوشی کے لیے آ رہی ہوگی مجھ سے ملنے نہیں اگر مجھ سے ملنا ہوتا تو ان چار سالوں میں کم از کم ایک فون تو کر لیتی مگر نہیں اس نے تو پیچھے مڑ کر اپنی ماں تک کا نہیں پوچھا"
دعا نے تاسف سے کہا تھا

جس پر ذراج نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور دعا کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ خود تیار ہو کر اسفند کے گھر ہونے والی پارٹی میں شرکت کرنے کے لیے چلا گیا۔

....

علی جاوید کا ہاتھ پکڑ کر اسفند اسے اپنے ساتھ گھر کے اندر لے کر گیا تھا اور اسے نور کی ساری اصلیت کے بارے میں بتایا تھا جسے سنتے ہی علی جاوید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"کیا کہہ رہو اسفند تم ہوش میں تو ہو, میری بیوی کے بارے میں تم یہ سب بکواس کر رہے ہو" وہ غصے سے دھاڑا تھا

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس جو میں تمہاری بات کا یقین کروں ہاں کیا ثبوت ہے تمہارے پاس " وہ دونوں اس وقت لان کے بجائے گھر میں کھڑے تھے اسفند اسے یہ سب باتیں الگ سے بتانا چاہتا تھا اسی لیے اسے گھر کے اندر لے آیا تھا اتنے میں نور بھی علی جاوید کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے گھر کے اندر آگئی تھی اور علی جاوید کو دیکھ کر بے تحاشہ ڈر گئی تھی جو غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"آئیے آئیے نوربی بی آپ ہی کی بات ہو رہی تھی اچھا ہوا آپ آگئی ہیں اب میں آپ کے سامنے آپ کے شوہر کو ثبوت دکھاؤں گا"

یہ کہتے ہی اسفند نے جیب سے موبائل نکال کر اس پر ایک وائس ریکارڈنگ اون کی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ اس وقت ریکارڈ کر چکا تھا جب نور خود اپنی زبان سے اپنے ہر گناہ کا اعتراف کر رہی تھی۔

("بھاڑ میں جاؤ تم بھی اور تمہارا دوست بھی نا تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نا تمہارا دوست بتا دو اسے میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ میں نے ہوٹل میں لڑکے کے ساتھ رات گزاری تھی،

میں نے اپنے ایک ناجائز بچے کو سالوں پہلے پھینک دیا تھا،

میں نے تم سے محبت کا ڈرامہ کیا تمہیں تمہاری بیوی سے چھیننا چاہا سب کچھ بتا دو جا کر اور ہاں صحیح کہا تم نے میں نے اس کی پراپرٹی اور دولت کے لیے اس سے شادی کی تھی اب کر لو جو کرنا چاہتے ہو")

موبائل کے سپیکر سے نکلتی آواز نے جہاں علی جاوید کو ساکت کر دیا تھا وہی نور کا رنگ بھی پیلا پڑ چکا تھا وہ خود ہی کنویں میں چھلانگ لگا چکی تھی اس کی زبان کو تالا لگ چکا تھا اب تو اسے مکمل یقین ہو چکا تھا کہ وہ اب نہیں بچنے والی۔

- -

"علی میری بات سنیں"

"علی پلیز میری بات سنیں"

نور چیختی ہی رہ گئی مگر علی جاوید نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ پکڑا تھا اور پھر اسے گھسیٹتے ہوئے گھر کے پچھلے دروازے کے ذریعے وہاں سے نکلتا چلا گیا گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر اسے بٹھانے کے بعد وہ خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا اور شدید غصے میں ایسے گاڑی چلا رہا تھا جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو نور اس کے انداز سے بے تحاشہ ڈر گئی تھی جس کی آنکھیں اس وقت لال انگارہ ہو رہی تھی۔

تین ساڑھے تین گھنٹے کی رش ڈرائیونگ کے بعد وہ گھر پہنچے تھے وہ پہلے خود گاڑی سے نکلا تھا اور پھر دوسری جانب آکر نور کو کھینچ کر باہر نکالا تھا سب نوکر چاکر بھی حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے جو بنا پیچھے دیکھے اسے اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا

"چھوڑیں مجھے علی ہاتھ چھوڑیں میرا"

نور درد کی شدت سے بلبلائی تھی

"یہ لو چھوڑ دیا"

کہتے ہی علی نے اسکا ہاتھ اس طریقے سے چھوڑا تھا کہ وہ ماربل کے فرش پر منہ کے بل گری تھی

"تم نے بلکل بھی اچھا نہیں کیا مجھے دھوکا دے کر میں نے تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کیا اپنے ماں باپ تک کو ناراض کر دیا اور تم نے مجھے ہی دھوکہ دیا بے شرم نجس عورت ہو تم میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا کبھی نہیں تمہیں اب ایسی سزا ملے گی کہ تم خود اپنے منہ سے اپنی موت مانگو گی تڑپ تڑپ کر اپنے لیے موت کی دعائیں مانگو گی تم نے غلط کیا مجھے اسفند جیسا انسان سمجھ کر اس نے تو تمہیں معاف کر دیا مگر میں معاف نہیں کروں گا تمہیں"

اس نے غصے سے گرجتے ہوئے کہا تھا

"علی میری بات سنیں پلیز"

نور گڑگڑائی تھی

"اب سننے سمجھنے کو کچھ بھی باقی نہیں رہا میں اس ریکارڈنگ میں سب کچھ اپنے کانوں سے سن چکا ہوں اب تو تمہارے پر کاٹنے کا وقت آگیا ہے"

"فریدہ، فریدہ کہاں ہو تم جلدی آؤ"

نور سے کہتے ہوئے اس نے فریدہ کو آواز لگائی تھی جو لاؤنج میں ہی ایک طرف کھڑی ان کی سب باتیں سن رہی تھی

"جی, جی صاحب"

وہ مؤدب سی آگے ہوتے ہوئے بولی

"میرے پیچھے پیچھے آؤ"

فریدہ کو حکم دیتے ہی اس نے نور کو بازو سے پکڑا تھا اور شدید غصے کے عالم میں اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے باہر لان سے ہوتے ہوئے گھر کی پچھلی جانب ایک سٹور نما کمرے میں آیا تھا جو دیکھنے میں تو سٹور سا لگتا تھا مگر وہ کمرہ اندر سے جتنا بڑا تھا اتنا ہی گندہ بھی تھا جگہ جگہ مکڑی کے جالے دھول مٹی تھی اسفند نے اسے اُسی گندگی میں پھینکا تھا

"اب تم اپنی ساری عمر اسی قید میں گزارو گی ترس جاؤ گی باہر کی دنیا دیکھنے کو مگر میں اب تمہیں مزید لوگوں کی زندگیاں برباد کرنے نہیں دوں گا یہی پڑی پڑی مرجاؤں گی تم مگر کبھی یہاں سے باہر نہیں آسکو گی"

اس نے چبا چبا کر کہا تھا

"تم کون ہوتے ہو مجھے قید کرنے والے میں جاؤں گی یہاں سے تم دیکھنا کہ میں کیسے جاتی ہوں یہاں سے ہٹو پیچھے"

علی سے کہتے ہوئے نور نے اسے دھکہ دیا تھا جس پر وہ تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں مگر نور کو ایک زور دار تھپڑ مار کر اسکا دماغ ضرور ہلا کر رکھ دیا منہ پر ہاتھ رکھے وہ زمین پر گر گئی تھی

"فریدہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ یہاں اس کمرے تک کوئی بھی نا آئے اس بد کردار اپنے بچے کی قاتل عورت کو تڑپا تڑپا کر سزا دینی ہے اس کو ایک ہی وقت کا صرف اتنا کھانا دینا جس سے صرف یہ مرے نا سزا سہنے کے لیے زندہ رہے باقی اس کو یہاں کوئی آسائش کچھ بھی نہیں ملے گا"

"مبارک ہو نور بی بی اب سے آپ کی ساری زندگی اس زندان میں گزرنے والی چوہوں اور کاکروچوں کے بیچ تم خود اپنے ہاتھوں سے ہی اپنے ہر پیارے رشتے کا قتل کر چکی ہو اب انہیں چوہوں سے دوستی کر لو کیونکہ اب یہی یہاں تمہارے پاس ہے"

علی نے دور ایک بڑے سے ڈبے پر بیٹھے چوہے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا

"نہیں میں یہاں نہیں رہ سکتی پلیز نکالو مجھے یہاں سے ورنہ میں چیخوں گی"

وہ بھپری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر چڑھ دوڑی تھی

"چیخو جتنا چیخ سکتی ہو چیخو یہ کمرہ گھر کے باقی حصے سے اتنا دور ہے کہ یہاں سے تمہاری چیخیں کوئی نہیں سن سکتا کوئی بھی نہیں"

علی نے اس سے کہا تھا اور فریدہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے دھڑام سے دروازہ بند کر دیا تھا جبکہ دوسری جانب دروازہ بجا بجا کر چیختے ہوئے نور کا کچھ ہی دیر میں گلا بلکل بیٹھ گیا تھا

"اپنے کمرے میں آتے ہی علی جاوید غصے سے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا
اسے اب نور کے ساتھ گزرنے والی زندگی کا سوچ کر بھی افسوس ہو رہا تھا اس کا دل کر رہا تھا کہ اسے ابھی اور اسی وقت مار ڈالے مگر پھر اس نے نور کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا سوچا تھا
ابھی وہ ایسے ہی بالوں کو مٹھی میں جکڑے بیٹھا تھا جب اسکے موبائل پر اسکی بہن کا فون آنے لگا تھا

"ہیلو"
اسنے جیسے ہی موبائل کو کان سے لگایا تھا دوسری جانب سے اسکی بہن روتے بلکتے بول رہی تھی

"علی مما کی طبعیت بہت خراب ہے کیوں انکو مزید ٹینشن دے رہو ہو مان لو نا انکی بات"
اس کی بہن نے التجا کی تھی

"میں مما کی بات مان چکا ہوں میں ابھی خود آپ کو فون کرنے والا تھا مما کو بتا دیں آپ کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ چکا ہوں اور وہ چاہتی ہیں نا کہ میں زنیرہ سے شادی کروں تو ٹھیک ہے میں اس سے شادی

کرنے کو تیار ہوں مگر میری واحد شرط یہ ہے کہ وہ یہاں میرے ساتھ پاکستان میں رہے گی میں امریکہ نہیں جاؤں گا"

علی جاوید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا جس پر شاید دوسری جانب موبائل سپیکر پر تھا جو اسکی بہن نے فوراً کہا تھا "ہاں وہاں مام کو منظور ہے یہ سب باتیں بلکہ ہم تو تمہاری شادی بھی وہی پاکستان میں کرنا چاہتے ہیں جلد از جلد"

دوسری جانب سے اسکی بہن کی چہکتی ہوئی آواز آئی تھی

"ٹھیک ہے پھر جب تم راضی ہو گئے ہو تو ہم اگلے ہی ہفتے شادی کے لیے آجاتے ہیں"

اس کی بہن نے کہا جس پر علی نے ٹھیک ہے کہتے ہوئے موبائل بند کر دیا۔

....

سب کی زندگیاں ہنسی خوشی بسر ہو رہی تھی انیلہ بیگم کو اب دعا روز وہیل چیئر پر بٹھا کر کبھی باہر لان میں لے آتی تو کبھی قریبی پارک لے جاتی ان کی صحت بھی اب آہستہ آہستہ بہتر ہو رہی تھی اور اب انکے جسم کے مفلوج حصوں میں حرکت ہونے لگی تھی

عبداللہ ہر جمعے کو یاسمین اور احمد صاحب سے ملنے آتا وہ اپنے مدرسے میں بہت خوش تھا اور پوری دلجمعی کے ساتھ قرآن حفظ کر رہا تھا

دوسری طرف اسفند اور کنول بھی اپنے بچوں کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہے تھے ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھی

صرف اور صرف اس گند اور بدبو سے بھری کوٹھڑی کے بغیر وہاں کسی بھی قسم کی خوشی کی رمق تک نہیں تھی جہاں نور کو قید کیا گیا تھا۔

زمین پر موجود واحد چادر پر وہ ہر وقت بیٹھی رہتی تھی فریدہ اسے روز ایک وقت یا کبھی کبھی دو وقت کا کھانا دے جاتی جو وہ شدید بھوک کی وجہ سے سارا کا سارا کھا جاتی چند دنوں میں ہی اسکے لمبے پیارے بال ایک دوسرے سے چپک چکے تھے اس کا لباس جو اس نے اسی پارٹی والے روز پہنا تھا اب کئی جگھوں سے پھٹ چکا تھا اس کمرے میں جس کی وجہ سے کبھی کبھی اسکا دم گھٹتا وہ ہر وقت چیخ چیخ کر روتی مگر اب اسے وہاں سے نکالنے والا کوئی نہیں تھا آج تو حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر سے ڈھول باجے اور شہنائیوں کی آوازیں آرہی تھی نور بھی حیران تھی کہ آج گھر پر کیا ہو رہا ہے وہ فریدہ سے جاننا چاہتی تھی مگر آج سارا دن تو وہ بھی اسکو دیکھنے نہیں آئی بلآخر رات کے دس بجے کمرے کا دروازہ ایک

چرچراہٹ کے ساتھ کھلا تھا اور علی جاوید کمرے کے اندر داخل ہوا تھا اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔

"یہ لو تمہارے لیے لے کر آیا ہوں بریانی ہے آج"
اسکے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے علی نے کہا مگر وہ زمین پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔

"یہ باہر شہنا ئیوں کی آوازیں سن رہی ہو تمہیں فریدہ نے تو بتایا ہی ہوگا"
علی نے کہا

"نہیں یہ کیا ہو رہا ہے باہر آج فریدہ یہاں نہیں آئی"
نور نے دھیمی آواز میں کہا تھا

"اچھا تو اس میں کونسی بڑی بات ہے میں بتا دیتا ہوں آج تمہارے شوہر کی یعنی میری شادی ہے بلکہ ہو چکی ہے میں نے اپنی اسی چچازاد سے شادی کر لیتی جس سے میری ماں میری شادی کرانا چاہتی تھی"
علی نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا

"ذلیل انسان تم ایسا کیسے کر سکتے ہو"

وہ دھاڑی تھی

"مطلب تم اتنا سب کچھ کر سکتی ہو اور میں دوسری شادی تک نہیں کر سکتا ویری بیڈ نور میڈم ویری بیڈ"

وہ اسکا مذاق اڑاتے ہوئے بولا تھا

"تم بھول گئی ہو اتنی جلدی کچھ سال پہلے تم بھی تو یہی کرنے والی تھی اسفند سے شادی کر کے اسے کنول بھابھی سے چھیننا چاہتی تھی اس وقت تمہیں یہ سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا اس وقت تمہیں اسفند بھی بہت اچھا لگتا تھا مگر اب تمہیں میں ذلیل انسان لگ رہا ہوں"

علی نے دانت پیستے ہوئے کہا

"میں تمہیں........."

چلو باقی باتیں بعد میں کریں گے کیونکہ ویسے بھی تم تو اب ہمیشہ کے لیے یہی ہو اب ادھر ہی زندگی گزارو گی مگر مجھے چلنا ہے میری دلہن میری راہ دیکھ رہی ہو گی۔

ایک آنکھ دبا کر کہتے ہوئے وہ باہر سے دروازے کو تالا لگا تا وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ اندر بیٹھی نور ایک بار پھر چیخ چیخ کر رونا شروع کر چکی تھی۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

وقت کا پانسا پلٹ بھی سکتا ہے
جو تو بھی سہہ سکے وہی ستم کر

اللہ کی یہ دنیا اندھیر نگری نہیں ہے یہاں محدود پیمانے پر جزا و سزا کا عمل جاری رہتا ہے انسان جیسا ظلم کرے گا اس کا صلہ بھی ویسا ہی پائے گا یہ دنیا مکافات عمل ہے آج کسی کی راہ میں تم پتھر رکھو گے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا, کسی کی زندگی کو مشکل بناؤ گے تو تمہاری اپنی زندگی جہنم بنتی جائے گی مکافات عمل کوئی مذاق نہیں ہے یہ حقیقت ہے ایک "بہت بڑی حقیقت" یہ وہ حقیقت ہے جو بادشاہ کو فقیر بنا دیتی ہے, ظالم کو تباہ و برباد کر دیتی ہے, بستیوں کو خاک کر دیتی ہے, شہروں کو اجاڑ دیتی ہے ظلم کتنی ہی بلندی پر کیوں نا ہو اللہ کے پاس انصاف ضرور ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ زیادتی کر کے اپنے لیے عزت کا طلبگار ہوتا ہے اللہ اسے اپنے انصاف کے ذریعے ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیتا ہے۔

ازل سے ہے مکافات عمل کا سلسلہ قائم
رلایا جس نے اوروں کو وہ خود بھی چشم تر ہوگا

ایک وقت آئے گا ظالم کا ہاتھ ہوگا اور مظلوم کا گریبان کیونکہ اللہ سبحان و تعالیٰ مظلوم کے ساتھ ہوتا ہے ایک دن آئے گا کہ ظالم کو مظلوم کے سامنے اپنے کیے گئے ہر ظلم کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا وہی وقت نور پر بھی اب آنے والے تھا وہ دن وہ لمحے بس کچھ ہی دور تھے جب اسے اپنے کیے گئے ہر ظلم کے لیے مظلوم کے سامنے جوابدہ ہونا تھا۔

اس دنیا میں وقت کی ایک عادت بہت اچھی ہوتی ہے جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے وقت گہرے سمندر میں گرے ہوئے موتی کی مانند ہے جس کا دوبارہ ملنا ناممکن ہوتا ہے وقت کا کام ہے گزرنا اور گزرتا چلا گیا سب اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ چکے تھے اپنے حصے کی خوشیاں اور اپنے حصے کے غم سب کو برابر ملے تھے مگر اس تمام گزرے وقت میں ایک اندھیری کوٹھڑی ایسی بھی تھی جہاں سے ہمہ وقت صرف اور صرف کسی عورت کی سسکیوں کی آوازیں آتی تھی یہ آوازیں اس کوٹھڑی سے پچھلے بیس سالوں سے آرہی تھی یہ بیس سال اس عورت نے اسی کال کوٹھڑی میں روتے بلکتے اور سسکتے گزار دی تھی اس کی سسکیاں دردناک تھی پتا نہیں اسکا ایسا کونسا غم تھا جو ختم ہی نہیں ہورہا تھا، اسی کونسی بے سکونی تھی جو اسے سکون آکے نہیں دے رہا تھا۔

آج بیس سال بعد بھی اس کمرے سے رات کے اس پہر سسکیوں کی آوازیں آرہی تھی لوہے کے مضبوط سلاخوں والی کھڑکیوں سے اندر جھانک کر دیکھو تو کمرے کے بیچ و بیچ جائے نماز بچھائے ایک ادھیڑ عمر عورت قبلہ رخ بیٹھی سجدے میں پڑی رو رہی تھی سسک سسک کر رونے کے باعث اسکا

سجدے میں پڑا جسم لرز رہا تھا اس کے دونوں جھریوں ذدہ ہاتھ جائے نماز پر پڑے تھے جن کے بیچ میں اسکا سر سجدے میں پڑا تھا اس کے تن پہ ایک کالے رنگ کا سادہ سا کاٹن کا لباس تھا اور سر اور جسم کے گرد اس نے کالے ہی رنگ کی ایک بڑی سی چادر کو لپیٹ رکھا تھا۔

"میرے پروردگار مجھے معاف کر دے یارب میں ظالم ہوں میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا میں نے خود سے وابستہ ہر انسان پر ظلم کیا میرے مالک مجھے میرے ہر ظلم کے لیے معاف فرما دے یارب میں نے اپنی اولاد کو اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں سے موت کے منہ میں دھکیل دیا میرے پروردگار میں ایک بہت ظالم عورت ہوں مجھ جیسی ظالم عورت کو معاف کر یارب بیشک تو, تو رحمان ہے رحیم ہے اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے میں بھی تیرے رحم کی طلب گار ہوں مجھ پر بھی رحم کر دے"

وہ مسلسل معافیاں مانگتے ہوئے رو رہی تھی

"اے آدم علیہ السلام کو معاف فرمانے والے پروردگار, اے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کو معافی عطا کرنے والے رب میں تیری ایک عام سی بندی تجھ سے معافی کی طلبگار ہوں میں بھی آج تجھ سے انھی الفاظ میں معافی مانگتی ہوں جن الفاظ میں مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام نے معافی مانگی تھی

"میرے اللہ میرے پروردگار تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں , تو پاک ہے یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں , مجھ پر رحم کر میرے مالک"

"مجھے معاف کر میرے پروردگار اگر میری اولاد میرا بیٹا اسی دنیا میں ہے اور زندہ ہے تو میرے مالک میری آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہونے سے پہلے مجھے اس سے ملوادے یارب جیسے تو نے بچھڑے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملوادیا۔ "

وہ روزرات کے اسی وقت تہجد کی نمازادا کرنے کے بعد ایسے ہی بلک بلک کر سجدے میں روتی تھی آج بھی اپنے رب کے سامنے دل ہلکا کرنے کے بعد وہ سجدے سے سر اٹھائے سیدھی ہو بیٹھی تھی وہ نور تھی ہاں وہی نورالھدیٰ جس کا غرور و گھمنڈ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا وہی نور جو سالوں پہلے ہر حد پار کر چکی تھی وہ یہ بھول چکی تھی کہ اللہ رب العزت ہماری ہر اچھائی اور برائی پر نظر رکھے ہوئے ہے اور مکافات عمل کے ذریعے ہمیں زندگی میں اپنے کیے گئے ہر ظلم کا بدلہ چکانا ہی پڑتا ہے اسکا چہرہ ویسا ہی صاف و شفاف تھا مگر نرم و ملائم جلد پر اب جھریاں ہی جھریاں تھی اس کی ہرنی جیسی آنکھیں بے تحاشہ کمزوری کی وجہ سے اندر کو دھنسی ہوئی تھی اسکے کالے لمبے اور گھنے بال اب بلکل چھوٹے اور حد سے زیادہ کمزور ہو چکے تھے اسکے ایک پیر میں وہ زنجیر ابھی تک بندھی تھی جس نے اس کے پیر کو زخمی کر رکھا تھا

۔جائے نماز پر سیدھی بیٹھی اب وہ نم آنکھوں سے انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی اب فجر کی آذان ہونے تک وہ معمول کے مطابق انگلیوں پر ذکر و اذکار کرتی رہتی۔

....

اسی راولپنڈی شہر سے ڈھائی گھنٹے کی مسافت پر واقع پشاور کے اس چھوٹے سے گاؤں غریب آباد میں احمد صاحب کے گھر کی بتیاں اس وقت گل تھی سوائے صحن کے جہاں جائے نماز بچھائے یاسمین پوری دلجمی کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کر رہی تھی تو دوسری جانب اس دوسرے کمرے کی بتی بھی جل رہی تھی جس کمرے میں پچیس سالہ نوجوان شرٹ اتارے آئینے کے سامنے کھڑا تھا اس کے کسرتی بازو اور ورزشی جسم کا عکس سامنے آئینے میں بھی نظر آرہا تھا مگر وہ اس وقت صرف اور صرف اپنے سینے پر موجود اس زخم کو گھور رہا تھا جس کے گھاؤ بظاہر تو بھر چکے تھے مگر وہ زخم آج بھی اسے کتنی تکلیف دیتا ہے یہ کوئی اسی سے پوچھے پچیس سال بعد بھی اس زخم کے نشانات نا جا سکے نا اس کے جسم سے نا اس کے دل و دماغ سے وہ ایسے ہی کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر اپنے جسم پر موجود اس زخم کو دیکھتا رہتا اور پتا نہیں کیا کیا سوچتا رہتا ابھی بھی زخم پر پر نظریں گاڑیں کچھ سوچ رہا تھا

(اس کا ذہن چار سال پہلے چلا گیا تھا)

چار سال پہلے کا وہ دن عبداللہ کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا جب وہ اکیس سال کا ہو چکا تھا اور اس کی سالگرہ تھی اس کے ساتھ ساتھ اسکے ایف۔ ایس۔ سی کا رزلٹ بھی آیا تھا وہ بہت خوش تھا کیونکہ ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان وہ فرسٹ ڈیوژن میں پاس کر چکا تھا اور اب اسکی بہت بڑی

خواہش پوری ہونے والی تھی ایف۔ ایس۔ سی کے بعد وہ پولیس آفیسر بننا چاہتا تھا وہ جلد ہی پولیس میں بھرتی کے لیے درخواست دینے والا تھا ان دونوں خوشیوں کو منانے کے لیے یاسمین نے گھر میں ایک چھوٹی سی محفل کا اہتمام کیا تھا جس میں صرف یاسمین، احمد صاحب اور عبداللہ ہی اپنی ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو سیلیبریٹ کرنے والے تھے مگر عبداللہ نے کہا کہ وہ میرو کو بلائے گا اس بات کہ باوجود کہ عشرت ابھی بھی اس سے بے حد نفرت کرتی تھی عبداللہ نے یاسمین کو اسے بلانے بھیجا تھا جب یاسمین میرو کو بلانے گئی تھی تب عشرت گھر پر نہیں تھی اس لیے یاسمین میرو کو ہی آنے کا کہتی واپس آگئی تھی۔

شام ہو چکی تھی عبداللہ کی خوشی آج دیدنی تھی میز پر کیک اور دیگر لوازمات سجائے یاسمین نے عبداللہ اور میرو کو بلایا تھا جس پر وہ دونوں خوشی خوشی باہر صحن میں آئے تھے میرو نے یاسمین اور عبداللہ کو نہیں بتایا تھا کہ وہ عشرت سے چھپ کر آئی ہے عشرت گھر پر نہیں تھی اور اسی موقعے کا فائدہ اٹھاتی وہ عبداللہ کی خوشی میں شریک ہونے پہنچ گئی تھی کیونکہ اسے پتا تھا کہ عشرت کبھی بھی اسے ان کے گھر نہیں جانے دے گی۔

صحن میں ہی کیک رکھے وہ چاروں وہاں موجود تھے یاسمین نے حسرت سے میرو کو دیکھا تھا جو خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ عبداللہ کو کیک کاٹنے کا کہہ رہی تھی اس وقت یاسمین کے دل نے شدت سے میرو کو اپنی بہو بنانے کی خواہش کی تھی چھوٹی سی چھری اٹھائے عبداللہ کیک کاٹنے ہی لگا تھا مگر

اس کے کیک کاٹنے سے پہلے ہی ایک دھماکے دار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا دروازے کی اتنی تیز آواز پر یاسمین, احمد صاحب, عبداللہ اور میرو نے بھی اس طرف دیکھا تھا جہاں سے لال انگارہ آنکھیں لیے عشرت دروازے سے داخل ہوئی تھی باقی سب تو اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے جواب میرو کی طرف بڑھ رہی تھی مگر میرو کی ہوائیاں اڑ چکی تھی۔

"تمھیں ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کتنی دفع سمجھایا ہے میں نے کہ اس سے دور رہا کرو مگر جتنا میں منع کرتی ہوں تم اتنا ہی اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہو"

میرو پر تھپڑوں کی بارش کرتے ہوئے عشرت نے کہا تھا عبداللہ نے ان کی اس حرکت پر خاموشی سے نظریں جھکالی تھی وہ اُن میں بیٹی کے درمیان کچھ نہیں بولنا چاہتا تھا مگر یاسمین نے آگے بڑھ کر میرو کو چھڑایا تھا

"عشرت بھابھی کیا کر رہی ہیں آپ, جوان بچی پر اس طرح سے کوئی ہاتھ اٹھاتا ہے کیا"

یاسمین نے میرو کو اپنے پیچھے کرتے ہوئے کہا تھا اور خود عشرت کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہوگئی تھی

"زیادہ ہمدردیاں جتانے کی ضرورت نہیں ہے, اس سب کی ذمہ دار تم اور تمہارا یہ ناجائز بیٹا ہے بڑی آئی اس کی سالگرہ منانے سالگرے تو ایسے منا رہی ہو جیسے تمہارا اپنا سگا بیٹا ہو بھول گئی ہو کیا کچرے سے ہی اٹھا کر لائی تھی اسے تم

نا تو اس کا باپ معلوم ہے کہ کون ہے کون نہیں اور نا ہی اسکی ماں کا کوئی اتا پتا ہے اور تم یہاں اس پر پیسے اڑا رہی ہو بیوقوف ہی ہو تم تو یاسمین"

عشرت نے آج صاف صاف لفظوں میں ساری بات عبداللہ کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔

"بس کر دو عشرت اب میں اپنے بیٹے کے بارے میں تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی بہت کر لیا ہے ہم نے برداشت, بہت کر لیا مگر اب نہیں اپنے بیٹے کو تم جیسی زہریلی عورت سے دور رکھنے کے لیے میں نے کیا کچھ نہیں کیا کتنا مصروف کر لیا اسے چھوٹی ہی عمر میں مگر تم زہر اگلنے کا ایک بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی لیکن میری ایک بات غور سے سن لو اور سمجھ لو مزید تم نے میرے بیٹے کے بارے میں کچھ کہا تو میں سارا لحاظ بھول جاؤں گی میرے بیٹے نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا مگر تم ہی ہاتھ دھو کر اسکے پیچھے پڑی ہو"

یاسمین نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا تھا عشرت تو آج یاسمین کے اس لہجے پر دنگ ہی رہ گئی تھی

میری بات کان کھول کر سن لو یہ میرا بیٹا ہے میرا یاسمین کا بیٹا ہے یہ, اب اپنی بیٹی کو لے کر جا سکتی ہو یہاں سے"

بولتے بولتے اس کا سانس بھی پھول چکا تھا میرو نے بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے پیچھے مڑ کر عبداللہ کو دیکھا تھا مگر عبداللہ کو نا کچھ سنائی دے رہے تھا اور نا کچھ دکھائی دے رہا تھا اسکے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو چکی تھی اسکے زہن میں عشرت کے کہے گئے سارے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے اب وہ اکیس سال کا ہو چکا تھا بچپن میں جب بھی عشرت اسے ایسا کچھ بولتی تھی تو وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا تھا مگر اب وہ ان سب باتوں کا مفہوم اچھے سے سمجھ چکا تھا۔

"چلو میرے ساتھ, جلدی چلو اور دوبارہ میں تمہیں اس کے ساتھ دیکھوں ذرا تو پھر تم اپنا حال دیکھنا"

میرو کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے وہ وہاں سے لے گئی تھی جبکہ پیچھے صحن میں ایک گہرا سناٹا چھوڑ گئی تھی کیک اور باقی سب لوازمات ویسے کے ویسے ہی میز پر پڑے رہ گئے تھے۔ یاسمین ابھی بھی رخ موڑے کھڑی تھی جب اسکے کانوں میں عبداللہ کی آواز آئی تھی۔

"کیا عشرت آنٹی نے سب سچ کہا ہے ب بتائے م مجھے م میں جاننا چاہتا ہوں"

عبداللہ نے لرزتے لہجے میں پوچھا تھا

"میں جاننا چاہتا ہوں امی جان سمجھتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہی تھی کیا انہوں نے جو کچھ کہا وہ سچ تھا پلیز بتائے مجھے پلیز"

عبداللہ نے روتی یاسمین کو کندھوں سے تھام کر اسکا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے پوچھا تھا

"میں بتاتا ہوں تمہیں ساری سچائی یہاں آؤ میرے ساتھ"

احمد صاحب نے رعب دار آواز میں کہتے ہوئے عبداللہ کے ہاتھ یاسمین کے کندھوں سے ہٹائے تھے اور پھر اسے کمرے میں لے آئے تھے آرام سے اسے بٹھانے کے بعد احمد صاحب نے دھیرے دھیرے ساری سچائی اسکے سامنے کھول کر رکھ دی تھی کہ کیسے وہ صبح کے وقت انہیں کچرے کے ڈھیر سے ملا تھا اور یہ بھی کہ اس پر کتنے حملے بھی کر چکے تھے جن کے زخموں کے نشانات ابھی تک اس کے سینے پر موجود تھے۔

"عبداللہ ان سب باتوں کو مت سوچوں میری جان تم میرے بیٹے ہو، تم صرف اور صرف اپنی امی جان کے بیٹے ہو سنا تم نے"

اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے یاسمین نے کہا تھا مگر کچھ بھی سنے بغیر اس وقت وہ وہاں سے اٹھتا چلا گیا۔

"عبداللہ، عبداللہ میری بات سنو بیٹا"

یاسمین نے اسے آوازیں دی تھی جنھیں وہ ان سنی کیے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا

www.urdunovelsmania.com

"مت روکو یاسمین اسے یہ ایک بہت تلخ اور دل خراش حقیقت ہے اسے سنبھلنے میں وقت لگے گا کچھ دیر اسے اکیلے رہنے دو"

احمد صاحب نے ان کو روکا تھا جو اسکے پیچھے جانے والی تھی مگر اب چوکھٹ میں ہی برستی آنکھیں لیے رک گئی تھی

اسکے بعد عبداللہ ہر وقت چپ چپ رہتا تھا میرو کو تو وہ ابھی تک گھر بھی نہیں آنے دیتا تھا اگر کبھی وہ آجاتی تو اسے ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بھجوا دیتا مگر یاسمین بیگم اور احمد صاحب کے ساتھ اس کی محبت مزید بڑھ چکی تھی عبداللہ کی ساری زندگی کا مرکز ہی یاسمین بیگم اور احمد صاحب تھے وہ سمجھ گیا تھا کہ ان دونوں نے عبداللہ سے کتنی محبت کی اسے کتنا لاڈ پیار دیا اور سب سے بڑھ کر اسے ایک اچھا انسان بنایا کچھ ماہ بعد اپنی ان تھک محنت اور کوششوں سے وہ پولیس میں بھی بھرتی ہو گیا تھا مگر ایک ہی دعا جو عبداللہ ہر وقت مانگتا رہتا تھا وہ یہ کہ کسی طرح زندگی میں ایک بار ہی صحیح وہ اپنے اصل ماں باپ سے ملے اور ان کو جھنجھوڑ کر پوچھے کہ "آخر کیوں ,کیوں کیا آپ لوگوں نے میرے ساتھ ایسا؟"

وہ بس اسی سوال کا جواب چاہتا تھا ان دونوں سے

"ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب ہلکا سا دروازہ بجا کر کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا اس نے تیزی سے بیڈ کی طرف لپک کر اپنی شرٹ اٹھائی تھی اور فوراً اسے پہن لیا تھا۔

"امی جان آپ؟"

دروازے سے اندر داخل ہوتی یاسمین کو دیکھتے ہی اس نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے کہا تھا

"ہاں کیوں نہیں آسکتی تمہارے کمرے میں؟"

یاسمین نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا

"ارے نہیں امی جان میرا وہ مطلب نہیں تھا آپ آئیے نا بیٹھیں یہاں"

انکا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک لاتے ہوئے عبداللہ نے بیڈ پر پڑی کچھ فائلز کو اٹھا کر رائٹنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی اور پھر خود بیڈ پر ہی انکی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"اتنی رات ہوگئی سوئے کیوں نہیں ابھی تک اور اتنی سردی میں تم شرٹ اتارے آئینے کے سامنے کیوں کھڑے تھے؟"

یاسمین نے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا جو تلخی سے مسکرایا تھا

"کچھ نہیں امی جان بس نیند نہیں آرہی تھی"

اس نے آنکھیں موندے جواب دیا تھا

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"اچھا نیند نہیں آ رہی تھی اتنا سوچو گے تو نیند کیسے آئے گی"

یاسمین نے محبت سے اسکے ماتھے سے بال ہٹاتے ہوئے جواب دیا تھا

"امی میں نے زیادہ سوچنا چھوڑ دیا ہے اب بس صرف اتنی دعا کرتا ہوں اپنے پروردگار سے کہ زندگی میں بس ایک دفع مجھے ان سے ملوا دے جنہوں نے مجھے پیدا کرنے کے بعد گند کی طرح کوڑے میں پھینک دیا"

عبداللہ نے زخمی لہجے میں کہا تھا

"اب آپ بھی بابا کی طرح یہی کہے گی کہ ایسا صرف فلموں اور ڈراموں میں ہوتا ہے اصل زندگی میں نے نہیں"

اس نے آخر میں مسکراتے ہوئے کہا تھا

"ہرگز نہیں میں ایسا بلکل بھی نہیں کہوں گی بلکہ میں تو تمہارے لیے دعا کروں گی کہ اللہ پاک تمہاری یہ دعا قبول فرمائے کیونکہ ممکن اور ناممکن تو ہم انسانوں کے لیے ہوتا ہے اللہ سبحان و تعالٰی کے لیے تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے وہ رب تو ناممکن کو بھی ممکن کرنے پر قادر ہے"

یاسمین کی بات سے اسکے رگ رگ میں ایک عجیب سے سکون اترا تھا

"اب سو جاؤ جلدی سے کل ڈیوٹی پر بھی جانا ہے تم نے"

انہوں اسے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ ویسے ہی آنکھیں موندے لیٹا رہا اور یاسمین کافی دیر تک اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہی کچھ دیر بعد جب اسے احساس ہوا کہ عبداللہ سو چکا ہے تو دھیرے سے اٹھ کر اس پر کمبل ٹھیک کرتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

صبح کی آذانیں ہر سوں بلند ہو رہی تھی سردی کی اس خاموش صبح میں آذان کی آواز روح کو ایک الگ ہی سکون بخش رہی تھی اپنے اپنے بستروں سے اٹھتے وہ تینوں باہر آئے تھے احمد صاحب اور عبداللہ نے نماز پڑھنے کے لیے مسجد کا رخ کر کیا جبکہ یاسمین بیگم گھر میں ہی وضو کرتی جائے نماز بچھا کر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی تھی یہ ان کا معمول تھا روز فجر کی نماز پڑھنے کے بعد یاسمین جائے نماز پر ہی بیٹھی عبداللہ کا انتظار کرتی اور جیسے ہی وہ آتا یاسمین کے پاس بیٹھ کر اسے اپنی خوبصورت آواز میں تلاوتِ قرآن پاک سناتا آج بھی یاسمین جائے نماز پر بیٹھی اسکا انتظار کر رہی تھی جب وہ دروازے سے داخل ہوتے ہوئے اس کے پاس آیا تھا اور اس کے سامنے ہی جائے نماز پر بیٹھ گیا تھا جبکہ احمد صاحب مسجد میں معمول کے مطابق مولوی صاحب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے۔

"آج کون سی سورۃ"

ہمیشہ کی طرح آج بھی اس نے مسکراتے ہوئے یاسمین سے پوچھا تھا

"سورۃ یاسین"

یاسمین نے جواب دیا جس کے بعد سر پر جھالی دار ٹوپی پہنتے ہوئے وہ سورۃ یاسین کی تلاوت شروع کر چکا تھا بلاشبہ اسکی آواز بے حد پیاری تھی اور صبح کہ اس وقت تو مزید دلوں کو سکون بخشتی تھی جب گاؤں کی صاف ستھری فضا میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی, آسمان سے اندھیرے کی چادر چھٹتے ہوئے اب نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی درختوں پر بیٹھے پرندوں کی چہچہاہٹ کو سنتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے میں عبداللہ کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہے ہو"

"صدق اللہ العظیم" کہتے ہوئے اس نے جیسے ہی تلاوت ختم کر کے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے یاسمین کو دیکھا تھا جس نے آگے بڑھ کر عبداللہ کے ماتھے کو محبت سے چوما تھا ان پر سے نظریں ہٹا کر اسکی نظر سیدھی اس پر گئی تھی جو سیڑھی پر کھڑی دیوار کے اس پار عبداللہ کو ہی دیکھ رہی تھی اس نے نماز کے سٹائل میں دوپٹہ پہن رکھا تھا وہ بھی روزانہ ایسے ہی نماز پڑھنے کے بعد دیوار سے جھانک کر عبداللہ کی آواز میں تلاوت سنتی عبداللہ کے دیکھنے پر اب وہ آنکھوں میں شکوہ لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر وہ سر جھٹکتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا دوسری طرف میرو بھی آج پھر مایوسی سے سیڑھی سے اترتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

....

"مما، مما دیکھیں نا ان دونوں کو یہ مجھے تصویریں نہیں دے رہے پورا البم ہی لے کر بھاگ گئے، دادوں ، نانی جان آپ ہی کچھ سمجھائے ان دونوں کو کوئی انہیں کچھ بھی نہیں کہتا سارا دن یہ دونوں مجھے تنگ کرتے رہتے ہیں"

بیس سالہ منیحہ پورے لاؤنج میں اپنے دونوں جڑواں بھائیوں معاذ اور ادریس کے پیچھے بھاگ رہی تھی جو حلق پھاڑ قہقہے لگاتے ہوئے ہاتھ میں تصویروں کا ایک بڑا البم پکڑے پورے گھر کو سر پر اٹھائے بھاگ رہے تھے منیحہ جب ادریس کو پکڑنے میں کامیاب ہوتی تو وہ البم معاذ کی جانب اچھال دیتا پھر جب وہ معاذ کو پکڑ لیتی وہ وہی البم واپس ادریس کی جانب اچھالتا ایسے میں وہ دونوں منیحہ کو اپنے پیچھے بھگا بھگا کر تھکا چکے تھے مگر یہ صرف آج کی بات نہیں تھی وہ روز اسی طرح کسی نا کسی طریقے سے منیحہ کو تنگ کرتے رہتے لیکن یہ بھی ایک سچائی تھی کہ وہ جتنا اسے تنگ کرتے اس سے کئی زیادہ اس سے پیار بھی کرتے تھے۔

لاؤنج میں بیٹھی دعا، ان تینوں کو غصے سے گھور رہی تھی جو ادھر ادھر دیکھے بغیر بس ایک دوسرے کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے سمرین بیگم اور انیلہ بیگم کبھی ادریس کو آواز دے کر روکنے کی کوشش کرتی تو کبھی معاذ کو کیونکہ ان دونوں کی بوڑھی ہڈیوں میں اب کہاں ان کے پیچھے جانے کی طاقت تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟"

ذراج کی بھاری غصیلی آواز پر وہ تینوں اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے ادریس اور معاذ کے تو چہرے پیلے پڑ گئے تھے مگر دعا کی جان میں جان آئی تھی وہ وقت ضائع کیے بغیر بھاگ کر ذراج کے پاس آئی تھی۔

"بابا یہ دیکھے نا میں پکچرز دیکھ رہی تھی یہ دونوں البم میرے ہاتھ سے کھینچ کر لے کر گئے اور اب کتنی ہی دیر سے مجھے اپنے پیچھے بھگا رہے ہیں میں روز آپ سے کہتی ہوں یہ دونوں مجھے بہت تنگ کرتے ہیں مگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہوتا آج تو آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا نا"

دل پر ہاتھ رکھے پھولی ہوئی سانسوں سمیت بولتے ہوئے وہ چہرے سے بھی اب بہت تھکی تھکی نظر آ رہی تھی

"ادھر آؤ تم دونوں اور یہ البم بھی لے کر آؤ"

ذراج نے اسی رعب دار لہجے میں کہا تھا

"بیٹا اب تو ہم گئے کام سے"

ادریس معاذ کے کان میں منمنایا تھا

"ادھر دو مجھے یہ"

ذراج نے اس کے ہاتھ سے وہ البم جھپٹتے ہوئے کہا تھا

"کیوں تنگ کرتے ہو تم دونوں سب کو شرم نہیں آتی تم دونوں کو بڑی بہن ہے یہ تمہاری کچھ احساس ہے تم دونوں کو کیا حال کر دیا میری بیٹی کا اسے اپنے پیچھے خوار کر کے"

ذراج نے منیحہ کو اپنے قریب کرتے ہوئے اس کے ماتھے پہ پیار کیا تھا جس نے سبز رنگ کی شلوار قمیض کے ساتھ سبز ہی دوپٹہ ایک کندھے پر ڈال رکھا تھا جبکہ سفید رنگ کے بڑے سے سکارف کو اچھی طرح اپنے چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا

"بابا وہ ہم دونوں بھی یہ پکچرز دیکھنا چاہتے تھے اور منیحہ ,م میرا مطلب آپی ہمیں دیکھنے نہیں دے رہی تھی"

معاذ نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا کیونکہ وہ دونوں اپنی انہی شرارتوں کی وجہ سے اکثر ذراج سے ڈانٹ اور مار دونوں کھاتے رہتے تھے منیحہ کے مطابق اس ڈانٹ اور مار کا ان دونوں پر کچھ خاص اثر نہیں ہوتا

"اگر دیکھنی ہے تو انسانوں کی طرح سب مل بیٹھ کر دیکھو اور اس کے بعد اگر منیحہ یا گھر میں کسی کو بھی تنگ کیا تو پنکھے سے الٹا لٹکا کر ماروں گا"

ٹریک سوٹ میں ملبوس ذراج نے ماتھے پہ بل لیے اس سے کہا تھا ابھی صبح سویرے وہ مارننگ واک کے لیے قریبی پارک گیا تھا اور جیسے ہی واپس لوٹا تھا تو لاؤنج میں ان دونوں پر نظر گئی تھی جن کے بارے میں روز منیحہ اسے شکایتیں لگاتی تھی کہ اسے تنگ کرتے ہیں مگر آج تو اس نے اپنی آنکھوں سے ہی دیکھ لیا تھا اس لیے ان دونوں کو تنبیہ کرتے ہوئے بولے تھے جواب دونوں ہاتھ باندھے ایسے کھڑے تھے جیسے ان دونوں سے شریف اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے منیحہ کے سر پر ہاتھ رکھے البم پر ایک بھی نظر ڈالے بغیر وہ اسے اپنے ساتھ لاؤنج میں لے آیا تھا اسکے پیچھے ہی ادریس اور معاذ بھی سست روی سے چلتے ہوئے آئے تھے ذراج اور منیحہ بڑے صوفے پر انیلہ بیگم اور سمرین بیگم کے ساتھ بیٹھ گئے تھے ذراج کے لیے جوس لانے کی غرض سے دعا اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی جبکہ وہ دونوں اب منہ لٹکائے صوفے کے ساتھ نیچے رکھے فلور کشنز پر بیٹھ گئے تھے۔

"یہ آپ کے لیے جوس اور مما یہ آپ دونوں کے لیے"

ٹرے میں موجود تین جوس کے گلاسوں میں سے ایک ایک ذراج، سمرین بیگم اور انیلہ بیگم کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے دعا نے کہا تھا۔

"بیس سالہ منیحہ سے ادریس اور معاذ تین سال چھوٹے تھے وقت آگے بڑھ گیا تھا کچھ اچھا گزرا تھا تو کچھ آزمائشوں میں انیلہ بیگم باقی تو ٹھیک ہو گئی تھی مگر وہ آج تک اپنے پیروں پر صحیح طرح سے چل نہیں پاتی تھی بلکہ بیساکھی کی مدد سے چلتی تھی وہ اور سمرین بیگم اب ازحد بوڑھی ہو چکی تھی اب تو ذراج اور

دعا کے بالوں میں بھی چاندی لگ چکی تھی شبیر اقبال پانچ سال پہلے ہی وفات پا چکے تھے ان کے جانے کے بعد اب بزنس کا سارا بوجھ ذراج کے کندھوں پہ آچکا تھا جس کی وجہ سے وہ کافی مصروف اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"مما نور آنٹی کتنی پیاری تھی جسٹ واؤ"

البم سے ساری تصویریں نکال کر ایک ایک کو غور غور سے دیکھتے ہوئے وہ تینوں ساتھ ساتھ ان پرانی تصاویر پر تبصرے بھی کر رہے تھے دعا کو لگا تھا کہ شاید یہ ذراج اور اسکی شادی کے بعد کی تصاویر ہیں مگر نور کے نام پر اسے جھٹکا لگا تھا اس نے سب سے پہلے منیحہ کے ہاتھوں میں موجود البم کو غور سے دیکھا تھا یہ وہی البم تھا جب نور نے گھر بیچ دیا تھا دعا اور انیلہ بیگم کو اس وقت ذراج کے گھر آنا تھا گھر سے نکلتے وقت دعا نے وہ البم بھی اپنے قیمتی سامان کے ساتھ سنبھال کر رکھا تھا جس میں دعا، نور، انیلہ بیگم، شاہ میر ملک اور یہاں تک کہ ساجدہ اماں کی تصویریں بھی تھی دعا نے صرف ایک دفع ہی چند سال پہلے اس البم کو نکالا تھا اور اپنے بچوں کو سب کی تصویریں دکھائی تھی مگر آج وہ تینوں پھر سے وہی تصویریں کھولے بیٹھے تھے جس سے دعا اور انیلہ بیگم کی یادیں جڑی تھی صرف اور صرف درد اور تکلیف بھری یادیں۔

"دکھاؤ ادھر مجھے"

دعا نے کھوئی کھوئی سے کیفیت میں منیحہ کے قریب بیٹھتے ہوئے ادریس کے ہاتھ سے نور کی تصویر لی تھی یہ وہی تصویر تھی جو سالوں پہلے عابد شیخ کی پارٹی میں لی گئی تھی جس میں نور بلیک کلر کی میکسی میں کھڑی غضب ڈھا رہی تھی

"آہ یہ وقتی حسن کون پہچان پاتا اسی نور کو اب"

جس کی حسن کے لوگ دیوانے ہو جاتے تھے نم آنکھوں کے ساتھ دعا نے اس تصویر پر ہاتھ پھیرا تھا کتنا تلاش کیا تھا اس نے نور کو جب اسے ذراج سے پتا چلا تھا کہ علی جاوید نے اسے طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا ہے وہ اسی وقت ذراج کے ساتھ علی جاوید کے گھر بھی گئی تھی اس سے پوچھنے کہ اس کی بہن کہاں ہے مگر اس وقت فریدہ نامی ایک کام والی نے اسے بتایا تھا کہ طلاق دینے کے بعد علی جاوید اسے گھر سے نکال چکا ہے اب انہیں کچھ نہیں پتا کہ وہ کہاں ہے؟
جب دعا نے علی جاوید سے یہ کہا تھا تو وہ بھی صاف انکار کر گیا تھا کہ "مجھے نہیں پتا نور کہاں ہے میں تو اسے طلاق دینے کے بعد گھر سے نکال چکا ہوں"
ذراج کے ساتھ مل کر دعا کئی مہینوں تک اسے ڈھونڈنے کے لیے ماری ماری پھرتی رہی مگر اسکا کچھ پتا نا چل سکا انہوں ان دونوں نے پولیس میں بھی کمپلین کروائی تھی مگر کوئی فائدہ نا ہو سکا

"دعا مجھے دکھاؤ ذرا"

انیلہ بیگم نے آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھوں کو دعا پر جمائے کہا تھا جس پر دعا نے وہ تصویر ان کے حوالے کر دی

"پتا نہیں کہاں ہوگی میری بچی ,میری نور,پتا نہیں زندہ بھی ہوگی یا نہیں ,میرے اللہ صرف ایک دفعہ صرف اور صرف ایک دفعہ میری بیٹی کو مجھ سے ملوا دے میرے رورد گار"

نور کی تصویر کو سینے سے لگائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی جب اچانک ہی روتے روتے ان کا سانس بند ہوگیا تھا ان کو کافی سالوں سے دمے کی بیماری تھی

"منیحہ جاؤ نانی کا انہیلر لے کر جاؤ جلدی جاؤ"

ذراج نے انیلہ بیگم کے قریب آتے ہوئے منیحہ کو آواز دی تھی جو بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی تھی اور جب وہ واپس آئی تھی تو اس کے ہاتھ میں انہیلر تھا جسکے استعمال کے بعد انکا سانس بحال ہوا تھا دعا اور ذراج تو ان کو رات میں اکیلے سونے بھی نہیں دیتے تھے کہ کہیں ان کا سانس نا رک جائے اس لیے منیحہ رات میں انیلہ بیگم کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں سوتی تھی۔

"اٹھاؤ یہ تصویریں جلدی سے کبھی کوئی اچھا کام نا کرنا تم تینوں پتا بھی ہے تم لوگوں کو کہ تمہاری مما اور نانو ان تصویروں کو دیکھ کر اداس ہو جاتی ہیں پھر بھی یہ لے آئے ہو یہاں ذرا جو تم لوگوں کو احساس ہو"

روتی بلکتی انیلہ بیگم اوران کو گلے لگائے دعا کی حالت کو دیکھتے ہوئے سمرین بیگم نے ان تینوں کو گھورتے ہوئے کہا تھا جو فوراً تصویریں اور البم اٹھائے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔

"دعا تمہیں چاہیے آنٹی کو سہارا دو ان کو تسلی دو الٹا تم بھی ان سے لپٹی رو رہی ہو"
ذراج نے اسے ذرا سخت لہجے میں کہا تھا جو اسی وقت انیلہ بیگم سے الگ ہو گئی تھی

"امی آپ فکر نا کریں وہ جہاں بھی ہو گی ٹھیک ہو گی ان شاء اللہ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت میں اس سے ملنا لکھا ہو گا تو پھر اللہ پاک کہیں سے بھی اسے ہم سے ملوا دینگے میں بھی تو آپ ہی کی بیٹی ہوں آپ کو روتے ہوئے دیکھ کر مجھے تکلیف ہو رہی ہے پلیز خاموش ہو جائے"
دعا نے دونوں ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا

"ہاں انیلہ اب چپ ہو جاؤ میں اب بوڑھی عورت ہوں مجھ سے اتنی بھوک برداشت نہیں ہوتی بھئی جاؤ دعا ہمارے لیے ناشتہ لے کر آؤ بند کرو اب یہ رونا دھونا بھئی"
سمرین بیگم نے ماحول میں چھائی سنجیدگی کو ختم کرنے کے لیے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا جس پر وہ سب مسکرا دیئے تھے ذراج اٹھ کر چینج کرنے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا دعا ناشتہ تیار کرنے جبکہ سمرین بیگم نے انیلہ بیگم کا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے انہیں اپنے ساتھ باتوں میں لگا لیا تھا۔

- -

شاہ میر ملک کو اس دارفانی سے گئے پانچ ماہ ہو چکے تھے نور تو کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی لیکن اگر ابھی تک کوئی بے حال تھا تو وہ دعا اور انیلہ بیگم تھیں وہ دونوں بلکل گم سم سی ہو گئی تھیں۔ انیلہ بیگم کی طبعیت بھی اب کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی شاہ میر ملک کے بچھڑنے کے غم نے ان کو نڈھال کر دیا تھا اگر دعا ان کو کھانا کھلا دیتی تو کھا لیتی تھوڑا بہت لیکن اگر وہ نا کھلاتی تو پھر انیلہ بیگم خود سے کچھ نہیں کھاتی ہر وقت سوچوں میں گم بیٹھی رہتی ابھی بھی لاؤنج میں دعا انیلہ بیگم کو انکے بلڈ پریشر کی دوا دے رہی تھی جو کہ اس وقت بہت ہائی ہو چکا تھا جب ذراج بھی وہاں آیا تھا۔

"السلام علیکم!"

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے دعا اور انیلہ بیگم کو سلام کیا تھا جبکہ نور اس وقت کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام ذراج بیٹا آؤ بیٹھو یہاں"

انیلہ بیگم نے دھیمی آواز میں کہا تھا

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"آنٹی دعا نے بتایا تھا کہ آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے اگر زیادہ خراب ہے طبعیت تو چلیں میرے ساتھ ابھی آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں"

اس نے فکرمندی سے کہا تھا

"نہیں بیٹا اب بس میری اتنی عمر ہو گئی ہے طبعیت تو اب ایسے ہی رہے گی ڈاکٹر کے پاس جانے نا جانے سے اب کوئی فرق نہیں پڑے گا"

انہوں نے افسردگی سے جواب دیا تھا

"لیکن اپنی صحت کا خیال رکھنا تو پھر بھی ضروری ہے نا لیکن چلیں آپ نہیں جانا چاہتی تو کوئی بات نہیں ماما کی ایک فرینڈ ہیں وہ بہت بڑی ڈاکٹر ہیں میں بات کرتا ہوں ان سے شام تک وہ آجائیں گی یہاں آپ کے چیک اپ کے لیے"

ذراج نے جواب دیا تھا

"ذراج آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہیں سب ٹھیک تو ہے"

دعا نے اس سے پوچھا تھا جو کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا

"بات تو ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں آرہا آپ کو کیسے بتاؤ"

ذراج نے جواب دیا

"تم بولو بیٹا کیا بات ہے اگر اب بھی کچھ رہتا ہے تو بتا دو اب تو اتنا سب کچھ جھیل لیا ہے کہ عادت سی ہو گئی ہے پریشان اور اداس رہنے کی"

انیلہ بیگم نے جواباً کہا

"دعا شاہ میر انکل کی وفات کے بیسویں دن تم نے مجھے کہا تھا کہ میں ان کے بزنس اور پراپرٹی وغیرہ سب کچھ کا جائزہ لوں کہ ان کی کتنی پراپرٹی اور کتنے شئیرز وغیرہ اتنے بڑے نقصان کے بعد ابھی بھی رہتے ہیں"

ذراج نے دعا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا

"جی میں نے کہا تھا تو پھر آپ نے پتا لگایا کچھ ہوا ہے کیا؟"

دعا نے فکرمندی سے پوچھا تھا انیلہ بیگم بھی تجسس سے ذراج کو دیکھ رہی تھی جوان کو ساری بات بتانے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا تھا

"بات اصل میں یہ ہے دعا کہ شاہ میر انکل کے باقی شیئرز جو بچ گئے تھے ان کی ڈیتھ کے فوراً بعد ہی نور وہ سب شیئرز یہاں تک کہ یہ گھر اور گاڑی بھی بیچ چکی ہے اس سب سے ملنے والے پیسوں سے وہ

ڈیفنس میں تین کمروں کا ایک بہت اچھا اور مہنگا گھر اسکے علاوہ بیس لاکھ کی گاڑی لے چکی ہے اب تو وہ ایک بہت بڑے بزنس مین علی جاوید کے آفس میں جوب بھی کر رہی ہے نور اس کی پرسنل سیکرٹری ہے میں یہ ساری معلومات دو مہینے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا مگر آپ دونوں کو اس صورت حال میں کچھ بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا آنٹی کی بھی آج کل طبعیت ٹھیک نہیں رہتی بس اسی لیے میں نے سوچا کچھ دنوں بعد بتا دوں گا آپ لوگوں کو"

خاموش بیٹھے ذراج کی نظریں اب ان دونوں کے چہروں کا طواف کر رہی تھی جو شاکی انداز میں بیٹھی تھی اتنے میں نور بھی سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دی تھی لاؤنج میں بیٹھے ذراج, دعا اور انیلہ بیگم کے تاثرات نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"لیکن ذراج بابا کی پراپرٹی پر تو میرا بھی حق اور امی کا بھی پھر ایسے کیسے....."

"بلکل شاہ میر انکل کی پراپرٹی پر تمہارا بھی حق تھا اور آنٹی کا بھی مگر ان کے جیتے جی ہی نور ان کی ساری پراپرٹی اور شیئرز دھوکے سے اپنے نام کروا چکی تھی کب کیسے اب یہ تو وہی بتا سکتی ہے"

ذراج نے کہا تھا جو اس کے پیچھے کھڑی نور واضح طور پر سن چکی تھی دعا اور انیلہ بیگم کی نظر بھی نور پر پڑ چکی تھی جو اس صوفے کی پیچھے کھڑی تھی جس صوفے پر ذراج بیٹھا تھا۔

"تم اور کتنا گروگی نور خدا کے لیے بس کر جاؤ اور کس کس کی بد دعائیں لوگی تم اپنی سگی بہن اور اپنی ماں تک کا حق کھا چکی ہو تم"

دعا نے تپے ہوئے لہجے میں اس سے کہا تھا

"کیا ہے اب کیا کر دیا ہے میں نے ؟"

نور نے بے زاری سے کہا

"کیا کر دیا ہے تم نے بابا کی پراپرٹی میں میرا اور مما کا حصہ بھی تم اپنے نام کر چکی ہو اور اب انجان بنی یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے کیا کیا ہے"

دعا نے دانت پیستے ہوئے کہا

"اووو اچھا تو آپ کے شوہر نے آپ تک ساری معلومات پہنچا دی ہے خیر اچھی بات ہے میرے بتانے سے پہلے ہی آپ کو سب پتا چل گیا مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی"

اس نے بے شرمی سے جواب دیا

"یہ سب کچھ تم نے اپنے نام کروایا کیسے ؟ کیونکہ بابا ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے کہ تم کچھ تمہارے نام کر دے"

دعا نے پوچھا تھا

"یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا میرے لیے جب آپ اپنی ساجدہ اماں کا روگ لیے دنیا جہاں سے بیگانہ ہو کر بیٹھ گئی تھی ان دنوں ڈیڈ کے آفس کو میں نے ہی ان کے ساتھ سنبھالا ہوا تھا لہذا مجھے ہر بات کی خبر ہو جاتی تھی انہی دنوں جب عابد شیخ ڈیڈ کا سارا پیسہ لیکر بھاگ گیا تھا مجھے یہ سب کچھ ڈیڈ نے ہی بتایا تھا پتہ چلتے ہی میں نے سوچا اس سے پہلے ڈیڈ باقی شیئرز اور پراپرٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے یہ سب کچھ میں اپنے نام کروا لیتی ہوں میں نے اسی وقت وکیل سے بات کر کے پیپرز بنوائے اور پھر آفس کے ایسے پیپرز جن پہ مجھے ڈیڈ کے دستخط چاہیئے تھے ان کے درمیان رکھ کر میں ڈیڈ کے پاس چلی گئی جو کسی سے فون پر بات کرنے میں مصروف تھے میں اشارے سے ان سے کہا کہ آپ کے سائن چاہیئے جس پر انہوں نے بنا پیپرز پڑھے دھڑا دھڑا ان پر اپنے سگنیچرز کر دئیے اور سب کچھ میرے نام ہو گیا"

بڑی فخر کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے اپنا سارا کارنامہ سنایا تھا

"نور تم نے ایک پل کو بھی نہیں سوچا کہ میرا اور مما کا کیا ہوگا"

دعا نے اسے شرم دلاتے ہوئے پوچھا تھا

"آپ کا ہونا کیا ہے بس شادی کر لیں آپ ذراج بھائی سے اتنا پیسہ ہے ان کے پاس اور کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور کب تک نکاح کیے ایسے ہی گھر میں بیٹھیں رہیں گی آپ اور ذراج بھائی کے گھر میں کمی تو نہیں ہے ماما کو بھی رکھ لے اپنے پاس"

"اب دیکھیں میں رکھ لیتی ان کو اپنے پاس مگر کیا ہے کہ آج کل ماما کی طبعیت اتنی خراب رہتی ہے تم تو انکا خیال رکھتی ہو میں ان کو سنبھالتی پھروں گی یا جاب کر کے اپنے لیے کماؤں گی"
نور نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا

"اللہ تم جیسی اولاد کسی کو نا دیں نور"
انیلہ بیگم نے نظریں جھکائے زمین کو دیکھتے ہوئے اتنی دیر میں بس یہی ایک جملہ کہا تھا

"مجھے ایسی اولاد بنانے میں اپنے کردار کا بھی جائزہ لے لیں اب مجھے آفس جانا ہے بائے"
مہنگے کپڑوں اور میک اپ سے لدے چہرہ لیے وہ لشکارے مارتی دو قدم آگے بڑھی تھی اور پھر رک گئی تھی

"ہاں یاد آیا اب آپ لوگوں کو سب پتا چل چکا ہے تو یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ اب ہمیں اس گھر کو چھوڑنا کر جانا ہوگا بہت جلد یہاں وہ لوگ آجائیں گے جن کو میں یہ گھر بیچ چکی ہوں لہذا آپ لوگ بھی اپنی پیکنگ وغیرہ کر لیں میں تو کر چکی ہوں اب بس تین دن کے اندر اندر ہمیں یہاں سے جانا ہوگا"

آخری بات کر کے وہ اونچی ہیل پہنے ٹک ٹک کرتی وہاں سے چلی گئی تھی پیچھے انیلہ بیگم ویسے ہی بے حس و حرکت بیٹھی تھی جبکہ دعا کی آنکھیں غصے و بے بسی سے نم ہونے لگی تھی اب وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ہم کیا کریں گے اور کہاں جائیں گے ذراج نے ان کے درمیان کچھ نہیں کہا یہ سوچ کر کے ان کے آپسی معاملات میں مجھے کچھ نہیں بولنا چاہیئے مگر اب کسی گہری سوچ سے نکلتے ہوئے وہ ان سے اجازت لیتا وہاں سے اٹھ گیا تھا اور کچھ فیصلہ کرتا اپنے گھر کو چل دیا تھا۔

....

"بس کر دو کنول تم نے اتنا کام کر لیا ہے اب یہ رائتہ اور سلاد مجھے بنانے دو تمہاری طبعیت ویسے بھی نہیں ٹھیک ایسی حالت میں تمہیں آرام کرنا چاہیئے"

سمرین بیگم نے کنول کے ہاتھ سے چھری لیتے ہوئے کہا تھا جس سے وہ کھیرے کاٹ رہی تھی اور پھر اس کے نا نا کرنے کے باوجود بھی سمرین بیگم نے رائتہ اور سلاد خود بنا لیا تھا کام ختم کرنے کے بعد وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آگئی تھی جہاں کنول ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔

"کنول بیٹا ارمان کہاں ہے؟ اس نے کہا تھا کہ اسے بھوک لگی ہے یہ پلیٹ میں ,میں نے اس کے لیے چاول نکالے ہیں تاکہ وہ کھالے مگر اب پتا کہاں چھپا بیٹھا ہے"

سمرین بیگم نے ہاتھ میں چاولوں کی پلیٹ پکڑے کنول سے کہا تھا

"پتا نہیں آنٹی ابھی کچھ دیر پہلے تک تو آپ کا موبائل ہاتھ میں لیے وہ یہی تھا اس میں گیمز کھیل رہا تھا مگر اب اچانک کہاں چلا گیا"

کنول نے صوفے سے اٹھ کر یہاں وہاں دیکھتے ہوئے کہا

"اچھا چلو کمرے میں کھلونوں کے ساتھ کھیل رہا ہوگا جو کچھ دن پہلے ذراج نے اسکی سالگرہ پہ اسے دیئے ہیں میں چلتی ہوں کمرے میں ہی اسے کھلا دوں گی"

سمرین بیگم نے کنول اور ارمان کو دیئے گئے کمرے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا جب صوفے سے اٹھتی کنول بھی ان کے ساتھ ہی چل دی تھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو یہی بیٹھی رہو آرام سے"

سمرین بیگم نے کہا

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"نہیں آنٹی وہ ارمان کو نہلانا بھی ہے میں سوچ رہی تھی کہ آپ اسے کھانا کھلا دیں اس کے بعد میں اسے نہلا دوں گی"

آرام آرام سے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کنول نے جواب دیا تھا کمرے میں داخل ہوتے ہی سمرین بیگم اور کنول نے اسے دیکھا تھا جو سمرین بیگم کا موبائل ہاتھ میں لیے ایک ہاتھ معصومیت سے گال کے نیچے رکھے گم سم سا سکرین کو دیکھ رہا تھا ارمان کی اس ادا پر کنول اور سمرین بیگم ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائی تھی اور اندر داخل ہونے ہی والی تھیں مگر ارمان کی دوسری حرکت نے ان کے قدموں کو جکڑ لیا تھا جو موبائل کی سکرین پر لب رکھے اس پر موجود کسی کی تصویر کو چوم رہا تھا کنول اور سمرین بیگم حیرت سے دنگ کھڑی بنا کسی بھی قسم کی آہٹ پیدا کیے اس کو دیکھ رہی تھیں جو بار بار سکرین کو چومنے کے بعد اب اسی تصویر پہ محبت سے ہاتھ پھیر رہا تھا سمرین بیگم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کنول کو خاموش رہنے کا کہا تھا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی دونوں اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی سکرین پر موجود تصویر کو دیکھتے ہی کنول اور سمرین بیگم کا دل زخمی ہو گیا تھا وہ وہ اسفندیار کی تصویر تھی جسے وہ پیار سے کبھی چومتا تو کبھی اس پر ہاتھ پھیرتا

"ارمان بیٹا"

کنول نے کانپتے ہوئے لہجے میں اس سے پکارا تھا جو ڈر کر پیچھے مڑا تھا اور ماں کی آواز سنتے ہی موبائل کو تکیے کے پیچھے چھپا لیا تھا آج وہ کنول کو اپنی ہر حرکت سے حیران کر رہا تھا

"جی مما"

پیلی رنگت لیے اس نے کنول کو جواب دیا تھا

"مما کی جان بابا کی تصویر دیکھ رہے تھے"

آنکھوں میں آنسو لیے کنول نے کہا تھا اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کے اور اسفند کے رویے کی وجہ سے اس معصوم بچے پر کیا گزر رہی ہوگی اور یہی تو ہوتا ہے ایسے گھرانوں میں جہاں ایک عورت اور مرد اپنی اپنی انا کے جھنڈے بلند رکھنے کے چکروں میں اپنی اولاد کو ذہنی مریض بنا دیتے ہیں۔

"نہیں مما وہ تو ایسے ہی آگئی تھی دادوں کے موبائل میں"

ارمان نے ڈر کر جواب دیا

"اچھا چلو ٹھیک ہے لیکن آپ نے چھپائی کیوں مجھ سے"

کنول نے پوچھا تھا

"مجھے لگا تھا آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گی"

اس نے نہایت معصومیت سے کہا تھا ان دونوں کی گفتگو سنتے ہوئے سمرین بیگم کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئی تھی کنول نے اسے زور سے سینے میں بھینچا تھا

"مما"

ارمان نے کنول کو پکارا تھا جس کی آنکھوں سے نکلتے گرم قطرے ارمان کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے

"جی"

کنول نے ویسے ہی روتے ہوئے جواب دیا

"آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئی نا"

اس نے پوچھا تھا

"نہیں میں کیوں اپنے بیٹے سے ناراض ہوگی آپ یہ لو موبائل اور بابا کو فون کروان سے بات کرو جلدی سے بابا بھی آپ کو بہت مس کر رہے ہو نگے"

کنول نے وہی موبائل اسے پکڑاتے ہوئے کہا تھا اور یہ سننے کی دیر تھی کہ ارمان موبائل پر اسفند کا نمبر ملاتا ماں کی موجودگی کو مدنظر رکھتے ہوئے باتیں کرنے کے لیے بھاگ کر کمرے سے باہر گیا تھا۔

سمرین بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تھا جو اب بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"بس کردو کنول چپ ہو جاؤ. بس"

سمرین بیگم نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے تسلی دی تھی

"آنٹی ان پانچ مہینوں میں ,میں جو فیصلہ نا کر پائی وہ اب میں ایک لمحے میں کر چکی ہوں میں نے کبھی اس بارے میں سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ارمان اسفند سے کتنی محبت کرتا ہے وہ کتنا مس کرتا ہوگا اسفند کو کیونکہ وہ اِسکا باپ ہے مگر میں اتنی خود غرض ماں ہوں کہ میں نے اپنی انا میں آکر اپنی اولاد کو ان کے باپ کی محبت سے محروم کردیا آج صرف ارمان ہے کل کو جب میری دوسری اولاد ہوگی وہ بھی ایسے ہی باپ کی محبت کو ترستی رہے گی اگر ایسا ہے تو نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے میرے بچوں کو تکلیف ملے"

وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی

"تو میں اس سب کا کیا نتیجہ اخذ کروں کنول بیٹا کہ تم اسفند سے طلاق نہیں لوگی"

سمرین بیگم نے اس کو سیدھا کرتے ہوئے پوچھا تھا جس پر وہ تلخی سے مسکرا دی تھی

"آنٹی لوگوں کے لیے بہت آسان ہے کہہ دینا کے طلاق لے لو چھوڑ دو سب کچھ الگ ہو جاؤ اپنے شوہر سے مگر لفظ طلاق کتنا بھاری لفظ ہے یہ آپ ان سے پوچھیں جو ایسی صورت حال سے گزر رہے ہوتے ہیں فرض کریں میں طلاق لے کر دوسری شادی کر لیتی ہوں تو کیا اس بات کی گارنٹی ہے کہ دوسرا شخص میرے بچوں کو ویسے ہی پیار کرے گا جیسے ان کا سگا باپ کرتا ہے اور اگر میں دوسری شادی نہیں کرتی تو میرے بچے باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی طرح زندگی گزاریں گے اور باپ

کے سائے کے بغیر زندگی کتنی کٹھن ہوتی ہے یہ مجھ سے بہتر اور کون جانتا ہوگا جس کے بچپن میں ہی اسکے ماں باپ دونوں اسے چھوڑ کر چلے گئے"

کنول نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا

"کنول تم نے جو کہا ہے بلکل سچ کہا ہے ایک بچے کو صرف ماں یا صرف باپ نہیں بلکہ ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے تم نے اپنے لیے بہت اچھا فیصلہ لیا ہے اللہ تمہارے اس فیصلے کو تمہارے حق میں بہترین ثابت کرے اور اللہ پاک تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیں میری بیٹی امین ثم امین"

سمرین بیگم نے اسکا ماتھا چومتے ہوئے جواب دیا تھا جب ذراج کمرے میں داخل ہوا تھا

"مما میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے اور آپ یہاں بیٹھی گپیں مار رہی ہیں"

ذراج نے آتے ہی سمرین بیگم سے کہا تھا جبکہ کنول اسکی نظروں سے بچنے کے لیے جلدی سے اٹھتی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی

"بھابھی مجھے آپ سے بھی بات کرنی ہے"

ذراج نے کنول سے کہا تھا جو دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے رک گئی تھی

"جی ذراج بھائی بولیں میں سن رہی ہوں"
کنول نے ویسے ہی کھڑے کھڑے پوچھا تھا

"بھابھی ہر روز کی طرح آج پھر اسفند آیا تھا اور آپ سے ملنے آپ سے بات کرنے کے لیے بہت منتیں کر رہا تھا وہ آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہے آپ سے میری ریکویسٹ ہے چاہے آپ نے اس کو معاف کرنا ہو یا نا ہو مگر پلیز ایک دفعہ مل لیجئیے اس سے"
ذراج نے کنول سے کہا تھا جب سے اسفند کو اپنے کیے کا احساس ہوا تھا وہ روز ذراج کے آفس آتا اور کنول سے ملنے کے لیے منتیں کرتا مگر کنول نے سختی سے ذراج کو منع کر رکھا تھا کہ وہ اس سے نہیں ملنا چاہتی۔

"آپ ان سے کہہ دیں کہ جو بھی بات کرنی ہے یہاں آجائیں اور یہاں آکر کرلیں"
یہی جواب دیتی کنول بغیر پیچھے مڑے وہاں سے چلی گئی تھی

"بھابھی کو کیا ہوا ہے ان کی طبعیت تو ٹھیک ہے نا"
ذراج نے اس کی بھرائی ہوئی آواز سنتے ہی سمرین بیگم سے پوچھا تھا

"ہاں وہاں بیٹا ٹھیک ہے طبعیت اس کی بس تمہیں تو پتا ہے ذرا پریشان ہو جاتی ہے یہ"

سمرین بیگم نے جواب دیا

"تم بتاؤ تمہیں کیا بات کرنی تھی"

انہوں نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا

"جی مجھے آپ سے دعا اور انیلہ آنٹی سے متعلق ایک بہت ضروری بات کرنی ہے"

ذراج نے کہا

"اللہ خیر کریں ,کرو نا بات کیا ہوا ہے خیریت تو ہے"

سمرین بیگم نے پوچھا جس کے جواب میں ذراج نے ان کو نور کا کیا گیا نیا کارنامہ بتایا

"یا میرے اللہ کیا چیز ہے یہ لڑکی مجھے تو دعا اور انیلہ کی فکر ہو رہی ہے وہ اب کیا کریں گی کہا جائیں گی"

سمرین بیگم نے فکرمندی سے کہا تھا

"وہی تو بتانا چاہ رہا ہوں آپ کو"

ذراج نے جواب دیا

"کیا مطلب کیا بتانا ہے تمہیں"

سمرین بیگم نے الجھتے ہوئے پوچھا

"امی سمپل سی بات ہے اب تو میرا لندن جانا کینسل ہوگیا ہے بابا کے طبعیت کی ناسازی کی وجہ سے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اور دعا کی اب شادی ہو جائے اور پھر ہمارا اتنا بڑا گھر ہے جس میں ہم چند بندے ہی رہتے ہیں تو انیلہ آنٹی کو بھی ہم یہی لیں آئیں گے اپنے ساتھ اس گھر میں"

ذراج نے چٹکیوں میں حل نکالتے ہوئے کہا تھا

"ہاں بیٹا صحیح کہا تم نے مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے تمہاری شادی کا سن کر تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے بیٹا ویسے بھی ایک بار نکاح ہو جائے تو بس شادی بھی جتنی جلدی ہو کر لینی چاہیئے پھر میں اور تمہارے بابا آج شام کو ہی انیلہ بھابھی سے بات کرنے جاتے ہیں اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ انکار کسی صورت نہیں کرے گی"

سمرین بیگم نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ کہا تھا جس پر ذراج بھی مسکرایا تھا

....

شام میں سمرین بیگم اور شبیر اقبال انیلہ بیگم کے گھر گئے تھے اور ان سے ذراج اور دعا کی جلد از جلد شادی کی بات کی تھی جس پر انیلہ بیگم فوراً مان گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے اچھا فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ دعا اپنے گھر کی ہو جائے جب سمرین بیگم نے انیلہ بیگم سے یہ کہا تھا کہ وہ چاہتی ہے کہ دعا کے ساتھ ساتھ انیلہ بیگم بھی ان کے گھر میں ان کے ساتھ رہے تو پہلے پہل تو وہ ان کی بات نا مانی اور یہ جواب دیا "کہ میں کسی اولڈ ہوم میں چلی جاؤں گی" مگر پھر جب دعا نے بھی ان کی بہت منتیں کی تو وہ مشکل سے ہی صحیح مگر مان گئی تھی شاہ میر ملک کی موت کے تازہ تازہ غم کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے بلکل سادگی سے رخصتی کا فیصلہ کیا تھا رخصتی کے اگلے دن ہی کچھ خاص مہمانوں کو دعوت دے کر ایک چھوٹا سا ولیمے کا فنکشن بھی رکھا گیا تھا دعا اور انیلہ بیگم کو ایک ہفتے کے اندر اندر وہ گھر خالی کر کے وہاں سے جانا ہی تھا اس لیے تین دن بعد ذراج اور دعا کی رخصتی کی تقریب قرار پائی تھی جن میں چند گھر کے افراد کا ہونا ہی طے پایا گیا تھا۔

....

اسفند کو جیسے ہی خبر ملی تھی کہ کنول نے اس سے بات کرنے کی ہامی بھر لی ہے وہ فوراً وقت ضائع کیے بغیر ہی وہاں پہنچا تھا سمرین بیگم اور شبیر اقبال گھر پہ نہیں تھے وہ انیکہ بیگم سے بات کرنے ان کے گھر گئے تھے ذراج بھی ارمان کو لیے گھر سے باہر گیا تھا صرف کنول ہی گھر پر تھی اور کمرے کے ٹیرس پر کھڑی باہر گلی میں دیکھ رہی تھی جب اس نے اسفند کی گاڑی کو اندر گیٹ کے باہر رکتے دیکھا

تھا چوکیدار نے جلد ہی اٹھتے ہوئے دروازہ کھول کر اسے گاڑی سمیت اندر آنے دیا تھا کہ اتنے میں ذراج بھی ارمان کو گود میں اٹھائے دوسری طرف سے آیا تھا کنول ٹیرس سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور ٹانگیں لٹکائے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"بابا"

چیخ کر باپ کا نام پکارتے ہوئے ارمان ذراج کی گود سے اترتا بھاگ کر اس کے پاس آیا تھا جو دونوں بازو کھول کر نیچے بیٹھا اس کو اپنی بانہوں میں سما گیا تھا۔

"بابا آپ آ گئے ہیں میں آپ کو بہت مس کر رہا تھا آپ میری برتھ ڈے پر بھی نہیں آئے"

ارمان نے اسفند سے کہا تھا جو بھیگا چہرہ لیے دیوانہ وار اسے چوم رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ارمان کو اپنے دل میں چھپا لے

"آئی ایم سوری "میری جان میں نہیں آسکا آپ کے برتھ ڈے پہ ویری ویری سوری بابا کو معاف کر دو"

اسفند نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا تھا اور پھر کتنی ہی دیر تک اس کو خود سے لپٹائے ایک ہی پوزیشن میں کھڑا رہا۔

"اچھا چلو میرے بھائی اندر نہیں جانا کیا"

ذراج نے ہلکے پھلکے سے لہجے میں کہا تھا جس پر اسفند نے ایک بار پھر ارمان کے دونوں گالوں کو چومتے ہوئے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے مجھے دو یہ میرے اور ارمان کا فٹ بال کھیلنے کا وقت ہو گیا ہے "

ذراج نے ارمان کو اس کی گود سے لیتے ہوئے کہا تھا جو متلاشی نظروں سے یہاں وہاں دیکھ رہا تھا

"کنول بھابھی سیڑھیوں کے بلکل سامنے والے کمرے میں ہے "

یہ کہتے ہوئے ذراج ارمان کو لیے باہر لان میں چل دیا جبکہ اسفندیار سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

کنول ان قدموں کی چاپ کو اچھی طرح سن سکتی تھی جو دھیرے دھیرے قریب ہوتی جا رہی تھی جیسے جیسے وہ آواز قریب سے آتی جا رہی تھی اس کا دل بھی ویسے ہی زوروں سے دھڑک رہا تھا بلآخر اسفند کمرے میں داخل ہوا تھا اور پانچ مہینے بعد آج کنول کو دیکھا تھا جس نے دونوں ہاتھ بیڈ کے دائیں بائیں جانب رکھے تھے اور اب اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے بیڈ شیٹ کو دونوں ہاتھوں میں سختی سے جکڑ لیا تھا۔

قدم قدم چلتا اسفند کنول کے قریب آیا تھا اور اسکے قدموں میں بیٹھ گیا تھا غور سے کنول کو دیکھنے پر وہ دھنگ رہ گیا تھا یہ جان کر کہ کنول ایک اور جان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اسی مزید شرمندگی اور پچھتاوے نے آگھیرا تھا۔

اس عورت نے کیا نہیں کیا تھا اس کے لیے اور بدلے میں اسفند نے اسے دھوکے کے سوا کچھ نہیں دیا۔

"کنول"

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد آخر کار ہمت کرتے ہوئے اس نے بات کرنے میں پہل کی تھی۔

"جو غلطی جو گناہ میں نے کیا ہے اس کے لیے معافی تو ایک بہت چھوٹا سا لفظ ہے تم سے یہ کہوں گا کہ تم جو چاہتی ہو مجھے سزا دو جو اذیت میں نے تمہیں دی ہے اس سے بڑھ کر تم مجھے دو مگر میری تم سے صرف اور صرف ایک التجا ہے وہ یہ کہ مجھے خود سے اور میری اولاد سے دور مت کرو خدا کے لیے مجھ پر صرف یہی ایک احسان کر دو اس کے علاوہ کنول تم جو چاہتی ہو میں وہی کروں گا جیسا کہو گی ویسے کروں گا مگر میرے ساتھ چلو میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتا ہوں کنول میرے لیے نہیں تو ہمارے اولاد کی خاطر ارمان کی خاطر اور اور اس ننھی جان کی خاطر جو ابھی اس دنیا میں آئی بھی نہیں ہے ان کی خاطر مجھے معاف کر دو"

اسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر نظریں جھکائے بیٹھا وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا کنول نے اسے زندگی میں کبھی روتے نہیں دیکھا تھا آج پہلی بار وہ اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسو اس کی بڑھی ہوئی داڑھی کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے اسکی داڑھی سے اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے کئی دن سے شیو نہیں کی اسکو دیکھتے ہوئے کنول کا اپنا دل بھی بھر آیا تھا

"مجھے نہیں پتا آپ کو کبھی مجھ سے محبت ہوئی بھی تھی کہ نہیں مگر میں نے پورے دل سے آپ کو چاہا ہے آپ سے محبت کی جس کا بہت اچھا صلہ دیا ہے آپ نے مجھے "

اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

"

"میں آپ کو کبھی معاف نا کرتی اگر مجھے میرے بچوں کا اور آپ سے وابستہ انکی خوشیوں کا احساس نا ہوتا میری ایک بات یاد رکھیں اسفند میں اگر آج آپ کو معاف کر رہی ہوں تو اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے ارمان اور یہ بچہ جو میری کوکھ میں پل رہا ہے لیکن اگر اس کے بعد........"

"نہیں ,نہیں میں وعدہ کرتا ہوں تم سے کبھی ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے تمہارا یا میرے بچوں کا دل دکھے تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا کنول بس اس دفعہ مجھے معاف کر دو اگر تم مجھے معاف نہیں کرو گی تو بابا اور اللہ بھی مجھے معاف نہیں کریں گے "

بولتے ہوئے اس نے کنول کے گھٹنوں پر رکھ دیا تھا جبکہ رونے کی وجہ سے اسکا جسم دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

"معاف کیا میں نے آپ کو پہلی اور آخری مرتبہ صرف اور صرف اپنی اولاد کی خاطر ان کی خوشیوں کی خاطر کیونکہ میں اپنے بچوں کو باپ کی شفقت سے محروم نہیں کرنا چاہتی"

کنول نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے جواب دیا تھا جب نیچے سے سمرین بیگم اور شبیر اقبال کی آوازیں آنے لگی تھی۔

"مما بابا جلدی آئیں چاچو کی شادی ہونے والی ہے"

کمرے میں داخل ہوتے ہی ارمان نے گلہ پھاڑ کر کہا تھا اسفند نے دوسری جانب منہ موڑتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے تھے

"لگتا ہے شادی کی تاریخ رکھ دی ہے"

بیڈ سے اٹھتے ہوئے کنول نے کہا تھا جبکہ اسفندیار منہ ہاتھ دھونے باتھ روم کی طرف چلا گیا۔

نیچے تو ایک الگ ہی خوشی کا سماں تھا جہاں سمرین بیگم خود ایک ایک کو اپنے ہاتھوں سے مٹھائی کھلا رہی تھی اب تو دو دو خوشخبریاں تھی ایک کنول اور اسفند کی واپس ایک ہونے کی تو دوسری دعا کو بہو بنا

www.urdunovelsmania.com

کرا اپنے گھر لانے کی اسی دن کنول سب سے بہت پیار سے ملنے کے بعد اسفندیار کے ساتھ واپس اپنے گھر آگئی تھی۔

....

پلک جھپکتے ہی ایک ہفتہ گزر گیا تھا آج دعا کی رخصتی تھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کو چھوڑنے والی تھی بارات کے لیے ذراج, انیلہ بیگم اور شبیر اقبال آئے تھے ان کے علاوہ اسفند, کنول اور ارمان سب بھی موجود تھے نور صبح ہی اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو چکی تھی۔

ذراج کی تو خوشی دیدنی تھی جبکہ عروسی جوڑے میں ملبوس دعا اپنے گھر سے نکلتے وقت وہ ایسے روئی تھی کہ باقی سب کو بھی اپنے ساتھ رونے پر مجبور کر دیا تھا آج تو اسے ہر لمحہ ساجدہ اماں کی یاد آرہی تھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اگر آج ساجدہ اماں ہوتی تو وہ کتنا خوش ہوتی اسے دلہن بنے دیکھ کر آج کے دن اسے شاہ میر ملک کی بھی بے حد یاد آرہی تھی گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر وہ اپنی کئی یادیں تازہ کر چکی تھی۔

"دعا بیٹا چلو دیر ہو رہی ہے"

سمرین بیگم نے اسے کہا تھا جو کتنی ہی دیر سے روتے ہوئے گھر کی در و دیواروں کو دیکھ رہی تھی ان کی آواز پر چونک کر پیچھے مڑی تھی سمرین بیگم اور کنول نے احتیاط کے ساتھ اسے گاڑی میں بٹھایا تھا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے وہاں سے آ گئے تھے۔

"میں کہاں جاؤں گی رات کے اس وقت مجھے تو یہ تک نہیں پتا یہ ہے کون سی جگہ"
نور نے ڈرتے ڈرتے کہاں تھا

"کیا مطلب آنٹی آپ کو نہیں پتا؟"
"جب پتا ہی نہیں ہے تو پھر بس میں بیٹھی ہی کیوں تھی اور کہاں جانا ہے آپ کو یہ تو آپ کو پتا ہوگا نا ہمیں تھوڑی پتا ہوگا"
وہ کنڈیکٹر آگ بگولہ ہوتے ہوئے بولا تھا

"بھائی نکالو اس عورت کو مجھے تو یہ کوئی فراڈ عورت لگتی ہے"
پیچھے سے کسی مسافر کی آواز آئی تھی۔

"چلو آنٹی بس یہاں تک لے آئیں آپ کو اب نکلو گاڑی سے"

وہ نور کے نا، نا کرنے کے باوجود اسے بس سے باہر لے آئے تھے

"چلو استاد جی"

کنڈیکٹر نے ڈرائیور کو آواز لگائی تھی جس پر اس نے چابی گھماتے ہوئے بس واپس سٹارٹ کر دی جبکہ نور وہاں اکیلی کھڑی تھی اس نے اپنے آگے پیچھے دیکھا تھا جہاں کوئی بھی موجود نا تھا پیچھے لوہے کا ایک بہت بڑا ڈسٹ بن پڑا تھا جس میں سے کافی کچرا نیچے بھی گرا پڑا تھا دور دور گھروں میں لگی لائٹوں کی روشنیاں یہاں سے بھی نظر آ رہی تھی اسے اچانک ہی چکر آئے تھے شاید اس کا بی۔ پی لو ہوا تھا اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ دو قدم پیچھے گئی تھی اور پھر پورے زور سے زمین پر گری تھی جس کے باعث اس لوہے کے ڈسٹ بن سے اسکا سر پوری قوت سے ٹکرایا تھا خون ایک دھار کی صورت میں اس کے سر سے بہنا شروع ہو چکا تھا اور وہ وہی حوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

عبداللہ کو رات بہت دیر تک ڈیوٹی دینی پڑی تھی اور اوپر سے سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ جب وہ پولیس اسٹیشن سے واپس آ رہا تھا تو اس کی گاڑی خراب ہو گئی بہت مشکلوں سے گاڑی میکینک تک پہنچا کر ٹھیک کروانے کے بعد اب گھر آتے آتے رات کے تین بج گئے تھے یاسمین کو بھی عبداللہ کا سوچ سوچ کر نیند نہیں آ رہی تھی کئی مرتبہ وہ اسے فون بھی کر چکی تھی مگر اسکا موبائل بند آ رہا تھا۔

"اوہو امی جان کی اتنی کالز بہت پریشان ہو گئی ہونگی"

عبداللہ نے جیسے ہی موبائل اون کیا تھا تو یاسمین بیگم کے نمبر سے آئی کالز کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا اور یاسمین کے نمبر پہ اس مرتبہ اُس نے خود فون کیا تھا

"ہیلو, السلام علیکم !امی جان"

عبداللہ نے سب سے پہلے سلام کیا تھا

"وعلیکم السلام بیٹا کہاں رہ گئے ہو کب سے میں فون پہ فون کر رہی ہوں کتنی پریشان ہو گئی تھی میں کچھ اندازہ ہے تمہیں"

دوسری جانب سے یاسمین اسے ڈانٹتے ہوئے بولی

"امی جان آج مجھے کام بھی بہت زیادہ تھا اور آتے وقت میری گاڑی بھی خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے مجھے بہت دیر ہو گئی لیکن آپ فکر مت کریں میں بس گاؤں پہنچ چکا ہوں قریب ہی ہوں آرہا ہوں"

اس نے یاسمین کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا

"اچھا ٹھیک ہے بیٹا جلدی پہنچو"

دوسری جانب سے یاسمین نے کہا تھا

"جی ٹھیک ہے اللہ حافظ......"

سامنے دیکھتے ہوئے باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے جہاں کچرے کے ڈھیر پر اسے کوئی وجود پڑا نظر آرہا تھا

گاڑی وہاں روک کر وہ برق رفتاری سے گاڑی سے اترا تھا اور اس کچرے کے ڈھیر تک پہنچا تھا سامنے پڑے وجود کو دیکھ کر اسے اپنا آپ یاد آیا تھا احمد صاحب نے بھی تو پچیس سال پہلے اسے اسی کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا

وہ بھاگ کر آیا تھا اور نور کا چہرہ تھپتھپایا تھا

"آنکھیں کھولیں"

"کون ہیں آپ؟"

"آنکھیں...."

اس کا سر اٹھا کر اپنے گود میں رکھتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں پہ نمی محسوس کر کے حیران رہ گیا تھا

"یہ کیا ہے"

اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر گاڑی کے لائٹس سے نکلتی روشنی میں دیکھا تھا اس کا سفید ہاتھ خون میں رنگا ہوا تھا

"او میرے اللہ ان کا تو بہت خون بہہ رہا ہے کمزور بھی ہیں یہ"

عبداللہ نے خود کلامی کرتے ہوئے نور کو بازوؤں میں اٹھایا تھا اور گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا تھا اس کے بعد دوسری جانب آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے وہ خود بھی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور زن سے گاڑی بھگاتا وہاں سے چلا گیا تھا راستے میں ہی فون کر کے اس نے یاسمین کو ساری صورت حال کی اطلاع دی اور ان کو بھی پشاور کے "لیڈی ریڈنگ" ہسپتال آنے کا کہا جہاں وہ نور کو لے کر جانے والا تھا۔

....

"ڈاکٹر کیسی کنڈیشن ہے اب ان کی؟"

جس کمرے میں نور تھی وہاں سے ڈاکٹر کو نکلتے دیکھ کر عبداللہ نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا تھا

"ان کی کنڈیشن بلکل بھی اچھی نہیں ہے سر سے خون بہت بہہ چکا ہے بچنے کے چانسز کم ہے"

ڈاکٹر کی بات پر وہ بہت غمگین ہو گیا تھا

"کیا لگتی ہیں وہ محترمہ آپ کی"

ڈاکٹر نے پوچھا تھا

"مجھے زخمی حالت میں باہر سڑک سے ملی تو میں انہیں ہسپتال لے آیا"

عبداللہ نے کچرے کا ڈھیر کہنے کے بجائے لفظ سڑک استعمال کیا تھا

"ٹھیک ہے بیٹا ابھی وہ بے ہوشی کی حالت میں ہے دعا کریں ان کو جلد از جلد ہوش آئے ان کے ہوش میں آنے کے بعد ہی ہم کچھ کہہ سکتے ہیں ان کے بارے میں"

ڈاکٹر نے عبداللہ سے کہا تھا

"ٹھیک ہے ڈاکٹر پلیز جیسے ہی ان کو ہوش آئے مجھے ضرور بتائیے گا"

اس کی بات پر ڈاکٹر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا عبداللہ وہی ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا کہ اتنی دیر میں یاسمین اور احمد صاحب بھی آ گئے تھے اور اب عبداللہ سے پوچھ رہے تھے کہ اس کو وہ عورت کہاں سے ملی جس پر عبداللہ نے انہیں سب کچھ بتایا کہ کیسے نورا نہیں زخمی حالت میں ملی تھی۔

....

"مسٹر عبداللہ آپ کی پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے"

دو گھنٹے تک وہ تینوں بیٹھ کر نور کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے تھے جب آخر کار ایک لیڈی ڈاکٹر نے آ کر عبداللہ کو نور نور کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی تھی وہ تینوں بینچ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"امی، بابا آپ دونوں یہی بیٹھ کر انتظار کریں میں ان کو دیکھ کر آتا ہوں"

عبداللہ نے یاسمین اور احمد صاحب سے کہا تھا جو اس کی بات پر سر اثبات میں ہلاتے واپس بیٹھ گئے تھے جبکہ عبداللہ اسی کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تھا اس کی نظر سامنے چھوٹے سے بیڈ پر پڑے وجود پر گئی تھی وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی اپنی عمر سے بھی کئی زیادہ بڑی لگ رہی تھی اس کے سفید الجھے بال تکیے پر بکھرے پڑے تھے اور ایک ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی۔

بیڈ کے بائیں جانب ایک نرس کھڑی تھی جو اس سے کچھ بات کر رہی تھی مگر سر بائیں جانب کیے وہ ایک نقطے پر نظریں جمائے کسی بھی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے بات اس سے نہیں کسی اور سے کی جا رہی ہو

"ان سے بات کرنے کی کوشش کریں آپ ,ان کو بات کرنے پر اکسائے تاکہ ہمیں اندازہ ہو جائے کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک ہے کہ نہیں اور یہ کہ کچھ بہتری آئی ہے یا نہیں ہمیں تو ابھی بھی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی"

عبداللہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نرس نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے نور کی جانب اشارہ کیا تھا جس کے منہ اور ناک پر آکسیجن ماسک موجود تھا اور وہ دھیرے دھیرے سے آنکھیں بند کر کے کھول رہی تھی عبداللہ نے ان کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا جبکہ نرس وہاں سے چلی گئی تھی اس کے جاتے ہی وہ قدم قدم بیڈ تک آیا تھا اور قریب آتے ہی پاس پڑی کرسی اٹھا کر بیڈ کے دائیں جانب رکھی اور خود اس پر بیٹھ گیا تھا۔

"کیسی ہیں اب آپ کی طبعیت؟"

اس نے کچھ دیر انہیں خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا تھا جس کا نور نے ہنوز کوئی جواب نہیں دیا

"آپ کہاں سے آئی ہیں؟ ,"کیا آپ کے بچے یا فیملی میں کوئی اور ہے؟"

اس کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے عبداللہ نے ایک اور سوال پوچھا تھا مگر جواب ندارد اب کی بار خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا تھا نور اسی پوزیشن میں پڑی ہوئی تھی جبکہ عبداللہ کرسی پر براجمان ابھی تک پولیس کی وردی میں ملبوس تھا گہری سوچ میں گم عبداللہ نے کھنکار کر ایک بار پھر بات کا آغاز کیا تھا۔

"آپ کو پتا ہے آپ مجھے کہاں سے ملی ہیں، شاید آپ کو پتا نا ہو شاید آپ کو بھی کوئی کچرے میں پھینک کر گیا ہو"

اس نے نور سے اپنے دل کا حال بیان کرتے ہوئے کہا

"خیر میں جہاں سے آپ کو اٹھا کر لایا ہوں وہ اسی پشاور شہر میں میرا گاؤں ہے جس کا نام ہے غریب آباد ایک چھوٹا سا مگر ایک خوشیوں بھرا گاؤں ہے جہاں میں نے زندگی کی ہر خوشی ہر تکلیف سے بھرا لمحہ گزارا ہے"

وہ عبداللہ کی باتوں کو سنتے ہوئے بھی ایسے دکھاوا کر رہی تھی جیسے اسے کچھ بھی سنائی نا دے رہا ہو وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا تھا

"آپ کو پتا ہے رات جب میں نے آپ کو اس کچرے کے ڈھیر پر پڑا دیکھا تھا تو مجھے اپنا آپ یاد آیا تھا مجھے بھی پچیس سال پہلے ایسے ہی اسی کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا تھا"

اب کی بار عبداللہ کے لہجے میں خود بخود نمی اتری تھی نور کا دل زور سے دھڑکا تھا اسے اپنا بچہ یاد آیا تھا

"آج سے پچیس سال پہلے بیس بیس اکتوبر کی رات مجھے پشاور کے اسی گاؤں غریب آباد میں کچرے کے ڈھیر میں پھینکا گیا تھا کسی کچرے کی طرح"

اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملائے وہ ان پر نظریں جمائے بول رہا تھا جبکہ اس کے الفاظ پر نور نے جھٹکے سے دائیں جانب گردن موڑ کر پہلی دفعہ اس نوجوان کو دیکھا تھا اس کے ذہن میں بیس سال پہلے کہے گئے شاہ میر ملک کے الفاظ گونج رہے تھے جو انہوں نے اپنے آخری وقت میں دعا سے کہے تھے اور اس وقت نور بھی وہاں موجود تھی۔

"م میں نے بیس اکتوبر کی صب صبح اسے پشاور ک کے ایک گ گاؤں م میں کچرے کے ڈھیر پر پ پھینکا تھا اس گاؤں ک کا نام "غ غریب آ آباد" ہے"

یہ وہی الفاظ تھے جو شاہ میر ملک نے مرنے سے پہلے نور کی اولاد کے بارے میں کہے تھے اس کے ذہن میں سارے الفاظ گڈمڈ ہونے لگے تھے وہ اب عبداللہ کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی جو سر جھکائے بیٹھا تھا جس کی وجہ سے اسکا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا وہ نور کو اپنی ساری زندگی کی داستان سنا رہا تھا اس کے الفاظ میں درد تھا بہت زیادہ درد وہ اسے وہ ہر تکلیف بتا رہا تھا جو اس نے لوگوں کی باتوں کو برداشت کرتے ہوئے سہی تھی۔

بولتے بولتے اسنے یکدم ہی چہرہ اوپر کر کے نور کو دیکھا تھا اور نور کی دھڑکن ساکت ہو گئی تھی اس کا دماغ سن ہو گیا تھا ارد گرد کا ہر منظر دھندلا گیا تھا اگر کچھ نظر آ رہا تھا تو وہ صرف اور صرف سامنے موجود ہستی کا چہرہ تھا۔

www.urdunovelsmania.com
urdu novels mania

اس کی آنکھیں, ہاں بلکل اسکی آنکھیں بلکل نور کی آنکھوں جیسی تھی کالی چمکدار, اسکے ہونٹ ہاں وہ بھی تو بلکل نور کے ہونٹوں جیسے تھے اس کا رنگ یوسف اور نور دونوں کے جیسا تھا سرخ و سفید کیونکہ ان دونوں کا رنگ ایسا ہی تھا اسکے بال, اسکی داڑھی, مونچھے ہاں وہ یوسف کی طرح تھی گولڈن اور لائٹ براؤن سا کلر تھا وہ ہوبہو نور اور یوسف جیسا تھا نور کا دل ڈوب کر ابھرا تھا

اس نے اسی لمحے سوچا تھا کیا دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہے کیا اللہ ایسے بھی اپنے بندوں کی سنتا ہے میں تو اس قید سے نکلنا ہی نہیں چاہتی تھی مگر اللہ پاک نے کیسی چال چل کے مجھے اس قید سے نکالا میری دعا قبول فرمائی مجھے میری اولاد سے ملوایا اسکی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ ہو کر ٹپک رہے تھے اسکا تنفس تیز ہو چکا تھا عبداللہ اس کی بدلتی رنگت اور حالت پر ذرا پریشان ہوا تھا

"کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہے نا؟"
اس نے نور سے پوچھا تھا جس کی آواز اسکے حلق میں ہی دم توڑ چکی تھی

"یہ سب میں جھوٹ نہیں بول رہا سب سچ بتایا ہے آپ کو"
عبداللہ نے انگلی کی پوروں سے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا کافی دیر گزر جانے پر بھی جب عبداللہ باہر نہیں آیا تو احمد صاحب اور یاسمین خود کمرے میں آ گئے تھے۔

"امی جان آپ، بابا آئیے آپ دونوں"

اس کی آواز پر نور ساکت ہو گئی تھی امی جان، بابا اس نے زیر لب وہی الفاظ دہرائے تھے اور پھر ایک جھٹکے سے اپنا آکسیجن ماسک اتار پھینکا تھا

"تم، تم میرے بیٹے ہو، می میں سچ بول رہی ہوں ت میرے بیٹے ہو میں ہی وہ ظالم اور بدبخت ماں ہوں جس نے تمہیں بیس اکتوبر کی رات کچرے میں پھینکا تھا تم میرے بیٹے ہو میری جان معاف کر دو مجھے، معاف کر دو اپنی گناہ گار ماں کو"

وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی یاسمین اور احمد صاحب نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور پھر نور کو جس کی شکل واقعی کافی حد تک عبداللہ سے ملتی تھی۔

"میرے پاس آؤ میرے بیٹے میں نے بیس سال، پورے بیس سال اپنے رب سے دعائیں مانگی ہیں تم سے ملنے کے لیے میرے پاس آؤ مجھے صرف ایک بار ماں کہہ کر پکارو تاکہ میری تڑپتی ممتا کو سکون مل سکے"

اس کا سانس پھولنے لگا تھا عبداللہ نے بھاگ کر آکسیجن ماسک اس کے منہ سے لگایا تھا مگر اسکے ہاتھ کو جھٹکتی نور اس سے لپٹ گئی تھی عبداللہ کی زبان کو تالا لگ گیا تھا اس نے قریب سے نور کے نقوش کو بغور دیکھا تھا ہاں وہ بلکل عبداللہ جیسی تھی

"میں نے ہی گناہ کیا تھا اور جب تم پیدا ہوئے تو میں نے آج سے پچیس سال پہلے تمہیں کچرے میں پھینک دیا اس ڈر سے کہ میں معاشرے میں ذلیل ہو جاؤں گی میری زندگی برباد ہو جائے گی میں یہ بات بھول گئی تھی کہ عزت اور ذلت دینے والی ذات تو اللہ کی ہے. جس زندگی کو جینے کے لیے میں نے تمہیں اپنی اولاد کو کچرے کی نظر پھینکا قدرت نے مجھ سے وہی زندگی چھین لی میں نے اپنی زندگی کے بیس سال ایک قید میں، ایک زندان میں گزارے میرے بیٹے میں نے صرف یہی نہیں اور بھی بہت سے گناہ کیے ہیں میں تم سے اور باقی سب سے بھی معافی چاہتی ہوں مجھے معاف کر دو، معاف کر دو اپنی گناہ گار ماں کو"

اس وقت عبداللہ نے یہ سوچتا ہی رہ گیا کہ میں نے کیا کیا سوچا تھا کہ جب اپنی ماں سے کبھی زندگی میں ملوں گا تو ان کو جھنجھوڑ کر پوچھوں گا کہ جب مجھے پال ہی نہیں سکتے تھے تو پھر پیدا کیوں کیا تھا مگر اس کے پاس اب کہنے کو الفاظ نہیں تھے اس کا دماغ بلکل بلینک ہو گیا تھا وہ بس نور کے سر پر ٹھوڑی ٹکائے اس کے بالوں پر لب رکھ کر بار بار چوم رہا تھا اس کی آنکھوں سے گرتے شبنم کے قطرے نور کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے

"میں نے آپ کو معاف کیا"

"دل سے معاف کیا میں نے آپ کو اور دعا کرتا ہوں کہ میرا اللہ بھی آپ کو معاف کر دے"

عبداللہ نے ان کو اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا جب اچانک ہی نور کی حالت بگڑ گئی تھی عبداللہ نے جلدی سے اسے لیٹاتے ہوئے آکسیجن ماسک اسکے منہ سے لگایا تھا اور ڈاکٹر کو بلانے کے لیے باہر بھاگنا چاہتا تھا جب نور نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا تھا

"میری بہن, م میری بہن کو لے آؤ"

"د دد عا کو لے آؤ, ا اسفند کو لے آؤ یہاں, م میں سب سے م معافی مان مانگنا چاہتی ہوں "

"م میں مرنے سے پہلے س سب سے معافی م مانگنا چاہ چاہتی ہوں تم اپنی ماں ک کی یہ آخری خواہش پ پوری کر دو"

اس نے برستی آنکھوں سمیت کہا تھا جس پر عبداللہ جس کے دل میں ابھی بھی تھوڑا سا شک باقی تھا کہ نور صحیح کہہ رہی ہے وہ ہی اسکا بیٹا ہے یا نہیں اس نے فوراً نور سے ایڈریس مانگا تھا اس کی بہن یعنی دعا کے گھر اور اسفند کے گھر کا ڈاکٹرز نے آکر نور کو سکون آور انجیکشن لگائے تھے جبکہ یاسمین اور احمد صاحب کو نور کے پاس چھوڑ کر عبداللہ گاڑی میں بیٹھا تھا اور فل سپیڈ سے گاڑی چلاتے ہوئے لاہور کا رخ کر لیا تھا۔

- -

پشاور سے لاہور تک کا فاصلہ رش ڈرائیونگ کر کے اس نے آدھے وقت میں طے کیا تھا صبح کا وقت تھا نیلی نیلی روشنی پھیل چکی تھی جب وہ نور کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق اقبال ہاؤس پہنچ گیا تھا۔

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

گیٹ پر کھڑے چوکیدار نے اس سے پوچھا تھا

"مجھے دعا سے ملنا ہے اسی گھر میں رہتی ہیں نا وہ"

عبداللہ نے کہا تھا

"جی رکیں میں میں بس ابھی بلا کر آتا ہوں"

یہ کہتے ہیں چوکیدار اندر کی جانب بڑھ گیا تھا اس نے دعا کو جو کچن میں کھڑی ناشتہ بنانے کی تیاریاں کر رہی تھی جا کر اسے عبداللہ کے آنے کی اطلاع دی تھی جس پر وہ کچھ کنفیوز ہوتی باہر کی جانب چلی آئی تھی صبح کے چھ بجے اب ذراج بھی واک سے واپس آ رہا تھا جب اس نے اپنے گھر کے گیٹ کے پاس ایک لڑکے کو کھڑا دیکھا تھا۔

"جی آپ کون؟ اور کیا کام ہے آپ کو؟"

ذراج نے قریب آ کر پوچھا تھا

"آپ اسی گھر میں رہتے ہیں ؟"
عبداللہ نے بھی جواباً سوال کیا مگر اس سے پہلے کہ ذراج جواب دیتا وہاں دعا کی آمد بھی ہوئی تھی

"ذراج آپ بھی آ گئے کون ہیں یہ لڑکا مجھے بھی ابھی چوکیدار نے اطلاع دی ہے کہ یہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں

"دعا نے کچھ حیرت بھرے انداز میں کہا تھا

"تم اندر جاؤ میں کرتا ہوں بات"
ذراج نے دعا سے کہا تھا جس پر وہ ایک نظر عبداللہ پر ڈال کر واپس جانے کے لیے مڑنے ہی والی تھی جب عبداللہ نے اسے واپس روکا تھا

"نہیں پلیز آپ مت جائیں میری بات سنے مجھے آپ ہی سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے"
عبداللہ نے کہا تھا جس پر دعا واپس مڑی تھی اور ایک گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی پتا نہیں کیوں مگر دعا کو اس کا چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا

"نور نامی آپ کی کوئی بہن ہے؟"

عبداللہ کے سوال پر دعا ششدر رہ گئی تھی

"ہاں ہے ، ہے میری بہن نور، کہاں ہے وہ؟ کیا تمہیں پتا ہے کہ کہاں ہے وہ؟"

دعا نے لرزتے لہجے میں پوچھا تھا عبداللہ کا شک اب جڑ سے کٹ چکا تھا اسے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ واقعی نور کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھی وہی اس کی ماں ہے

"جی میں اسی لیے ہی آپ کے گھر آیا ہوں تاکہ آپ کو آپ کی بہن سے ملوا سکوں انہوں نے خود مجھے آپ کے گھر کا پتا دے کر یہاں بھیجا ہے کہ آپ سب کو ان سے ملنے لے چلوں پلیز آپ وقت ضائع مت کریں یہاں کھڑے ہو کر جلدی چلیں میرے ساتھ ان کی حالت بہت نازک ہے ہسپتال میں ایڈمٹ ہے"

دعا نے حیرت و خوشی سے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے تھی اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے

ذراج کا حال بھی اس سے کم نا تھا

"ذراج سنا آپ نے نور زندہ ہے، میری بہن زندہ ہے ذراج وہ مل گئی ہے"

دعا خوشی سے چیخی تھی

www.urdunovelsmania.com

"میں مما کو بھی لے کر آتی ہوں وہ نور سے مل کر بہت خوش ہوگی میں بس ابھی ان کو لے کر آتی ہوں" خوشی خوشی بولتے ہوئے دعا اندر کی طرف بھاگی تھی جبکہ وہ دونوں باہر خاموشی سے ان کا انتظار کر رہے تھے

ٹھیک آدھے گھنٹے میں اسفند اور کنول کے گھر جا کر ان کو بھی ساری بات بتانے کے بعد عبداللہ ان سب کو لیے واپس پشاور کی جانب روانہ ہو چکا تھا دعا ،انیلہ بیگم اور ذراج عبداللہ کی گاڑی میں تھے جبکہ اسفند اور کنول الگ سے اپنی گاڑی میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

دونوں گاڑیاں بہت تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی جیسے جیسے وقت سرک رہا تھا ویسے ویسے انتظار کی گھڑیاں بھی کم ہو رہی تھی وہ سب کے سب نور سے ملنے کو بے تاب تھے دوسری جانب نور بھی ہوش میں آچکی تھی اور اب یاسمین سے عبداللہ کے بارے میں باتیں کر رہی تھی وہ کبھی اس کے بچپن کے بارے میں پوچھتی ،کبھی اسکی شرارتوں کے بارے میں

یاسمین اسے عبداللہ کے متعلق ہر بات بتا چکی تھی یہ بھی کہ وہ قرآن حافظ ہے جسے سنتے ہی نور کی خوشی کی انتہا نا رہی تھوڑی ہی دیر باتیں کر کے وہ تھک جاتی تھی ابھی بھی ایسا ہی ہوا تھا یاسمین سے پندرہ منٹ بات کرنے پر ہی اسکا سانس پھولنے لگا تھا جس پر یاسمین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ آنکھیں موندے خاموشی سے اب ان سب کے آنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی تھی طویل سفر کے بات وہ سب اس ہسپتال پہنچ چکے تھے جس میں نور موت سے لڑ رہی تھی آگے آگے عبداللہ چل رہا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے باقی سب تیز تیز قدم اٹھائے آرہے تھے ذراج انیلہ بیگم کو سہارا دیئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا کیونکہ انیلہ بیگم بیسا کھی کے سہارے چل رہی تھی۔

ہسپتال کے اس کمرے کے پاس پہنچ کر عبداللہ ایک طرف ہو گیا تھا جبکہ باقی سب کو اندر جانے کا راستہ دیا تھا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر سب سے پہلے دعا اندر داخل ہوئی تھی اور اس کے پیچھے ایک ایک کر کے باقی سب بھی کمرے میں داخل ہونے لگے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر نور نے آنکھیں کھول کر دروازے کی جانب دیکھا تھا اور پھر دعا, انیلہ بیگم, کنول, ذراج, اسفند سب کو اپنے سامنے موجود پا کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے وہ سب ویسے کہ ویسے بھی تھے بس عمریں بڑھ چکی تھی نور نے اپنے دونوں ہاتھ دھیرے سے اٹھا کر ان سب کے سامنے جوڑ لیے تھے جو دنگ نظروں سے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میری بچی, میری نور,"

انیلہ بیگم بلکتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی اور اس کے دونوں جڑے ہاتھوں کو چومنے لگی تھی دوسری طرف سے دعا بھی بھاگ کر آئی تھی۔

"نور تم کہاں تھی اتنے سال ؟ تمہیں پتا ہے میں نے کتنا ڈھونڈا تمہیں مگر تم نہیں ملی آخر تم کہاں چلی گئی تھی"

دعا نے اس کے ماتھے کو چومتے ہوئے کہا تھا وہاں عبداللہ سے لیکر اسفند اور ذراج تک سب کی آنکھیں اشکبار تھی باقی سب نور سے پتا نہیں کیا کیا پوچھے جا رہے تھے مگر وہ ہاتھ جوڑے ایک ایک سے معافیاں مانگ رہی تھی۔

"اسفند تم بھی مجھے معاف کر دو میں نے تمہارا گھر توڑنے کی کوشش کی تمہیں تمہاری بیوی اور بچے سے الگ کرنے کی کوشش کی"

وہ آکسیجن ماسک اپنے منہ سے ہٹاتے ہوئے بولی تھی

"پلیز نور مجھے شرمندہ مت کرو یہ سب کہہ کر میں خود کونسا پارسا تھا میں نے بھی تو غلط کیا تھا اور معافی تو مجھے مانگنی چاہیئے کہ میں نے علی جاوید کے سامنے تمہارے وہ راز کھولے جن پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا تھا مجھے معاف کر دو نور ورنہ اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا پلیز میرا ضمیر مجھے سالوں سے ملامت کر رہا ہے اسی شرمندگی کے بوجھ تلے میں سالوں سے پڑا ہوں میں نے اللہ سے تمہارے ملنے کی بہت دعائیں کی ہیں پلیز مجھے معاف کر دو پلیز"

اسفند نے اس کے بیڈ کے قریب آتے ہوئے اس کے کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے. جس پر نور نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ سے اسکے جڑے ہاتھوں کو کھولا تھا

نور نے ان سب سے معافی مانگ لی تھی ذراج اسفند نے بھی نور سے اپنے کیے کی سزا مانگی تھی اب کمرے میں مکمل خاموشی تھی جب دعا نے اچانک عبداللہ کی جانب دیکھ کر پوچھا تھا

"آپ کون ہو بیٹا؟ اور نور آپ کو کیسے اور کہاں سے ملی؟"
دعا کے سوال پر عبداللہ بلکل خاموش تھا مگر نور نے اٹکتے اٹکتے دھیرے دھیرے سے ساری سچائی ان سب کے سامنے کھول کر دی آج تو ان کو جھٹکے پر جھٹکا لگ رہا تھا وہ سب اب آنکھیں پھاڑے عبداللہ کو دیکھ رہے تھے شدید حیرت سے نکل کر دعا عبداللہ کے قریب آئی تھی

"ت تم ن نور کے بیٹے ہو""ہاں تم نور ہی کے بیٹے ہو کیونکہ تم بلکل اسی کی طرح ہو"
اس کے ایک ایک نقش کو چھوتے ہوئے دعا نے کہا تھا اپنے دراز قد کی وجہ سے عبداللہ ان کے سامنے ہلکا سا جھکا ہوا تھا دعا نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر اس کے دونوں ہاتھوں کی پشت کو لبوں سے چھوا تھا

"مجھے معاف کر دو بیٹا ہم نے کبھی تمہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی ہمیں تو لگا تھا کہ...."

اس سے آگے دعا سے کچھ کہا نہیں گیا تھا اور وہ خاموش ہو گئی تھی

"مجھے پتا ہے آنٹی آپ کو لگا تھا کہ مجھے چیل کوے , کتے کھا چکے ہو نگے اور ایسا لگنا بھی چاہیئے تھا کیونکہ مجھ جیسے بچوں کو واقعی زندگی بہت کم ملتی ہے ہمیں چیل کوے کھا جاتے ہیں اور مجھے بھی بیس اکتوبر کی صبح کتے نوچ کر کھا چکے ہوتے اگر وہاں بابا نا آتے"

عبداللہ نے بولتے ہوئے احمد صاحب کی جانب اشارہ کیا تھا جو دروازے کے قریب ایک طرف کھڑے تھے

"امی جان اور بابا نے ہی مجھے پالا پوسا میری پرورش کی مجھے قرآن حافظ بنایا مجھے ایک اچھا انسان بنایا"

عبداللہ نے کہا تھا وہاں موجود سب کے لبوں پر اب ایک پراسرار سی مسکراہٹ تھی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"نور تم اتنے سال تھی کہاں؟"

"ہم نے کتنا ڈھونڈا تمہیں لیکن تمہارا کچھ پتا نا چل سکا"

یہ سوال ذراج کی طرف سے کیا گیا تھا اب یہ ایک الگ داستان تھی نور نے اپنی قید میں گزرنے والی زندگی کے بارے میں ان سب کو بتایا تھا جس پر وہ سب علی جاوید جیسے جھوٹے انسان پر آگ بگولہ ہو گئے تھے۔

"امی کون تھا یہ انسان مجھے بتائے میں اسے سزا دلوا کر رہوں گا وہ کون ہوتا تھا آپ کو سزا دینے والا"

عبداللہ کی غصے میں کہی گئی اس بات پر سب نے سر اثبات میں ہلا کر اس کی تائید کی تھی جبکہ نور تو لفظ امی پر ساکت نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی جو جواب کا انتظار کر رہا تھا

عبداللہ نے اپنے پولیس اسٹیشن میں خود کمپلین کروائی تھی اور نور کا بیان لکھوانے کے ساتھ ساتھ اس کے بیان کے وقت کی ویڈیو بھی بنائی تھی صبح سے دوپہر ہوگئی تھی اور وہ سب بھوکے پیٹ وہی بیٹھے تھے کبھی نور عبداللہ کا ہاتھ پکڑتی جو اس کے بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھا تھا, کبھی دعا آکر نور کا ماتھا چومتی تو کبھی انیلہ بیگم آکر اسکی دونوں آنکھوں کو چومتی ڈاکٹر نے ان سب کو کئی بار اس کمرے سے باہر جانے کو کہا مگر نور کسی کو بھی وہاں سے ملنے تک نہیں دے رہی تھی یہاں تک کے عصر کی آذان کے ساتھ اس کی طبعیت میں ایک بار پھر سے ہلچل ہونے لگی تھی اب اس سے بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"عبداللہ م میری جج جان ت تم ق قرآن حافظ ہ ہونا"

نور نے کی ہلکی سی آواز آئی تھی جسے بمشکل عبداللہ نے سنا تھا جواباً اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا

"م مجھے اا اپنی آواز م میں ت تلاوت س سناؤ"

نورنے کہا تھا

ماں کی فرمائش پر عبداللہ نے مؤدب انداز میں بیٹھتے ہوئے اپنی خوبصورت آواز میں سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کردی تھی وہاں موجود سب اس کی آواز کے سحر میں کھوئے حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے جو آنکھیں بند کیے پرسکون انداز میں تلاوت کر رہا تھا نور نے بھی گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے آنکھیں موندلی تھی باہر سے گزرتے ڈاکٹرز بھی اس خوبصورت انداز میں کی جانے والی تلاوت کو سننے ہسپتال کے اس کمرے میں آ گئے تھے اور اب سب ہی عبداللہ کی آواز میں سورۃ رحمٰن سن رہے تھے۔

"سورۃ رحمن کی تلاوت آدھی سے بھی زیادہ ہو چکی تھی جب نور کی آواز آئی تھی وہ زیرلب کلمہ شہادت پڑھ رہی تھی۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

کسی کو بھی اسکی آواز سنائی نہیں دی تھی سوائے عبداللہ کے اس کے بعد ایک ہچکی سنائی دی تھی
آخری ہچکی
موت کی ہچکی
اور مشین میں نظر آتی اسکی سانسوں کی ٹیڑھی میڑھی لکیر بلکل سیدھی ہو گئی تھی

صدق اللہ العظیم کہتے ہی عبداللہ لپک کر نور کے قریب ہوا تھا جس کا جسم سرد ہو چکا تھا اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا دعا اور انیلہ بیگم بھی بھاگ کر اسکے پاس آئیں تھی جو اتنی خاموشی سے چند سیکنڈز میں ان سب کو چھوڑ کر جا چکی تھی باقی سب بھی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو چکے تھے

وہاں موجود سب کی آنکھیں برس رہی تھی وہاں چیخ و پکار نہیں تھی کوئی بھی چیخ چیخ کر نہیں رو رہا تھا مگر سب خاموش آنسو بہا رہے ہے عبداللہ سے لے کر ذراج, کنول اور اسفند تک

عبداللہ نے جھک کر نور کی دونوں آنکھوں کو باری باری چوما اس کی اپنی آنکھوں سے آنسو نور کے چہرے پر گر رہے تھے

"اللہ پاک آپ دونوں کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کریں"
عبداللہ نے دعا دی تھی دونوں سے مراد یوسف اور نور تھے اس کے پیچھے ہوتے ہی انیلہ بیگم بے تابی سے نور پر جھکی تھی۔

"میری بیٹی میری غلط تربیت تمہیں کھا گئی میری غلط تربیت تمہاری ساری زندگی کھا گئی تمہیں قبر کے اندھیروں تک پہنچا گئی"

انیلہ بیگم نے آکسیجن ماسک اسکے چہرے سے ہٹاتے ہوئے اس کے ایک ایک نقش کو لبوں سے چھوتے ہوئے کہا تھا

ان کو پیچھے کرنے کے بعد دعا نے بھی نور کے ماتھے پر لب رکھ کر اسے دعائیں دی تھی جسکے مرنے کے بعد اب اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان تھی

ذراج نے آگے بڑھ کر ان سب کو پیچھے کیا تھا اور پھر نور نور کے چہرے کو اس سفید کپڑے سے ڈھک دیا تھا۔

اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ- فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ-وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ(۱۸۵)

ترجمہ :

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے

اسی دھوکے کے مال کے پیچھے بھاگ بھاگ کر ہم کتنے گناہ کر بیٹھتے ہیں اس بات کو یکسر بھلائے کہ ہمیں آخر جانا تو اپنے رب اپنے اللہ کے پاس ہے نا

- -

عدالتی کروائی ختم ہوچکی تھی آج علی جاوید کو دو ماہ بعد عدالت میں پیش کیا گیا تھا نور کو بیس سال قید میں رکھنے کے جرم میں نور نے اسے صحیح کہا تھا کہ اگر اسکے بیوی بچوں کو پتا چلنا ہوا تو نور کے وہاں سے نکلنے کے بعد بھی ان سب کو پتا چل جائے گا عبداللہ نے خود علی جاوید پر کیس کیا تھا نور کا بیان جو اسنے پولیس کو دیا تھا اور اس کا ویڈیو بیان دونوں عدالت میں پیسش کیے جا چکے تھے علی جاوید کی اپنے آپ کو بچانے کی ہر کوشش بے کار گئی تھی کیونکہ پہلی ہی پیشگی میں فیصلہ ہوچکا تھا جب جج نے کہا تھا۔

"تمام ثبوتوں اور گواہوں کے نتیجے میں یہ عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مرحومہ نورالہدیٰ کو بیس سال الیگلی اغواء کرکے قید میں رکھنے کے جرم میں ملزم علی جاوید کو تعزیرات پاکستان 365 کے تحت سات سال قید کی سزا سنائی جاتی ہے"

دعا اور عبداللہ نے سکون کا گہرا سانس لیا تھا علی جاوید نے اپنی بیوی اور بچوں کی طرف دیکھا تھا جنھوں نے ناراضگی سے موڑ لیا تھا پولیس نے آگے بڑھ کر اسے ہتھکڑیاں پہنائی تھی اور وہاں سے روانہ کردیا تھا

"اس سزا سے آپ کو پتا چلے گا کہ میری ماں نے اس قید میں کیا کچھ سہا تھا آپ کو اندازہ ہوگا کہ ساری دنیا سے کٹ کر رہنا کیسا ہوتا"

عدالت کے باہر دعا اور ذراج کے ساتھ چلتے ہوئے عبداللہ نے علی جاوید سے کہا تھا جسے پولیس لے کر جا رہی تھی

"اس نے بھی تو میرے ساتھ غلط کیا تھا گناہ کیا تھا اور اپنے بیٹے تک کو کچرے میں پھینکا تھا"

علی جاوید نے کمزور لہجے میں کہا تھا

"آپ کے ساتھ غلط کیا تھا آپ انہیں طلاق دے کر چھوڑ دیتے اور گناہ ثواب کا فیصلہ کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں اللہ موجود ہے ہر انسان کا فیصلہ کرنے والا اور جس بچے کی بات آپ کر رہے ہیں وہ میں ہوں ،میں معاف کر چکا ہوں اپنی ماں کو روزان کے لیے اپنے رب سے دعائیں مانگتا ہوں جب میں نے معاف کر دیا تو آپ کون ہوتے ہیں سزا دینے والے"

عبداللہ کی باتوں پر اسنے کچھ بھی کہے بنا نظریں جھکا لی تھی اور پولیس اسے وہاں سے لے گئی تھی۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"عبداللہ میری جان میرے ساتھ اپنی خالہ کے ساتھ چلو نا اب"

دعا نے عبداللہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا

"خالہ جان آپ فکر کیوں کرتی ہیں میں آپ سے ملنے آتا رہوں گا لیکن اتنے سال جب مجھے امی جان اور بابا کی ضرورت تھی اور انھوں نے مجھے اتنا پیار دیا مجھ سے اتنی محبت کی اب اس موڑ پر جب ان کو میری

ضرورت ہے میں ان کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا کیونکہ میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں اور اب تو ڈیجیٹل دور ہے روز فون کر کے گھنٹوں باتیں کیا کروں گا یہاں تک کہ آپ بھی تنگ آ جائیں گی"

عبداللہ کے شرارتی لہجے میں کہنے پر دعا اور ذراج دھیرے سے ہنسے تھے

"اور یاد ہے نہ ہفتے کو میرا نکاح ہے آپ سب نے ضرور آنا ہے میں اسفند انکل کو بھی انوئٹ کر چکا ہوں سب نے مل کر آنا ہے اور ان دونوں شیطانوں کو ضرور لے کر آئیے گا ورنہ ان کے بغیر مزہ نہیں آئے گا"

آخر میں اس کا اشارہ ادریس اور معاذ کی طرف تھا کل عبداللہ اور میرو کا نکاح ہونے والا تھا جس میں شرکت کے لیے وہ سب کو دعوت دے چکا تھا۔

"میرے شہزادے کا نکاح ہو گا اور میں نہیں آؤں گی ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا ہم سب آئیں گے اور ضرور آئیں گے"

دعا نے عبداللہ سے کہا تھا جس پر مسکراتے ہوئے اس نے دعا کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔

ساری زندگی آپ نے ہمیں نصیحتیں کی بابا اور خود ان پر عمل کرنا بھول گئے آپ کسی عورت کو آپ نے بیس سال قید میں رکھا اتنا بڑا ظلم "

محسن نے علی جاوید سے کہا تھا جو سلاخوں کے پیچھے نیم اندھیرے میں کھڑا تھا

"بیٹا مجھے اپنے غلطی کا احساس ہے اور یہاں سزا بھی بھگتنے کو تیار ہوں مگر تم سب مجھ سے ملنے آتے رہو گے نا"

علی جاوید نے زنیرہ اور اپنے دونوں بیٹوں سے کہا تھا

"ہم آئیں گے آپ سے ملنے ابھی چلتے ہیں اللہ حافظ "

نم آنکھوں سے کہتے ہوئے زنیرہ اپنے دونوں بیٹوں کا ہاتھ تھامے وہاں سے چل دی تھی۔

"علی جاوید آنکھوں میں آنسو لیے وہی اندھیرے میں بیٹھ گیا تھا اب اسی اندھیرے میں اسے سات سال رہنا تھا اپنی سزا بھگتنی تھی اس احساس, اس ڈر کو محسوس کرنا تھا جو نور سہہ چکی تھی۔

انسان جو کریں گا ایسی کا بدلہ ایسے ملے گا اچھا ہو یا برا عمل جن گناہوں کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے اوران سے معاشرہ یا دوسرے انسان متاثر نہیں ہوتے ان کا معاملہ یومِ حساب خالقِ حقیقی کی عدالت میں پیش کیا جائے گا لیکن وہ اعمال جن کے اثرات دوسرے لوگوں پر مرتب ہوتے ہیں میں نے انہیں دوسروں کو دکھ اور تکلیف دیتے ہیں یا ذلیل و خوار کرتے ہیں تو یقین رکھیے کہ آپ اس کا انجام اسی دنیا میں خود دیکھیں اور بھگتیں گے

اگر آپ اپنے والدین اور خونی رشتوں کے حقوق پامال کرتے ہیں تو یقین رکھیے کہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا اور آپ کی اولاد اور رشتے دار آپ سے ویسا ہی سلوک کریں گے۔جس کی مثالیں آپ نے قائم کی تھیں اگر آپ حکمران ہیں بہت زیادہ بااختیار اور طاقتور ہیں تو جو سلوک آپ اپنے مخالفین سے کررہے ہیں ویسا ہی سلوک اقتدار کا سورج ڈھلتے ہی آپ سے کیا جائے گا چاہے۔

ختم شدہ

- -